

کبھی تو کبھی دور دور کی

ایک آخری دن تم نگاہ اس نے آسمان پر ڈالی تھی، ماک الوداعی نگاہ۔ بس ابھی کچھ ہی دیر میں زمین اس کے ساتھ لے کر شہر کی حدود سے نکل جائے گی، اس شہر کی ہوائیں میں اس کی ماں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، باپ کی سہریاں پر چھائیاں تھیں۔



جنت جیسی زندگی کے نقشے تھے، یہ سب کچھ آج دور دور کیوں بہت پیچھے چھوڑ کر جا رہا تھا، ایک پل کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ اس زمین سے تازہ کر دیا جائے، اپنی جنت کو ڈھونڈنے چلا جائے مگر وہ ایسا نہیں کر سکا تھا، اس کے اندر باری کائنات سے بے پرواہ تیز رفتار زمین اب تھیں راسخیں راستوں کی سمت گامزن تھی۔

کمزوری سے پیچھے بھاگتے ماسٹر کو سمجھتے ہوئے اس کا کمزور، ناتواں وجود ضبط کی شدتوں سے لرزنے لگا تھا، وہ کہاں جا رہا ہے؟ یہ سچ کوئی سنی نہیں رکھتی تھی، وہ کیا کچھ چھوڑ کر جا رہا تھا؟ یہ شہر کس کے لیے مشکل تھا، زندگی کسی پرہیزگار نہیں کرتی، وہ تو بس مجبور کرنا چاہتی ہے تو پھر اس کے لیے اس آنسوؤں پر وہ کیسے مکمل کتنی تھی؟

مجبور ابھی کسی دوسرے کچھ کرنا پڑتا ہے جس کے لیے زندگی مجبور کرتی ہے، دوسرے کچھ جو زندگی چھیننا چاہتی ہے اس سے دستبردار ہونا ہی پڑتا ہے، پھر زندگی نے کوئی پہلی بار تو اسے مجبور اور لاچار نہیں کیا تھا، اسے تو اب عادت ہو جاتی چاہیے تھی پہلی بار تو اس کے ہاتھ خالی نہیں ہوئے تھے، پہلے اپنے شفیق باپ کے لیے، پھر ماں کی لٹری چھانچوں سے اور



اب اپنے شہر سے بھی وہ دستبردار ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔

مہر مہر کھلی سسکیوں کے ساتھ اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں سے بہتے درد کو روکنے کی کوشش کی تھی، دلچسپ ہی ایک بے شفقت ہاتھ کا لمس اس کے سر پر آ ٹھہرا تھا، گردن موڑ کر اس نے حسد لانی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا اور پھر بے اختیار ان کے مہربان سینے میں اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔

☆.....☆

آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس نے کھلتے دروازے کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اٹھ بیٹھی تھی، فاطمہ نے اس کی تیاریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کھانے کی ٹرے سامنے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

”میں یہ کھا نہیں کھاؤں گی، اور جب تک نہیں کھاؤں گی، جب تک وہ یہاں سے نہیں چلا جاتا، جسے اٹھا کر لے آئے ہیں میرے سر پر“۔ وہ چیختی تھی۔

”کیوں میرا بندہ دلچاہے تم نے اس معصوم سے، کیوں یہ سب کر رہی ہو؟“ فاطمہ عاجز آتی تھیں۔

”سب جانتی ہیں آپ، مجھ سے کیا پوچھ رہی ہیں، اس کو اس گھر سے نکالیں، میں اپنے گھر میں کسی کی حصہ داری برداشت نہیں کروں گی، میں اپنی جگہ کسی کو نہیں لینے دوں گی۔“

”ایسا کیوں سوچ رہی ہو، تم ہماری اولاد ہو، کوئی کیسے تمہاری جگہ تم سے جھین سکتا ہے؟“ فاطمہ سمجھانے والے انداز میں بولی تھیں۔

”کسی قیم کو سہارا دینا، اس کے سر پر ہاتھ رکھنا اللہ کو پسند ہے، اور پھر وہ تو ہمارا اپنا خون ہے، یہ سب کر کے تم اللہ کو ناراض کرنا چاہتی ہو؟ اپنے باپ کا دل توڑنا چاہتی ہو وہ پہلے ہی تکلیف میں ہیں، کیا تم نہیں جانتیں؟“

”آپ کے یہ نام نہاد خونی رشتے زہر گھلتے ہیں مجھے، میں کون پوچھتا ہے آکر؟ پھر بھی بابا کو ان کی پرواہ دینی ہے۔“ شدید ناگواری سے بولتی وہ ایک دم خاموش ہوئی تھی، کمرے میں داخل ہوتے احمد حسین نے ایک نظر میں ہی بیٹی کے بگڑے تاثرات بھانپ لیے تھے، وہ دونوں سے گھر کے ماحول پر طاری تھی سے وہ انجان نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ

آہستہ آہستہ وہ اس تبدیلی کو قبول کر لے گی، مگر ایسا ممکن ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا، وہ دونوں پہلے سرگودھا سے واپس آتے ہوئے اگر انہیں فکر لاحق تھی تو صرف اپنی بیٹی کی، اس کی خود مر اور ضدی طبیعت سے وہ واقف تھے۔

”خرمن! کیا پریشانی ہے تمہیں؟ مجھ سے کہو!“ اس کے سر پر ہاتھ رکھنے وہ سوال کر رہے تھے۔

”آپ اور اسی صرف میرے لیے ہیں، آپ دونوں کی محبت میں، میں کسی کی شراکت داری برداشت نہیں کر سکتی، نہیں اچھا لگتا مجھے وہ جسے آپ اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں، بات ایک دو دن کی بھی نہیں ہے، میں نہیں رہنے دوں گے اسے اپنے گھر میں۔“ باپ کے سامنے بھی اس کے تیرا قابو میں نہیں رہے تھے۔

”خرمن! کس طرح بات کر رہی ہو؟“ اس کے لہجے پر فاطمہ نے اسے ٹوکا تھا، مگر احمد حسین کے اشارے پر مزید کچھ نہیں بول سکی تھیں۔

”خرمن! تم جانتی ہو، وہ میری ایک ہی بہن تھی، میرا ہر رشتہ دار تمہارے لیے نرا ہوسکتا ہے، مگر میری بہن نے تم سے بہت محبت کی ہے، تم گواہ ہو اس کی محبت کی، بیوہ ہونے کے بعد بھی اس نے کبھی مجھ سے کسی مدد کا سوال نہیں کیا زندگی میں

اس نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں مانگا تھا، مگر مانگا بھی تو کب، اپنی زندگی کے آخری دنوں میں، وہ بھی صرف اتنا کہ میں اس کی اولاد کو اپنی سرپرستی میں لے لوں، اپنی اولاد کے لیے اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کے بجائے صرف مجھ پر بھروسہ کیا وہ بھی جانتی تھی کہ اس کام کے لیے میرے علاوہ سب قدم پیچھے ہٹاؤں گے، وہ مجھ پر اتنا حق رکھتی تھی کہ اس کے بعد میں اس کی اولاد کو درپاز نہ ہونے دوں، اگر میں ایسا نہ کر سکوں تو قیامت کے دن اسے کیا جواب دوں گا؟“ احمد حسین شدید حاسہ لہجے میں بول رہے تھے۔

”اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ اس کی اولاد کے یہاں آ جانے سے تمہاری حق تلفی ہوگی، تو یہ بہت تکلیف دینے والی بات سوچنی ہے تم نے، تمہاری جگہ کوئی کیسے لے سکتا ہے بتاؤ مجھے؟“ وہ اس سے پوچھ رہے تھے جو سنے ہوئے تاثرات کے ساتھ بیٹھی تھی۔

”کیا تم جانتی ہو کہ قیامت کے دن تمہارا باپ شرمندہ ہو، گنہگار ٹھہرا لیا جائے، کیا تم یہ چاہو گی کہ میں بھی سب کی طرح خود غرض بن کر اپنے فرض سے نظریں پٹروں؟ یہ الزام اپنے سر لے لوں کہ میں اپنی مرحوم بہن کی نشانی کو اپنے گھر میں سنبھال کر نہیں رکھ سکا؟“ ان کے سوال پر خرمن نے انہیں دیکھا تھا، ان کے چہرے پر وہی اذیت ناک تاثرات پہلے تھے جو دو دن پہلے بھی وہ دیکھ چکی تھی، جب وہ اپنی بہن کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچا کر واپس آئے تھے، پہلی بار خرمن نے انہیں روکتے دیکھا تھا، اپنے باپ کو اذیت میں دیکھنا اس وقت بھی اس کی برداشت سے باہر تھا۔

”تم اسے اپنا چھوٹا بھائی اور دوست سمجھ کر توجہ دو، وہ خود تمہارا دُرا سہا ہے، وہ کیا کسی سے کچھ جھین سکے گا؟ تم مثبت انداز میں سوچو کہ اللہ نے اس کی صورت میں تمہاری تنہائی بھی دور کر دی ہے، اگر اس کی جگہ تمہارا کوئی اپنا حقیقی بھائی یا کوئی بہن ہوتی، کیا تب بھی تم اس سے اسی طرح بیزار ہوتیں؟“ ان کے سوال پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

”میں زبردستی اسے تم پر مسلط نہیں کروں گا، بے شک وہ میری عزیز بہن کی نشانی ہے، مگر تم بھی میری اولاد ہو، مجھے تمہاری خوشی بھی عزیز ہے، میں کل ہی اس کے رہنے کا بندوبست نہیں اور کروں گا، مگر تم اس طرح کھانے سے بار بار انکار مت کرو، تم خوش نہیں ہوگی، تو میں یا تمہاری ماں کیسے خوش رہ سکتے ہیں؟ اس گھر کی خوشیاں تمہارے دم سے ہیں، اب تم کھانا کھا لو ورنہ آج کا دن اور اسے اس گھر میں برداشت کر لو۔“ ان کے بیچے لہجے پر خرمن نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

”بابا! آپ اسے اچھی طرح سمجھا دیجئے گا کہ اگر اسے اس گھر میں رہنا ہے تو ہم سب کا فرما میرا وارث کر رہنا ہوگا۔“

اس کے رونے روٹنے لہجے پر احمد حسین ایک پل کے لیے بے یقین ہوئے تھے، مگر اگلے ہی پل فاطمہ کی طرح انہوں نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔

”میں اسے یہ بات ضرور سمجھا دوں گا۔“ اس کے سر کو چومتے ہوئے احمد حسین کو کوئی بوجھ سینے سے سرکنا محسوس ہوا تھا۔

☆.....☆

رات کی سیاہ چادر اور خاموشی وسیع و عریض محن میں بھٹی ہوئی تھی، سر کے نیچے ہاتھوں کا تکیہ بنائے وہ چپت لینا آسمان کو نکد رہا تھا، جہاں بے شمار ستارے ٹھہرا رہے تھے، آدھے چاند کی مدھم روشنی میں وہ موتی بھی چمک رہے تھے، جو اس کی

☆.....☆

☆.....☆

☆.....☆

آکھوں کے کناروں سے پھلتے چارہ تھے، اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا مانی مال کا چہرہ اس کی آواز دہناتا چھوڑا سا گھر اور اس کا سکون، اس کے پاس کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا، وہ ابھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں تھا، اپنی ماں کی آخری خواہش کے مطابق اسے احمد حسین کے گھر اور یہاں آنا پڑا تھا، اس کے دل میں بہت سے غمناک تھے، نیا شہر، نئے لوگ، نیا ماحول، زندگی کا یہ رخ کتنا نیا تھا اس کا اندازہ صحیح محسوس نہیں آ رہا تھا، احمد حسین اور قاطر بہت خیال رکھتے تھے، احمد حسین نے ہمیشہ اس کی اور اس کی ماں کی خیر خبر رکھی تھی، اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح وہ لائق بھی نہیں رہے تھے، شوق وہ اس کے لیے پہلے بھی تھے اور اب پہلے سے بھی زیادہ، مگر اس گھر میں ایک جیسی لکڑی تھی جو اسے اندر تک سہا کر رکھ دیتی تھی، اس کی نظروں میں وہ اپنے لیے پچھلے دو محسوساتوں سے مسلسل چمک آ میرا ثرات ہی دیکھتا آ رہا تھا، وہ کم عمر تھا، کم عمل نہیں، عزت نفس کیا ہوتی ہے، وہ جانتا تھا، اسے محل محسوس تھا کہ خرم کو اس گھر میں اس کا رہنا پسند ہے، صلب بار بار اپنی عزت نفس کو کھل کر سب کچھ برداشت کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

کچھ چونک کر اس نے اپنے لیے سر گھما کر دیکھا تھا، وہ کچن کی سمت جاتی نظر آئی تھی، یک دم اسے احساس ہوا تھا کہ یہ اس سے ملتی ہو کر رہا ہے، تنہا کچن کی طرف جاتے ہوئے وہ جھجک رہا تھا، مگر اب خرم کو وہاں جاتے دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا تھا، ایک نظر اس نے قریب ہی دوسری چار پائی پر سوائے ہوئے احمد حسین کو دیکھا تھا اور پھر دوسری رفتار سے محکم ہو کر کچن کی سمت بڑھ گیا تھا۔ چائے کا پانی چوبلیے پر رکھتی وہ چونک کر اس کی جانب مچلی تھی، جو دلہیز پر زکا ہوا تھا، یہ سرخیاں سرخ سا سکیں شکل والا اسے شدید کوفت میں مبتلا کر دیتا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ چٹائی تک دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹے دوڑ کر پوچھ رہی تھی۔

”وہ۔۔۔ پانی!“ وہ ہکا کر رہ گیا تھا۔

”تو کیا کروں، پانی کا گلاس تمہیں پیش کروں یا اپنے ہاتھوں سے پلاؤں؟“ احمد چہرے پر حیرت اور بھڑک کر رہی تھی، دوسری جانب وہ اتارے چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

”اب میری شکل کیا دیکھ رہے ہو، جا کر لے لو پانی“ بھڑکنے والے انداز میں اس نے جس طرح فریاد کی کہ اسے اندازہ کیا تھا ایک پلی کو دل چاہا کہ کھینچ لیا جائے، مگر وہ یہ سمجھتی بھی نہ کر سکا تھا کہ جتنا غصہ خرم کی فریاد کی سمت بڑھ گیا تھا، جب تک وہ پانی پی کر کچن سے نکلتی تھی خرم اس پر نظر رکھ دیتے مگر وہی نہ تھی۔

گلے پر سر رکھتے ہوئے ایک بار پھر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں، آنکھیں بند کر کے اس نے اپنی ماں کے مہربان چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

☆ ☆ ☆

گرم چائے کنگ سے افسی بھاپ پر نظر جمائے وہ احمد حسین کو نہ رہا تھا، جو کہہ رہے تھے۔

”میں نہیں چاہتا کہ تمہارا یہ سال ضائع ہو، تمہارے ساتھ والے گھر میں مضاف صاحب ہیں وہ جس کاغذ میں پروفیسر ہیں، میں وہیں تمہارا ایڈمیشن کروا رہا ہوں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تمہارے ایڈمیشن میں کچھ مشکل ہوگی، کیونکہ تم کافی لیٹ ہو گئے ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کاغذ میں ان کا بیٹا بھی ہے، اس کا بھی تمہاری طرح کاغذ میں پہلا سال ہے، وہ تمہارے ساتھ ہوگا تو مجھے بھی اطمینان رہے گا اور تمہیں بھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی، میں نے مکتب سے کہہ دیا ہے، ہو سکتا

ہے کہ وہ آج تم سے ملنے آئے، وہ بہت اچھا لڑکا ہے، پڑھائی میں اس سے تمہیں بہت مدد مل سکتی ہے۔“ وہ تفصیل سے اسے بتا رہے تھے جب باہر سے تین بھائیوں کی آواز ابھری تھی، گردن موڑ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، جو سفید لٹاکارے سر پر چٹائی جلیت میں کمرے سے نکلتی تھی۔

”خرم کا کاغذ میں دوسرا سال ہے، تم اس سے بھی اپنی پڑھائی کے خوالے سے مشورہ لے سکتے ہو۔“ احمد حسین حیرت سے بولے تھے، اس دوران خرم اپنا ٹیک لور کتا میں سنبھالتی تخت کی سمت آئی تھی، اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے احمد حسین نے اس کے لٹاکارے میں پیسے کر کو سر دیا تھا، جو ان کی طرف مچلی تھی، درود مع دوڑے اسے اسٹاک سے یہ سحر دیکھا کرتا تھا، احمد حسین اس سے کچھ کہتے ہوئے اب جب سے روپے نکال رہے تھے۔

”میں اتنے روپے کافی ہیں، خدا حافظ!“ کچھ فٹ اٹھیں واپس کرتی وہ جلیت میں گیت کی سمت تقریباً بھاگی تھی، جبکہ قاطر دروازے تک معمول کی طرح اس کے پیچھے گئی تھیں۔ احمد حسین کے بھی گھر سے رخصت ہو جانے کے بعد عجیب سی خاموشی برسرِ مست پھیل گئی تھی، کچھ دیر تک وہ قاطر کو کویاری میں گڈی کرتے دیکھتا رہا تھا، مگر پھر خود بھی کھڑی ہوا تھا کہ ان کے قریب آ بیٹھا تھا۔

”تم یہاں خود کو کتنا محسوس کرتے ہو؟“ بلی کی سکرابٹ کے ساتھ قاطر نے اس کے مصمم چہرے کو دیکھا تھا، جو بس فٹی میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

”تم مجھ سے تو باتیں کیا کرو، تمہاں تم کیوں بولتے ہو؟“ ان کے سوال پر وہ کچھ جھنجھپ گیا تھا۔

”آپ ان پوروں کا بہت خیال رکھتی ہیں، یہ اچھے لگتے ہیں آپ کو؟“ وہ بولا تھا۔

”ہاں، یہ مجھے اچھے لگتے ہیں، ماں کے ساتھ میرا وقت اچھا گزر جاتا ہے، تم نے دیکھا ہے کہ تمہارے ماموں دکان پر چلے جاتے ہیں اور خرم اپنے کاغذ، باب تم بھی کاغذ جاتا شروع کر دے تو میں پھر گھر میں قہار چلیا کر رہی گی۔“

”میں کاغذ سے آ کر گھر میں آپ کے ساتھ رہوں گا، آپ سے باتیں کیا کروں گا۔“ اس کی بے ساختہ اس بھڑکی پر قاطر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور لگے ہی پلٹی تھی، جبکہ وہ ایک بار پھر جھنجھپ گیا تھا۔

”تم اتنی باریک بینی کرتے ہو، مایہ لے لیتا کم بولتے ہو۔“ وہ بولی تھیں۔

قاطر کی جدیت کے مطابق اس نے بہت احتیاط سے پوروں کو پانی دیا تھا، بائپ ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے قاطر کو دیکھا تھا، جو پانی سے بھری بائپ اٹھائے بیڑیوں کی طرف جاری تھیں، سرعت سے ان کی مدد کے لیے وہ پیچھے گیا تھا۔

”کم یہاں کیوں آئے ہیں؟“ وسیع سمیت پر نظریں دوڑاتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

”یہاں خرم نے کچھ اور مریضیاں پال رکھی ہیں، بیٹروں کی مصالحتی کے لیے مجھے یہاں آنا پڑتا ہے۔“ قاطر بتا رہی تھیں، جبکہ خود بھی دیکھ رہا تھا، بڑے بڑے بیٹروں میں کچھ اور مریضوں کی تعداد اب بھی نامی تھی، قاطر کے ساتھ بیٹروں کی مصالحتی کرتے ہوئے وہ آج پہلی بار ان سے بلا جھجک باتیں کر رہا تھا۔

”میں نے ایک بار کچھ پالے تھے، مگر پھر ان کو زکوٰۃ کر دیا۔“ پانی بیٹرے کے فرش پر ڈالتے ہوئے وہ ان سے مخاطب تھا، جو بھڑاؤ سے بیٹرے کو صاف کرتی جاری تھیں۔

"تم نے انہیں آزاد کیوں کر دیا؟"

"مجھے ان پر رحم آتا تھا، یہ پرندے تو آسمان پر اڑنے کے لیے ہوتے ہیں، مجھے بنجروں میں قید پرندے اچھے نہیں لگتے۔" وہ سوداگی سے بولا تھا۔

"بہت اچھی بات ہے، مگر تم ان کیوتروں کو آزاد کرنے کے بارے میں مت سوچنا، یہ خرمن کے چیتے اور اس سے مانوس ہیں، ایک بھی غائب ہوا تو وہ پورا گھر لٹ و دے گی۔" فاطمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، ہدایت کے مطابق اس نے پانی اور بارے سے بھرے برتن وسط میں رکھ دیئے تھے اور بڑی دلچسپی سے ان سفید براق کیوتروں کو دیکھنے لگا تھا، جو غمرغور کرتے برتنوں کے گرد جمع ہوتے جا رہے تھے۔ فاطمہ نیچے جا چکی تھیں، کافی دیر بعد وہ بھی کیوتروں کو واپس بنجرے میں بھیج کر چھت سے نیچے اتر آیا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے یہ گرتا سیاہ، مجھے کرتے بہت پسند ہیں، مگر کوئی پسینہ والا اچھا تھا ہی نہیں، اب تم ہوتو میں نے یہ تمہارے لیے سیاہ، ادھر آؤ، میں ذرا ٹاپ کر دیکھوں، تمہیں چھوٹا نہ پڑ جائے۔" اس کے شانوں سے ٹکراتا لگاتے ہوئے فاطمہ نے لمبائی چپک کی تھی اور مطمئن ہو گئی تھیں۔

"تمہیں یہ گرتا پسند آیا؟" فاطمہ کے سوال پر اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"تو پھر جاؤ، ابھی نہا کر اسے پکین لو، چھت پر تیز دھوپ میں پسینہ پسینہ ہو گئے ہو۔" ان کی پُر شفقت تائید پر اس نے عمل کیا تھا۔

اس وقت وہ دو پہر کا کھانا بنانے میں مصروف تھیں، جب مدھم آواز پر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں اور اگلے ہی بل مسکرائی تھیں، سفید گرتا شلوار اس کی صاف رنگت پر بہت متوجہ رہا تھا۔

"تم بہت اچھے لگ رہے ہو، اس کرتے میں۔" ان کی تحریف پر وہ جھینپ سا گیا تھا۔

"مائی امیں باہر جاؤں، ابھی واپس آ جاؤں گا۔" وہ اجازت مانگ رہا تھا۔

"ہاں ضرور جاؤ، مگر دھیان رکھنا، زیادہ دور مت جانا۔" فاطمہ کی تاکید پر وہ اثبات میں سر ہلاتا کچن سے نکل گیا تھا۔
باہر آ کر اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا تھا، چند لمحوں تک وہیں ٹکاوہ کر دکھا، جازہ لیتا رہا تھا، پھر آگے بڑھا تھا، مگر ابھی اس نے چند قدم ہی آگے بڑھا تھے، جب ساتھ والے گھر کا دروازہ جھٹکے دار آواز کے ساتھ کھلا تھا، اگلے ہی بل وہ لڑکا گرنے والے انداز میں لڑکھاتا ہوا اس کی سمت آ رہا تھا، جیسے کسی نے اسے گروں سے پکڑ کر باہر کھلیا ہو، اس اچانک افتاد پر وہ جو حیران کھڑا تھا، ایک طرف ہنسنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا، وہ لڑکا اس سے ٹکراتے ہوئے اسے ساتھ ہی لیتا زمین پوس ہوا تھا۔

"جب تک تمہارا باپ گھر میں نہیں آ جاتا، تم گھر میں قدم مت رکھنا۔" وہ خاتون شدیدہ سے میں چلانے کے بعد دھڑا سے دروازہ بند کر گئی تھیں، شدیدہ ناگوارگی سے اس لڑکے کو دیکھتا ہوا اپنا گرتا جھانپتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"معاف کرنا یا ر! تمہیں کہیں چوٹ وغیرہ تو نہیں لگی؟" وہ لڑکا خیالت کے ساتھ پوچھ رہا تھا، جواباً وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"تم اچھا لکھ کے گھر آئے ہو؟ میں نے تمہیں پہچان لیا، میرا نام عثمان ہے۔" بے تکلفی سے بولتے ہوئے وہ مصافحہ

کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھا چکا تھا۔

"میں عارش ہوں۔" وہ ہلکی سی جھجک کے ساتھ بتا رہا تھا۔

"انگل نے مجھ سے تمہارا ذکر کیا تھا، میں آج تم سے ملنے آتا ہوں، کہیں جا رہے ہو؟" عثمان نے پوچھا تھا۔

"نہیں، میں بس ایسے ہی باہر آ گیا تھا۔" عارش نے کہا تھا۔

"یہ تمہاری امی تھیں؟" اس نے عثمان سے سوال کیا تھا۔

"ہاں، اور میرے لڑکا آخری اخیر بھی۔" عثمان بے ساختہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"انہوں نے تمہیں گھر سے نکال دیا ہے؟" عارش کی تشویش نے اس کی ہنسی کو مزید بڑھا دیا تھا۔

"فکرت کرو، مہینے کے تیس دنوں میں چھتیس بار وہ مجھے گھر سے نکال دیتی ہیں، ان کا خیال ہے کہ مجھے دنیا میں لا کر انہوں نے خود کو خدا اب میں جٹا کر دیا ہے۔" عثمان کی ہنسی سے ہنستے ہوئے وہ بتا رہا تھا

"ویسے میں نے پہلے کبھی تمہیں یہاں نہیں دیکھا، تم پہلی بار اس شہر میں آئے ہو؟" عثمان نے پوچھا تھا، جواباً اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اس کا مطلب ہے، یہاں ایڈجسٹ ہونے کے لیے تمہیں کافی وقت چاہیے۔" عثمان کی بات پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہا تھا۔

"مگر مجھے نہیں لگتا کہ کافی وقت گزرنے کے بعد بھی میں اپنے شہر کو بھول پاؤں گا۔" وہ افسردہ لہجے میں بولا تھا۔

"میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی بات کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اب ہم اچھے دوست بن جائیں گے۔" عثمان کی دلجوئی پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا، عثمان کی بے تکلفی اور خوش مزاجی نے اسے متاثر کیا تھا، اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وقت بہت اچھا گزرا تھا، گھر سے کچھ فاصلے پر وہ عثمان سے اپنے subjects پر تبادلہ خیال کر رہا تھا، جب کالج وین پر اس کی نظر پڑی تھی، ان دونوں پر نظر پڑنے ہی خرمن کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات واضح نظر آئے تھے۔

"سلام آستانی تی!؟" اس کے قریب آتے ہی عثمان نے کافی شوشی سے سلام دیا تھا، مگر خرمن بالکل نظر انداز کیے

عارش کی طرف متوجہ تھی۔

"تم اس کے ساتھ گھر سے باہر کیوں کھڑے ہو؟ ایسے لنگھوں سے دوستیاں بڑھاؤ گے تو دھکے مار کر اپنے گھر سے نکال دوں گی۔" عثمان کے سامنے اس تامل پر عارش کا چہرہ سرخ ہوا تھا، جبکہ وہ اسے گھر آنے کا حکم دیتی گردن اٹھائے آگے بڑھتی تھی اور عثمان کی زکی ہنسی اہل پڑی تھی۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" عثمان نے اسے روکا تھا جو خرمن کے پیچھے جا رہا تھا۔

"جا رہا ہوں اور نہ وہ اور غصہ کریں گی۔" وہ نیچے انداز میں بولا تھا۔

"تم آستانی سے ڈرتے ہو؟" عثمان حیرت سے اسے دیکھ کر بڑسا تھا۔

"تم انہیں آستانی کیوں کہتے ہو؟"

"یار! اس نے مجھے قرآن پڑھایا ہے۔" عثمان کے انکشاف پر وہ حیران ہوا تھا۔

”استانی نے بہت تواضع کی ہے میری، ڈاؤنڈا ذکر ملانے پر مارے ہیں مجھے اس نے۔“ عثمان بڑے فخر سے بتا رہا تھا۔

”وہ جواب بھی تم سے ناراض لگ رہی تھی، تمہارے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔“ عارش نے کہا تھا۔
 ”یہ ایسی ہی ہے، ناک پر پھٹی نہیں بیٹھتی، میری شکل دیکھ کر ہی اس کا پارہ چڑھ جاتا ہے، کسی دن اس کی وجہ بھی بتاؤں گا، ابھی تم گھر جاؤ، ورنہ استانی میرا قصہ بھی تم پر اتار دے گی، مگر شام کو طیس کے، میں انتظار کروں گا، میں اگر تمہارے گھر میں گھسنا تو استانی میری منی پلید کر دے گی۔“ عثمان کی ہدایت پر وہ جاتے جاتے ڈکا تھا۔
 ”تم اب کہاں جاؤ گے، تمہاری امی تو تمہیں گھر میں داخل نہیں ہونے دیں گی؟“ عارش کو اس کی فکر ہوئی تھی۔
 ”مگر گھر میں کوونے سے تو نہیں روک سکتیں، تم دیکھو ذرا۔“ حرے سے بولتا عثمان اپنے گھر کے گیٹ تک پہنچا تھا، اور پلک جھپکتے ہی قد آدم سائز کے آگنی گیٹ پر چڑھا گھر کے اندر کود گیا تھا، اس پر رشک کرتے ہوئے عارش نے بھی گھر کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

”بات سنو! تمہیں کس نے اجازت دی اس سے دوستی بڑھا دے کی؟“ اس کے گھر میں آتے ہی وہ پھٹکارتی ہوئی سر پر آئی تھی۔

”ماموں جان نے مجھے اس سے ملنے کے لیے کہا تھا، میرا ایڈمیشن اس کے کالج میں ہو گا تو اس لیے۔“ وہ ہنسنے لگا۔
 ہی بول رہا تھا کہ سر سے ہر تک وہ کڑی نظر اس پر دوڑا رہی تھی۔
 ”ٹھیک ہے، لیکن اگر تم نے اس سے دوستی کرنے کا ارادہ بھی کیا تو تمہارے ٹکٹ کنواؤں کی واپس سر کو دھا جانے کے۔“ سخت لہجہ میں تاکید کرتی وہ سامنے سے ہٹ گئی تھی، مگر عارش کو معلوم تھا کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکے گا۔

☆ ☆ ☆

اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس شہر میں آنا اس کی زندگی کا ٹرنک پوائنٹ ثابت ہوا تھا، تو کالج کا آغاز بھی اس کی زندگی کا ایک اہم موڑ دے گیا تھا، احمد حسین اس کے لیے بہترین رہنما اور مددگار ثابت ہوئے تھے، وقت کے ساتھ ساتھ اسے احساس ہوا تھا کہ اگر احمد حسین اور فاطمہ کی زندگی میں نہ ہو تو وہ خود کہاں ہوتا؟

احمد حسین کے لیے احترام ان سے رشتے داری کی نسبت سے جو تھا وہ اپنی جگہ مگر اب ان کے لیے اس کے بدل میں کچھ اور محبت اور احساسات کے جذبے بیدار ہو چکے تھے، وہ ان کے قریب رہنا چاہتا تھا کہ وہ اس کے لیے ایک مضبوط سائبان تھے، احمد حسین نے اس سے جو امیدیں باندھ لی تھیں، وہ ہر حال میں انہیں پورا کرنے کا عزم رکھتا تھا، انہیں نے اسے اعتبار اور یقین دیا تھا، اتنا کہ وہ اپنا ہر مسئلہ، ہر بات ان سے شیئر کر لیتا تھا، اگر کچھ بچپانہ تھی بھی تو وقت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

حیرت سے وہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، جو چار چار گلے سنہائے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔
 ”یہ اتنے سارے پودے کہاں سے اُٹھائے ہو؟“ فاطمہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔
 ”آپ کو پتہ چلی کے پھول پسند ہیں اور یہ سارے پودے اسی کے ہیں، یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔“ عارش بول رہا تھا۔

تھا جبکہ فاطمہ نے حسرت سے اس کے چہرے سے پھوٹی خوشی کو دیکھا تھا، عثمان کے ساتھ مل کر گلے ترتیب سے رکھتے ہوئے اس کی نظر برآمدے تک لگی تھی، جگہ آہستہ رنگ کا اسکارف سر پر لپیٹے دو وہاں کھڑی تھی، اسکارف اس کا ٹریڈ مارک ہوا کرتے تھے، عارش نے اسے اب تک اسکارف کے بغیر نہیں دیکھا تھا اور بہت کم ہی دوپٹے بھی کوئی چیز اس کے شانوں پر لٹھی تھی، حالانکہ اکثر اس نے فاطمہ کو اس چیز کے لیے خرین کوٹنے دیکھا تھا، اس وقت بھی وہ دوپٹے جیسی کسی بھی چیز سے عاری تھی، بلکی ہی ناگواری کا احساس عارش کو پہلی بار ہوا تھا کہ اس وقت عثمان بھی گھر میں موجود تھا اور کسی بھی وقت خرین کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا، ویسے بھی عثمان کو تو بس موقع چاہیے ہوتا تھا، خرین سے عکرار کرنے کے لیے، عثمان کو ڈانٹتے ہوئے وہ ڈوٹو تراش پر بھی اتر آتی تھی، اس وقت عارش کو یہ بھی دھڑکا تھا کہ عثمان کی موجودگی پر وہ یقیناً کوئی چیز دیکھ کر کے اسے گھر سے جانے کا فرمان جاری کرے گی، مگر شکر تھا کہ وہ گھر میں ہوتی کارروائی کو چند لمحوں تک دیکھنے کے بعد خاموشی سے اندر چلی گئی تھی۔ عثمان کے جاتے ہی وہ کچن کی سمت آیا تھا۔

”تمہیں بھوک لگی ہے؟“ فاطمہ کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
 ”جھوٹ۔“ ان کی خوشکسیں نظر پر وہ مسکرایا تھا۔

”بہت چلتا پڑا تھا زسری میں، آج کانٹ میں کینٹین جانے کا وقت بھی نہیں ملا۔“

”تو کس نے کہا تھا کانٹ سے سیدھے زسری چلے جاؤ؟“ فاطمہ نے ڈپٹا تھا۔

”کانٹ سے قریب جو ہے زسری۔“ ساڈی سے بولتے ہوئے وہ فریج کی سمت بڑھا تھا۔

”مائی! آپ کھلتی نہیں ہیں؟ میں آپ کو ہر وقت کوئی نیکی کام کرتے دیکھتا ہوں۔“

”مجھے عادت ہے، کچھ نہ کچھ کام کرتے رہنے کی۔“ وہ مسکرائی تھیں۔

”مگر آپ کو بھی تو آرام سے بیٹھنا چاہیے، اس طرح تو آپ بیمار ہو جائیں گی۔“ وہ تشویش سے بولا تھا۔

”ٹھیک ہے، اب میرا بیٹا میری اتنی فکر کر رہا ہے تو میں اس کی بات ضرور مانوں گی اور کام کے ساتھ ساتھ آرام بھی کیا کروں گی۔“ فاطمہ کے بڑھشت لہجہ پر وہ مسکرایا تھا۔

”عثمان کیوں چلا گیا، میں نے اس سے کہا تھا کہ کھانا کھا کر جائے۔“ فاطمہ کو یاد آیا تھا۔

”اس کی امی نے اسے آواز دی تھی تو وہ چلا گیا۔“ عارش نے بتایا تھا۔

”مائی! آپ کو پتا ہے، عثمان ابھی تک اپنی امی سے مار کھاتا ہے۔“ وہ حرے سے بتا رہا تھا۔

”تو کیا کرے اس کی بے چاری ماں؟ یہ عثمان شروع سے ہی بلا کا شرارتی ہے، اب بھی ماں باپ کے ناک میں دم بیکر رکھتا ہے، مگر میں سب سے چھوٹا ہے، سب سے لاڈ اٹھواتے اٹھواتے یہ شکر کر لیا اپنا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

”مائی! بہت بھوک لگی ہے، کتنا وقت لگے گا؟“ اسے بھر بھوک یاد آئی تھی۔

”بس کھانا تیار ہے، تم جلدی سے کپڑے بدل کر ہاتھ دھو آؤ، تب تک میں دسر خوان لگاتی ہوں۔“ ان کی تاکید پر وہ بالی گاس نچل پر کھٹا کچن سے نکل گیا تھا۔

دروازہ کھول کر اس نے ازلی ناگواری سے عارش کو دیکھا تھا، جو نظر جھکائے اندر داخل ہوا تھا۔
 ”ایسا کون سا ضروری کام تھا جو دیکھنے لگا کرواپس آ رہے ہو؟“ اس کے ناگوار لہجے پر وہ بس خاموشی سے گھٹن کر رہا تھا۔

”ابھی تو اور رنگ دکھاؤ گے، نکلیں گے پڑا ہوا ہست۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے نکلی تھی، جبکہ عارش ایک نظر اس کی پشت پر ڈالنا خود بھی برآمدے کی سمت بڑھ گیا تھا۔ کمرے میں احمد حسین فی وی پر خبریں دیکھنے میں مصروف تھے، وہ فاطمہ کے پاس جا بیٹھا تھا۔

”اب آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟“
 ”یہ خرمن کی قمیض ہے، سوچا بیٹھے بیٹھے اس کی کڑھائی مکمل کر لوں۔“ وہ مصروف انداز میں ہی بولی تھیں۔

”یہ کام وہ خود نہیں کر سکتیں؟“ وہ بولا۔

”خمس ہلے نہیں آتا۔“ فاطمہ نے کہا تھا۔

”انہیں آتا کیا ہے؟“ اس کے بے ساختہ کہنے پر وہ بس اس کے مسکراتے چہرے کو گھور کر رہ گئی تھیں۔

”جہیں پتا ہے، تمہارے بچے ماموں بھی اسی شہر میں رہتے ہیں؟“ فاطمہ نے اس سے سوال کیا تھا، جواباً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے احمد حسین کو بھی دیکھا تھا۔

”مگر میں نے اب تک انہیں یہاں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ وہ بولا تھا۔

”وہ یہاں نہیں آتے۔“ سوئی میں دھاگہ پر دتے ہوئے فاطمہ نے جس تنبیہ کی سے متایا تھا وہ ان سے وجہ نہیں پوچھ سکتا تھا۔

”تم ان سے ملنے کے لیے جانا چاہتے ہو؟“ احمد حسین نے اس سے پوچھا تھا۔

”یہ کیوں جائے ان سے ملنے، وہ جانتے ہیں کہ عارش ہمارے پاس ہے، کم از کم اس سے ملنے تو آ سکتے ہیں، مگر بہن کی اولاد ہے، ان کا اپنا خون ہے۔“ فاطمہ ناگوار لہجے میں بولی تھیں۔

”نیا اگر ان سے ملنے چلا جائے گا تو کیا فرق پڑ جائے گا؟“ احمد حسین کچھ تنبیہ لہجے میں بولے تھے۔

”انہیں کیا فرق پڑتا ہے، مگر مجھے اچھا نہیں لگے گا اس طرح عارش کا جانا، اپنے بھائی کے دماغ کا پتا ہے آپ کو؟“ کبھی کوئی اور مطلب ہی نہ اخذ کر لیں، پہلے ہی ہم کون سے اچھے ہیں سب کے نزدیک۔“ فاطمہ کے رخ لہجے پر عارش بس حیرانی سے یہ سب سن رہا تھا۔

”اچھا، ابھی تو کوئی کہیں نہیں جا رہا، بس ختم کرو۔“ بات ختم کرنے والے انداز میں احمد حسین فی وی کی سمت منہ ہو گئے تھے، جبکہ عارش، فاطمہ کے چہرے پر پھیلنے ناگواری کے تاثرات دیکھنا کافی حد تک الجھ کر رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فاطمہ کی آواز پر وہ گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔

”اٹھ جاؤ، ورنہ کالج کے لیے دیر ہو جائے گی۔“ اسے جانتے دیکھ کر فاطمہ تو چلی گئی تھیں، مگر عارش ان کے پرچہ چہرے کو دیکھ کر چونک چکا تھا۔ باہر برآمدے میں اسے احمد حسین نظر نہیں آئے تھے، دروازہ درجہ تخت پر موجود تھا۔

مطلوع میں مصروف نظر آتے تھے، حیران ہوتا وہ کچن کی طرف گیا تھا، ایک پارچہ فاطمہ کو دیکھ کر اسے یقین ہوا کہ وہ رات بھر جاگتی رہی ہیں۔

”تمہارے لیے آلیٹ بنا دوں؟“ وہ پوچھ رہی تھیں۔

”پہلے مجھے بتائیں، آپ کو کیا ہوا ہے، اور ماموں جان کہاں ہیں؟“

”میں ٹھیک ہوں، مگر کل رات سے خرمن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تمہارے ماموں اس کے پاس ہی ہیں۔“

”آپ نے مجھے رات میں ہی کیوں نہیں بتایا؟“ وہ کچھ ناراضی سے بولا تھا۔

”تم سوچتے تھے، اور خرمن کی طبیعت آدھی رات میں ہی اچانک.....“ وہ ایک لمبے لمبے سانس لیتی تھیں۔

”اکثر اس کے ساتھ ایسا ہوتا ہے، ان ہیلر لینے کے باوجود اس کی طبیعت جلدی بہتر نہیں ہوتی۔“ ان کے بچے لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا، فاطمہ کے بار بار کہنے پر بھی اس نے ٹھیک طرح ناشتہ نہیں کیا تھا، اس نے پاہا تھا کہ ایک بار

خرمن کے کمرے کی طرف جائے، مگر بہت نہیں ہوئی تھی اور پھر احمد حسین بھی اس کے کمرے سے باہر آ گئے تھے، عثمان معمول کی طرح ان کے ساتھ کالج جانے کے لیے گیٹ پر آ گیا تھا۔

دوپہر میں جب وہ گھر واپس آیا تو پہلی نظر اس پر پڑی تھی، جو تخت پر آٹھ رکھے دراز تھی، برآمدے میں آتے ہوئے وہ سیدھا اپنے کمرے کی سمت نہیں جا سکا تھا، تخت کے قریب ہی رک گیا تھا۔

”اب طبیعت کیسی ہے؟“ اس کی مدد آواز پر خرمن متوجہ ہوئی تھی۔

”کیوں..... کیا ہوا ہے میری طبیعت کو.....“ غر رہی ہوں کیا میں؟“ اپنے کام سے کام رکھو۔“ یکدم بھڑکنے والے انداز میں وہ اسے جھڑک گئی تھی اور پھر دوسری جانب کروٹ بدل گئی تھی۔

”عارش اب تھکتا ہو کر آ جاؤ، ساتھ کھانا کھاتے ہیں، تم نے صبح ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا تھا۔“ تنبیہ کی سے بول کر

فاطمہ جیسے نظر پڑائیں وہاں سے گئی تھیں، وہ جانتا تھا کہ اب فاطمہ کافی دیر تک اس سے نظر نہیں ملا سکی گی، ہر بار ایسا ہی ہوتا

تھا، خرمن کے اس رویے پر وہ اسے کچھ بھی نہیں کہتی تھیں، یا بیٹی کے سامنے کچھ بول ہی نہیں سکتی تھیں، اس تنہیک آئینہ رویے پر وہ خرمن سے زیادہ فاطمہ کی طرف سے دل ہی دل میں کچھ بدگمان ہو جایا کرتا تھا۔

☆.....☆.....☆

تخت پر بکھرے اخبار سمیٹتے ہوئے خرمن نے کچھ ناگواری سے اس جانب دیکھا تھا، عارش کے شانوں کے گرد ہاتھ

رکھے احمد حسین کمرے سے باہر آ رہے تھے۔

”ہمیں زیادہ دیر نہیں لگے گی، ہم گھر پر ہی رہنا، عثمان کے ساتھ باہر مت نکل جانا۔“ وہ عارش کو تاکید کر رہے تھے،

آج احمد حسین اپنے کسی دوست کے گھر ہونے والی تقریب میں شرکت کے لیے فاطمہ کے ہمراہ جا رہے تھے، جاتے جاتے

فاطمہ بھی ان دونوں کو چند تاکیدیں کرنا نہیں بھولی تھیں۔ خرمن نے کہاں کان دھرنے تھے؟ جبکہ عارش گیٹ بند کر کے

واپس برآمدے کی سمت آ گیا تھا، تخت پر دراز ہوتے ہوئے اس کی نظر خرمن تک گئی تھی جو صحن میں دانش من کے سامنے

اپنا چہرہ چمکانے میں گمن تھی، عارش نے آج دوسری بار اسے اسٹارف کے بغیر دیکھا تھا، مگر پہلی بار کی طرح اس وقت وہ مکمل اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا، حالانکہ وہ دیکھنا چاہتا تھا، اس کا چہرہ نہیں، مگر ایک انوکھی چیز جو اس کی پیشانی پر پہلی بار دیکھ کر

پچھون پہلے کی ہی تو بات ہے۔ اس دن اچانک خرم کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی، قاطر نے فوری طور پر اسکارف اس کے سینے میں تر تر ہوتے چہرے سے ہٹا دیا تھا اور ہاں موجود عارضی دروازے حیرت میں جھٹکا ہو گیا تھا، خرم کی بی بی شانی پر دائیں اور بائیں کے اوپر ایک سفید دو دروازہ نشان یا دھبہ واضح تھا جو ایک سیکے جتنا ہوا تھا، مگر اس کی بناوٹ ناموس جیسی تھی، بالکل ایسا ہی ایک نشان اس کی گردن پر چہرہ رگ سے ذرا نیچے چمک رہا تھا، اس کی گندمی رنگت پر یہ نشان بہت نمایاں تھے، اس دن عارضی کو سمجھا گیا تھا کہ خرم کیوں ہمہ وقت اسکارف سے چہرہ اور گردن چھپانے لگتی ہے، کچھ گڑبڑا کر عارضی نے اخبار اٹھا کر چہرے کے سامنے رکھ لیا تھا، جب خرم دھن دھن کے سامنے سے ہٹ کر برآمدے کی طرف بڑھی تھی۔

”میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں، بھوک لگے تو خود ہی ہاتھ پیر بلا لیتا“۔ نخوت سے بولی تو وہ دھڑکے گردن پر اب تخت سے جائے نماز اٹھا رہی تھی، عارضی نے کیا کہا تھا؟ اخبار چہرے پر رکھ کر اس نے سینے پر ہاتھ باندھ لیے تھے، جانتا تھا کہ اس کے منہ لگتا ہے کار ہے، ہر ماں باپ کی طرح قاطر اور احمد حسین کو بھی اپنی اس اولاد سے بہت محبت تھی اور اولاد بھی وہ جو اکلوتی ہو، ان دونوں کی محبت میں خرم کے لیے عقیدت بھلی تھی، جس دن اسے دسترخوان پر کھانا پسند نہیں آتا تھا، وہ فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتی تھی اور احمد حسین اپنا کھانا چھوڑ کر باہر سے اس کے لیے کچھ ایسا خرید لاتے، جو اسے بہت مرغوب ہوتا، یہ کام اس کے لیے چند بار عارضی کو بھی کرنا پڑا تھا، احمد حسین کی کپڑوں کی دکان تھی، دکان پر آنے والا ہر نئے ڈیزائن کا کپڑا پہلے گھر آتا، خرم کی پسند کے کپڑے الگ کرنے کے بعد بچا ہوا کپڑا ان دکان پر جاتا تھا، مخصوص ٹیلر سے اس کے لباس تیار کرائے جاتے تھے، مگر میں وہ ایک سے بڑھ کر ایک جدید تراش خراش کے لباس میں گھومتی نظر آتی تھی، ہر لباس سے کچھ کرنا اسکارف بھی ہرگز کم قیمت کا نہیں ہوتا تھا، مگر میں کپڑے دھونے کے لیے ملازمت آتی تھی، مگر خرم کے کپڑوں کو قاطر کے علاوہ کسی کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی، مگر میں بھوکے طور پر چار کرے تھے، جن میں سے سب سے کشادہ اور ہوادار کمرہ خرم کا تھا، پورے گھر میں کوئی خاص فرنیچر یا آرائشی سامان موجود نہیں تھا، مگر چند بار اٹھا تا خرم کے کمرے میں جانے کے بعد عارضی کو اندازہ ہوا تھا کہ اس کا کمرہ تو پورے گھر سے جدا ہے، مکمل بیڈروم سیٹ خوبصورت بناوٹ کا اور بیش قیمت تھا، نرم دینے کا رپٹ، ڈائنگ ٹیبل، ڈیکوریشن پوسٹر، ٹیلی ویژن، کمرے کی دیواروں سے لے کر کارپٹ تک میں سفید اور گلابی رنگ نمایاں تھا، اگر اسے سانس کی تکلیف نہ ہوتی تو یقیناً اس کے کمرے میں اسے ہی بھی ہوتا، عارضی جتنی بار بھی اس کے کمرے میں گیا یہ سچ تھا کہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ خرم کے کمرے سے نکلے، حالانکہ احمد حسین اس کی بھی ضرورتوں کا بہت خیال رکھتے تھے، عارضی کے لیے بھی گھر میں الگ کمرہ مخصوص تھا، جہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی، مگر بھیجی جو سکون اور طمانیت کا احساس اسے خرم کے کمرے میں محسوس ہوا تھا، وہ گھر کے کسی دوسرے کمرے میں نہیں تھا، اگر اسے موقع ملتا تو وہ کم از کم ایک بار تو ضرور ڈبل بیڈ کی ٹھیکیں نہا ہوں اور میٹھے گمازہ دیتی دیکھنے پر دراز بی تان کر کئی گھنٹوں کے لیے سو جاتا مگر یہ خواب فی الحال تو شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔

اس گھر میں ہی نہیں شاید اس دنیا میں بھی خرم کی اہمیت اور حیثیت قابل رشت تھی، اس کے بیمار ہو جانے پر وہ دیکھ چکا تھا، قاطر اور احمد حسین کی بے چینی، احمد حسین ہمیشہ ہی گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس کا چہرہ ڈھونڈتے تھے، مگر

اس کی طبیعت کی نام سازی کے دوران وہ اسے نظروں سے اوجھل بھی نہیں کرتے تھے، کھانا، پھل اسے اپنے ہاتھوں سے کھلاتے تھے، جبکہ قاطر ہمہ وقت ختمہ پی شانی سے اس کے ہانڈے اٹھانے کے لیے مستعد رہتی تھیں۔

اپنی اہمیت اور محبتوں کو حاصل کرنے کے بعد اگر وہ کچھ ہٹ دھرمی اور گرم حرامی کے مظاہرے کرتی تھی، تو یہ کوئی حیران کن بات نہیں تھی۔ اسے حکم دینے کی عادت تھی، لینے کی نہیں، وہ اپنی بات منوٹا جانتی تھی، وہ سخت تھی کہ اسے سر آنکھوں پر بٹھایا جائے، کچھ انسان پیدا آئی سکران ہوتے ہیں، جو ملک پر نہیں انسانوں پر حکومت کرتے ہیں، یہ خصوصیت ان کی فطرت میں شامل ہوتی ہے، خرم کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اپنی سکرانی میں وہ اس کی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتی، وہ زبردستی اس پر مسلط ہو چکا ہے۔

چونکہ گھر اس نے اخبار چہرے سے ہٹا دیا تھا، برآمدے کے آخری سرے پر وہ نماز کی ادائیگی میں مصروف تھی، دیکھنے پر سینے کے بل لیٹے ہوئے وہ غیر ارادی طور پر اس کی جانب ہی دیکھنے لگا تھا۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی کہ وہ اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی، شاید اس کی طرف دیکھنا بھی وہ ناپسند کرتی تھی، مگر اس کے باوجود اسے اپنے گھر میں اور ملنے والی محبتوں میں حصے دار بننے سے نہیں روک سکی تھی، اب وہ اس کی وقتی سطح سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا، اس لیے اس کے ہر رویے کو نظر انداز کرنے لگا تھا۔

عارضی کی نظریں اس پر ہی تھیں، جواب سیدے میں جا رہی تھی، جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اسے غلطی باندھ کر نہیں دیکھنا چاہیے، عارضی کو یکدم یاد آیا تھا، خوراد و مرغ پھیرتا، آنکھیں بند کر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ایک کڑی نگاہ عثمان کے مسکراتے چہرے پر ڈال کر عارضی کو دیکھا تھا، جو سیاہ سیلٹ اٹارنا ٹائیک سے اتر رہا تھا، ایک طرف جتنی وہ جانے کے لیے پلٹ گئی تھی۔

”عارضی! لوگ تو بیل کر خاک ہو گئے ہیں، تمہاری بی بی بلیک بلیک کر“۔ وہ یقیناً عارضی سے ہی مخاطب تھا، جو اپنی پچھانی بلیک اندر لا رہا تھا، مگر خرم جانے کیوں شلگ کر پلٹی تھی۔

”میرے دوست! تم تو اس سے بھی زیادہ جیتی تھے، ذیرو کرتے ہو، یہ تو کچھ بھی نہیں۔“ عثمان کی اونچی آواز پر وہ بشکل مسکراہٹ چھپاتا بلیک کی طرف ہی موجود رہا تھا۔

”پائل ٹیک کمرہ ہے، وہ اس سے بھی زیادہ جیتی تھے دینے چاہئیں میرے باپ کو، انہوں نے انگر جو کھول رکھا ہے، ہم چاہے سڑک پر پہنچ جائیں، مگر انہوں نے ایسے ہی دونوں ہاتھوں سے لگاتا ہے۔“ جب تو خرم تھلا کر بولی تھی۔

”اب جو سڑک پر پہنچے وہ اس کی قسمت، مگر میرے دوست کی قسمت میں جو ہے وہ تو اسے مل کر رہے گا، چاہے تم جتنے بھی پتھر اس کی راہ میں بچھاؤ۔“ کوئی لگی پٹی رکھے بغیر عثمان اسے مکمل بھڑکا گیا تھا۔

”تم کیوں آ جاتے ہو یہاں متا تھا کہ؟“ قاطر آ جاتا ہے ورنہ تم جیسوں کو میں دلیزم بھی پار نہ کرنے دوں۔“

”دیکھو! تم میری آستانی روہی ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ساری زندگی میری بے عزتی کرتی رہو گی۔“

”بے عزتی۔۔۔ اور وہ بھی تمہاری؟“ سارا دن لڑکیوں کے پیچھے ڈم ہلا کر بڑی عزت کاتے ہوئے۔ نئی طرح وہ عثمان پر بری تھی جبکہ عارضی خاموشی سے ان دونوں کے مذاکرت سن رہا تھا۔

”ارے جاؤ تم تو وہ ہو جو احسان لے کر بھی میری احسان مند نہیں ہو۔“ عثمان لڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

”کون سا احسان؟“ خرمن کے دنگ تاثرات کو دیکھتے ہوئے عارش بمشکل مسکراہٹ چھپا سکا تھا۔

”بس رہے دو اُستانی اتہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ساری زندگی کے لیے میرے قدموں میں بیٹھ جاتی، اس عمر میں تمہیں میں نے لیٹر لکھا تھا، جب مجھے لیٹر کے اسپیلنگ بھی نہیں پتا تھے، بھول گئیں میرا نو لیٹر؟“ آج پھر عثمان کے پرانے زخم تازہ ہو گئے تھے۔

”ہاں، یاد ہے اور وہ جوتے بھی یاد ہیں جو تمہارے باپ نے تمہارے سر پر برسائے تھے اور وہ بھی یاد ہے جب مارکھا کرتی تھی مجھے آپی، باجی، بہن کہا تھا۔“

”اب سر پر آٹھ نمبر کا جوتا پڑے گا تو ظاہر ہے سامنے کھڑی ہر لڑکی آپی، بہن، باجی ہی نظر آئے گی، مگر عمل کا دار و مدار تو نیت پر ہوتا ہے۔“ وہ ڈھٹائی سے بولا تھا۔

”اور تمہاری نیت میں تو ہمیشہ ہی شور مچا رہا ہے۔“ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

”اچھا نہیں کیا تھا تم نے، وہ خط میرے باپ کے ہاتھوں میں دے کر، میرا دل توڑ کر خوش نہیں رہ سکو گی تم۔“ جتنا نے والے انداز میں بولتا وہ برآمدے کی سمت بڑھتا تھا۔

”تم یہاں سے دفع ہوتے ہو یا نہیں؟“ خرمن کے کڑے لہجے پر بھی وہ نہیں رکا تھا۔

”چائے پی کر جاؤں گا۔“

”جہنم میں...؟“ وہ پیچھے سے غرائی تھی۔

”اور بھی آٹھ دس لنگے رہ گئے ہیں تو انہیں بھی گھر لے آیا کرو۔“ وہ اب اس پر برسی تھی جو عثمان کے پیچھے ہی جا رہا تھا اور بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ وہ تھوڑا بہت کچھوتا کر چکی تھی، مگر اس کی طرف قاطرہ اور احمد حسین کا جھکاؤ وہ اب بھی برداشت نہیں کرتی تھی۔

☆.....☆.....☆

بغور قاطرہ نے اسے دیکھا تھا جو تخت کے کنارے بیٹھا اپنے جوتے اُتار رہا تھا۔

”بہت تھک گئے ہو؟“ اس کے ست انداز پر وہ بولی تھیں۔

”بس تھوڑا سا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

”ذرا چہرہ دیکھو اپنا، حشک پک رہی ہے۔“ وہ ناراضی سے بولی تھیں۔

”پہلے ہی تمہاری جاب کیا کم تھی، جو تم نے اب اکیڈمی میں سر کھپانا شروع کر دیا ہے، کیوں خود کو اتنا تھکا رہے ہو؟ صبح کے گھر سے نکلتے ہو اور اتنی رات میں واپس آتے ہو۔“

”اتنی رات کہاں ہوئی ہے، ابھی صرف 10 ہی تو بجے ہیں، آپ ناراض مت ہوں۔“ ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے پاس بٹھایا تھا۔

(جاری ہے)

کبھی تو کبھی میری دل تو کبھی

”کیوں خود کو بلکان کر رہے ہو، کیوں بھاگ رہے ہو اتنا رو پئے کمانے کے لیے؟ تمہیں کوئی کمی ہے تو مجھے بتاؤ، مگر اس طرح اپنے دن رات ایک نہ کرو۔“ قاطرہ کی ہنوز ناراضی پر اس نے کہری سانس لی تھی۔



”مامی! ساری دنیا ہی مجھے کے پیچھے بھاگ رہی ہے، اگر میں بھی اپنے قارئین وقت میں یہ کام کر رہا ہوں تو کیا غلط ہے؟ آپ نے اور ماموں نے کبھی کہیں کوئی کمی نہیں رکھی، مگر اب میں آپ سب کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں، آپ کو بہت کچھ دینا چاہتا ہوں۔“

”مجھے کچھ نہیں چاہیے، تم صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دو، تمہاری جاب پر تمہارے ماموں بھی کتنے ناراض ہوئے تھے، مگر تم نے ایک نہیں سنی۔“

”پڑھائی میری پہلی ترجیح ہے، میں اس سے کبھی غافل نہیں ہو سکتا، اس کے بعد کا وقت میں اپنے بیروں پر کھڑے ہونے کے لیے وقف کر رہا ہوں تو کوئی بُرائی نہیں، کیا مجھ پر غرض نہیں کہ میں ماموں جان کا سہارا بنوں؟ کیا میں کوئی غیر ہوں جو ان کی قومداری نہیں پانت سکتا؟“

”یہ کیا بول رہے ہو؟ میں کیا بات کر رہی ہوں اور تم بات کہاں سے کہاں لے گئے۔“ قاطرہ ڈپٹنے والے انداز میں



بولی تھیں۔

”تو پھر آپ بھی ہر دوسرے دن یہ موضوع لے کر نہ بیٹھا کریں، آپ کو تو فخر کرتا چاہیے کہ آپ کا بیٹا اپنے والد پر کھڑا ہو گیا ہے۔“

”اب یہ بات کہہ کر تم مجھے یہ مت سمجھاؤ کہ میں تمہارے لیے لڑکیاں ڈھونڈنی شروع کر دوں۔“ وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

”ایسا بالکل نہیں ہے، آپ کی بیٹی مجھے تو برداشت کرتی نہیں ہے، آپ کی بہو کو کیا برداشت کرے گی، دودن میں ہی گھر سے باہر نکال دے گی۔“ اس کے خشکیں لہجے پر وہ دوسرے سے غصی تھیں۔

”میں تو پہلے اس کی شادی کرواؤں گا اور پھر.....! یکدم رُک کر عارش نے انہیں دیکھا تھا جو بیچیدہ چہرے کے ساتھ اٹھ گئی تھیں۔

”میں تمہارے لیے کھانا گرم کرنے جا رہی ہوں، تم جلدی آ جاؤ۔“ تاکید کر کے وہ رُک گئی تھیں، جبکہ عارش ان کے اچانک بدلنے تاثرات پر حیران تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک بار پھر اجہرقی دستک پر وہ جھلا اٹھی تھی۔

”کیا مصیبت ہے.....!“ ایک جھٹکے سے دروازہ کھلتی وہ زبان دانٹوں تلے دبائی تھی۔

”میں نے تمہیں پریشان کر دیا؟“ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ احمد حسین نے اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھا تھا۔

”سوری.....! میں کبھی تھی کہ عارش ہے، آپ اندر تو آئیں۔“ معذرت کرتے ہوئے وہ ان کا ہاتھ پکڑتی اندر لے آئی تھی۔

”عارش کب سے مصیبت بن گیا تمہارے لیے؟“ بیڈ کے قریب ہی ایزی چیئر پر بیٹھے ہوئے احمد حسین بولے تھے۔

”میرے لیے تو وہ مصیبت ہی ہے، روز رات میں گھنٹوں یہاں بیٹھ کر میرا کمپیوٹر استعمال کرتا ہے، اب بھی بار بار اسی لیے ڈسٹرب کیے جا رہا ہے۔“ وہ ناگواری سے شکایت کر رہی تھی۔

”تو اس میں کیا مسئلہ ہے، یہ کمپیوٹر تم دونوں کے لیے ہی ہے، عارش بڑھ رہا ہے، اسے زیادہ ضرورت ہے اس کی، مت روکا کرو اسے۔“ نرم لہجے میں بولتے ہوئے احمد حسین کو اس کے بدلنے تاثرات نے احساس دلایا تھا کہ وہ اس کے سامنے عارش کی فیور میں بولنے کی غلطی کر رہے ہیں۔

”اجھا صاحب چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ کہ یہ سال تو اپنا تم نے گھر میں ہی نکال دیا، ورنہ میں بالکل اس چیز کے حق میں نہیں تھا کہ تم اپنا غلط سلسلہ اس طرح روک دو، اب آگے کیا ارادہ ہے؟“ وہ پوچھ رہے تھے۔

”بابا! ابھی پورا سال ختم کہاں ہوا ہے؟“ غجل سے انداز میں وہ ٹال گئی تھی۔

”نہیک ہے مگر صرف یہی سال، اس کے بعد تم نے اپنے تعلیم کے سلسلے کو آگے بڑھانا ہے۔“ احمد حسین اسے تنبیہ کر رہے تھے، جب دستک کے ساتھ عارش اندر آیا تھا۔

”وہ..... مانی میرے ساتھ ہے، نکالوں اسے یہاں؟“ خرمین سے اجازت طلب کرتے ہوئے اس نے مدد طلب نظروں سے احمد حسین کو بھی دیکھا تھا۔

”ایسا کرو پورے مسئلے کو اس کمرے میں جمع کر لو۔“ وہ تپ اٹھی تھی۔

”تم کم ہو جو حریہ ایک اور جو تک کو ساتھ چپکا کر لے آتے ہو؟“

”میں سب سن رہا ہوں۔“ باہر سے آتی عثمان کی آواز پر جہاں احمد حسین بے ساختہ مسکرائے تھے وہیں وہ خود عثمان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بمشکل مسکراہٹ روک سکی تھی۔

”کسی شریف بندے کو اسٹ پناگ خطاب دیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ لینا چاہیے کہ کہیں وہ بندہ نہیں موجود نہ ہو۔“ عثمان نے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

”تم یہ بتاؤ کہ تم کہاں موجود نہیں ہوتے؟“ احمد حسین مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

”اسے کہتے ہیں، جنگ لگنے پھگری اور بے عزتی۔“ عثمان نے فخریہ اعزاز میں کہا تھا۔

”بابا! یہ لوگ میرے کمرے کا شہر بگاڑ دیتے ہیں، آپ ذرا پوچھیں تو کہ یہ دونوں کمپیوٹر پر کیا کیا کرتے ہیں؟“ خرمین کی بات پر عارش نے یہی طرح چونکا دنگ بھی ہوا تھا۔

”استانی بی اللہ کو مانو، کچھ آگ بپا کر رکھ لو، آگے کام آئے گی۔“ عثمان جل کر بولا تھا۔

”اجھا بھی تم بیڈ بانی نہ ہو، آ جاؤ دونوں، جو کام کرنا ہے کرو۔“ احمد حسین بولتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

”آ جاؤ خرمین! باہر۔“ اسے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے وہ دروازے کی سمت بڑھے تھے، ان کے پیچھے ہی جاتے ہوئے خرمین نے رُک کر عثمان کو دیکھا تھا۔

”کمپیوٹر کے علاوہ میرے کمرے کی کسی چیز کو اگر ہاتھ لگایا تو اپنے گھر چار کندھوں پر جاؤ گے۔“

”خو! خواتو! دھمکیاں مت دو، تمہارا یہ اپنی تو مجھے کمرے کی دیوار کو بھی نہیں چھونے دیتا۔“ عثمان کا اشارہ عارش کی طرف تھا۔

”جو تے بھی کمرے سے باہر اُتار کر آیا ہوں، اس بے چارے کو بھی تم نے اپنے جیسا نفسیاتی بنالیا ہے۔“ عثمان کے جتانے والے انداز پر وہ کھول کر کچھ کہتے کہتے رُک کر عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”میں آج رات اسی کمرے میں رُک جاؤں؟“ تم مامی کے پاس.....!“ اس کی غصیلی نظروں پر وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا۔

”ایک تو تم..... جنم میں جاؤ تم۔“ بستا کر بولتی وہ باہر نکلتی تھی، شرٹ میں چھپی سی ڈیز باہر نکالتے ہوئے عثمان نے غصیلی نظروں سے اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھا تھا۔

”وہاں نہیں ہے تمہاری، سر اٹھا کر ڈرا کر بات کیا کرو اس سے۔“

”تم اپنا مت بند رکھو۔“ جیسے انداز میں عثمان کو گھر کتا وہ کمپیوٹر کی سمت بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

مد آمدے میں فاطمہ اپنی سلائی مشین میں مصروف تھیں، جب وہ ان کی طرف آئی تھی۔

تمہیں سرو نچا کرنا پڑتا ہے۔" کچھ تھا ان کے لہجے میں جو خرمن نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

"یہ مت سوچنا کہ وہ تمہیں خاموش نہیں کروا سکتا تھا، یا جو اب نہیں دے سکتا تھا، وہ تہذیب رکھتا ہے، کبھی تمہیں بولنے سے نہیں روکے گا، مگر میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ ایسا موقع آئے، جب تمہیں اس کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے عزت دوگی تو ہی عزت ملے گی، تم سمجھ رہی ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ نا کچھ نہیں ہو۔" خاموش ہوتے وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئے تھے، ایک خفت بھری نظر قاطرہ پر ڈالتی وہ تیز قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کافی رات ہونے کے باوجود سڑک پر رونق تھی، کیونکہ ٹائٹ نیچ جاری تھا، ان کی ستلائی نظریں اس تک پہنچی تھیں، جو چند لمحوں کے بعد نظر آیا تھا، مگر احمد حسین پر نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے ان کی سمت آیا تھا۔

"میں ابھی کچھ دیر میں گھر آ رہا تھا۔" وہ شرمندگی سے بولا تھا۔

"تو پھر چلو۔" ان کے کہنے پر وہ خاموشی سے ان کے ہم قدم ہو گیا تھا۔

"عارضہ! میں جانتا ہوں، خرمن کا رویہ بہت خراب ہو جاتا ہے، اسے تم سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی، میں جانتا ہوں بات کچھ نہیں ہوگی، مگر غصے میں وہ ذرا سی بات کو پھیلا دیتی ہے، تم اسے معاف کر دو۔"

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ اگر اس نے غصے میں کچھ کہہ دیا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، اسے حق ہے وہ بول سکتی ہے، میری بھی تو غلطی تھی، میں نے راستے میں ہی روک کر اس سے پوچھنا شروع کر دیا تھا کہ اس وقت وہ عثمان کے گھر کیوں آئی تھی؟ دراصل میں نے رات کے وقت کبھی اسے وہاں جاتے نہیں دیکھا تھا۔" اس کے ہلکے پھلکے لہجے پر احمد حسین حیران ہوئے تھے۔

"تو پھر تم گھر سے کیوں نکل آئے تھے؟"

"اس لیے تاکہ اس کا قصہ کم ہو جائے، مگر میں اس کے سامنے رہتا تو وہ اور غصے میں آ جاتی، اس لیے میں نے سوچا کہ منظر سے ہی کچھ دیر کے لیے غائب ہو کر اپنی بچت بھی کروں گا۔" اس کے سکر اتے لہجے پر احمد حسین اسے دیکھ کر وہ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

دروازے پر ابھرتی دستک پر وہ سنے ہوئے چہرے کے ساتھ ہی اٹھی تھی۔

"جیسا سوچ نہیں رہی تھیں؟" احمد حسین کے سوال پر وہ کچھ بولی تھی، یہی ان کی طرف دیکھا تھا۔

"خوب کان کیچنے ہیں میں نے اس کے، آخر اس کی وجہ سے میں نے اپنی اتنی عیاری بنی کوڑا تھا، دوبارہ اگر ایسا موقع آیا تو اس کی خیر نہیں ہے۔" احمد حسین کو بالکل اندازہ تھا کہ اسے فارم میں لانے کے لیے انہیں کیا کہنا ہے۔

"میں بھی آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ خفت سے ہی بولی تھی۔

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"عارضہ نے کھانا نہیں کھایا ہے تم ذرا اس کے لیے کھانا نکال دو۔" ان کی تاکید پر وہ بل کھا کر وہ گئی تھی، مگر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

کچن سے باہر آتے ہوئے اس نے محسن کی طرف نظر ڈالی تھی، جہاں احمد حسین چار پائی بچھاے سونے کے لیے لیٹ چکے تھے، سیکڑین سے نظر بٹاتے ہوئے وہ دنگ ہوا تھا اور اگلے ہی لمبے سیدھا ہو بیٹھا تھا، خرمن نے کبھی اس کے سامنے دھڑ خان نہیں سجایا تھا۔

"تم نے کیوں زحمت کی، میں خود ہی!..." وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا، سر و نظروں سے اسے دیکھتی وہ وہاں کچن کی سمت جانے کے لیے پلٹ گئی تھی، اگلے چند لمحوں بعد وہ کھانے کی ٹرے تھامے وہاں آ رہی تھی، عارضہ کو بالکل بھوک نہیں تھی، مگر اب انکار کر کے وہ مزید اس کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا تھا، ویسے بھی اپنی فحوریت بریانی دیکھ کر وہ بھول گیا تھا کہ بھوک نہیں ہے، حیرت کا دھچکا اس وقت لگا جب وہ بھی سامنے پلٹ لے کر بیٹھ گئی تھی اور کھانا شروع کر چکی تھی، اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے عارضہ نے پلٹ میں تھوڑے چاول نکالے تھے، کھانا شروع کرتے ہوئے عارضہ کی نظر کچھ بھٹکی تھی، اس کے سیدھے ہاتھ کی کٹائی میں وہ نکلن موجود تھا، جو کچھ دن پہلے احمد حسین نے اسے پہنایا تھا، وہ اب چاول سے بھر اچھے پلٹ سے اٹھا رہی تھی، پیچھے کے ساتھ عارضہ کی نظر سڑکرتی اور پرکھی تھی، مگر گردن تک پہنچ کر ڈک گئی تھی، وہ پشیمان لہجہ پر دانی سے پیشانی تک ڈھلکا آ رہا تھا، مگر شہد رگ سے ذرا نیچے وہ دو دو حیا نشان واضح تھا جو کچھ پھیلا پھیلا سا تھا، مگر اس کی بناوٹ بھی چمکتے ہوئے نیم جیسی تھی، اس کی گردن پر یہ نشان اتنا نمایاں تھا کہ اس قدم کے قاسطے سے بھی با آسانی دیکھا جاسکتا تھا، اس نازک سی گردن کو مزید کسی آرائش کی ضرورت نہیں تھی، اس کی گندی رنگت پر یہ دو دو حیا نشان واضح طور پر ہر آرائش پر حاوی تھا، یکدم نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے وہ اپنی سائیں رکتی محسوس کر رہا تھا، پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے خرمن نے چونک کر اسے دیکھا تھا، جو کھانا ادھورا چھوڑ کر کسی بھی جانب دیکھے بغیر خست سے اتر گیا تھا، اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ خرمن کی حیران نظریں اپنی پشت پر محسوس کر چکا تھا، مگر پلٹ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ چائیک کون سے خوف میں مبتلا وہ اس سے دور بھاگ آیا تھا، وہ بالکل اپنی کیفیت نہیں سمجھ سکا تھا، کچھ تو ایسا ضرور ہوا تھا کہ دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا، نیچے پر سر رکھتے ہوئے اس نے اپنی عرق آلود پیشانی پر ہاتھ بھیرا تھا، واضح طور پر اس نے ہاتھ کی لارزش کو بھی محسوس کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

پارلر میں آج ایک ساتھ دو برائینڈ لڑائی ہوئی تھیں، عروس اور باقی ویلیر کے ساتھ وہ بھی کھن پکھرنی ہوئی تھی، اور رات سر پر آ گئی تھی حالانکہ اتنا وقت وہ پارلر میں نہیں گزارتی تھی، عروس اسے رات ہونے سے پہلے اپنے بیٹے کے ہمراہ گھر بھیج دیا کرتی تھیں، کام مکمل کر کے وہ بٹھی تھی جب اسے عارضہ کے آنے کی خبر ملی تھی، فوراً ہی وہ بیگ اٹھاتی باہر نکل آئی تھی۔

"تم گھر سے آ رہے ہو؟"

"نہیں، اکیڈمی سے، ماما نے فون کیا تھا کہ تمہیں ساتھ لیتا آؤں۔" اس نے بتایا تھا اور بانٹیک اسٹارٹ کی تھی۔

"ذرا اسپید کم رکھنا، کہیں گرا پڑا سی ندینا تہارا کیا بھروسہ؟" اس کا خوف تھا کہ وہ پہلی بار اس کے ساتھ بانٹیک

باٹھو رہی تھی۔ اپنے گھر سے باہر آتے عثمان نے حیرت سے سامنے سے گزرتی بانٹیک کو دیکھا تھا۔

"پہلا حق پڑے بیوں کا ہوتا ہے۔" عثمان نے اسے سنایا تھا جو بانٹیک سے اترتی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”ہم پاگل ہیں جو ایک لاکھ کی بانیک لے کر گھر رہے ہیں؟“ وہ شکایت کر رہا تھا۔

”تمہاری نیزہ میں رکھنے لائق بانیک ایک لاکھ کی ہے، تو میں احتیاجی ہوں اس بانیک پر۔“ نخوت سے بولتی وہ گھر میں گئی تھی۔

”تم بڑا سکرارتے ہو میری بے عزتی پر۔“ خشکی نظروں سے عثمان نے اسے گھورتا تھا جو بانیک کالا لگا رہا تھا۔

برآمدے میں ہی وہ چائے کے سپ لٹچی احمد حسین سے باتوں میں مصروف تھی، جب عارش نے اسے متوجہ کیا تھا۔

”یہ تمہارے لیے ہے۔“ ایک پکٹ اس نے خرمن کو دیا تھا۔

”میرے لیے؟“ کچھ حیرت سے خرمن نے اسے دیکھا تھا۔

”ہاں، تم اسے دیکھو۔“ بولتے ہوئے وہ تخت کے کنارے ہی کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا تھا، جبکہ وہ خاموشی سے پکٹ کھول

کر بہت نازک اور خوبصورت ساسل فون نکال چکی تھی۔

”مگر یہ تم مجھے کیوں دے رہے ہو؟ میرے پاس فون ہے۔“

”خرمن! جب کوئی تنہا دے تو خوشی سے قبول کرنا چاہیے، سوال کر کر کے دینے والے کا دماغ خراب کرنا ضروری

نہیں۔“ اخبار پر نظریں دوڑاتے ہوئے احمد حسین نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

”کیا لگا تمہیں یہ سیٹ؟“ عارش نے پوچھا تھا۔

”ہاں، ٹھیک ہے، اچھا ہے۔“ سیل فون کا جائزہ لیتی وہ سرسری انداز میں بولی تھی، جس پر عارش نے سکرانی نظروں

سے احمد حسین کو دیکھا تھا، جو لٹی میں سر کو حرکت دیتے کسی سے اٹھ گئے تھے۔

”تم کہاں جا رہے ہو، مجھے اس کے نقش تو سمجھاؤ۔“ عارش کو اٹھنے دیکھ کر وہ بولی تھی۔

”کوئی مشکل نہیں ہے، میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں۔“ عارش نے کہا تھا، سیل فون اس سے لیتا وہ پیچھے کیے سے پشت

لگائے نیم دراز ہوا تھا، جبکہ خرمن بھی اس کے قریب ہو گئی تھی۔

برآمدے میں آتیں فاطمہ نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا تھا، عارش یقیناً اسے سیل فون کے متعلق کچھ بتا رہا تھا، جبکہ

اس کے قریب ہی موجود خرمن کو دیکھ کر ان کا دل چاہتا تھا کہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جائیں، اس وقت بھی وہ دوپٹے سے بالکل بے

نیاز بیٹھی تھی، بے شک اس کا رف موجود تھا، مگر وہ بس سر اور گردن تک ہی تو محدود رہتا تھا، حالانکہ ہزار بار وہ ٹوک چکی تھیں

کہ کم از کم اب تو وہ عارش کی موجودگی میں دوپٹے کا خیال رکھا کرے، مگر محال ہے جو وہ کان دھرے۔

دشک کی آواز پر فاطمہ نے دروازے کی سمت دیکھا تھا، جہاں عثمان کا چہرہ نمودار ہوا تھا، دوسری جانب عارش نے

دائیں طرف رکھا فاطمہ کا نماز کا دوپٹہ اٹھا کر خرمن کو تھمایا تھا، دوپٹہ شانوں پر ڈالتے ہوئے اس نے عارش سے سیل فون

لے لیا تھا۔

”بیٹھو عثمان! میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔“ فاطمہ نے کہا تھا۔

”مامی! آپ کو پتا ہے کہ آپ اسے ناشتے کا بھی کہیں گی، تو صبح تک ان حضرت نے یہیں بیٹھے رہتا ہے۔“ عارش نے

سکرانی نظروں سے کسی پر بیٹھے عثمان کو دیکھا تھا۔

”استانی کم ہے جواب تم بھی میری ویلیو سے جیلس ہونے لگے ہو؟“ خشکی نظروں سے عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

”ویسے آج کل میری آنکھیں بڑے عجیب عجیب مناظر دیکھ رہی ہیں۔“ عثمان کے معنی خیز لہجے پر خرمن متوجہ نہیں

ہوئی تھی کہ وہ اپنے سیل فون میں مصروف تھی، جبکہ عارش نے کچھ نگاروی سے عثمان کے سکرارتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”مت دیکھا کرو مناظر دنیا میں دیکھنے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے۔“

”مجھ پر نصیحتیں اڑھیں کرتمیں۔“ عثمان ڈھٹائی سے بولا تھا۔

”ادھر دکھا دو سیل، کم ہو بالکل ہی۔“ عثمان کے زنج ہو کر بولنے پر خرمن نے سیل اسے تھما دیا تھا۔

”میں نے اسے شرم دلانی تھی کہ بھائی! چاہئے پر مشائی تو کھلائی نہیں، اب پہلی سٹری سے استانی کو کوئی گفٹ ہی

دے دو، آخر ایک عرصہ تم نے اس کی پرورش کی ہے، بلا ڈاکر۔“ بولتے ہوئے وہ بمشکل مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔

”زیادہ بک بک مت کیا کرو، سیل واپس دو۔“ خرمن نے گھر کتے ہوئے کہا تھا۔

”میرا نمبر لے لو، اور تو کوئی لٹی نہیں ہے۔“ وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

”آدھے شہر کی لڑکیوں کو یہی ڈائلاگ کہہ کر تم نے اپنا نمبر بانٹا ہوگا۔“ خرمن نے فوراً سیل اس سے لیا تھا، جب ہی

عارش کے سیل پر کال آئی تھی جسے ریسیو کر تا وہ جمن کی طرف چلا گیا تھا۔

”تم بس ایسے ہی دیکھتی رہ جانا اور لاڈ لاکھل جائے گا تمہ سے۔“ عثمان کا اشارہ عارش کی طرف تھا۔

”کیا مطلب؟“ خرمن حیران ہوئی تھی۔

”محفل سے کوئی اس طرح مشکوک انداز میں نکل جائے، اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی، ایک بات تمہیں بتا دوں،

یونورسٹی میں نیزہ بہت اس کے آگے پیچھے گھومتی ہے۔“ عثمان نے مزید اسے اُکسایا تھا۔

”نیزہ اس کے ماموں کی بیٹی ہے، اب میں کون ہوتی ہوں اس چیز پر اعتراض کرنے والی؟“ وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی

تھی۔

”میری بھولی استانی! بات صرف یہیں تک نہیں ہے، ذرا دماغ بھی چلا لیا کرو، زبان روک کر، وہ جو سامنے بڑا سکر

سکر کر ٹھیل ٹھیل کر سر کو شیوں میں گھٹکوس گن ہے، اسے دیکھ کر کوئی اندھا بھی مٹا سکتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے، موصیفا

بقین سے کہتا ہوں، وہ نیزہ سے ہی بات کر رہا ہے۔“ عثمان نے مزید چنگاری کو ہوا دی تھی، خرمن نے مشکوک نظروں سے

عارش کو دیکھا تھا۔

”یہ کر کے تو دیکھنے لگی حرکتیں، پھر بتاتی ہوں اسے اچھی طرح سے۔“ وہ جس طرح ہمزک کر بولی تھی عثمان بمشکل

الٹا ہی روک سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

صوفے پر پاؤں چڑھا کر بیٹھی وہ کسی بیگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی، فاطمہ بھی قریب موجود تھیں، جبکہ احمد حسین فی

ڈنڈ پر خیریں دیکھنے میں مصروف تھے، کمرے میں داخل ہوتا عارش فی وی پر نگاہ ڈال رہا تھا احمد حسین کی طرف جانیں پھینکا تھا۔

”آج مصطفیٰ ماموں کا فون آیا تھا۔“ وہ احمد حسین سے مخاطب تھا، فاطمہ کے ساتھ خرمن بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی

تھی۔

”شاید وہ ایک دو دن میں یہاں آئیں۔“ عارش کے مزید کہنے پر احمد حسین خاموش رہے تھے۔

”اچانک کیسے خیال آ گیا انہیں یہاں آنے کا؟“ فاطمہ کا لہجہ کچھ طنزیہ تھا۔

”مائی ان کے بیٹے کی شادی قریب ہے، وہ نیزہ کے ساتھ یہاں الو شیخین لے کر آئیں گے۔“ وہ اپنی رد میں بول رہا تھا۔

”مائی! آپ سب کو لازمی چلنا ہے، رشتہ داری میں اختلافات تو چلتے رہتے ہیں، اگر وہ خود ہماری طرف آنے کے لیے پہل کر رہے ہیں، تو ہم پر بھی فرض ہے کہ ان کی خوشی میں شرکت کریں۔“ یکدم رک کر اس نے خرم کو دیکھا تھا، جو میگوئیں بچنی ایک جھکے سے اٹھی تھی اور خوشخوار نظروں سے اسے ہی دیکھتی کرے سے نکل گئی تھی، ایک نظر اس نے فاطمہ اور احمد حسین کے بنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا، ان دونوں کی خاموشی پر وہ مزید کچھ بول نہیں سکا تھا۔

گزرے سالوں میں اسے یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ احمد حسین کے اپنے دونوں بھائیوں سے کافی بنجیدہ نوعیت کے اختلافات ہیں، احمد حسین اپنے دونوں بھائیوں سے بہت فاصلے پر تھے، ان کے سب سے بڑے بھائی مرتضیٰ حسین سرگودھا میں ہی مقیم تھے، مگر وہ شہر دوسرے ملک میں تو نہیں تھا، مصطفیٰ حسین اسی شہر میں تھے، اور کافی عرصے سے مکران سے بھی دوریاں بہت زیادہ تھیں، عارش کو یقین تھا کہ سر راہ بھی احمد حسین کے بھائی ان سے کترا کر نکل جائیں گے، اللہ حسین نے کبھی اسے اپنے دونوں بھائیوں سے ملنے سے نہیں روکا تھا، مگر پھر بھی اس کا اپنے ماموں سے رابطہ صرف فون تک محدود تھا، مصطفیٰ حسین کے گھر وہ چند بار جا چکا تھا، مرحوم بہن کی اگلی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ بھی عارش سے لگاؤ رکھتے تھے، مگر پھر بھی وہ احمد حسین کی جگہ کی کوئیں دے سکا تھا، جس گھر میں احمد حسین سمیت ان کی فیملی کو قابل ذکر بھی نہیں گردانہ جاتا تھا، وہاں وہ کس طرح راہور سم بڑھا سکتا تھا، البتہ مصطفیٰ حسین کی بیٹی نیزہ سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے کہ وہ اس کی یونیورسٹی فیلو بھی، نیزہ کو بھی صرف اس نے اپنی ذات تک محدود رکھا تھا، اپنے گھر کے کسی فرد کا ذکر وہ اس کے سامنے بھی نہیں کرتا تھا، نہ ہی نیزہ نے کبھی تذکرہ کیا۔ اختلافات کی وجوہات جاننے کا اسے نہ کبھی موقع ملا اور نہ ہی اس کے دوسرے ماموں نے کبھی اس بارے میں کوئی بات کی، شاید وہ احمد حسین کا نام بھی زبان پر نہیں لانا چاہتے تھے، اس وقت بھی وہ اُلجھا ہوا ہی تھا، خرم کا ہمارا شاندا انداز، فاطمہ اور احمد حسین کی غیر معمولی خاموشی... ایسے سب کے لیے نیا نہیں تھا، وہ جب بھی اپنے ماموں کا ذکر کرتا، خرم کے تئیں اسی طرح بگڑ جاتے تھے، وہ کچھ کہتی نہیں تھی، مگر اندازہ کروا دیتی تھی کہ وہ اس کے خاندان کا ذکر اپنے گھر میں پسند نہیں کرتی، کئی بار اس نے چاہا کہ احمد حسین سے مکمل کربات کرے، مگر شاید کوئی انتہائی سی جھجک تھی یا پھر اس کی فطرت جو ان تینوں بھائیوں کے معاملات میں دخل اندازی کی جرات کرنے سے روک دیتی تھی، فاطمہ سے چند بار اس نے سوال کرنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ خاموش ہی رہتیں یا بات کا ڈرنگ ہی بدل دیتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

عارش کے علاوہ کسی کو اس چیز کا دھچکا نہیں پہنچا تھا کہ مصطفیٰ حسین خود نہیں آئے تھے، شادی کا کارڈ انہوں نے نیزہ اور بیٹے کے ہاتھ گھر تک پہنچا دیا تھا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے بھائی اس گھر میں قدم نہیں رکھیں گے۔“ نیزہ اور اس کا بھائی رخصت ہوئے تھے، جب فاطمہ بولی تھیں جبکہ احمد حسین کسی موقع میں گم خاموش تھے۔

”مائی! اگر وہ خود نہیں آئے تو کیا فرق پڑتا ہے، اپنے طرف کو بڑھا کر ہم تو ان کے پاس جا سکتے ہیں، آخر وہ ہمارے بڑے ہیں۔“ عارش نے کہا تھا۔

”یہ دعوت نامہ صرف خانہ بڑی کے لیے آیا ہے، میں اپنی بیوی اور بچی کے لیے مزید ذلت سیٹھنے وہاں نہیں جا سکتا۔“ احمد حسین کے بنجیدہ لہجے نے اسے دھک کیا تھا۔

”ایسا نہیں ہے ماموں جان! اگر ان کے دل میں آپ سب کے لیے جگہ نہیں ہوتی تو وہ کیوں آپ کو اپنی خوشی میں یاد رکھتے؟“ وہ قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”عارش! تمہارے ماموں کو جو ٹھیک لگے گا وہ کریں گے، تمہارے وہاں جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے، مگر ہمیں وہاں لے جانے کی خدمت کرو۔“ فاطمہ نے اسے نوک دیا تھا۔

”لیکن کیوں مائی! میں کون سا فاضل مطالبہ کر رہا ہوں، اس طرح کیسے معاملات ٹھیک ہوں گے؟“ وہ زچ ہو کر بولا تھا، تب ہی خرم نے اسے دھک دیا تھا۔

”تم بحث بند کرتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ لوگ تمہارے لیے اتنے ہی اہم ہیں تو آٹھا اس گھر سے اٹنا اور یا ستر، ہم نے ساری زندگی کے لیے تمہارا ٹھکانہ نہیں لے رکھا۔“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ بچتی تھی۔

”خرم! یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ احمد حسین نے سخت لہجے میں اسے ٹوکا تھا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، کیا بکواس کر رہی ہو تم؟“ فاطمہ بھی اس پر بگڑی تھیں جبکہ عارش تے ہوئے تاثرات کے ساتھ اس کے سامنے سے ہٹا کرے سے نکل گیا تھا، فاطمہ کے پکارنے پر بھی نہ کاکا تھا۔

”بہت غلط کیا ہے تم نے۔“ شہیدہ تاسف کے ساتھ احمد حسین اس سے مخاطب تھے جو بگڑے تئیں اس کے ساتھ کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

رنگ کے پاس وہ برتن دھونے میں مصروف تھی، فاطمہ بھی وہیں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں، جب عارش کچن میں داخل ہوا تھا۔

”مائی! آج آپ چل رہی ہیں میرے ساتھ؟“ اس کے سوال پر خرم نے پلٹ کر پہلے اسے اور پھر فاطمہ کو دیکھا تھا۔

”کہاں جانا ہے؟“ جاننے کے باوجود وہ مصروف انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

”مصطفیٰ ماموں کی طرف، آپ جانتی ہیں، وہاں آج شادی کی تقریب ہے۔“ خرم کی کاٹ دار نظریں خود پر محسوس کرنے کے باوجود وہ فاطمہ کی طرف ہی متوجہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

”میں ماموں جان کو وہاں جانے کے لئے نہیں کہوں گا، مگر آپ پلیس، میں آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔“ اس کے نکلی لہجے پر خرم سلگ اٹھی تھی۔

”کیوں۔۔۔ تم نے نیزہ سے وعدہ کر لیا ہے کہ آج میری ماں کے ساتھ ہی تقریب میں جاؤ گے؟“ اس کے زہر لیے رواؤ انجسٹ [177] جنوری 2013ء

لہجے پر عارض نے اس بار اسے دیکھا تھا۔

”یہاں میزہ کا کیا ذکر تم اس کی بات کیوں کر رہی ہو؟“

”کیوں؟ اس کی بات کیوں نہیں ہو سکتی؟ کزن ہے تمہاری، یونیورسٹی فیلو ہے، مگر بے تعلقات ہیں اس سے اسے خوش کرنے کے لئے تمہیں جنم میں بھی جانا ہے تو پہلے جاؤ مگر میری ماں پر حکم صادر کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، کچھ تم؟“ وہ شدید غصے میں بولی تھی۔

”خرمن! تم خاموش رہو۔“ فاطمہ نے اسے گھر کا تھا۔

”میں خاموش ہو جاتی ہوں، مگر آپ اسے اپنی زبان میں سمجھا دیں، اگر اسے اپنے ماموں اور ان کی اولادوں سے اتنی ہی محبت ہے تو ان کے قدموں میں ہی جا کر ڈیرہ ڈال لے، مگر ہمارے سروں پر چڑھنے کی کوشش نہ کرے۔“ خوفناک نظروں سے عارض کو دیکھتی وہ بولی تھی۔

”خوادخواہ بات کو کہیں سے کہیں مت لے جاؤ، اگر کوئی میری طرف بڑھتا ہے تو میں اسے دھکا نہیں سکتا۔“ ناگواری ضبط کیے وہ بولا تھا۔

”ہاں بالکل، تم ان کو کیوں دھکا رو گے، ان کے لئے تم ہمیں نچا کر دو گے، تم کیوں ان کی طرف نہیں بڑھو گے، جی کی کا لڑ تم مع شامہ بیو کر تے ہواور بیٹیں پر نہیں ہے، ان کے ساتھ باہر گھوم پھر کر عیاشیاں بھی اڑاتے ہو۔“ اس کے بلند کات دار لہجے پر عارض کا چہرہ تپ اٹھا تھا۔

”تمہیں جو کہنا ہے کہو، مگر مجھ پر دوبارہ تم نے اس قسم کے الزام لگائے تو میں برداشت نہیں کروں گا، سنا تم نے؟“ اس کے غصیلے لہجے پر خرمن کے تلووں سے لگی تو سر پر جا کر بھی نہیں بھیجی تھی، جبکہ فاطمہ اپنی جگہ رنگ رہ گئی تھی، عارض کے اندر نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا، پہلی بار وہ خرمن سے اس طرح غصے میں مخاطب ہوا تھا۔

”کیا برداشت نہیں کرو گے، بتاؤ مجھے کیا کرو گے تم؟ قتل کرو گے، مار دو گے مجھے، بتاؤ کیا کرو گے؟“ وہ مطلق کے بل چلائی تھی۔

”امی! آپ دیکھ رہی ہیں، سن رہی ہیں، کس طرح یہ آج اپنی اوقات مجھے بتا رہا ہے۔“ وہ اب شدید غصے میں فاطمہ سے مخاطب اسے دیکھ رہی تھی جو سرخ چہرے کے ساتھ لب بھینچے کھڑا تھا۔

”اس طرح دیکھ رہا ہے جیسے مجھے نکل جانے کا کوئی الزام نہیں لگایا میں نے میزہ نے ہی قسمیں دی ہوں گی جو ادا جانے کے لئے تم بے تاب ہو، جب تم بارہ گھنٹے فون پر اس کی آواز سن سکتے ہو تو باہر اس کے ساتھ عیاشیاں بھی اڑا سکتے ہو۔“

”ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو، جو تم نے کہا وہی سچ ہے، میں ایسا ہی کرتا ہوں، مگر سے باہر بھی سب تو کرنے جاتا ہوں مگر تمہیں یہ سب نہ اکیوں لگ رہا ہے، باہر میاشیاں اڑانے کے لئے اپنے ساتھ اسے نہیں تو کیا تمہیں لے کر جایا کروں اس کی بلند آواز پر وہ بس ایک پہل کے لئے ساکت ہوئی تھی، مگر اگلے ہی پہل اس نے شدید پیش میں رسک میں پڑا۔“

گلاس اٹھا کر پوری قوت سے اسے دے مارا تھا۔

”خرمن! یہ کیا تم نے؟“ فاطمہ اس پر چیختے ہوئے عارض کی طرف بڑھی تھی، جس کی کینٹی سے بھل بھل سے فون

کو کچھ کران کا دل اچھل کر معلق میں آ گیا تھا، فاطمہ کے قریب آنے سے پہلے ہی وہ تیزی سے بچنے سے نکل گیا تھا، دھچک نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو دروازہ سے کپڑے لٹکا بیڈ پر پھینکا جا رہا تھا۔

”عارض! تم یہ کیا کر رہے ہو، تم خرمن کی وجہ سے یہ سب مت کرو، تمہیں میرا بھی کوئی خیال نہیں ہے؟“ اسے روکتے ہوئے فاطمہ نے کہا تھا۔

”نہیں، میں اس کی وجہ سے یہ سب نہیں کر رہا، میں جو کر رہا ہوں مجھے کرنے دیں، مت روکیں۔“ ان کا ہاتھ جھٹکتا وہ پھر دروازہ سے روپ کی سمت بڑھا تھا۔

”دوہم سے معافی مانگ لے گی، تم اسے برا بھلا کہو، مگر یہ گھر چھوڑ کر مت جاؤ۔“ لرزتے لہجے میں بولتیں وہ سرعت سے ایک میں سے چیزیں واپس لٹکائے لگی تھیں۔

”مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں ہے، کیونکہ وہ آپ سب کی طرح نہیں ہے، اس کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے، وہی زبان پر وہ آپ کی طرح سب کچھ چھپا کر نہیں رکھتی، چھپاتے آپ لوگ ہیں، آپ کے نزدیک میں اس قابل نہیں کہ آپ کے دکھ رو دکھان سکوں، آپ نے مجھے اپنے گھر میں جگہ دی ہے، اپنے دل میں نہیں۔“

”ایسا مت کہو، تم سے کسی نے کچھ نہیں چھپایا۔“ فاطمہ کا لہجہ کھرا تھا۔

”تو پھر مجھے جواب دیں کہ آپ کے خاندان کا کوئی فرد اس گھر میں کیوں قدم نہیں رکھتا، کیوں ماموں جان کے گئے نوٹی رشتے ان سے تعلق توڑ چکے ہیں، وہ سب کیوں آپ لوگوں کے ذکر سے بھی کتراتے ہیں، آج مجھے بتائیں حقیقت کیا ہے؟ اور اگر آج بھی نہیں تو پھر۔۔۔“ بات اوموری چھوڑ کر اس نے دلیز پرڑ کے احمد حسین کو دیکھا تھا اور پھر اسے جو تیزی سے اس کے قریب آ چکی تھی۔

”کیا جانا چاہتے ہو، کیا میرا ہے تمہارے دماغ میں، تمہارے رشتے داروں نے جن پر تھوکتی ہوں میں۔“ جھپٹ کر اس کا گریبان پکڑی وہ مڑائی تھی۔

”خرمن! اس سے دور رہو، ورنہ میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گی۔“ فاطمہ کی بلند آواز اس نے جیسے کنی نہیں تھی۔

”میں بتاؤں تمہیں حقیقت کیا ہے، بتاؤں تمہیں؟“ اس کا گریبان جھوڑتی وہ چلائی تھی۔

”خرمن! چھوڑ دو اسے۔“ احمد حسین کی آواز پر وہ خاموش ہو گئی تھی، مگر اس کا گریبان نہیں چھوڑا تھا، جس کا بہتا خون ہر سے شرت تک آ پہنچا تھا، خوفناک نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی، جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

”میں نے کیا کہا ہے تم سے، اس کا گریبان چھوڑ دو۔“ احمد حسین کے سخت لہجے پر وہ ایک جھٹکے سے اسے پیچھے ہٹاتی بہت کر بھاگتی ہوئی جا کر احمد حسین کے سینے سے لگ گئی تھی، ساکت نظروں سے عارض اسے دیکھ رہا تھا، اس نے بھی خرمن کو اس طرح ہلک کر دے نہیں دیکھا تھا۔

”فاطمہ! اس کا زخم صاف کرو، خون بہہ رہا ہے۔“ احمد حسین نے فاطمہ کو ہدایت دی تھی جو آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اور رونے کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں احساس ہو جانا چاہیے کہ تمہارا بیٹا اب جو ان ہو چکا ہے، اس قابل ہو چکا ہے کہ کسی بھی وجہ سے کسی بھی وقت تمہیں چھوڑ کر جاسکتا ہے۔“ احمد حسین کے لہجے میں جو کچھ تھا وہ عارض کو اندامت سے پھوڑ

کر گیا تھا۔

”میں آج ہی تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا، کیونکہ تمہیں حق ہے مجھ سے سوال کرنے کا۔“ احمد حسین اس سے مخاطب تھے جو نظر نہیں ملا سکا تھا۔

☆.....☆.....☆

فجر کی اذان کے ساتھ ہی وہ جب معمول گھر سے مسجد جانے کے لئے نکلے تھے، گرم چادر لیے وہ اس کڑا کے کی سردی میں تاریک مافوس راستے پر آگے بڑھتے جا رہے تھے، مسجد تک جاتا یہ راستہ معمول سے ہٹ کر آج سنان دکھائی دے رہا تھا، اٹکاؤنگ نمازی ہی انہیں اپنے علاوہ دکھائی دے رہے تھے، شاید سردی کی شدت کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں نے آج گھر میں ہی نماز کی ادائیگی کو ترجیح دی تھی، مسواک کو دانتوں سے صاف کرتے ہوئے وہ چونکے تھے، سڑک سے ہٹ کر اس جانب انہیں چند افراد کھڑے نظر آئے تھے، وہ حیران ہوئے کہ وہ سب جہاں کھڑے تھے اس جگہ پر گندگی کا ڈھیر لگا ہوتا تھا، عموماً عاتقوں میں ایک جگہ مخصوص ہوتی ہے، جہاں قمام کوڑا کرکٹ اور لٹاؤ لٹیں پھینک دی جاتی ہیں، اپنے آگے جاتے ایک شخص کو بھی سڑک سے آتر کر اس جانب جاتے دیکھ کر وہ خود بھی تجسس کے ساتھ اس جانب بڑھ گئے تھے۔

حیرت، تعجب اور ناگواری میں ڈھلی مختلف آوازیں اسے سنائی دے رہی تھیں، سب کے تہرے سنتے ہوئے وہ ایک تک کچرے کے ڈھیر پر پڑی اس سفید گھڑی کو دیکھ رہے تھے، جو زندگی کے تاریک چہرے کا منہ بولا ثبوت تھی، مجازے کے چاند کی مدھم روشنی میں وہ دیکھ سکتے تھے اس گھڑی میں ہوتی ہلکی ہلکی حرکت، نہایت باریک مدھم کراہیں اپنے ارد گرد کھڑے لوگوں کو اپنی بے بسی اور لاچارگی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر کسی میں ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اسے قلعالت سے اٹھالے

اس کی کانپتی مہین آواز میں ایسا درد تھا کہ ان کا دل اس کی تکلیف پر لرز اٹھا تھا، وہ تھا، جو داپنی پوری قوت کے ساتھ کسی گرم آغوش میں چھپنے کے لئے ہلبار رہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ نومو لو دوسری کی شدت سے ٹھٹھرتا موت کے قہقہے میں جکڑ جاتا، بے اختیار وہ اس کے قریب گئے تھے اور کسی کی بھی پروا دیکے بغیر اس کا پتے وجود کو ہاتھوں میں اٹھا لیا تھا، وہاں کھڑے افراد نے انہیں اس کام سے روکنا چاہا تھا۔

”یہ معصوم اپنی مرضی سے یہاں تک نہیں آیا ہے، میں جسے سجدہ کرنے جا رہا ہوں، اس کی مخلوق کو یہاں مرنے یا ہوجوڑ کر نہیں جاسکتا، مخلوق بھی وہ جو اشرف المخلوقات میں سے ہے، اگر میں نے یہ گناہ کیا تو کس منہ سے اللہ کے گھر میں داخل ہوسکوں گا، نماز کی قضاء ہے، مگر اس معصوم کی جان چلی گئی تو اس کی عطا کی کوئی نہیں ہے، حقوق العباد کو نظر انداز کر کے کوئی کس طرح اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔“ ان کے مضبوط لہجے پر وہاں موجود افراد نے عجیب نظروں سے انہیں دیکھا تھا، ان کے سینے کی گرمی نے اس کا پتے وجود کو کچھ شانت کر دیا تھا۔

”اے اللہ! اس معصوم کی زندگی کی بھیجی لو کو بڑھا دے، اگر تیری رضا ہے، اگر یہ اس بچے کے حق میں بہتر ہے۔“ اسے سینے میں چھپائے وہ اللہ کے حضور گڑ گڑائے تھے۔

(جاری ہے)

کبھی تو کبھی میری دل کی

مسجد کے پیش امام سے مشاورت کے بعد وہ پہلا اسے لے کر اپنے علاقے کی ڈپسٹری گئے تھے۔ یہ تھا سردی نے اس معصوم پر رحم نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی مرضی ہی تھی کہ ایسی خطرناک جگہ جہاں وہ بچہ جانوروں اور کیڑوں کوڑوں کی خوراک



میں سنا تھا، رات کے آخری پہر تک سانس لے رہا تھا، مگر پھر بھی ڈپسٹری پہنچنے پہنچنے اس کا سانس کم ہو رہا تھا، انتہائی کم۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی سانس اس کے وجود میں آتا رہیں۔

تھی گھنٹے ڈپسٹری میں گزارنے کے بعد اس کی حالت کچھ بہتری تو ان کی جان میں جان آئی تھی، اس کے بعد وہ حیدرآباد پولیس اسٹیشن پہنچے تھے ان کے ساتھ کچھ درہمندول رکستے والے افراد بھی شامل ہو گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ پولیس کی کارروائی بہت طویل اور صبر آزما ہوگی، مگر وہ بالکل نہیں گھبرائے تھے، علاقے کے ایس۔ ایچ او نے اس جگہ کا جائزہ لیا تھا، آس پاس کے گھروں میں بھی جا کر سوال کیے، مگر کسی کے پاس کوئی معلومات نہیں تھیں، اور جب سوال اٹھا، تفتیش کے مکمل ہونے تک بچے کو کس کی تحویل میں رکھا جائے؟ تو صرف وہی تھے جو دل و جان سے یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار تھے، پولیس اسٹیشن میں اپنا نام پتہ درج کرواتے ہوئے انہیں اندازہ تھا کہ تفتیش کے نام پر یہ کس خانہ بدوی ہے، ورنہ سب جانتے ہیں کہ کچرے کے ڈمپر پر پھینکی جانے والی چیزوں کا آخری ٹھکانہ کہاں ہوتا ہے، پولیس کو یا کسی اور کو



جدوجہد کرنے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے، یہ سب جانتے تھے، جسے اپنی مرضی سے پھینک دیا جائے اسے واپس اٹھانے کے لئے نہ جھکا جاتا ہے نہ پلٹ کر دیکھا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ بے یقین تھیں، شدید بے یقین، احمد حسین نے ان کی گود میں جیسے ساری کائنات کی خوشیاں ڈال دی تھیں، ان کے چھوٹے سے خوابیدہ گلابی چہرے نے فاطمہ کو کسی اور ہی جہان میں پہنچا دیا تھا۔

”یہ میری ہے، اللہ نے اسے میرے لیے بھیجا ہے، میں اسے اب کسی کے حوالے نہیں کروں گی، کبھی نہیں۔“ اس کے ننھے وجود کو بانہوں میں بچھتے ہوئے وہ اسے احمد حسین سے بھی چھپا گئی تھیں، جو ساکت نظروں سے انہیں ہی دیکھ رہے تھے، فاطمہ کے چہرے پر ایسی آلودہ چمک انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، ایسا نوران کے چہرے پر پھیلا تھا جو پہلی بار ان کے چہرے پر موجود ہوتا ہے۔

وہ جانتے تھے کہ فاطمہ اولاد کے لئے کتنی بے چین اور بے تاب رہتی ہیں، شادی کے گزروے چھ سالوں میں ان کی طلب بڑھتی ہی چلی گئی تھی اور اب وہ اپنی گود میں قیمتی ستارے چھپائے جیسے تھیں، بار بار اس کے نقش آنگھوں میں آثار سے ہوئے انہیں خوف تھا کہ کہیں وہ ان کی گود سے غائب نہ ہو جائے، احمد حسین کے دل میں تو پہلے ہی اس بچی کی قربت کا سمندر تھا جسے مارنے لگا تھا، اس بچی کو اپنی آنکھوں سے ابھیل کرنے کا سوچ کر بھی ان کا دل ڈوب رہا تھا، مگر یہ بھی ان کو طوفان کی شروعات ہو چکی تھیں، ان کے بھرے پرے گھر کے ہر فرد نے ان پر لعن طعن کی تھی و مبر کے ساتھ ہر مخالفت برداشت کرتے ہوئے انہوں نے اس بچی کو قانونی طور پر اپنی ولدیت میں لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور بہت جلد انہوں نے اس بیماری فیصلے پر عمل بھی کر لیا تھا۔ فاطمہ کے ساتھ انہیں بھی اطمینان ہو گیا تھا کہ اب کوئی بچی کو ان سے جدا نہ کر سکے گا۔ ان کے دونوں بڑے بھائی جو پہلے ہی اس بچی کو گھر میں رکھنے پر شدید اشتعال میں تھے، احمد حسین نے اس بچی کا نام دوے کر مزید بھائیوں کو خود سے بدگن کر دیا تھا، ان کی ماں بھی اپنے دونوں بڑے بیٹوں کی طرف ہو گئی تھیں، ایک خاندان جو ان کے اور فاطمہ کے خلاف کھل گیا تھا، فاطمہ گزروے چھ سالوں میں بڑے مبر اور خاموشی سے اولاد نہ ہونے کے لئے سختی رہی تھیں، مگر اب اپنی بیٹی کے لئے وہ کوئی طعن برداشت نہیں کر سکتی تھیں، وہ اب پہلے سے زیادہ ملنے والی غمخواروں پر خوف و خطر احتجاج کرنے لگی تھیں، اس چیز نے مزید بھونچال پیدا کر دیا تھا مگر کے اندر فاطمہ اور احمد حسین سے سب سے تعلق ختم کر دیا تھا تو باہر کی دنیا میں بھی ان دونوں کے لئے سکون نہیں تھا، ہر روز گھر کے دروازے پر کوئی نہ کوئی اس بچی کے دیوار کے اشتیاق میں چلا آتا، اور ان کے بھائیوں کے اشتیاق کو بڑھا دیتا، ہر روز ایک نئی قیامت کا سامنا احمد حسین کا تھا، وہ کس طرح اپنی بیٹی کے لئے روز نئے مقلات سننے اور برداشت کرتے تھے یہ وہی جانتے تھے، جو مذہبی اور انہوں نے اپنے کا ندھلوں پر لی تھی، سب نے مل کر اسے ناقابل برداشت بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ فاطمہ کو خوف تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں ان کے بھائی ان کی بیٹی کے ساتھ کچھ غلط کر دیں گے، کیونکہ وہ کھلے عام اس بچی کو گھر سے نکال بیٹھے کی اسے جان سے مار دینے کی باتیں کرتے تھے، ان کا وہ اولاد اس چیز کے لئے تھا کہ احمد حسین نے ان کے خون کو گھٹا کر دیا ہے، پورے خاندان میں تھوڑی سی جھگڑا ہو رہی ہے، دنیا کے سامنے تشدد کا رویہ ہے۔

مضبوط سے مضبوط انسان بھی اس وقت کمزور پڑنے لگتا ہے، جب اس کے اپنے خون کی رشتے اس سے منہ پھیر لیں۔

اس پر زندگی تنگ کر دیں، احمد حسین کب تک اور کس کس کو سمجھاتے، فاطمہ کب تک خوف میں گرفتار رہی کے ساتھ ایک کمرے میں قید رہ سکتی تھیں، ان کی ماں نے ان سے ہر تعلق ختم کر دیا، بھائیوں نے پورے خاندان کو ان کے خلاف کر دیا تھا، دن میں ہزار بار ان سے گھر سے نکل جانے کا مطالبہ کیا جاتا، بات بہت دور نکل گئی تھی، مسئلہ اب اتنا کانٹا گیا تھا، وہ بچی ان کے خاندان کے لئے اچھوت بن گئی تھی، اس گھر میں فاطمہ اور احمد حسین کے لئے ایک ایک لمحہ بیماری کر دیا گیا تھا، اور پھر وہ وقت بھی آیا جب سب کچھ برداشت سے باہر ہو گیا، وہ اس مقدس وجود کو گلابیاں کھاتے نہیں دیکھ سکتے تھے، وہ وہ اپنی جان پر ہر وار برداشت کر سکتے تھے مگر اس مقدس چھتے کو تیروں کی زد میں آنا نہیں دیکھ سکتے تھے، اس ماحول میں وہ اس کی پرورش نہیں کر سکتے تھے، جس گندگی سے وہ اسے اٹھا کر لائے تھے اس کے لئے یہ جگہ اس گندگی سے بھی زیادہ کرید اور آلودہ تھی، انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شہر کو ہی چھوڑ دیں گے، ان کے شہر چھوڑنے پر ایک ایسی ہی جوبہت مفہوم تھی اور وہ ان کی بہن تھیں، دونوں بڑے بھائیوں کے خوف سے اگر وہ احمد حسین کے حق میں کچھ نہیں بول سکتی تھیں تو احمد حسین اور فاطمہ کی مخالفت بھی انہوں نے نہیں کی تھی، وہ بمشکل ہی اپنی بہن کو سمجھا سکتے تھے کہ اس شہر میں ان کا دانہ پانی ختم ہو چکا ہے، انہیں جانا ہو گا، اس جگہ جہاں وہ اسے ایک بہتر زندگی دے سکیں، جسے اب خود سے دور کرنا موت کے مترادف تھا، اولاد آزمائش ہوتی ہے یہ سچ ہے، احمد حسین کو اس بچے کا اندازہ اچھی طرح ہو چکا تھا، اپنے شہر کو چھوڑتے ہوئے انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ اس آزمائش میں گھر سے آ کر سرخروئی حاصل کر لیں۔

انجان شہر میں جدوجہد کا نیا سلسلہ شروع ہوا تھا، نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا پڑا تھا، قدم بھانے کے لئے انہیں دن رات ایک کرنے پڑے تھے، اپنی بیٹی کا مصوم چہرہ ان کے عزم اور مت میں نئی روح پھونک دیتا تھا، تین افراد پر مشتمل ان کا چھوٹا سا گھر ان کی خاندان ان کی جنت بن گیا تھا، فاطمہ بہت خوش تھیں، احمد حسین نے پہلے بھی انہیں اس قدر خوش نہیں دیکھا تھا، اور وہ خوش کیوں نہ ہوتیں، اب وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنی بیٹی کو پیار کر سکتی تھیں، ان کے ارد گرد خوف نہیں تھا، ہر وقت وہ اسے گود میں اٹھائے رکھتیں وہ بھی فاطمہ کو اپنے علاوہ کہیں اور متوجہ نہیں دیکھ سکتی تھی، فاطمہ کو گھر کے کام کرتے ہوئے بھی اسے گود میں اٹھائے رکھنا پڑتا تھا۔ احمد حسین تو جیسے گھر میں آتے ہی اسی کے لئے تھے، اس کی چپکاریں، گفتاریاں گھر میں ہی نہیں ان کے دل میں ہی رونق لگنے رکھتیں، اس کا چہرہ دیکھتے ہی وہ ساری تھکن بھول جایا کرتے تھے، احمد حسین گھر آ جے تو وہ ان کے ہی گلے کا پار بنی رہتی، وہ لکھا بھی اسے گود میں بٹھائے رکھ کر کھاتے تھے، آدمی آدمی رات تک وہ احمد حسین اور فاطمہ کو جگائے رکھتی، وہ دونوں بھی اس کی مرضی کے بغیر پلک تک نہیں جھپکنا چاہتے تھے، اس کی وجہ سے ہی وہ سکراتے تھے، ہر غم بھول جاتے تھے، گزرتے وقت کے ساتھ گھبراہٹ بھرے تو نہیں، مگر یہ تھا کہ ان کی اذیت میں وہ شدت بھی نہیں رہی تھی۔

اپنے آبائی شہر سے انہوں نے تعلق ختم نہیں کیا تھا، اپنی بہن اور ماں سے ملنے وہ تھما ہی دھما فوٹا جاتے، رہے تھے، ان کے دل کے گوشے میں کہیں موجود تک اس وقت دور ہو گئی تھی جب ان کی ماں نے بہت خاموشی سے ان کے ہر اقدام کو قبول کر لیا تھا، وہ مطمئن تھے کہ ان کی طرف سے دل صاف کر لیا ہے، انہیں اور کچھ نہیں چاہیے تھا، جب تک ان کی ماں حیات پر ہیں وہ پابندی سے ان سے ملے جاتے رہے، مگر پھر ان کی وفات کے بعد وہاں جانا کم سے کم ہوتا پڑا، اس شہر میں بس وہ اپنی بہن سے مستقل رابطے میں رہے تھے۔

یہ ایک تلخ حقیقت تھی کہ ان کے دونوں بھائی آج بھی خرمن کو کسی حال میں قبول نہیں کر سکتے تھے، نہ ہی ان کے لئے اور قاطر کے لئے اپنے دل میں کوئی جگہ رکھتے تھے، یہ ایک تکلیف دہ جگہ تھا۔

☆ ☆ ☆

دہ سادھے وہ انہیں دیکھ رہا تھا جو ایک ایسی ہستی کے لئے خود کو وقف کر چکے تھے، جس ہستی سے ان کا تعلق آسمانی تھا، وہ تعلق جو دنیا کی آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا، وہ اسے ایک بہت اونچے مقام پر دکھائی دے رہے تھے، سب سے الگ، سب سے منفرد۔

”میں نہیں جانتا کہ سب کچھ جاننے کے بعد اب تمہاری نظر میں خرمن کا کیا مقام ہوگا۔“ احمد حسین گہری سانس لے کر بولے تھے۔

”ایسا نہیں تھا کہ میں نے سترے شے کو اپنے خوشی رشتوں پر ترجیح دی تھی، اللہ جانتا ہے ایسا بالکل نہیں تھا، وہ سب چاہے تھے کہ میں خرمن کو واپس اسی غلامت میں دھکیل کر ان کی طرف لوٹ جاؤں، مگر یہ کیسے ممکن تھا، اللہ نے میرا انتخاب کیا تھا کہ میں اس کی حفاظت اور پرورش کروں، پھر میں کیسے اللہ کے خلاف جاسکتا تھا، خرمن سب جانتی ہے، وہ ہر حقیقت سے واقف ہے، میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا، میرے نام نہاد رشتوں نے اس کی حقیقت کو اس کے لئے اذیت ناک بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان سب کے پاس خرمن کے لئے سوائے نفرت اور کراہیت کے کچھ نہیں، وہ بھی یہ جانتی ہے۔“

دنیا کچھ بھی سوچے مگر وہ میری اولاد ہے، اس کی رگوں میں میرا پسینہ خون بن کر دوڑ رہا ہے، مجھے کوئی تم نہیں کہ اس کی وجہ سے مجھے میری جڑوں سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا، میرے ہاتھوں کی گرمی سے اس کے نیم مردہ وجود کا جو رشتہ بنا تھا، وہ میرے خاندان کے لئے قابل قبول نہیں تھا، مگر میرے لئے تو وہ ایک جیتی تھو ہے، اس کے وجود نے مجھے میرے زندہ ہونے کا احساس دلایا ہے۔“ ان کے مضبوط لہجے پر وہ بے خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا، احمد حسین منفرد تھے، اللہ نے منفرد طریقے سے ہی انہیں اولاد سے نوازا تھا۔ ان کی اولاد کو بھی ان کی طرح منفرد تو ہونا تھا، مگر منفرد بننے کے لئے کتنی بار تیل صراط سے گزرنا پڑتا ہے یہ کوئی ان ہی منفرد انسانوں سے پوچھئے۔

”تم کیا سوچ رہے ہو، میں جانتا چاہتا ہوں؟“ اس کی خاموشی پر احمد حسین پوچھ رہے تھے۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ آئندہ آپ کی بیٹی کے حلوں سے بچنے کے لئے کون سے حفاظتی اقدامات کروں؟“ اس کے نتیجہ ہند احمد ان پر احمد حسین بے سلاستہ مسکرائے تھے۔

”تمہارا ذہن زیادہ گہرا تو نہیں، زیادہ تکلیف تو نہیں ہو رہی؟“ کچھ تشویش کے ساتھ انہوں نے اس کے ذہن کا جائزہ لینا چاہتا تھا مگر وہ ان کا ہاتھ قلم چکا تھا۔

”آپ مجھے چھوڑیں، بس اتنا یقین کر لیں کہ اللہ نے آپ کو ایک اولاد دی ہے، مگر وہ دس پر بھاری ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

”ہاں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو، مگر یہ بھی جگہ ہے کہ کم تم بھی کسی سے نہیں، اس سے دو چار ہاتھ آگے ہی ہو۔“ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے انہوں نے چھٹی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”قاطر! بہت ناراض ہیں تم سے، خیر متالو، میں کوئی مد نہیں کروں گا۔“ وہ صاف کوئی سے بولے تھے۔

”اس سے پہلے بھی کب میں نے آپ کی مدد لی ہے؟ فکر مت کریں، انہیں منانا تو بہت آسان ہے میرے لیے مکمل ہین کرنے سے انکار کروں گا، خود ہی ساری ناراضی بھول جائیں گی۔“ وہ دھڑائی سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کا سا تاہرست پھیلا ہوا تھا، برآمدے کے اسٹپس پر بیٹھے ہوئے اس نے گہری سانس لی تھی۔

”پتہ نہیں کبھی بھی سانس لینا اتنا مشکل کیوں ہو جاتا ہے؟“ اس نے سوچا تھا اور پھر سر اٹھا کر آسمان کا جائزہ لیا تھا، جہاں چند ستارے لمبا رہے تھے، آخری تاریکیوں کا چاند آہستہ آہستہ سفر طے کر رہا تھا، گہری خاموشی میں ہوا کے مدھم مدھم کی ہر سرانٹیں سنتے ہوئے جانے لگاؤت گزر گیا تھا، جب آہٹ نے اسے چونکا دیا تھا، خاموشی سے وہ اسے اپنی سوت آباد بھی رہی تھی۔

”کانی رات ہو چکی ہے، اب تک جاگ رہی ہو؟“ کچھ قاصلے پر زکنا وہ سنبھل کر بولا تھا۔

”اور تم کیوں جاگ رہے ہو، شادی میں شرکت نہ کرنے کا تم ستارہ ہے؟“ وہ خطرے لکھ میں بولی تھی۔

”سرمیں دروہ ہے، اس لیے نیند نہیں آ رہی، سوچا چائے کے ساتھ کوئی ٹیلیفٹ لے لوں۔“ اس کا نظر نظر انداز کرتا وہ بولا تھا۔

”انڈر ایک تو بواہل کرنا نہیں آتا، پہلے ہو چائے بنانے، میں بنا دیتی ہوں۔“ کوفت سے بولتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی، مارش حیران ہوا تھا، مگر اسے اخلاقیاتی روکے کی کوشش نہیں کی تھی، کیونکہ وہ اس وقت واقعی اچھی سی چائے لینا چاہتا تھا، جاکر وہ خود کو بنانی نہیں سکتا تھا۔

لیکن میں وہ خاموشی کے ساتھ ٹھیل کے گرد بیٹھ گیا تھا، نظریں اس پر ہی تھیں جو چائے بنانے میں مصروف ہو گئی تھی، کانی کی تیز روشنی میں وہ اپنے دل کی دھڑکن کی محسوس کر رہا تھا، آف وہاں لباس میں اس کی پشت پر بے ترتیب سیاہ ہاں بہت نمایاں ہو رہے تھے، چھبیر سنانے میں اس کے ہاتھوں میں موجود چوڑیوں کی ابھرتی ٹھٹھک سماعتوں کو بہت بھلی گہری تھی، اس پر سے نظر پڑتا تو وہ اب ٹھیل کی سگ کو دیکھ رہا تھا۔

”پہلے یہ ٹیلیفٹ لے لو۔“ پانی کا گلاس اور ٹیلیفٹ اسے دی جی وہ واپس پلٹ گئی تھی، ایک بار پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، احمد حسین اور قاطر اسے ساری دنیا سے کسی قیمتی شے کی طرح چھپا کر رکھتے آئے تھے تو کیوں؟ اس کا جواب اس کے اس پیہر میں بہت اچھی طرح سمجھ آ رہا تھا۔ چائے کا گلاس کے سامنے رکھتے ہوئے خرمن نے اس کی ابرو کے اوپر ہنسی کو دیکھا تھا اور پھر اناک تھا سانسے بیٹھ گئی تھی۔

”اب کیا جواب دو گے منیرہ کو؟“ چانچنی نظروں سے خرمن نے اسے دیکھا تھا۔

”جواب تو وہ مجھے دے گی، اس نے ہی مجھے خوش بھی میں ہتار کا تھا جو میں بڑے ذہم سے کہتا رہا کہ ”مطلقاً ماموں خود جہاں آئیں گے، اپنی پہلی اولاد کی خوشی میں اپنے بھائی کے لیے دل کو بیچ کر لیں گے مگر۔۔۔۔۔“ وہ شدید تاسف کے ساتھ انہیں ایک بل کو خاموش ہوا تھا۔

”تم چاہے ہو کہ بابا کے تعلقات اپنے بھائیوں سے اچھے ہو جائیں؟“ پات نظروں سے اسے دیکھتی وہ پوچھ رہی تھی۔

”ہاں میں ایسا چاہتا ہوں، مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ اس کے لئے قصیں ایک طرف بنا دیا جائے، ماموں جان اور ماما

تمہارے بغیر اوجھڑے ہیں اور میرے لیے اس گھر کے ہر فرد کی عزت اور اہمیت ہر دوسرے رشتے سے بڑھ کر ہے، مجھے اب احساس ہو چکا ہے، ماموں جان کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا، شادی میں نہ جانے کا، مصطفیٰ ماموں کو بھی احسان ہونا چاہیے کہ آخر بنگلہ داری کے لیے ماموں جان ہی جیتنے رہیں گے۔

”کسی کے اندر اتنا قدم نہیں کہ میرے باپ کو چمکالے، جو لوگ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے ڈرتے ہیں وہ کبھی میرے باپ کے سامنے نہیں کھڑے ہو سکتے، اور ان کے حق میں یہی بہتر بھی ہے۔“ وہ تلخ لہجہ میں بولی تھی اور ہر جھجکتے ہوئے چائے کا گلاسوں سے لگا لیا تھا۔

”تم نے کبھی سوچا اس بارے میں کہ ماموں جان کے جو اختلافات اپنے بھائیوں سے ہیں وہ ختم ہو جائیں؟“ عارش نے پوچھا تھا۔

”اس بارے میں سوچنے سے پہلے میرا نام و نشان اس دنیا سے غنا ضروری ہے، ہر اختلاف کی جڑ میں ہوں، میں ختم، سارے اختلافات ختم۔“ وہ طنز سے لہجہ میں بولی تھی۔

”اگر میں تمہارے اس یقین کو غلط ثابت کر دکھاؤں تو...؟“ عارش کی سنجیدہ نظروں کی صفحہ رنگ پر دیکھتے ماموں کو پھر آئی تھی۔

”تم جیتنے کر رہے ہو؟“

”نہیں، میں صرف تمہاری رائے مانگ رہا ہوں۔“ عارش کی نگاہ اس کی چھٹائی پر ٹھہری تھی۔

”جو کام میرا باپ نہیں کر سکا اسے تم کیسے کر سکتے ہو؟“ خرمن کا لہجہ استہزا سے تھا۔

”کیونکہ وہ تمہارے باپ ہیں، انہیں جو بہتر لگا انہوں نے کیا، ایک حد کے اندر وہ کر انہوں نے دنیا کو قائل کرنے کی کوشش کی، مگر میں حد سے آگے بڑھ سکا ہوں، دنیا کو قائل کرنے کے لیے نہیں، اپنی بات منوانے کے لیے، فیصلے کرنے کے لیے اور تمہارے حق کے لیے بھی۔“ اس کے پُر سکون لہجے میں کچھ تھا جو خرمن نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”میں جانتا ہوں تم خود غرض نہیں ہو، تم چاہتی ہو کہ ماموں جان حریف اپنے بھائیوں سے کٹ کر زندگی گزاریں، تم چاہے ان سب کو پسند نہ کرو، جنہیں ایسا کرنا بھی چاہیے، مگر ماموں جان کو تم ان کے خونی رشتوں سے قریب دیکھنا چاہتی ہو۔“ اس کے بعد سنجیدہ انداز پر وہ کچھ بولیں تھیں مگر دنگ تھی کہ عارش کس طرح اس کے دل میں چھپی اس خواہش کو مانگ گیا جسے وہ خود سے بھی چھپا کر رکھتی آئی تھی۔

”اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو بتاؤ مجھے؟“ اس کی خاموشی پر وہ بولا تھا۔

”یہ سچ تکلیف کا باعث ہے کہ وہ میری وجہ سے ہی اپنے خاندان سے کٹے ہوئے ہیں، انہوں نے مجھے سب کچھ دیا، مگر میں انہیں کیا دے رہی ہوں؟ کچھ بھی تو نہیں۔“ وہ کمزور لہجے میں بول رہی تھی۔

”میں چاہتی ہوں کہ بابا اپنے بھائیوں کے قریب ہو جائیں، میں خود ایک طرف ہٹ جاؤں گی، مگر میں اب بابا کو ان کی عمر کے اس صے میں سب کے ساتھ مل کر زندگی گزارنے دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”ایسا ضرور ہوگا، میں تمہاری اس خواہش کو ضرور پورا کر کے دکھاؤں گا، غریب، مگر اس کے بعد تم میرے لیے کیا

کر رہی؟“ عارش کے سوال پر خرمن نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہے، جنہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے جو چاہیے ہوگا میں خود مانگ لوں گا، ماموں جان سے یا ماما سے ایک ہی بات ہے۔“ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ بولا تھا۔

”میرا باپ دونوں باتوں سے تم پر لانا رہا ہے، اب بھی ان سے کچھ مانگنے کی کسر رہ گئی ہے؟“ وہ بکس کر بولی تھی، عارش کے لئے یہ نئی بات نہیں تھی، کسی نہ کسی طریقے سے وہ اکثر اسے اپنے باپ کے کیے گئے احسانات یا دلاتی رہتی تھی۔

”کیا کروں، ان سے مانگنے کی عادت جو ہو چکی ہے۔“ وہ ڈھٹائی سے بولا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ چوٹ کا اثر تمہارے دماغ پر ہو گیا ہے۔“ ناگواری سے بولتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

چائے کے سپ لیتا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جو اپنا گریڈنگ سک میں دھو رہی تھی، وہ اسے ہاتھ نہیں دیکھا کہ چوٹ کا اثر صرف دماغ پر نہیں دل پر بھی ہو چکا ہے جو کہ ڈانوا ڈول تو پہلے ہی تھا، وہ اسے دیکھ رہا تھا جو لائٹ آف کر کے آنے کی تاکید کرتی چکن سے نکل رہی تھی، ایک طمانیت بھری سانس لیتا وہ بھی اٹھ گیا تھا، اب اس چکن میں اس کے لیے کوئی دھجکی نہیں رہ گئی تھی، یہ پہلا موقع تھا جس میں خرمن سے وہ اتنی باتیں کر گیا تھا، اس سے آٹنے سامنے بیٹھ کر بات کرنے کے بعد وہ بہت اچھا محسوس کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

حیرت قدموں کے ساتھ وہ اپنے گھر کی سمت بڑھ رہی تھی، عروسہ کو اپنے میوٹ کے ساتھ کہیں جانا تھا، سو وہ اسے بھی پار سے یہاں گھر کے قریب ہی ڈراپ کرتی گئی تھیں، مگر کارروازہ کھلا تھا وہ اندر داخل ہو رہی تھی کہ عقب سے ابھرتی پکار پر کی تھی۔

”بات سنو یہ اپنا نیت تم سب اپنے پاس سنبھال کر رکھو، نہیں چاہیے یہ احسان۔“ بگڑے تیروں کے ساتھ اس نے ایک ٹیکٹ خرمن کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

”گھٹیا انسان، اپنے بڑے بھائیوں کے لیے غریب تھا، مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اسے میرے ہی منہ پر مارو گے۔“ خرمن کے بگڑنے پر وہ طوفان کی طرح جا رہا تھا، بھگ سے اسے اتار کر دم رکھا تھا۔

”یہ گھٹ تم نے مجھے بھیجا تھا؟“ وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

”تو کیا تمہارے فرشتوں نے مجھے بھیجا تھا، ورنہ جو اذاب، دھج بھی نہ دکھانا مجھے۔“ خرمن کے فیصلے انداز پر عثمان کے پٹکے پھوٹ گئے تھے، اسے آواز میں دیتا وہ چیخے ہی آیا تھا۔

آکھڑی جانے کے لیے بالکل تیار وہ کمرے سے باہر نکلا اس کی جانب ہی متوجہ تھا، جو بلند آواز میں عثمان کی مٹی پلید کرتی تخت کے کنارے ہی براجمان تھی، مسکراہٹ چھپاتے ہوئے وہ ان دونوں کی سمت ہی بڑھ آیا تھا۔

”تم لے لو اسٹانی! میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ گھٹ تم نے بھیجا ہے ورنہ میں کیوں...!“ معذرت کرتے ہوئے عثمان رک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”جنہیں شرم نہیں آتی دوسروں کا گھٹ اپنے نام سے دیتے ہوئے، اپنی جیب سے میرے لیے کچھ نہیں خرید سکتے تھے؟“ گھٹ جانے والے انداز میں وہ عارش سے مخاطب تھا۔

”ایکسی ذی، میں نے تم سے کب کہا تھا کہ یہ گفٹ میری طرف سے ہے، تم تو میری شکل دیکھتے ہی دوش روم میں بند ہو گئے تھے، تم نے مجھے کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر کہہ دیا تھا کہ تم کئے کئے کے سگنٹس وصول نہیں کرو گے۔“ عارش کے سنجیدہ لہجے پر عثمان کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

”کئے کئے کے گفٹ کا قائل بھی نہیں ہوں، تم دو کئے کے تمہارا پورا خاندان دو کئوں کا۔“ خرمن شدید غصے میں عثمان کی عزت افزائی کر رہی تھی جبکہ اس کی ہونق شکل کو دیکھتے ہوئے عارش بمشکل مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔

”عارش! آج تم میرے ہاتھوں جنم رسید ہو گے، زمانے بھر کے جھوٹے، آگ لگا کر قاتلہ دیکھ رہے ہو۔“ خرمن تو بولنے کا موقع نہیں دے رہی تھی مگر عثمان اس پر برس ہی گیا تھا جو اطمینان سے کھڑا تھا۔

”ارے، میری ماں! میں تو یہی سمجھا تھا کہ یہ زمانے بھر کا کجکس میرے لیے گفٹ لایا ہے۔“ عاجز آ کر عثمان نے ہاتھ جوڑے تھے۔

”تم اس ختنے سے پوچھو، ہر باریک طرح اس بار بھی یہ میری برتھ ڈے بھول گیا تھا، رات دو بجے تک میں انتظار کرتا رہا کہ اب یہ مجھے دوش کرے مگر نہیں، سو گیا لیکن تان کر۔“ منجانی پیش کرتے ہوئے عثمان نے غصے میں عارش کو دیکھا تھا۔

”ذوب کر مر جاؤ، اس عمر میں 12 بجے سے پہلے نیند کی وادیوں میں اتر جاتے ہو۔“ عثمان نے جس طرح یہ طعنہ عارش کو دیا تھا، خرمن نے سارا فضا بھول کر عارش کو دیکھا تھا جو حنائی سے مسکرا رہا تھا۔

”یہ گفٹ میرے کمرے میں رکھ کر چلا گیا، مجھے کیا پتہ تھا کہ میں کیسا گناہ دیکھ کر کرنے جا رہا ہوں۔“ ایک بار پھر عثمان نے لجائی نظروں سے اس گفٹ کو دیکھا تھا جو خرمن اب واپس کرنے کے لیے تیار نظر نہیں آتی تھی۔

”مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟ میں کیا کروں؟“ خرمن نے اسے جھڑکا تھا۔

”یہ گفٹ واپس مانگنے کی تمہید ہے۔“ عارش نے لقمہ دیا تھا۔

”جب دیکھ رہے ہو کہ ایک آئیڈیل کیل کی نگرانی چل رہی ہے تو کیوں کباب میں بڑی بن رہے ہو؟“ وہ عارش پر بگڑا تھا مگر اگلے پل خرمن نے اپنا چنڈ بیک اس کے کندھے پر مار کر پرے بٹایا تھا۔

”گفٹ واپس دے دو، ورنہ سوچ لینا پھر، صبح بھی بیکس ہوگی اور شام بھی، ایک تو پہلے ہی قبضہ ہوا کہ بیٹھا ہے تمہارا گھر میں۔“ عثمان کا اشارہ یقیناً عارش کی طرف تھا۔

”یہ گھر ہے میرا، حقوق کا ٹھکانہ نہیں، لو پکڑو، مرد، عزت تو اس ہی نہیں تھی تمہیں۔“ گفٹ اس کے ہاتھ پر پختی دو بولی تھی۔

”میلی باریکسی لڑکی سے گفٹ ملا ہے، اس لیے اتنی باتیں سن لیں تمہاری۔“ گفٹ ہتھیا کر وہ اڑ گیا تھا۔

”شرافت سے اب کیلک کھلا دو، اب ایسے نکلے بھی نہیں ہو۔“ خرمن نے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

”کیک کیا ڈز بھی کر وہی تم کل عارش کے خرچے پر تم بھی چنانا، میں تو ویسے بھی برتھ ڈے بوائے ہوں۔“

”دماغ درست ہے تمہارا، کس خوشی میں میرے خرچے پر ڈز کرو گے تم؟“ عارش کا سارا اطمینان ہوا ہو گیا تھا۔

”چپ چاپ کل لے چلو ڈز کے لیے ورنہ تمہاری ساری حرکتیں استانی کے سامنے بیان کر دوں گا۔“ عثمان کی دھمکی نے خرمن کو بری طرح چوٹ لگایا تھا۔

”کیا کہہ رہا ہے یہ، کیا حرکتیں کرتے پھر رہے ہو تم؟“ خرمن نے شدید ناگواری سے کہا تھا۔

”میں کیا کروں گا، یہ خواہناؤ کو اس کر رہا ہے۔“ عارش نے مجز عثمان کو دیکھا تھا جو دل جلا دینے والی غصے کے ساتھ حرکت سے گیٹ کی سمت گیا تھا۔

”خرمن ان دونوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار کیسے ہو گئی؟ عثمان کے نصیب جاگے ہیں یا عارش کے؟“ سرسری اور اذیت فاطمہ سے خطاب وہ اخبار کے اوراق کا جائزہ بھی لے رہے تھے جبکہ فاطمہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو آستین کے کف بند کرتا ہی جانب آ رہا تھا، غلطی بھری نگاہ اس نے فاطمہ پر ضرور ڈالی تھی۔

”معلوم ہے مجھے کہ کیا چیز کلک رہی ہے تمہیں، اچھے خاصے شریفانہ لباس تم لوگوں کو نہیں بھاتے۔“ اس کی ناراضی پر بچہ ہی فاطمہ نے اسے ڈنٹا تھا۔

”میں کہاں کچھ بول رہا ہوں۔“ بے زاری سے کارلجھک کر تاہ بولا تھا۔

”تمہارا کچھ نہ کہنا ہی کافی ہے۔“ فاطمہ کے مزید ڈپٹنے پر اس بار احمد حسین اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے، سیاہ رنگ کے شلوار سوٹ میں اس کا دراز قد، بہت نمایاں ہور ہوا تھا۔

”دیکھیں ماما! میں اس لباس میں ماموں کو بھی اچھا نہیں لگ رہا۔“

”تمہیں یہ اندازہ کیسے ہوا؟“ احمد حسین نے پوچھا تھا۔

”کیونکہ آپ نے میری تعریف ہی نہیں کی۔“ وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

”تمہیں اپنی تعریف سننی ہے تو ویسے ہی کہہ دو، بہانے مت ڈھونڈو۔“ احمد حسین کے خشکیں لہجے پر اس نے سخت سے فاطمہ کو بھی دیکھا تھا، جو دل میں اس کی نظرا تار رہی تھیں۔

”دو بار عثمان بلائے آچکا ہے مگر آپ کی صاحبزادی کی تیاریاں مکمل نہیں ہو رہیں، میں نے اپنی زندگی میں اب تک ایسی خاتون نہیں دیکھی۔“ خرمن کے کمرے کی جانب لگاؤ والا وہ فاطمہ کو سنا رہا تھا۔

”یہ حقیقت تم جا کر خرمن کو بتا دو تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا؟“ اخبار سے نظر ہٹا کر احمد حسین نے اسے دیکھا تھا۔

”آپ کو یہ لگتا ہے کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں؟“ مسکراتی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتا وہ خرمن کے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

”عارش! ذرا اندر آؤ، مگر جوتے وغیرہ جو بھی پہنے ہیں، باہر اتار کر آنا۔“ دھتک پچان کر اس نے حکم آمیز لہجے میں آواز لگائی تھی، باہر موجود عارش نے مزید کوفت میں مبتلا ہو کر اپنی براؤن پشاور کی چپلوں کو دیکھا تھا اور پھر انہیں اتارنا شروع کر دیا تھا، یہ کام وہ کیسے بھول سکتا تھا، ایک بار جوتوں سمیت اس کے کمرے میں داخل ہو کر وہ جوتی بھر کے اس کے ہاتھوں سے عزت ہو چکا تھا، اپنے کمرے کے کارپٹ سے لے کر دروازے تک کے معاملے میں بھی وہ اچھی خاصی دہی گما، یہ اور بات کہ احمد حسین اور فاطمہ اسے بے حد غصا سے پسند سمجھتے تھے جبکہ عارش دل ہی دل میں اسے آدمی جی مرلیٹس کہنے کی حد تک دہی قرار دے چکا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی سمجھتی سمجھتی اب تک اس کی سانسوں میں اتنی دل و دماغ کو مہر لگتی تھی، نظر اس تک لگی تھی

جوڑ رینگ کے سامنے بیٹھی جائے کیا چیز اپنے ہاتھوں پر لگانے لگی تھی، یکدم عارش کے قدم زمین میں جکڑے تھے۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ عارش نے اسے اٹھا کر اپنے پاس لے کر بیٹھا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ عارش نے اسے اٹھا کر اپنے پاس لے کر بیٹھا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ عارش نے اسے اٹھا کر اپنے پاس لے کر بیٹھا۔

”ابھی عروس آئی ہے میری بات ہوئی ہے، کہہ رہی تھیں کہ فاروق بھائی نے صرف میری وجہ سے بیلا کو ساتھ جانے کی اجازت دی ہے، وہ کہہ رہی تھی کہ بیلا کا خیال رکھوں اور جلدی واپس آنے کی کوشش کروں، دراصل بیلا، عثمان کی وجہ سے کچھ ہچکچا رہی ہے، آخر ان دونوں کے درمیان تاریخی کس بات پر جھل رہی ہے؟ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ فاروق بھائی سے عثمان شدید ناراض ہے۔“ اسکا فہم چہرے کے گرد درست کرتی وہ بولی تھی۔

”فاروق بھائی نے ان دونوں کو ایک ساتھ ایک دوسرے سے نفرت میں گھونٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد فاروق بھائی نے کیا بیگانہ کیا ہو گا تم اندازہ کر سکتی ہو۔“ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہا تھا۔

”تو اس میں بیلا کا کیا قصور ہے؟ سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت تو اس کی ہوگی، فاروق بھائی نے عثمان سے زیادہ اسے لڑا ہوا دکھا۔ وہ حیرانی سے بولی تھی۔

”یہی تو سارا مسئلہ ہے، فاروق بھائی عثمان سے کچھ نہیں کہتے، سارا غصہ ان کا اپنی بہن پر ہی اترا ہے اور یہ چیز عثمان سے برداشت نہیں ہوتی۔“ عارش نے بتایا تھا۔

”اور بیلا کا قصور یہ ہے کہ اس کے اندر محبت نہیں کہ فاروق بھائی کے سامنے عثمان کی نفیور میں کچھ بولے، نہ وہ خود ان کے سامنے عثمان کو سپورٹ کرتی ہے نہ ہی عثمان کو کچھ بولنے دیتی ہے، اور عروس آئی تو پہلے ہی عثمان اور بیلا کے درمیان پسندیدگی کے سخت خلاف ہیں، مثلاً اس لیے کہ ان کے شوہر بہت عجیب کی سے عثمان کو پسند کرتے لگے ہیں، اس وقت سے جب سے بیلا اور عثمان کے لیے ان کا شک یقین میں بدلا ہے۔“

”بیلا علیٰ غمی اسے، یہی ہوتا چاہیے اس بدخیز کے ساتھ۔“ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

”عثمان اس کے لیے پیچیدہ ہے، ناگہم پاس نہیں کر رہا۔“ عارش کو برا لگا تھا جو راز لگا ہوا تھا۔

”چپ رہو، اور تم بھی نہ چل پڑنا، میرے فریضے کے نقش قدم پر، تمہاری شادی اس لڑکی سے ہوگی جسے میں تمہارے لیے پسند کروں گی کیجئے؟“ اس کے جھرنے والے انداز پر عارش بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”تم اپنے چہرے کے زاویے ٹھیک کرتے ہو یا میں بیلا کو ساتھ لے کر یہاں سے چلی جاؤں؟“ بیلا کے ساتھ ہی نکلنے کے گرد بیٹھتے ہوئے خرمن نے ناگواری سے عثمان کے متھے ہوئے اثرات کو دیکھا تھا۔

”میرے چہرے کے زاویے ایسے ہی رہیں گے، جسے دیکھنا ہے، دیکھو، ورنہ جہاں سینگ سائیں نکل جائے۔“ عارش نے نظر خاموش بیٹھی بیلا پر ڈال دیا وہ بگڑے لہجے میں ہی بولا تھا۔

”عارش! میں صرف تمہارے انویشن پر ساتھ آئی ہوں ورنہ مجھے اپنی اہمیت کروانے کا شوق نہیں تھا۔“ بیلا نے شکایتی نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

”عارش! اگلی بار تم ان کو جنم میں جانے کا انویشن بھی ضرور دینا۔“ عثمان جل کر بولا تھا۔

”بس کرو، کیوں اس کے پیچھے لگ گئے ہو، وہ تمہاری خوشی میں شریک ہونے آئی ہے۔“ عارش نے اسے ٹوکا تھا۔

”رہنے بھی دو اب، یہ اور اس کا بھائی میری خوشیوں میں صرف آگ لگانا جانتے ہیں، ہر دوسرے دن یہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مجھے جلتے تو ہے پر چڑھا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اور کبھی کیا سکتی ہے۔“ عثمان کے جلتے جیسے انداز پر خرمن نے مشکل مسکراہٹ چھپائی تھی۔

”پتہ نہیں، میرے بھائی نے کیوں تم جیسے لوگوں سے رشتہ جوڑ لیا تھا؟“ بیلا بھی مزید برداشت کا مظاہرہ نہیں کر سکی تھی۔

”مجھ سے کوئی رشتہ نہیں ہے تمہارے بھائی کا، میں نے تو صرف اپنی بہن کی قربانی دی ہے۔“

”نہیں چپ ہو گا یہ سبکی، مگر میں تو اسے کوئی سنا کو اور نہیں کرتا، چھوڑ دیا اسے ہم پر پیدا کر کے بھیلنے کے لیے۔“ خرمن کا بس نہیں چلا اور نہ گاس عثمان کے سر پر ہی توڑتی جبکہ اس کی عزت افزائی پر بیلا کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

”دیکھو ذرا اس کی عثمانی دیکھو، مجھ پر قفس رہی ہے یہ۔“ عثمان چپ اٹھا تھا۔

”صبر کر جاؤ کل پوری دنیا سنے گی۔“ خرمن نے مزید گھر کا تھا۔

”میری بے عزتی ہو رہی ہے اور تم ابھر اوجھر کے جائزے لے رہے ہو، ایسے موقعوں پر ہی دوست آستین کے ساتھ بیٹے ہیں۔“ عثمان نے شکایتی نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

”عارش! اس لیے خاموش ہے کہ تمہیں ہی دو خواتین کے ہاتھوں بے عزت ہونے کا حقوق چڑھا ہے، پڑ پڑ بولتے مرد زہر لگتے ہیں، تم بھی عارش جیسے سوہو لوہو کم نہیں بن سکتے۔“ بیلا فوراً ہی عارش کی طرف داری میں بول اٹھی تھی۔

”یہ کم گو اگر تمہیں اتنا ہی اچھا لگتا ہے تو اسے اپنے گھر لے جاؤ، ویسے بھی استانی کو اپنے علاوہ کوئی جیتا جاگتا انسان اپنے گھر میں گھومنا برداشت نہیں ہوتا۔“ عثمان نے دل کے پچھو لے پھوڑے تھے۔

”اسے یہاں سے دفع کرو، ورنہ میرے جوتے ہی کھائے گا یہ۔“ خرمن نے کڑی نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

”تمہاری زندگی پڑی ہے بے عزت ہونے کے لیے، مگر آج بس اتنا کافی ہے۔“ عارش نے خشکی نظروں سے عثمان کو دیکھا تھا اور پھر اپنی طرف آتے و پڑنے کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

”ایک کتنے تک ماحول خوشگوار ہو گیا تھا، بیلا کی طرف سے ملنے والے فکاردار اور گفت نے عثمان کا موز مزید خوشگوار کر دیا تھا۔

”عارش! سیزہ بھی یہاں آئی ہوئی ہے، وہاں دیکھو۔“ کھانے کے دوران اچانک عثمان نے کہا تھا، سنا خرمن نے بھی تھم کر وہ اپنے کھانے کی طرف ہی متوجہ رہی تھی۔

”اس سے پہلے کہ وہ یہاں آئے تم وہاں چلے جاؤ۔“ سیزہ نے خرمن نے عارش کو ہدایت دی تھی۔

”وہ خود نہیں آ رہی ہے۔“ عارش نے اسے بتایا تھا جو ایک کھوئی نگاہ اس پر ڈال کر رہ گئی تھی۔

”اللہ خیر کرے سیزہ کے تیرے کچھ خطرناک دکھائی دے رہے ہیں۔“ عثمان نے تجویز بیان کیا تھا۔

”آپ آئے بہار آئی تشریف رکھیے تھرما۔“ سیزہ کے قریب آتے ہی عثمان چپکا تھا۔

”شکر ہے تم تو کم از کم پچھانے ہو مجھے، ورنہ لوگ تو میری آواز بھی نہیں پہچاننا چاہتے۔“ سیزہ لہجے میں عثمان سے

مخاطب ہوتی وہ عارش کی طرف ہی متوجہ تھی۔

”تم پہلے بیٹھ جاؤ۔“ عارش نے سنجیدگی سے اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی دیا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے کہ یہ جگہ میرے بیٹھنے کے قابل ہے؟“ ناگوار لہجے میں بولتی منیزہ نے ایک نخوت بھری نگاہ خرمین پر ڈالی تھی۔

”میرے بھائی کی شادی میں شرکت کرنے کا وقت تمہارے پاس نہیں ہے، مگر ہونٹ لگ کرنے کے لیے وقت ہی وقت ہے۔“

”یہ جگہ ان باتوں کے لیے نہیں ہے، تمہیں جو بھی بحث کرنی ہے بعد میں کرنا۔“ عارش کا لہجہ ناچاہتے ہوئے بھی ناگوار ہوا تھا۔

”میں یہاں کوئی بحث نہیں کرنے آئی، میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ ایسی کون سی رکاوٹ تھی جو تم بھائی کی شادی میں نہیں آئے؟ صرف چند ہی لوگ ہیں جو تمہارے اپنے ہیں، ہم سے کوئی رشتہ نہیں تمہارا تم جانے ہو، ابو کو توئی تکلیف پہنچی ہے تمہارے نہ آنے سے، تمہیں میرا بھی کوئی خیال نہیں آیا، کسی ایک کے لیے کیا ساری دنیا سے تم بھی بچا جان کی طرح ہر تعلق ختم کرنا چاہتے ہو؟“ منیزہ کے فیصلے انداز پر عثمان اور بیلا تو حیران ہی بیٹھے تھے جبکہ پہلی بار خرمین نے نظر اٹھا کر منیزہ کو دیکھا تھا۔

”ماموں جان کو درمیان میں مت لاؤ، ان کے بارے میں کوئی بھی بات کرنے کی اجازت میں تمہیں نہیں دوں گا، تم جانتی ہو کہ شادی میں نہ آنے کی وجہ کیا ہے، انجان مت بنو۔“ بمشکل ضبط کرتے ہوئے عارش نے کہا تھا۔

”ہاں، میں انجان نہیں ہوں، جانتی ہوں کہ سب سے بڑی رکاوٹ کون ہے، کس نے تمہارا برہنہ واش کر رکھا ہے، کس وجہ سے تم ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔“ کے بغیر بولتے ہوئے منیزہ نے فیصلی نظروں سے خرمین کو دیکھا تھا جو ضبط کی انتہا پر پہنچ گئی تھی۔

”جب ہر سوال کا جواب جانتی ہو تو کیوں رکی ہو یہاں، پہلی کیوں نہیں جانتیں؟“ خرمین کے ہنسنے لہجے پر عارش کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہی۔“ منیزہ کا لہجہ تیز تھا۔

”تو پھر میرے سر پر کھڑے ہو کر میرے اور میرے باپ کے بارے میں بات بھی مت کرو۔“ خرمین کی آواز بلند ہوتی تھی، بیلا نے سرعت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر شانت رہنے کا اشارہ دیا تھا مگر۔

”جس شخص کی زندگی اور خوشی کے بھائی کے بغیر مکمل ہو سکتی ہے اس کے دل میں پھر کسی بھی انسان کی کمی کی تکلیف پیدا نہیں ہو سکتی، اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں رکاوٹ ہوں تو یہ بالکل ٹھیک ہے، تم لوگ اس بات کو نہیں سمجھ رہے کہ میرے گھر کا کوئی فرد تم سب سے تعلق رکھے، چاہے وہ۔۔۔۔۔۔“

”خرمین! منیزہ کی بات کا وہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو، یہ صرف مجھ پر۔“ عارش نے گھبرا کر اسے روکنا چاہا تھا مگر خرمین نے جیسے نہایتی نہیں تھا۔

”اب میں وہی بن کر دکھاؤں گی جو تم نے مجھے سمجھا ہے تمہارے ساتھ عارش بھی بن لے، اگر تم سب سے اسے تعلق

رکھتا ہے تو پھر ہم سب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا، اب مطمئن ہو کر جاؤ اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سب اپنے باپ کو سنا دیتا۔“ سکتے لہجے میں بات مکمل کر کے خرمین نے پانی کا گلاس اٹھا کر لیوں سے لگا لیا تھا، باقی سب دنگ بیٹھے منیزہ کو دیکھ رہے تھے جو ہر غلطی شدہ مشتمل انداز میں وہاں سے جا رہی تھی۔

وہ عارش پر غصہ تھی اس لیے اتنا کچھ کہہ گئی، ورنہ وہ دل کی بری نہیں ہے۔ عثمان نے چند لمحوں بعد خاموشی توڑی تھی۔

”اس کی ہمدردی اپنے دل میں سنبھال کر رکھو۔“ خرمین ناگوار سی بولی تھی اور پھر پریشان بیٹھے عارش کو دیکھا تھا۔

”اب اس کے بعد بھی تمہیں کوئی ثبوت چاہیے کہ کس پستی میں ہے تمہارا خاندان جسے موقع چاہیے مجھے سرعام۔۔۔۔۔۔“

”مزید کچھ مت کہو، ختم کرو اب خدا کے لیے۔“ سرخ چہرے کے ساتھ عارش نے درمیان میں اسے روک دیا تھا۔

”خرمین! چھوڑو اب غصہ، مزید اپنا منہ خراب مت کرو، ہم یہاں اچھا وقت گزارنے آئے ہیں، کسی کی فضول باتوں میں الجھتا بے کار ہے۔“ بیلا نے کہا تھا۔

”میں خاموش ہی بیٹھی تھی، اس نے ہی آ کر مجھے اکسایا ہے۔“ وہ ناگوار سی بولی تھی۔

”تم پریشان مت ہو، میرے اسے فائدہ دینا داریں، ہوم کے میرے کہنے پر اس کی عقل بھی نہیں دیکھو گے، چاہو تو ابھی جا کر رضی کر لو۔“ کڑی نظروں سے عارش کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھتی وہ بولی تھی۔

”اللہ کی قسم کسی بے جا مرد کو وہ عورتوں کے درمیان فٹ بال بنا کر اسے تباہ نہ چھوڑے۔“ عثمان کی فریاد پر بیلا نے بمشکل مسکراہٹ چھپائی تھی۔

☆ ☆ ☆

تسل سے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے عثمان نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو نشو و نما سے میک اپ صاف کرنے میں مصروف تھی۔

”اب کچھ جانی پہچانی لگو گی تم۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ بیلا نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”یونیورسٹی بننے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم بھی آپنی کے نقش قدم پر چلو، میں تو یہ بھی بھول چکا ہوں کہ آپ بغیر میک اپ کے دکھائی کیسی دیتی تھیں؟“ اس کے خشکیں لہجے پر وہ بے ساختہ تھی تھی۔

”مان! یقین کرو، بھائی جس دن میک اپ کے بغیر بھائی کو نظر آتی ہیں، وہ بھائی سے ان کی طبیعت کے بارے میں ضرور پوچھتے ہیں۔“

”پلاؤ بے خوف! اورو میرے ابا کو یہی لگ رہی ہوگی کہ کہیں میں نے ان کی گاڑی ٹھوک تو نہیں دی۔“

”گھر کے اندر چلو، ویسے نہیں جانے دوں گی، چاہئے پی کر جانا۔“ وہ قلمی لہجے میں بولی تھی۔

”اب اتنی دلیری کے مظاہرے بھی مت کرو، تمہارے بھائی کے توجہ مزید بگڑ جائے ہیں میری عقل دیکھ کر۔“ وہ بخاری سے بولا تھا۔

”انہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ تھا تمہاری ہر تھوڑے سا لمحہ عت کرنے نہیں لگی تھی، میری خاطر آ جاؤ۔“ وہ بخاری لہجہ میں عثمان بھی ڈرائیونگ سیٹ سے اتر آیا تھا۔

”شادی کے بعد بھی میرے ایسے ہی فرمانبردار بنے رہنا۔“ وہ تاکید کر رہی تھی۔

”تمہارے شوہر سے براشت ہو جائے گی میری فرمانبرداری؟“ وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

”کیا فصول بات کی ہے تم نے۔“ خشکیں نظروں سے اسے دیکھتی وہ گیت کی سمت بڑھی تھی کہ گیت کھل گیا، ہنور عثمان نے ان کے سنجیدہ سپاٹ تاثرات کو دیکھا تھا جو بغیر کسی گرجوٹی سے عثمان سے مصافحہ کرتے بیلا کی طرف متوجہ تھے۔

”عروس نے بتایا تھا کہ خرمین اور عاراش بھی ساتھ ہیں، کہاں ہیں وہ دونوں؟“ ان کے سنجیدہ لہجے پر بیلا کچھ گڑبازی تھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی عثمان بول اٹھا تھا۔

”خرمین کے گھر سے کال آئی تھی، اس لیے میں پہلے ان دونوں کو گھر ڈراپ کرنا یہاں آیا ہوں۔“ عثمان کی بات سننے ہوئے فاروق نے ایک طرف ہٹ کر بیلا کو اندر جانے کا راستہ دیا تھا جو ان کی نظروں سے بچتی اندر تو داخل ہو گئی تھی مگر پھر کی تھی۔

”آؤ تم بھی۔“ پھنسی آواز میں اس نے باہر کے عثمان کو بلایا تھا۔

”نہیں، اب جاؤں گا۔“ سر دھجے میں بولتے ہوئے عثمان نے ایک نگاہ ان کو دیکھا تھا جو اخلافا بھی اسے گھر کے اندر آنے کی دعوت دینے کے لیے تیار نظر نہیں آرہے تھے، شدید تاسف کے ساتھ بیلا نے انہیں دیکھا تھا جو عثمان کے واپس پلٹ جانے کا انتظار کیے بغیر گیت بند کر چکے تھے۔

”فون کیوں آف تھا تمہارا، ایک گھنٹے سے کال کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں، سب پر فاقہ پڑا کہ گھر سے نکلی تھیں؟“ بری طرح وہ بیلا پر برسے تھے جبکہ ان کی بلند آواز باہر عثمان تک بھی پہنچتی تھی، رگوں میں کھولتے خون کے ساتھ وہ گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”بہت بڑی مہربانی کی ہے تم نے مجھ پر کہ میرے ایک ہی بار بلانے پر تم میرے گھر تک آ گئے ہو۔“ مصطفیٰ حسین کے رخ لہجے پر اس نے ایک نظر منیزہ کے سنجیدہ ہونے تاثرات کو بھی دیکھا تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ احمد کی طرف تمہارا جھکاؤ ان اصلوں کی وجہ سے زیادہ ہے جو اس نے تم پر کیے ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم ہم سب کو نظر انداز کر دو، اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہوئے کبھی زبان بند نہ کرو۔“ وہ انتہائی مستعمل لہجے میں بولے تھے۔

”اگر آپ کو لگتا ہے کہ میرا جھکاؤ ان کی طرف صرف ان کے احسانات کی وجہ سے ہے تو آپ یہی سمجھ لیں، میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا، مگر یہ سچ ہے کہ میں آپ کی بھی بہت عزت کرتا ہوں، آپ سب میری زندگی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں، آپ کو مجھ سے شکایت ہے تو کہیں مگر ماموں کو درمیان میں مت لائیں۔“

”میں اسے درمیان میں لاؤں گا۔“ مصطفیٰ حسین درمیان میں ہنسنے لگے۔

”وہی ہے جس نے سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھا ہے اس بد خصلت لڑکی کو، کس بات کا گھمنڈ ہے اسے، کیا اس چیز کا کہ وہ

علاقہ کی بیواوار ہے؟“

”آپ خرمین کے لیے ایسے ہی استعمال مت کریں، آپ کے سامنے آپ کا بھائی نہیں ہے جو اپنی بیٹی کے لیے

آپ کی گالیاں سن کر خاموش رہے گا۔“ سرخ چہرے کے ساتھ بولا وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا، منیزہ جہاں اس کے تیروں پر گھبراہٹ تھی وہیں مصطفیٰ حسین بھی دنگ ہوئے تھے۔

”تمہارے دل میں اس کا درد جاگ رہا ہے، جس نے ایک خاندان کو درمیان میں سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا، جس نے ہم بھائیوں کے رشتے میں دراڑیں ڈالی ہیں، تمہارے دماغ میں بھی خناس بھر دیا ہے، اسی لیے میری بیٹی کی وہ بے مروتی کرتی رہی اور تم قماشانی بنے رہے، اس بد لحاظ نے میری بیٹی کو بے عزت کیا مجھے لگا رہا ہے، خون اپنا رنگ آخر کار دکھاتا ہی ہے اور اس کی رگوں میں تو پہلے ہی گندراخون دوڑ رہا ہے، احمد حسین کو تو جب قتل آئے گی جب وہ اسے بھی کھینچ کر ایک دن اسی طاقت میں لے جائے گی جہاں سے وہ اسے اٹھا کر لایا تھا۔“ مصطفیٰ حسین کے لہجے سے چٹکی ٹھارت نے مادرش کی برداشت ختم کر دی تھی۔

”میں اب آج کے بعد آپ سے خرمین کے لیے یہ سارے قصیدے نہیں سنوں گا، آپ کو اس کی شکایت کرنی ہے تو اس شخص سے کریں جن کا نام اس کے نام کے ساتھ لگتا ہے، میں اس کا کاؤ فار نہیں ہوں، اگر آپ منصف ہیں تو اپنی بیٹی سے سب کچھ سننے کے بعد آپ کو خرمین کی بات بھی سنی چاہیے، مگر آپ ایسا کیوں کریں گے، منیزہ آپ کی بیٹی ہے، اور خرمین...! آپ اپنی بیٹی کے برابر اسے کیسے لا سکتے ہیں، جس کی حیثیت آپ کے نزدیک کیا ہے، آج آپ اچھی طرح مجھ پر واضح کر چکے ہیں، مگر میرے نزدیک منیزہ اور خرمین کا مقام ایک جیسا ہے۔“ ایک پل کو روک کر اس نے خاموش بیٹھی منیزہ کو دیکھا تھا۔

”خرمین نے کیا کچھ کہا ہے تم نے ماموں کو بتایا، بہت اچھا کیا، مگر اب ان کو یہ بھی بتاؤ کہ تم نے بات کس طرح شروع کی تھی؟“ سنگینی نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتا وہ بول اٹھا۔

”میں مانتی ہوں غلطی میری تھی، شروع میں نے کیا تھا مگر میں اس وقت غصے میں تھی، ان سب کی وجہ سے تم بھائی کی شادی میں بھی نہیں آئے، کم از کم تمہیں تو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ منیزہ شدید تاسف سے بولی تھی۔

”میں بھی مانتا ہوں کہ میں نے غلط حرکت کی ہے، تمہاری اور ماموں کی ناراضی چارے بھر گھسے میں، میں بھی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا، تم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ...!“ یکدم رک کر عاراش نے مصطفیٰ حسین کو دیکھا تھا۔

”ماموں! آپ کیوں نہیں آئے، آپ کے گھر کی پہلی خوشی تھی، یہ کتنا اہم موقع تھا قاف صلیے منانے کا۔“ مضطرب انداز میں عاراش نے کہا تھا تھا۔

”عارش! آج صرف منیزہ کی وجہ سے میں تم سے اتنی باتیں کہہ گیا ہوں، میں نے پہلے بھی ان معاملات میں اپنے بچوں کو دخل اندازی کر...“ اسے نہ ہی آنکھوں سے کوئی جھٹکنا چاہوں گا، احمد حسین اور منیزہ درمیان فاصلے نہیں، ان ایک دوسرے کا دل ہے، وہ دو بھائی مضبوط ہو چکے ہیں، کوئی طاقت اسے نہیں گرا سکتی، تم بھی نہیں۔“ ان کے غلطی لہجے پر عاراش نے منیزہ کو دیکھا تھا جو اس کی طرح ہی بے بس نظر آ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

(جاری ہے)

سلسلے وار ناول

کسی کو کسی سے دل نہ لے

لب بچنے وہ تھے ہوائی اثرات کے ساتھ قاطر کو دیکھ رہی تھی، جو شدید غصے میں اس سے باز پرس کر رہی تھی۔
دوسری تیز نگاہ اس نے احمد حسین پر ڈالی تھی جو بس خاموش تھے۔



"دراستی برداشت کا مظاہرہ تم نہیں کر سکتی تھیں؟ کس طرح تم نے خیزہ کے ساتھ ساتھ اس کے ماں باپ کے لیے بھی گستاخانہ دینے لگے، تمہاری وجہ سے ہم شرمندہ ہو رہے ہیں، کیا سوچ رہے ہوں گے وہاں سب کہ یہ تربیت کی ہے ہم نے تمہاری، یہ طور طریقے سکھائے ہیں تمہیں، پہلے ہی دنیا کی نظروں میں گھٹکتی ہو تم، باقی کس قسم نے خود پوری کر ڈالی ہے، تمہاری وجہ سے عمارش کو ان کی باتیں سننی پڑی ہیں مانجی لٹھی قبول کرو اور معافی مانگو خیزہ سے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے ماما! جو کچھ کہنا سنا تھا، میں مصطفیٰ ماموں سے کہہ چکا ہوں۔" خرمین کے تاثرات دیکھتے ہوئے عمارش نے ان کو ثابت کرنا چاہا تھا۔

"تم کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہو عمارش! اسے خیزہ سے اپنے سلوک کی معافی مانجی ہوگی۔" قاطر نے سخت لہجے میں بولتے ہوئے خرمین کو بھی دیکھا تھا جو احمد حسین کی خاموشی پر اذیت میں مبتلا ہو رہی تھی۔

"میری کوئی لٹھی نہیں ہے، لٹھی آپ نے کی ہے مجھے زندگی دے کر۔" اس کی بلند آواز پر پہلی بار اس منہ کو کے



دوران احمد حسین نے اسے دیکھا تھا۔

”کیا گناہ تھا میرا کہ آپ اور باپا اپنے خاندان کے سامنے سر جھکاتے رہے، اتنا شرمناک ہے میرا وجود کہ اب مجھے بھی ان سب کے سامنے ہاتھ جوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔“ وہند لائی آنکھوں سے اس نے احمد حسین کو بھی دیکھا تھا جو دنگ نظروں سے اسے دیکھتے قریب آئے تھے۔

”کس نے کہا یہ تم سے کہ تمہارا وجود ہمارے لیے شرم کا باعث ہے، بتاؤ مجھے یہ کیوں کہا تم نے؟“

”آپ کی خاموشی مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہی ہے، آپ کا خاندان مجھ پر انگلی اٹھا سکتا ہے، مجھے ذلیل کر سکتا ہے، مگر میں جب اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی ہوں تو مجھے ہاتھ جوڑنے کے لیے کہا جاتا ہے۔“ بچے آنسوؤں کے ساتھ وہ ان کے سینے سے لگ گئی تھی۔

”خزمن اباب کو فلاد رخ پر مت لے جاؤ، معافی مانگتے سے انسان چھوٹا نہیں ہو جاتا۔“ اس کے آنسوؤں نے قاطر کو ہل میں پکھا کر نرم کر دیا تھا۔

”اب اور کچھ مت کہو قاطر! اگر اس سے کچھ فائدہ ہوا ہے تو میں ہر چیز کے لیے معافی مانگ لوں گا، جو کام میں ایک عرصے سے کر رہا ہوں وہ کام میری بیٹی نہیں کرے گی۔“ خزمن کے آنسو خشک کرتے ہوئے وہ حتیٰ لچہ میں بولے تھے۔

”ماسوں جان! اب آپ بھی یہ کام نہیں کریں گے، ذرا سی جھڑپ ہی تو ہوئی ہے، ویسے بھی میزہ نے اپنی لٹلی میرے سامنے مان لی ہے، وہ خود خزمن کے پاس آئے گی، آپ جانتے ہیں وہ کتنے صاف دل کی لڑکی ہے۔“ عارش کے سنجیدہ لہجے پر خزمن نے سلگ کر اسے دیکھا تھا۔

”اس اچھی لڑکی سے نکاح بڑھوا کر ہمیشہ کے لیے تم ہی چلے جاؤ اس کے پاس، لیکن اگر وہ یہاں آئی تو میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھوں گی، سنا تم نے؟“ فیصلے لچہ میں اس پر برتی وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

”آپ کی طرفقداری پر وہ فضول سے فضول بات کہہ جاتی ہے۔“ عارش کے تاثرات دیکھتے ہوئے قاطر نے ناراضی سے ان سے شکایت کی تھی۔

”خیر... وہ ایسا کچھ فلفلہ مشورہ بھی نہیں گئی، کیوں عارش! مسکراتے لچہ میں احمد حسین نے اس سے تائید چاہی تھی جو حق واق تھا۔

”عارش! کیا واقعی ایسا ہے؟“ قاطر نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”مامی! آپ بھی کہاں اس کی بات کو سنجیدگی سے لے رہی ہیں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، وحشت ہو رہی ہے مجھے۔“ شدید ناراض اور جھلٹلے انداز میں بولتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بار بار میں سب کچھ وہ جلدی جلدی سیٹنے لگی تھی، عروسہ دونوں بچوں سمیت آج شام ہی اپنے گھر چلی آئی تھیں، انہوں نے کوشش کی تھی کہ بیٹا کو بھی ساتھ لے جائیں مگر قاروق نے منع کر دیا تھا، مگر میں اب اس کے علاوہ صرف قاروق ہی تھا جو اپنے چچے کی تیاری کی وجہ سے عروسہ کے ساتھ نہیں جاسکا تھا، قاروق اس کا ہر دیکھ ایڑھ ٹٹان کے ساتھ ہی گزرتا تھا، ابھی وہ سٹوڈنٹ ہی تھا مگر ماسوں بھانجے کی انجی منٹ مٹائی تھی، باہر سے پارک گھاس ڈور لاک کرتی وہ بیڑھیوں کی

جانب بڑھ گئی تھی، عروسہ نے گھر کے گراؤ ٹھکڑے کو اپنے پارلر کے لیے مختص کر دیا تھا، جبکہ پارکس اپریل کی منزل پر رکھی تھی، اس لیے گھر کے ساتھ پارلر کو بھی کامیابی سے لے کر چل رہی تھیں، عروسہ نے اب کل شام ہی واپس آنا تھا اور بیٹا کو شہید کو ذلت ہو رہی تھی، بیڑھیوں پر ہی رک کر اس نے ایک بار پھر عثمان کو کال کی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم، تم بس ابھی مجھے لینے آؤ، بھائی کی تو ایک نہیں چلتی بھائی کے سامنے، میرے معاملے میں۔“ وہ اکرے سے ہونے بولی تھی۔

”بے وقوفانہ خدمت کرو، میری تو شکل دیکھ کر ان کا حراج بگڑ جاتا ہے، رات میں تو کبھی وہ جنہیں میرے ساتھ نہیں سمجھیں گے اور وہ بھی میرے گھر آکے کے لیے۔“ وہ ناگواری سے بولا تھا۔

”مان! پلیز آ جاؤ، میں بہت بیزار ہو رہی ہوں، میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، بھائی کے جانے سے بالکل اکیلی ہو گئی ہوں، میں اس سے پہلے بھی تو بھائی کے ساتھ تھا، میری گھر کی ہوں۔“ وہ روہانے لچہ میں بولی تھی۔

”یہ بات تم اپنے بھائی کو یاد دلاؤ، جواب مجھے کسی فنڈے، بد معاش سے کم کا درجہ نہیں دے سکتے، اسی لیے تم پر پابندیاں لگا چکے ہیں۔“ وہ طنزیہ لچہ میں بولا تھا۔

”مان! اب ایسا بھی نہیں ہے، تم بھائی سے کہنا کہ بھائی نے جنہیں مجھے لینے بھیجا ہے۔“ وہ التجائی لچہ میں بولی تھی۔

”ٹھیک ہے، آتا ہوں مگر یاد رکھنا اگر انہوں نے انکار کرنے کی کوشش کی تو تم نے زبان بند نہیں رکھنی، ان کو بتانا کہ تم بھی میرے ساتھ جانا چاہتی ہو۔“ راضی ہوتے ہوئے عثمان نے اسے تاکید کی تھی، مگر میں داخل ہو کر اس نے رک کر قریب آتے قاروق کو دیکھا تھا۔

”میں کمرے میں ہوں، ابھی عثمان آئے والا ہے، مجھے ساتھ لے جانے، تم اسے ساتھ لے کر بھائی کے پاس جانا، وہ پہلے ان سے ہی پوچھنے گا۔“ بیٹانے اسے آگاہ کیا تھا۔

”مگر پاپا جانے دیں گے آپ کو ان کے ساتھ؟“ قاروق کو تشویش ہوئی تھی، اپنے باپ اور چھپتے ماسوں کے درمیان اس نے ہمیشہ ہی سردہری دیکھی تھی، بیٹا اور عثمان کے تعلق نے اس سردہری کو سرد جنگ میں بدل دیا تھا وہ اس چیز سے بھی واقف تھا۔

قاروق کے ہمراہ لاؤنج میں آتے ہوئے اس نے ایک نگاہ کمرے سے باہر نکلتی بیٹا پر ڈالی تھی اور ان کی طرف بڑھ گیا تھا جو بیوی اسکرین سے نگاہ ہٹا کر متوجہ ہوئے تھے، اس کے سلام کا جواب انہوں نے سر کے اشارے سے دیا تھا اور ایک نگاہ ہی جانب آئی وہ لاؤنگ دیکھا تھا۔

”جیلو... امی نے بلایا ہے جنہیں، کل آئی کے ساتھ ہی آ جانا۔“ قاروق سے کچھ کہنے کے بجائے وہ بیٹا سے ہی خطاب ہوا تھا۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، عروسہ کو معلوم تو تھا وہ نہ یہاں کے ساتھ ہی چلی جاتی۔“ قاروق کے سپاٹ لچہ پر عثمان نے ایک کڑی نگاہ دینا کے حق ہوتے چہرے پر ڈالی تھی۔

”میں گھر لے جاتا ہوں اسے، یہ ہیں سے آئی کے ساتھ ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے چلی جائے گی، وہ بھی سہی کھڑی نہیں۔“ عثمان کا لہجہ بھی سپاٹ ہی تھا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے، عروس سے کہنا اس کی فکر نہ کرے، میں ہوں یہاں۔" سر دلچے میں بات ختم کرتے وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"ماموں! آپ بیٹھ جائیں۔" صورت حال سے کچھ گھبرا کر فاران نے اسے مخاطب کیا تھا، جو ایک خوشخوار لگا ہوا لکے ہٹکے سر پر ڈالا ہوا جان نقدہ موم کے ساتھ لاؤنج سے نکل گیا تھا اور وہ گم سم کھڑی رہ گئی تھی۔

"اپنے بیروں میں بیڑیاں ڈال لو، اس سے پہلے کہ میں یہ کام کروں۔" فاروق نے شدید غصیلی نظروں سے بیٹا کو دیکھا تھا۔ جس کی آواز اطلق میں بند تھی، حیرتی سے پلٹ کر وہ ان کے مقابل سے بچنے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں دل کی لذت پھیلنے لگی تھی، کس طرح سے وہ فاروق کا سلوک عثمان کے ساتھ برواشت کرتی تھی، یہ وہی جانتی تھی، انہوں نے اغلاط بھی اسے بیٹھے تک کے لیے نہیں کہا تھا، اس کی وجہ سے ہی عثمان کو یہاں تک آنا پڑا تھا، اسے خود پر شدید فحشاء رہا تھا، اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی، جب کچھ دیر بعد عثمان کی کال آ گئی تھی۔

"مل گیا تمہیں سکون، مجھے بے عزت کروانے کے لیے ہی بلایا تھا تم نے؟" اس کی غصیلی آواز سختی وہ سن ہو گئی تھی۔

"اگر وہ شخص میری بہن کا شوہر نہیں ہوتا تو میں دیکھتا اسے اچھی طرح سے، اور تم تو اب میرے سامنے بھی مت آنا، وہ حشر کروں گا کہ میرا نام تک زبان پر نہیں لادے گی، ابھی تم اپنے بھائی کے سامنے مجھے پہچانتی تک نہیں ہو، بعد میں کیا خاک میرا ساتھ دو گی، ہر بار پیچھے ہٹ جاتی ہو، کیا ہو جاتا اگر تم میرے ساتھ، میرے گھر جاتیں، وہ کیا کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے؟ کروں گا اب ایسا کچھ کہ ساری دنیا سے منہ پھیرتا پھرے گا تمہارا بھائی۔"

"مجھے معاف کرو۔" آنسوؤں کے درمیان وہ بے مشکل بولی تھی۔

"خبردار! جو موصوم بننے کی تم نے کوشش کی، میرا جنازہ رکھا ہے تمہارے سامنے جو آنسو بہا رہی ہو، اس کی سسکتی آواز نے اسے مزید مشتعل کیا تھا۔

"روتی روتی رہو مگر دوبارہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو گا گھونٹ دوں گا، ہٹل بھی نہیں دیکھنا چاہتا میں تمہاری۔" دھاڑتے ہوئے وہ رابطہ منقطع کر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فاطمہ کے اترے ہوئے افسردہ چہرے نے اسے حیران نہیں کیا تھا مگر وہ بے چین ضرور ہوا تھا۔

"اب خرمن کی طبیعت کیسی ہے؟" دروازے پر ہی اس نے وہی سوال دوبارہ کیا تھا جو وہ سارا دن میں وقتاً فوقتاً فانون پر بھی ان سے پوچھتا رہا تھا۔

"مجھے تو ابھی تک ہول انور ہے ہیں، صبح تم نے بھی اس کی حالت دیکھی تھی، پتہ نہیں کب اس کی لاپرواہی ختم ہوگی، ان ہٹل وقت پر نہیں ملتا تو کیا ہوتا۔" وہ اس وقت بھی حد سے زیادہ پریشان دکھائی دے رہی تھیں، خیر پریشان تو صبح مارش بھی بہت تھا، خرمن کا سانس اکڑ رہا تھا اور اس کا ان ہٹل نہیں مل رہا تھا، کچلی بار اس نے احمد حسین کو فاطمہ پر فصر کرتے دیکھا تھا اور نہ وہ تو کبھی اونچی آواز میں انہیں پکارتے بھی نہیں تھے۔

"اب اپنی پریشانی ختم کریں، میں نے سنی بار کہا ہے آپ سے کہ جب میں گھر آؤں تو مجھے مسکراتی ہوئی نظر آئے گی۔"

کریں آپ۔" انہیں ساتھ لگاتے رہا کہ اسے کی طرف بڑھتا وہ شکایتی لہجے میں بولا تھا۔

"تمہارے پاس وقت ہے کسی کو دیکھنے کا، باہر کے مھینلوں سے ہی فرصت نہیں ملتی تمہیں، ابھی کچھ دیر میں عثمان کی پکاریں شروع ہو جائیں گی تو پھر قانع ہو جاؤ گے۔" فاطمہ نے اسے گھر کا تھا جو تخت کے کنارے بیٹھا جوتے اتارنا شروع کر چکا تھا۔

"مائی! مجھے اس وقت شدید بھوک لگی ہے اور آپ کے کچھرے میرا معدہ نہیں بھرنے والا۔"

"تج بات تم لوگوں کو ختم ہوتی بھی نہیں۔"

"لوگوں میں میرے علاوہ اور کون کون ہے؟" وہ مسکراتے لہجے میں پوچھ رہا تھا جو اپنا فاطمہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"اپنی بیٹی کا نام نہیں لے سکتیں آپ مگر میں جانتا ہوں۔" شرارتی لہجے میں وہ بولا تھا۔

"میں اسے بالائی ہوں تم اس کے سامنے ہی یہ سچ بتاؤ۔" فاطمہ نے چشمکیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ سچ بولنے کے بعد مجھے آپ کی بیٹی اس گھر میں رہنے دے گی؟" وہ مسکرایا تھا۔

"اچھا، اب زیادہ مت بولو، کچن میں ہی آ جانا، میں کھانا گرم کرنے جا رہی ہوں۔"

"ماموں جان کہاں ہیں؟" تخت سے اٹھتا وہ پوچھ رہا تھا۔

"عثمان کے گھر گئے ہیں، اس کے والد کی طبیعت کچھ ناساز ہے اور جیسے پتہ ہے کہ وہ دونوں ایک جگہ بیٹھ جائیں تو پھر باتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔" غصیلی جواب دیتیں فاطمہ کچن کی جانب بڑھ گئی تھیں جبکہ وہ اپنے کمرے کی سمت۔

عثمان کی پکاروں پر وہ ٹاول کیلے بالوں پر پھیرتا مچن تک آیا تھا اور اپنے گھر کی چپت کی باؤ ڈر رہی پر ہٹکے عثمان کو کچھ دیر میں آنے کا اشارہ دیا تھا۔

"عارش! کس بات کی جلدی ہے، آرام سے کھانا کھاؤ۔" اس کی بکلت پر فاطمہ نے ڈپٹا تھا۔

"مان انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ کب تمہارا انتظار نہیں کرتا، وعدہ ہوتی ہے، کیا فائدہ ایسی محنت کا کہ بعد کے کو ایک وقت کھانا بھی سکون سے بیٹھ کر کھانا نصیب نہ ہو۔"

"مائی! میں اگر پھول بھی توڑوں گا تو وہ بھی آپ کو محنت طلب کام نظر آئے گا، میں ماموں جان سے زیادہ محنت تو نہیں کرتا، اتنی مصروف مارکیٹ میں شاپ چلانا آسان نہیں ہے۔" وہ تو سبھی لہجے میں بولا تھا۔

"اور آپ نے ماموں سے بات کی کہ میں گاڑی خریدنا چاہ رہا ہوں؟"

"ہرگز نہیں، پہلے ہی تمہاری بائیک میری جان سوئی پر لٹکائے رہتی ہے، ہوا میں اڑتے ہوا سے گاڑی ہاتھ میں آگئی تو خرپا لگتی ہے۔" فاطمہ نے پھرنا کواری سے مخالفت کی تھی۔

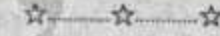
آپ جان کے سامنے یہ بات مت کیجئے گا، آپ نے دیکھا تھا صبح خرمن کو باہٹل فوری طور پر لے جانا تھا، مجھے صبح ہی صبح عثمان کی تینو خراب کرنی پڑی تھی، خدا نخواستہ دوبارہ ایسا ہوا تو.....! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ صرف ضرورت کے تحت ہی گاڑی استعمال کروں گا۔"

"مجھے نہیں پتہ جو بات کرنی سنا ہے ماموں سے کرو۔" تنک میں برتن دھوئیں وہ ناراضی سے ہی بولی تھیں۔

"ماموں جان کو راضی کرنا میرے لیے چنگیوں کا کام ہے، تاہم تو آپ زیادہ لمبی ہیں۔" مسکراتی نظروں سے فاطمہ کو دیکھتے ہوئے وہ فوراً ہی اٹھ گیا تھا کہ عثمان کی آواز دوبارہ اسے سنائی دی تھی، تیزی سے بچن سے وہ لٹکنا چاہ رہا تھا جب یکدم ہی اندر آتی خرمین سے تصادم ہوا تھا۔

"بھیل کر۔" فاطمہ نے ہول کر ان دونوں کو دیکھا تھا جو بگڑے توازن کے ساتھ بچن کے دروازے سے نکلے آئے تھے۔

"اتنا سارا راستہ کھلا پڑا ہے، مگر مجھ پر سے ہی سفر کرتے ہوئے چاؤ گے تمہارے پیروں تلے آنے کے لیے ہی تو دنیا میں آئی ہوں میں۔" ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیلتی وہ جس طرح بولی تھی فاطمہ بے ساختہ مسکراتی تھیں جبکہ عارش فنی چہرے کے ساتھ کوئی بھی معذرت کیے بغیر سرعت سے اس کی غصیلی نظروں سے دور بھاگا تھا۔



باؤنڈری کے قریب ہی سگریٹ کے کش لیے عثمان نے اسے دیکھا تھا، نیم تاریکی میں وہ اسی کی جانب آ رہا تھا۔

"ایک آواز میں آ جایا کرو، میں تمہاری بھوپ نہیں ہوں جو انتظار میں کھلتا رہوں گا۔" خشکی نظروں سے عثمان اسے گھورتے ہوئے چوٹکا تھا۔

"کیا ہوا؟" عثمان کے سوال پر وہ چوٹکا تھا۔

"نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔" وہ جس طرح گڑبڑا کر بولا تھا عثمان کو حیرت ہوئی تھی۔

"کہاں ہے میگزین، دکھاؤ ذرا مجھے اپنا کارنامہ۔" عارش کے فوراً ہی کہنے پر اس نے میگزین کا رول اسے تھما دیا تھا۔

میگزین کے سرورق کو سیل فون کی روشنی میں دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"تمہارے بابا کی مجھے فکر نہیں مگر فاقہ بھائی کا رسی ایکشن کیا ہوگا، انہیں پتہ ہے اس بارے میں؟" مسکراتے ہوئے عارش نے اسے دیکھا تھا۔

"جب چاند چرھے گا تو سب ہی دیکھیں گے، کون کیا فتویٰ لگا تا ہے مجھے پروا نہیں۔" بے نیازی سے بولتے ہوئے عثمان نے فضا میں سگریٹ کا دھواں چھوڑا تھا، اب ہی عارش نے چونک کر اپنے عقب میں دیکھا تھا، پھت پر لگے اونچے پول میں نصب دو دیوالاٹ نے پوری چھت کو روشن کر دیا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ خرمین اپنے پالتو پرندوں کو دانہ پانی میا کرنے کے لیے اوپر آ رہی ہے، یہ اس کے روز کا معمول تھا، اگلے چند لمحوں میں وہ پانی کا بڑا سا مٹی کا قاتل سنبالے کھیتروں کے بچرے کے قریب تھی۔

"مجھے پتہ ہے تم میری ہجے سے چھت پر آتی ہو۔" عثمان کو موقع چاہیے ہوتا تھا اسے اکسانے کے لیے۔

"سگریٹ پھونگو۔" میرا دماغ نہیں۔" بچرے کے پاس ہنسی وہ ناگواری سے بولی تھی۔

"شکر کرو کوئی ایک تو ہے پورے نکلے میں جو تمہیں پھیرتا ہے ورنہ کس منہ سے تم چھت پر آتیں، اسانی کھرت بازن؟"

"بکو اس مت کرو۔" وہ اپنی ہنسی نہیں چھپا سکتی تھی۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہوں، میرے اور ان پالتوں کھیتروں کے علاوہ کون ہے جو تمہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔"

"میر کر داجی بیٹا کو کال کر کے یہ بتاتی ہوں۔" مرفیوں کے بچرے میں بھی ایک نظر ڈالتی وہ بولی تھی۔

"اس کا تو نام ہی مت لیتا میرے سامنے۔" وہ ناگواری سے بولا تھا۔

"ہاں، سنو، یہ آڑین اس کے بھائی کو دکھایا کرو، اگر ہمت ہے تو۔" گھر کئے والے انداز میں بولتی وہ ان دونوں کی طرف آتی تھی اور وہ جوان دونوں کی ٹوک جھونک میں ڈھل انداز کی کرتا ہی نہیں تھا خاموشی سے میگزین خرمین کو تھما چکا تھا،

وہ ایک نظر اسے اس نے میگزین سے نظر ہٹا کر عثمان کو دیکھا تھا، جو فنی یہ انداز میں کار بھاڑ رہا تھا۔

"ایک براٹو ڈاگز منٹس پہنچی نے اپنے موسم گرما کے نئے کیشین کو لا کر لیا ہے، اس کپنی کے ہی ایک چیئر پر بن جم میں اپنے عثمان صاحب کی سٹیجی پر اس قدر فدا ہو گئے کہ کیشین کے پردوشن کے لیے ان کو ہی ماڈل بنالیا۔" عارش اس کی حیرت پر مسکراتے ہوئے تفصیل بتا رہا تھا۔

"اندرو بھی بھرے پڑے ہیں جلوے اور صرف اس میں ہی نہیں تمام فیشن میگزینز میں بھی۔" وہ مزید بتا رہا تھا جبکہ خرمین تو ابھی تک سرورق کو ہی دیکھ رہی تھی، کسرے کا فوکس بہت قریب رکھا گیا تھا، جیسے بال اور چہرے سے لے کر کھلے گریبان تک اسکن پر پانی کی بوندیں نمایاں تھیں، اس گرم موسم میں یہ سب کافی ٹھنڈا تاثر دے رہا تھا کوئی شک نہیں تھا کہ اس کا چہرہ بہت وینڈم دکھائی دے رہا تھا۔

"پاہر سے ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ اندر کس قسم کا دلہیاٹ فوٹویشن موجود ہوگا، اتنے شیطانی تاثرات آنے کہاں سے تمہارے چہرے پر؟" وہ ناگواری سے بولی تھی جبکہ عارش نے مسکراتے ہوئے عثمان کے بگڑے تیوروں کو دیکھا تھا۔

"تم کبھی خوش نہ ہو تا میرے کسی کام سے، واہیں دو میگزین۔" عثمان نے میگزین، جھپٹنا چاہا تھا، درمیان میں ہاتھ بھر کا ہی تو قاتل تھا۔

"دیکھتے تو دو، میں مذاق کر رہی تھی۔" خرمین نے ہنستے ہوئے میگزین اس کے ہاتھ سے چھڑا دیا تھا۔

"نہیں، تمہارے چہرے کے بعد۔" میگزین اس کی گرفت سے لٹکانے کی کوشش کرتا وہ یکدم رکا تھا کہ خرمین کی طرف ایک نیچا بھری تھی، چھینا چھینی میں عثمان کے ہاتھ میں موجود چلتی سگریٹ سے خرمین کا ہاتھ ٹکرا گیا تھا، سرعت سے اس کے گھڑنے ہاتھ کی پشت سہلاتے ہوئے عارش نے غصیلی نظروں سے عثمان کو دیکھا تھا، جو بری طرح گھبرا کر معذرت کرتا باہی کی بائیں اس کی سمت بڑھا رہا تھا۔

"بڑا بار چھیں اسو کلک کے لیے منع کیا ہے میں نے، ہاتھ جلاد یا تم نے اس کا۔" پانی خرمین کے ہاتھ ڈالا وہ بری طرح عثمان پر بڑھا تھا۔

"انہا نے میں فلفلی ہوئی ہے، میں بھول گیا تھا کہ میرے ہاتھ میں سگریٹ ہے۔" حیرت سے عثمان نے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"تم کس طرح یہ بھول گئے، چلتی سگریٹ ہاتھ میں پکڑ کر پکڑ کر حرکتیں کر رہے ہو۔" اس کے مزید بگڑنے پر عثمان ہنس نا موشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں اس پر بگڑ رہے ہو، اس نے یہ جان بوجھ کر نہیں کیا، اب اتنا بھی نہیں جلا ہے۔" اپنا ہاتھ عارش کی گرفت سے ڈالتی وہ بولی تھی، مسکراتی نظروں سے عثمان نے بغور اسے دیکھا تھا جو بس ایک لمبے کے لیے عثمان کی طرف متوجہ ہوا تھا اور

انگلے ہی پل یا ٹنڈری سے دور جہاں بیڑیوں کی جانب بڑھ گیا تھا، دوسری جانب کھل کر مسکراتے ہوئے وہ عمارت کی پشت سے لگا ہوتا خرمین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو بیگزین کو لے جانے لے رہی تھی۔

"یہ خود سٹی میں تو صوم بھاری ہو گئی تھی؟" خرمین نے خشکیوں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ایسی دیکھی... عمارت سے پوچھو، نیزہ کو بھی بیگزین اپنے ہاتھوں سے دیا ہے میں نے"۔ وہ غصے سے بولا تھا۔

"بہت شوق ہے تمہارا؟" نیزہ کے ذکر نے اس کے توجہ خراب کیے تھے۔

"یہ بیگزین مجھے دے دو کھل پار میں بیٹا بھی فیض یاب ہو جائے گی"۔

"فکرت کرو، مجھے یہاں چھینک بھی آئے گی تو پہلے وہاں خبر پھیلے گی، اس کا بھائی میرے ایک ایک پل کی خبر لے رہا ہے"۔ دوسرے جھٹک کر بولا۔

"تمہاری بہن کے شہر ہیں وہ عزت کیا کرو ان کی"۔ اس نے گھر کا تھا۔

"جو میری عزت نہیں کرتا وہ مجھ سے بھی اپنے لیے عزت کی توقع نہ رکھے"۔ وہ بیزار سی سے بولا تھا۔

"اپنا ہاتھ دکھاؤ، زیادہ تو نہیں مل گیا؟" اسے یاد آیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ غصے سے ہاتھ پیچھے ہٹا گئی تھی۔

"عمارش کو نور اہا تھ حماد یا اور اپنا سے فیروں والا سلوک"۔ اس کے دہائی دینے پر وہ کھلمکھلائی تھی۔

"آہستہ آہستہ سنی اہم جھپٹ پر ہیں، میں کم از کم تمہارے ساتھ کوئی اسکینل برداشت نہیں کر سکتا"۔

"بکومت، میں تمہاری روحانی ماں ہوں"۔ خرمین نے اسے گھورا تھا۔

"چاکر بھیجو اس ناراض مجبور کو دور نہ کو جاؤں گا تمہارے گھر میں"۔ دوسرا سرکٹ سٹاٹ ہوئے وہ بولا تھا۔

"میں اسے بول دیتی ہوں آگے اس کی مرضی اور خبر دو جو یہ اسو منگ کی لت تم نے عمارش کو لگائی"۔ ناگوار نظروں سے اس کی ڈھٹائی کو دیکھتی وہ بیڑیوں کی جانب گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دو روزہ کھول کر اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے خرمین نے بغور اس کے چہرے کی شکل کو دیکھا تھا، دو دن سے وہ کھن پکڑ رہا تھا۔

"بابا کی طبیعت کیسی ہے؟ وہ کب تک ڈسپارچ ہوں گے؟" اس کے پاس آتے ہی وہ پوچھ رہی تھی جبکہ عمارش نے رک کر اسے دیکھا تھا، اس کا چہرہ بالکل اتر ہوا تھا، آٹھ سو گلوں پر لگے ہوئے تھے۔

"وہ اب کافی بہتر ہیں، کل تک وہ تمہیں گھر میں ہی نظر آئیں گے، تم پہلے صوم بھاری ہو گئی تھی"۔ عمارش نے اسے تسلی دی تھی۔

"میں تمہارے لیے بھی پریشان ہوں تمہاری جانب بھی اسباب ہو رہی ہے، میں تمہیں گھر میں لے آؤں گا"۔ اس کے منہ سے ایک پل کو عمارش نے کہا تھا۔

وہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے لیے پریشان ہے۔

"تم جانتی ہو کوئی چیز میرے لیے ماموں جان سے بڑھ کر اہم نہیں ہو سکتی، اس لیے میں تمہیں گھر میں لے آؤں گا"۔

وقت مان کے گھر میں ہونا چاہیے تھا"۔ اسے اپنا کب یاد آیا تھا۔

"میں ابھی آئی ہوں، بابا نے فون پر کہا تھا کہ وہ میرے ہاتھ کا بنا کھانا کھائیں گے، وہی بنانے آگئی تھی، میں کب تک کھانا کر دوں؟"

"میں مغرب کے بعد ہاسٹل جاؤں گا، تم تک کھانا تیار کر دینا، لے جاؤں گا"۔

"میں بھی پانچول تمہارے ساتھ؟" خرمین نے اسی کی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مائی نے مجھے سختی سے منع کیا، تم کھل کی طرح آج بھی ماموں کو دیکھتے ہی رونا شروع کر دو گی، میرا یقین کرو وہ کل ہاسٹل سے ڈسپارچ ہو جائیں گے"۔ عمارش کے نورانی کہنے پر وہ ایک پل کو خاموش رہی تھی۔

"تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے آؤں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں، میں کچھ دیر بندوں گا، مجھے مغرب سے پہلے جگادینا"۔ تخت کے کنارے بیٹھے ہوئے وہ بولا تھا، دوسری جانب وہ خاموشی سے جانے کے لیے پلٹ گئی تھی۔

"آج ہاسٹل میں مرتضیٰ ماموں اور مائی آئے تھے"۔ عمارش کی اطلاع پر وہ یکدم رکی تھی، اور بے یقین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ دونوں کافی دیر تک ماموں جان اور مائی کے پاس رہے تھے، میرے ساتھ ہی ابھی ہاسٹل سے نکلے ہیں"۔

"تم نے انہیں ہاسٹل پہنچنے کے لیے کہا تھا؟" دو سیٹ لکھ میں پوچھ رہی تھی۔

"میں نے کل رات فون پر نیزہ کو ماموں کے بارے میں بتایا تھا، میں نے براہ راست مصطفیٰ ماموں کو اطلاع نہیں دی تھی"۔ اس کے تاثرات نوٹ کر تاہم ہمارا تھا۔

"نیزہ و قورات میں ہی ہاسٹل پہنچی گئی تھی، اپنے بھائی اور بھالی کے ساتھ"۔ اس کے مزے بتانے پر وہ خاموشی سے پلٹ کر کچن کی سمت بڑھ گئی تھی، پرسوج نظروں سے عمارش اسے دیکھتا رہا تھا، اسے کب کیا بات ناگوار کر جائے، یہ اندازہ لگانا اس وقت بھی عمارش کے لیے مشکل تھا۔ دو دن پہلے اسے اپنا کب آفس میں اطلاع ملی تھی کہ شاپ پر احمد حسین کی طبیعت خراب ہو گئی ہے، انہیں فوری طور پر ہاسٹل شفٹ کیا گیا تھا، عمارش کے لیے یہ سنگین قسم کا دھچکا بنی تھا، اس نے اب تک احمد حسین کو پہلے چھلکے بخار میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی کم دیکھا تھا کہ وہ ایک مضبوط اعصاب کے تحت کھل انسان تھے، ان کے سینے میں اچھے والا درد انہیں ہارٹ ایک کے خطرے سے دوچار ضرور کر گیا تھا مگر سب نے اس خطرے کے ٹلنے پر شکر ادا کیا تھا، احمد حسین کے ساتھ ساتھ اسے فاطمہ اور خرمین کو بھی سنبھالنا پڑا تھا جو کہ ایک ننھن مرحلہ تھا لیکن اسے ہر صورت خود کو مضبوط رکھنا تھا، صبح معنوں میں اسے اب احساس ہوا تھا کہ احمد حسین اس گھر کا مضبوط ستارہ ہیں ہی نہیں بچاوی ستون بھی تھے، انہیں ذرا سی گزند بھی پہنچنے نہیں دے سکتا تھا، وہ اس کے لیے کیا تھے، یہ لفظوں میں بیان کرنا ناممکن تھا۔

پتہ نہیں نیزہ کی کوششیں تھیں، یا عمارش کی ناراضی کا اثر یا پھر مصطفیٰ حسین کے خون نے جوش مارا تھا، جو بھی تھا، انہیں ہاسٹل میں احمد حسین کے پاس دیکھ کر اسے سب سا اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔ مصطفیٰ حسین نے فاطمہ سے بس رکی ہی بات بہت کی تھی، بقیہ وقت وہ احمد حسین کی طرف ہی متوجہ ان کی طبیعت کے بارے میں دریافت کرتے رہے تھے، مگر ان کی نبی نے فاطمہ سے بھی بہت اچھی طرح بات کی تھی، عمارش خود ہاں موجود ماحول کا جائزہ لیتا رہا تھا، تاہم اسے بہت زیادہ

محسوس نہیں ہوا تھا، نہ گفتگو میں نہ رویوں میں، مگر اس وقت خرمن کے بے اثر چہرے نے اسے الجھا ضرور دیا تھا۔ وہ خرمن کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس نے احمد حسین کے بڑے بھائی کو بھی ان کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع دے دی تھی، عارض کے ہلکے سے اصرار پر وہ احمد حسین سے بات کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے، عارض کو اندازہ تھا کہ اس کا اصرار تو بس بھانہ تھا ورنہ وہ خود اپنی انا کو بھول کر بھائی کی آواز سننا چاہتے تھے، یہ ایک خوش آئند پیش رفت تھی، وہ احمد حسین کو ان کے بھائیوں کے قریب دیکھنا چاہتا تھا اور اس کی شروعات ہوئی تھیں، بقول خرمن کے وہ بھی ایسا چاہتی ہے مگر یہ مذہبی جھگی بات نہیں تھی کہ وہ احمد حسین کے رشتے داروں کو قطعی ناپسند آگے بھی کرتی رہے گی، سوچوں کو جھٹکنا وہ سخت سے اٹھ کر بچن کی سمت بڑھ گیا تھا، محض ایک لمحہ عارض نے اسے دیکھا تھا جو نیل کے گرد ہی بیٹھی تھی مگر سرعت سے اٹھی اب فرج کی جانب جاری تھی لیکن عارض اس کے آنسو دیکھ چکا تھا۔

”تم کچھ کھا نہیں رہے تو یہ جوس لے لو، میں نے ابھی بنایا ہے، بس لانا والی تھی“۔ لرزتے لہجے میں بولتی وہ جبک اور گلاس تھا اس کی طرف آئی تھی، اس سے پہلے کہ وہ گلاس میں جوس اٹھاتی، عارض نے گلاس کے لئے نیل پر رکھ دیا تھا۔ ”انسان بیمار ہوتے ہیں خرمن! ماموں جان کچھ دن آرام کریں گے تو بالکل پیلی کی طرح صحت یاب ہو جائیں گے“۔ رک کر عارض نے گہری سانس لی تھی کہ وہ یکدم چہرہ ہاتھوں میں چھپانے رونے کا سلسلہ دوبارہ شروع کر چکی تھی۔ ”تم اپنے دل کی بات مجھ سے کہہ سکتی ہو، مجھے بتاؤ تمہیں اب کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟“ کچھ مضطرب ہو کر عارض نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا، مگر یہی ہمدردی جیسے قیامت بن گئی تھی، بے اختیار اس کے سینے سے نکلنے والی وہ سارے بند توڑی تھی، عارض کے حواس ضرور درہم برہم ہوئے تھے مگر اس نے خرمن کو رونے سے نہیں روکا تھا، حالانکہ یہ بہت مشکل تھا اپنے گریبان کو اس ہستی کے آنسوؤں سے بھگونا جس کے دو آنسو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ”عارض! اگر میں نہ ہی تو تم کبھی اسی اور بابا کو چھوڑ کر مت جانا“۔ بے شکل سسکیاں روکتی وہ بولی تھی۔ ”کیا مطلب ہے تمہارا، تم کہاں جا رہی ہو؟“ عارض نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا تھا، جواہرہ بس اپنے آنسو خشک کرتی چیخے بہت گئی تھی۔

”میں سمجھ گیا، مگر تم غلط کر دو تم اپنی شادی کے بعد بھی ماموں جان اور مائی کے قریب رہو گی، مجھے تو رہنا ہی ان دونوں کے ساتھ ہے“۔ اس کے لہجے کی گہرائی میں جانے کے، بجائے خرمن نے ناگوار نظروں سے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

”میرے باپ کے علاوہ کس میں اتنا نظریہ ہے جو میرے جیسی غلامت کو اپنی زندگی میں پھیلائے گا؟“ ”اپنے بارے میں ایسا مت کہو“۔ عارض کو ناگوار گزرا تھا۔ ”وہ کیا گئی ہے، صرف میری زبان روکنے سے سچ بدل نہیں جائے گا“۔ وہ زہریلے لہجے میں بولی تھی۔ ”میں دنیا کو بھی روک سکتا ہوں مگر تم اپنے بارے میں ایسا سوچ کر اس شخص کو نہیں پہچان رہی ہو، جس نے تمہارے لیے سب کچھ تیاگ دینے سے گریز نہیں کیا“۔ کوشش کے باوجود وہ لہجے کی ناگواری نہیں چھپا سکتا تھا۔ ”میں نہیں چاہتی کہ ان کے بعد اب ایک اور انسان اپنا سب کچھ تیاگ دے نہ ہی کسی انسان میں اتنا نظریہ ہوگا، میں کبھی شادی نہیں کروں گی، کبھی نہیں“۔ اس کے قطعی لہجے نے عارض کو شدید دھچکا پہنچا دیا تھا۔

”تم نے مائی سے بھی یہ سب کہا ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔ ”کئی بار“۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ گئی سے بولی تھی، عارض کو یاد آ رہا تھا کہ کیوں فاطمہ اس کی شادی کے ذکر پر خاموشی اور افسردہ ہو جاتی ہیں۔ ”تم ان کے ساتھ اتنی بے رحم کیسے ہو سکتی ہو؟“ اس کے بچے لہجے پر خرمن نے بس اسے دیکھا تھا جو اس کے چہرے سے نظر ہٹا تھوڑی سی دکان سے نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حیرت قدموں کے ساتھ وہ میز جیوں کی طرف جاتے تین سالہ فاطمہ تک پہنچی تھی۔ ”ایک بار میز جیوں سے لڑھکنے کے بعد سکون نہیں ملا تمہیں؟“ اسے گھر کتے ہوئے فاروق کی سمت متوجہ ہوئی تھی جن کی آمد ہی وقت ہوئی تھی، انہیں سلام کرتے ہوئے وہ ان کے بے انتہا سنجیدہ چہرے پر کچھ تشویش میں مبتلا ہوئی تھی، جبکہ فاروق رکے بغیر آگے بڑھ گئے تھے، لاؤنج میں بیٹھیں عروس نے چونک کر پیلے فاروق کو اور پھر سامنے ان کے پیچھے گئے میگزین کو دیکھا تھا۔

”ذرا دیکھو تمہارا چہرہ بھائی کا مائی کی کون کون سی حد تک پہنچ رہا ہے“۔ ان کے ناگوار لہجے پر عروس نے خاموشی سے میگزین اٹھا لیا تھا، بیٹے کے توسط سے انہیں پہلے ہی بھائی کے کارنامے کی خبر ہو چکی تھی۔ ”اب اس میں ایسا کیا ہے جو آپ کو ناگوار کر رہا ہے؟“ عروس بھی ناگواری چھپانے کی کوشش کی۔ ”اپنی آنکھوں سے دیکھو گی تو واقعی اس میں تمہیں کچھ غلط نظر نہیں آئے گا، بھائی کی محبت کی پٹی جو بندھی ہے آنکھوں پر، نہ فاروق نے کچھ غلطی لہجے میں کہا تھا۔“ ”تھوڑی بہت تہذیب جو نیکی ہے، کچھ دنوں میں اسے بھی خود سے الگ کرنے والا ہے تمہارا بھائی محبت کا کام تو ہوتا نہیں ہے اس سے، اب ایسے ہی راستوں سے دولت حاصل کرے گا ورنہ باپ اور بھائی موجود تو ہیں روپے اس پر بھروسہ کرنے کے لیے۔“

”باپ اور بھائی اس پر روپے بھجوا نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، ساری زندگی بڑی بے محنت مشقت کرنے کے لیے، اگر ابھی وہ اپنے شوق پورے کر رہا ہے تو کیا رانی ہے، میگزین میں ہی تو نوٹو چھپے ہیں کسی اخبار میں پوری پائل کے جرم میں تو نہیں جو آپ اس طرح بول رہے ہیں۔“ ”سچ، لیکن بھائی کی سمجھ میں آتی کب ہے؟ تمہاری ان ہی باتوں نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے، اور پانچ گنہ گری میں اس کے شوق نظر آتے ہیں، آخر عارض بھی تو اس کا ہی دوست ہے، کتنی محنت کر رہا ہے اپنے بھرپور مستقبل کے لیے تمہارا۔ بھائی کی طرح بوجھ نہیں ہونا، مگر والوں پر سچ تم سے برداشت ہی کہاں ہوتا ہے، میرا ہی دماغ خراب ہے جو زبان بند رکھنا بھول جاتا ہوں۔“ قطعی نظروں سے بیوی کو دیکھتے وہ لاؤنج سے نکل گئے تھے۔ ”جب دیکھو اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، ان کی وجہ سے مائی نے یہاں آنا جانا ختم کر دیا ہے، اب اور کیا چاہا۔“ ”خیر؟“ عروس اپنے فیسے کا اظہار دیکھ کر سامنے کر رہی تھی، خاموشی سے سننے کے علاوہ وہ اور کیا کر سکتی تھی۔ ”اللہ نظر بد سے بچائے میرے دونوں بھائیوں کو، لگتا حسین لگ رہا ہے مان، مائی کو فون پر کتنی ہوں آج تو

اتاریں اس کی۔" میگزین کو دیکھتیں وہ محبت میں مغلوب ہوئی تھیں، بیلا کے لیے اب منہ نہ کرنا مشکل تھا، میگزین عروس کے ہاتھ سے ایک کروہ سرعت سے لڑاؤ سے نکل گئی تھی۔

نیل مسلسل جتنی خاموش ہوتی رہی تھی مگر محال ہے جو وہ ریسو کرنے کے لیے تیار ہوتا، بیلا کو حیرت نہیں ہوئی تھی، جاننی تھی کہ وہ کس حد تک ناراض ہے، اب اتنی آسانی سے راضی نہیں ہونے والا تھا، مایوس ہو کر اس نے دوبارہ میگزین آنکھوں کے سامنے کر لیا تھا۔

"بہت غرور ہے تمہیں خود پر مگر بیلا بھی کوئی معمولی چیز نہیں، تمہیں اپنے پیچھے پاگل نہ ہٹاؤ والا تو نام بدل دینا میرا۔" شدید ناراضی میں وہ اس کی تصویر کو کتنی جھٹکا دے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آہٹ پر انہوں نے دروازے کی جانب دیکھا تھا، خرمین دودھ کا گلاس تھا سے اندر داخل ہو رہی تھی۔
"آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔" گلاس سائیز ٹیبل پر رکھتی وہ بولی تھی جبکہ احمد حسین نے ایک بار پھر اس کے زرد چہرے کو دیکھا تھا۔

"پہلے تم یہاں بیٹھو میرے سامنے۔" انہوں نے اسے اپنے سامنے بٹھایا۔
"میں اب ٹھیک ہوں بیٹا! میری فکر میں تم نے اپنی طبیعت خراب کرنے کا ہیہ کیوں کر رکھا ہے؟" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے وہ نرم لہجے میں بولے تھے۔

"آپ بالکل ٹھیک نہیں ہوئے ہیں، پھر میں کیسے آپ کی فکر نہ کروں، آپ سے ہی تو میری زندگی ہے، آپ کے بغیر میرا کوئی وجود نہیں، بس آپ ٹھیک ہو جائیں، میں آپ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتی، بابا! مجھے بہت عجیب سا لرگہ رہا ہے۔" سر جھکائے وہ لرزاتے کانپتے لہجے میں بول رہی تھی۔

"خرمین اس طرح رو کر تم اپنے باپ کو تکلیف پہنچا رہی ہو، کس چیز کا ڈر ہے مجھے بتاؤ؟" اس کے آنسو صاف کرتے وہ پر شفقت لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں کسی چیز سے بالکل بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، میری بیٹی میری طرح ہی بہت ہمت والی ہے، وہ راتھا کر دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چنانا جانتی ہے، مجھے بتاؤ جس کس بات نے پریشان کر رکھا ہے؟"
"پریشان تو اب تک میں آپ کو کرتی آئی ہوں بابا،" میٹکی آنکھوں کے ساتھ وہ بے بس لہجے میں بولی تھی۔

"میں نے آپ کو آپ کے اپنوں سے دور کر دیا، میری وجہ سے آپ نے خود کو بھی بھلا دیا۔"
"تم یہ سب کب سے سوچنے لگی ہو خرمین! احمد حسین بری طرح دنگ ہوئے تھے۔

"ہمیشہ سے سبکی سوچتی ہوں کہ میری زندگی آپ کے لیے اتنی بھاری ثابت ہوئی ہے، میں ایسا کیا کروں کہ میری وجہ سے جو آپ نے تکلیفیں اٹھائی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے، میرا ایسا کون سا عمل ہوگا جو آپ کے احساسوں کے برابر ہوگا؟"

"خاموش ہو جاؤ خرمین! تمہاری یہ باتیں میرے لیے اذیت بن رہی ہیں۔" وہ شدید تاقت سے اسے دیکھتے ٹوک گئے تھے۔

"اولاد کی پرورش، اس کسمے محبت ماں باپ کا فرض ہے، اسے احسان کا نام مت دو، احسان تو تم نے ہم پر کیا ہے، تم نے اپنی ماں کی سوئی کو گود آ پا دیا ہے، تمہاری وجہ سے میرے گھر میں، میری زندگی میں رونق ہے، ہمارے جینے کی وجہ بن کر تم اس دنیا میں آئی ہو، تم میرے پاس نہ تو تمہیں تو ساری دنیا کی دولت بھی میرے کسی کام کی نہ تھی، تمہارے لیے اتنا کافی ہونا چاہیے کہ تم میری اولاد دو، مجھ سے وعدہ کرو کہ تم آئندہ کبھی اپنے بارے میں غلط فہم سوچو گی، کبھی خود کو کسی سے کم تر نہیں سمجھو گی۔"

"میں آپ کی باتیں سمجھ چکی ہوں، میری بات سے آپ کو تکلیف پہنچی اس کے لیے مجھے معاف کر دیں، مگر آپ بھی مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ کو میرے لیے جلد از جلد ٹھیک ہونا ہے۔" وہ بھرائے لہجے میں بولی تھی۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں مگر میں ٹھیک تب ہو سکتا ہوں جب تم مجھے دوا دو گی۔" ان کے یاد دلانے پر وہ شرمندہ ہوئی تھی۔
"اوہ..... میں تو بھولی گئی۔" سرعت سے اس نے سائیز ٹیبل سے ٹیبلٹس اور گلاس اٹھایا تھا جبکہ احمد حسین اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے جو دروازے کے قریب ہی دیوار سے پشت لگائے کھڑا تھا۔

"عارش اتم وہاں کھڑے کھڑے تھک گئے ہو گے، بہتر ہے کہ یہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔" احمد حسین نے اسے مخاطب کیا تھا جبکہ خرمین بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"ایک تو میں جب آپ سے بات کرنے بیٹھتی ہوں کوئی نہ کوئی نازل ہو جاتا ہے۔" کیونکہ نظروں سے اس نے بیڈ کے دوسری جانب بیٹھتے عارش کو دیکھا تھا۔

"ماموں جان! آج آپ ایک عجیب خوف و خطر سب کے سامنے قبول کر لیں کہ آپ سب سے زیادہ محبت مجھ سے کرتے ہیں۔" عارش کی اس بے موقع بات پر احمد حسین بس اس کے سرکراتے چہرے کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"کیوں..... تمہارے اندر ایسے کون سے پیرے موتی لعل جڑے ہیں جو تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو؟" خرمین نے ٹک کر اسے دیکھا تھا۔

"ماموں جان! آپ سچ قول کریں، میں سننا چاہتا ہوں۔" خرمین کی طرف کوئی بھی توجہ دینے بغیر وہ بہت اچھی طرح احمد حسین کو شش و پنج میں ڈالنا لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"بات سنو! جب تک میں زندہ ہوں، تمہاری یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی، کیجیے؟" شدید ناگواری سے اسے دیکھتی وہ جتنی کمرے سے نکل گئی تھی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم اور خرمین دونوں میرے لیے برابر ہو، پھر بھی یہ سوال تم نے خرمین کے سامنے کیا۔" احمد حسین کے گھر کے پردہ و حیرے سے بٹھاتا تھا۔

"مگر آپ یہ سچ بھی تو اس کے سامنے قبول نہیں کرتے۔"
"اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ تم سے پیر یا مدد ہے۔" احمد حسین نے خشکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ مجھے برابر کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں، اور میں انادرجہ نیچے کرنے کے لیے تیار نہیں۔" وہ دھناتی سے بولا تھا۔
"تو پھر اس ماجراجی کو ختم کرنے سے بہتر ہے کہ خاموش رہو، تم جانتے ہو کہ تمہارا اس گھر میں کیا مقام ہے؟" احمد حسین نے تشبیہی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”آپ تو عجید ہو گئے، میں تو صرف خرمن کو تک کر رہا تھا، آپ کی بیٹی کے سامنے ڈٹ کر مجھے دھکے کھا کر اس گھر سے نکلتا نہیں ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

”عارش! تم نے اس کی باتیں سنیں؟“ احمد حسین یکدم عجید ہو گئے تھے۔

”میں نے اسے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا، مگر مجھے اندازہ ہے کہ وہ اپنے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی، پتہ نہیں کون سے اندیشے اور دوسرے اس کے دل میں پنپ رہے ہیں، بے شک وہ کچھ کچھ نہیں مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کے دل کی خبر نہ ہو۔“

”آپ بھی تو کسی سے کچھ نہیں کہتے مگر میں بھی آپ کے دل سے خبر نہیں ہوں۔“ عارش نے بنور ان کے تاثرات دیکھے تھے۔

”آپ خرمن کے لیے بہت پریشان رہتے ہیں، میں جانتا ہوں۔“ اس کے حریف کہنے پر احمد حسین کچھ بول نہیں سکے تھے۔

”ماموں جان! آپ کی پریشانیاں صرف آپ کی نہیں ہیں، آپ مجھے کیوں بھول جاتے ہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں، آپ کو مجھ پر اتنا اعتبار تو کرنا چاہیے۔“ اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

”ایسا مت کہو عارش! میرے بعد تم ہی اس گھر کے سب کچھ ہو، میں واقعی اس سوچ میں پریشان ہو جاتا ہوں کہ خرمن کا مستقبل کیا ہوگا؟ اس گھر کے باہر کوئی ایسا انسان نہیں ہوگا جو اسے اس کی حقیقت کے ساتھ قبول کرے گا۔“ وہ بہت کمزور اور آرزو لہجے میں بول رہے تھے۔

”ہر باپ کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کو شاد و باد و ستاد و یکسوں، اپنی زندگی میں اسے مضبوط ہاتھوں میں سونپ کر اطمینان کا سانس لوں، اگر میں اپنی بیٹی سے بڑے داری پوری نہ کر سکا تو مجھے قبر میں بھی سکون نہیں ملے گا، میری ساری زندگی کی محنت اور جدوجہد بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔“ احمد حسین بہت مضطرب ہو کر بولے تھے۔

”آپ ایسا مت سوچیں، آپ اب تک اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خود کو وقف کرتے رہے ہیں، اللہ بھی آپ کی جدوجہد کو شاکہ نہیں ہونے دے گا، آپ اس کی ذات سے پر امید رہیں، آپ کی خواہش ضرور اللہ پوری کرے گا، خرمن کی زندگی کو مزید بہتر کرنے کے لیے میں آپ کے ساتھ ہوں، آپ اپنی ساری پریشانیاں مجھے دے دیں اور بس پہلے کی طرح فٹ ہو جائیں۔“ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھا وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

”ظاہر ہے میں اپنی پریشانیاں تم سے ہی ہاتھوں گا مگر تم ابھی سے ذمے داریاں اٹھانے کے لیے بے عین مت ہو، ابھی چھپیں بہت آگے جانا ہے، اپنے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔“

”ماموں جان! ذمے داریاں تو انسان کے آگے بڑھنے کا محرک بنتی ہیں، لہذا آپ دامن نہ بچائیں، میں اب چھوٹا سا بچہ نہیں رہا۔“ اس کے کچھ ناراض لہجے پر احمد حسین بس دھیرے سے مسکراتے تھے۔

☆.....☆.....☆

گیٹ سے وہ اندر داخل ہوا تھا، اسی وقت عروسہ اپنے پار کا کلاس ڈور کھولتیں باہر آئی تھیں۔

”آپ دنیا کی پہلی بہن ہوں گی، جو تو ابھی اپنے بھائی کی زندگی اجیرن کیے رکھتی ہیں، آپ کے اور آپ کی والدہ محترمہ کے احکامات پورے کرتے کرتے ایک دن میں ہی اس دنیا سے نکل جاؤں گا۔“ وہ شاید پہلے سے ہی کسی بات پر

غصے میں تھا جبکہ اس کے برسنے پر عروسہ کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

”ایک تو جان چھڑا کر بھاگ گیا پردیس، اب سب نے مجھے فٹ پال بنالیا ہے۔“

”کبھی کبھی خوشی بہن کے پاس مت آنا، اتنی بار فون کرنے پر اب آئے ہو مگر وہاں عرش معلیٰ پر پہنچا ہوا ہے۔“ عروسہ نے اسے گھر کا تھا۔

”اب آپ کے طے کرنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس، کیا کام ہیں جلدی تائیں؟“ وہ اکھڑے انداز میں ہی بولا تھا۔

”کوئی کام نہیں ہے، جاؤ جہاں جانا ہے، یہاں وقت برباد مت کرو۔“ عروسہ غصے میں بوتیں دایس پلٹ گئی تھیں۔

”کو تو بتا دیں۔“ وہ زوج ہوا تھا، مگر عروسہ نہیں رکی تھیں، جھٹاکر واپس پلٹتے ہوئے اس نے بیڑھیوں کے قریب ہی فائر اور فلک کو دیکھا تھا جو اس کی جانب بھاگے آ رہے تھے، اب عثمان کا فوراً جانا مشکل تھا، ان دونوں کو بازوؤں میں دباؤ دے بیڑھیوں میں لٹے کرنا تو اوپر آ گیا تھا۔ شوریٰ آواز پر بیلا سرعت سے کچن سے باہر نکلی تھی، بچوں کو چھوڑ کر وہ اس کی منت آ گیا تھا۔

”کیوں بلا یا تھا آئی ہے؟“ اس کے سوال پر بیلا نے ایک پل کو رک کر اس کے حتمے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”ابھی تک ناراض ہو؟“ وہ اتارے چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

”کام کی بات کرو، خواہ مخواہ کے ذرائع نہ کرو میرے سامنے۔“ وہ جگڑے لہجے میں بولا تھا۔ ”ایکدم سے اجنبی بن کر آنا صبر پر مت چلے جایا کرو عثمان! میرا دم گھٹنے لگتا ہے، ایک دن بھی تمہاری آواز سے بغیر میرے لیے جینا مشکل ہو جاتا ہے اور تم اتنے اتنے دن تک۔“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ لرزے لہجے میں بات عمل نہ کر سکی تھی، چند لمحوں تک عثمان وہیں دکھائے کچن میں غائب ہوتا دیکھتا رہا تھا، ہر بار کی طرح آج بھی وہ اپنے آنسوؤں کے تھیا روں سے اسے زیر کر گئی تھی، کچن میں داخل ہو کر اس نے بیلا کو دیکھا تھا جو ہات پات شاپر میں رکھ رہی تھی۔

”میرا بھی دم گھٹنے لگتا ہے اس وقت جب تم اپنے بھائی کے سامنے مجھ سے لالچ ہو جاتی ہو، زبان بند کیے مجھے دو کڑی کا ہوتے ہوئے دیکھتی رہتی ہو۔“ ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کرنا وہ سگے لہجے میں بولا تھا۔

”اس وقت تم سے زیادہ اذیت مجھے ہوتی ہے، اپنی بزدلی، کم ہمتی پر، اسی چیز کی سزا دیتے ہو تم مجھے۔“ بیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ بولی تھی جس کا قصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

”تمہیں نہیں خود کو کمزور بنانا ہوتا، تمہیں اس گھر میں پیدا نہیں ہونا چاہیے تھا، یا پھر میری بہن کو اس گھر میں آ کر آنا نہیں ہونا چاہیے تھا، صرف آپ کی ایک وجہ سے میں اس شخص کو برداشت کرتا ہوں اور۔۔۔“ جھینپتے لہجے میں وہ جملہ اظہار چھوڑ گیا تھا۔

”ہر وقت میرے خوف میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، وہ کبھی میرے لیے تمہیں قبول نہیں کریں گے، بھائی جب ان سے ہارنے بارے میں بات کرتی ہیں تو غصے میں آ جاتے ہیں، ہر بار اظہار کر دیتے ہیں، اب ایسے میں، میں کس کے سامنے ایسا پریشانیاں رکھوں، ناراضی میں تو تم میری آواز تک سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔“ بھرائے لہجے میں بولتے ہوئے بیلا کی آنکھیں پھر لبریز ہونے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

کبھی تو کبھی میری دل تو کبھی

”تم مجھے ناراض ہونے کا موقع مت دیا کرو، تم ہی میرا ساتھ چھوڑ دو گی، تو میں کس طرح حالات کا سامنا کر سکوں گا۔“
تم میرے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں؟“ وہ زچ ہو کر بولا تھا۔



”اب یہ آنکھیں صاف کرو، یا میں نکال کر صاف کروں؟ جانتا ہوں کس طرح اپنے بھائی کے سامنے تمہارا دم خشک ہو جاتا ہے۔ اس کے گھر کے پر پٹلانے جلدی سے آنکھیں خشک کی گئیں۔“

”کیا ہے اس میں؟ مجھے تو عظیم کی خوشبو آ رہی ہے۔“ شاپر کا جائزہ لیتا وہ بولا تھا۔

”بھائی نے عظیم بتایا ہے، وہی تمہاری طرف بھیجنا تھا، قارآن کو کرکٹ سے فرصت نہیں، اسی لیے تمہیں بلایا تھا۔“

”یہ بات پاٹ تو تمہا میں ہی ختم کر دوں گا۔“ وہ بولا تھا۔

”عظیم ہے، اسی لیے تمہارا احمد میں نے الگ نکال رکھا ہے، یہیں کھا کر جاؤ میں نکالتی ہوں۔“ بیلا نے کہا تھا اور جھٹ پٹ عظیم کے ساتھ دیگر لوازمات بھی بھیل پر رکھ دیئے تھے۔

”بہت زبردست عظیم بتایا ہے، آپنی سن، میں نے بلا وجہ انہیں ناراض کر دیا۔“ عظیم کھاتے ہوئے عثمان کو انہوں سے بولا تھا۔



"تم سے نہیں ہونے والیں وہ ناراض، ان کا سارا طبع مجھ پر ہی اترتا ہے۔" کولڈ ڈرنک کا گلاس اس کے سامنے رکھتی وہ جتا رہی تھی۔

"خبردار امیری، بہن کے بارے میں کچھ مت کہنا۔" عثمان نے فوراً استیجہ کی تھی جبکہ وہ خشکیوں نظروں سے اسے دیکھتی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"تمہارے جلاہ بھائی نے کس وقت گھر آنا ہے، شام تو ہونے والی ہے؟" عثمان کو یاد آیا تھا۔

"ابھی ان کی واپسی میں بہت وقت ہے، آرام سے حلیم کھاؤ، ذرا ٹھنک سے۔" بیلا نے دھیرے سے ہنسنے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"سنو! تم نے میگزین کے لیے فوٹو سیشن کروالیا، اور مجھے ہلکے ہلکے نہیں لگتے دی؟" وہ شکایت کر رہی تھی۔

"بس اچانک سب ہوتا چلا گیا، ایک آخر آئی، میں نے قبول کر لی، تمہیں ضرور بتانا اگر ناراض نہ ہوتا۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"ویسے فوٹو زکائی اسٹائش میں مگر بات زیادہ۔" مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بیلا نے اسے دیکھا تھا۔

"غلط۔ تم ساتھ ہو تیں تو، یقیناً درجہ حرارت زیادہ بڑھ جاتا۔" عثمان کے فوراً ہی کہنے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"تمہارے بھتیجا تو بے خبر نہیں رہے ہوں گے؟ امیری ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔" سوائے نظروں سے عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

"اتنے دن بعد بات کر رہے ہو صرف اپنی بات کرو۔" وہ ناراضی سے بولی تھی۔

"اچھی باتیں نہیں مسائل ہیں، ڈگری کا تھم میں آنے میں تو زیادہ وقت نہیں ہے مگر جاب ملنے میں جانے کتنا عرصہ لگے گا، کبھی کبھی تو سوچتا ہوں، بھائی کے پاس چلا جاؤں۔"

"ایسا سوچنا بھی مت، سات سمندر پار جانے سے پہلے مجھے کسی سمندر میں غرق کر دینا۔" بیلا کا چہرہ ہی سفید پڑ گیا تھا۔

"میں نے صرف ایک بات کی ہے۔"

"میرے سامنے یہ بھی ایک باتیں مت کیا کرو، اگر تم نے دوبارہ ملک چھوڑ کر جانے کی بات کی تو میں یہودیہ چھوڑ دوں گی۔" وہ بے طرح جذباتی ہوتی تھی۔

"فضول باتیں مت کرو، کہیں نہیں جا رہا میں، مجھے تو سیشن رہ کر تمہارے بھائی کے سامنے لوہا منواتا ہے اور تمہیں اس گھر سے لے کر جاتا ہے۔" وہ تنبیہ کی سے بولا تھا۔

"یہ سب آخا آسان نہیں ہے تم جانتے ہو۔" بیلا بچھے لہجے میں بولی تھی۔

"برہان بھائی کچھ عرصے میں آنے والے ہیں، ان کے آنے کے بعد ہی میں کوئی قدم اٹھاؤں گا۔"

"ہاں، شاید وہ بھائی کو راضی کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔" بیلا کا لہجہ امید بھر تھا۔

"اور یہ تم کیا بھائی سے میری شکایت کرتی رہتی ہو، کیا سوچتے ہوں گے؟" عثمان نے اسے گھورا تھا۔

"جو بھی سوچتے ہیں، سوچنے والوں سے کچھ چھپا نہیں ہے۔" وہ دھڑکنے سے بولی تھی۔

"ویسے ہو سکتا ہے، بھائی کی آزادی یہاں آ کر ختم ہو جائے، امی اور آپنی تو پوری طرح تیار ہیں۔" سب کی طرف جاتا وہ بتا رہا تھا۔

"مجھے تو مشکل لگ رہا ہے، جب بھی ان سے بات ہوتی ہے، ایک خاتون کا بہت ذکر ہوتا ہے، محترمہ تنبیہ کی سے انرا لو ہیں۔" ٹھیک سے چیزیں سننے والی تھی وہ بتا رہی تھی۔

"تمہیں ساری خبریں ہوتی ہیں، اپنے بھائی کو میرے پیچھے چھوڑ کر خود میرے بھائی کی جاسوسی میں لگی ہو۔" بولنے ہوئے وہ قریب آیا تھا اور اگلے ہی پل اس کے دوپٹے کے پلے سے ہاتھ خشک کرنے شروع کر دیئے تھے۔

"یہ کیا حرکت ہے، بدترین انسان! وہ چیختی تھی۔

"تم تمہیں سکھانے آ جاؤ میری زندگی میں، اپنے بھائی سے اجازت لے کر۔" اس کے بال کھینچتا وہ سرعت سے دور ہوا تھا اور اگلے ہی پل شاپر اٹھاتا چکن سے باہر تھا۔

"مان! بات سنو، بھائی تو احمد انکل سے ہاسٹل میں سیل آئی تھیں، مگر میں نہیں چاکی بکل تم مجھے لے جاؤ گے خرمن کے گھر؟" اس کے پیچھے آتی بیلا نے آواز لگائی تھی۔

"میرا کوئی بھروسہ نہیں، تم فاران کے ساتھ چلی جانا۔" رکے بغیر وہ بولا تھا اور تیزی سے سڑکیاں اترتا ہیڈ کم کا تھا، اوپر ہی آتے فاروق نے بس ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی اور دوسری نگاہ ان کی اوپر کی بیلا پر لگ گئی تھی جو ہیں غریزہ ہو چکی تھی، عثمان کے سلام کا جواب انہوں نے سر کے اشارے سے دیا تھا جبکہ وہ دوبارہ امی تیزی سے ان کے برابر سے گزرتا آگے بڑھ چکا تھا۔

"کیوں آیا تھا یہ؟" کڑی نظروں سے انہوں نے بیلا کو دیکھا تھا۔

"بھائی نے بلایا تھا، حلیم گھر بھیجا تھا۔" ان کے چمکتے جوتوں پر نظر پڑا وہ ہنسنے لگی تھی۔

"عروس کہاں ہے؟" دوسرا سوال آیا تھا۔

"وہ نیچے ہیں۔" اس بار آواز بیلا کے حلق میں اٹکی تھی، وہ نظر اٹھا کر ان کی جانب دیکھ تو نہیں سکی تھی، مگر انہوں نے اپنے پیچھے جس طرح دروازہ بند کیا تھا، بیلا کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔

کھلتے دروازے۔۔۔ قاطر نظر آئی تھیں، انہیں سلام کرتا وہ اندر داخل نہیں ہو سکا تھا کہ قاطر نے روک دیا تھا۔

"پہلے اپنی بانیگ اندر لاؤ۔" وہ قطعی انداز میں بولی تھیں۔

"لے آؤں گا ماما، ابھی مجھے تو اندر آنے دینا۔" وہ کوفت سے بولا تھا۔

"میں نے جو کہا۔" وکرو، یہ بد بخت جب تک باہر کھڑی رہے گی، تم بھی گھر میں نہیں رکو گے، پہلے ہی گیارہ بجاکر گھر آئے ہو۔" قاطر۔۔۔ جانی تھی سے اسے گھر کا تھا۔

"بہت بھوک لگ رہی ہے، ماما! مجھ میں ہمت نہیں ہے ابھی کہ اس بانیگ کو اندر تک لاؤں۔" بھوک کی اذیت

چہرے پر پھیلائے وہ کسی بات بانیگ اندر نہیں لانا چاہتا تھا کہ آج رات عثمان کے ساتھ خالی سڑکوں پر طویل رائیڈ لینے

کا پروگرام تھا، ہر ایک ان دونوں کی نائن رائیڈ ہوتی تھی۔

”تم ایسے نہیں مانو گے، مجھے خرمن کو بھانپنا پڑے گا، تم اسی کی زبان سمجھتے ہو۔“ فاطمہ کی دھمکی نے اسے سیدھا کر دیا تھا۔

”اسے کیوں درمیان میں لارہی ہیں؟ مان تو رہا ہوں آپ کی بات۔“ جملائے انداز میں بولا وہ بانیک کی طرف پلٹ گیا تھا۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے فاطمہ گیٹ کے سامنے سے غائب ہوئی اس کے بارے میں تاثرات کوئی دیکھ رہی تھیں۔

”تم پہلے کھانا کھا لو پھر اپنے ماموں کے پاس چلے جانا، جہیں پوچھ رہے تھے۔“ فاطمہ کی ہدایت پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”خیریت ہے؟“

”ہاں، وہ بس تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“ فاطمہ کے لبہم سے لہجے نے اسے حیران کیا تھا۔

”پھر میں کھانا بعد میں کھاؤں گا، پہلے ان سے بات کروں گا۔“ بولا وہ اور برآمدے کی سمت بڑھ گیا تھا، کتاب بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بارہ اس کی طرف متوجہ تھے جو بیڈ کے کنارے ہی سامنے بیٹھ رہا تھا۔

”آج تم کافی لیٹ ہو گئے ہو، ایسی صورت میں گھر آنے تک ہر پانچ منٹ بعد اپنی ماما کو فون کرتے رہا کرو، ورنہ یہ اپنے ساتھ ساتھ سب کو بولانی روتی ہیں۔“ مسکراتے ہوئے انہوں نے فاطمہ کو بھی دیکھا تھا جو کچھ فاطمہ پر کرسی پر بیٹھ رہی تھیں۔

”آپ نے کہہ دیا اور اس نے کر لیا فون، آپ خود دیکھیں صبح سے جو لکھا ہے، تو اب چہرہ دکھا رہا ہے۔“ فاطمہ نے ناراضی سے کہا تھا۔

”میں ایک گھنٹہ تو لیٹ ہوا ہوں ماما! اکیڈمی میں ایکسٹرا کلاس لیتی پڑتی تھی، کہیں آپ کو یہ تو نہیں لگ رہا کہ میں ڈیننگ پر جانے لگا ہوں؟“ عارض نے مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”اب یہ کون سی نئی جاب نکل آئی ہے؟“ فاطمہ کے حیران سوالیہ لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

”فاطمہ! جنہیں اس لڑکے سے زیادہ معصوم کوئی نظر نہیں آتا، مگر میں جنہیں لگ کر دینے کے لیے تیار ہوں کہ یہ لڑکا تمہاری بیٹی سے بھی چار چھ ہاتھ آگے ہے۔“ احمد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”ماما! اس وقت آپ مجھے اتنی حسین لگ رہی ہیں کہ میری نظری آپ کو ننگ جائے، ماما جی جاکر نظر اتروائیں، اپنی جھاڑ چھوٹ کر دانی بیٹی سے۔“ عارض نے مزید ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”اس کے سامنے یہ سب کہو، بتائے گی جنہیں اچھی طرح سے، اور ہزار بار کہا ہے تم سے کہ میرے سامنے زیادہ انگریزی مت بولا کرو۔“ فاطمہ نے اسے گھر کا تھا۔

”میرے فرشتوں کی توبہ یہ دیکھیں میں نے اپنے کان پکڑ لیے ہیں۔“ عارض نے واقعی اپنے کان پکڑے تھے۔

”عارض! میرا خیال ہے کہ جنہیں جاب یا اکیڈمی میں سے کسی ایک چیز کو چھوڑ دینا چاہیے۔“ احمد حسین بولے تھے۔

”ماموں جان! آپ جانتے ہیں کہ آپ سب کی دعاؤں سے وقت سے پہلے مجھے اتنی اچھی جاب مل گئی ہے، اس میں آگے بڑھنے کے مواقع بہت زیادہ ہیں، سو میں جاب چھوڑ کر ناشکری نہیں کرنا چاہتا، جبکہ میرے ہاتھ میں ابھی ڈگری بھی نہیں ہے اور جہاں تک بات ہے اکیڈمی کی تو میں وہاں ایکسپرینس کے لیے اپنا وقت دے رہا ہوں، کیونکہ آپ کو بھی

پتہ ہے کہ میں اپنی اکیڈمی شروع کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے تفصیل بتا رہا تھا۔

”تو پھر کب شروعات کر رہے ہو؟“ احمد حسین نے پوچھا تھا۔

”بس! انگریزوں کے فوراً بعد۔“ وہ بولا تھا۔

”عثمان میرے ساتھ ہوگا مزید کچھ فریڈز ہیں میرے جو اس کام میں میرے ساتھ ہوں گے۔“

”پھر تو تم رات میں بھی گھر آ کر غسل نہیں دکھاؤ گے۔“ فاطمہ بول اٹھی تھیں اور پھر شوہر کو دیکھا تھا۔

”آپ کو جو بات کرنی ہے وہ کر لیں پہلے، اس نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔“

”کیا بات کرنی تھی آپ کو، میں تو پوچھتا ہی بھول گیا؟“ عارض مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”آج عثمان کی والدہ آئی تھیں، بتا رہی تھیں کہ برہان آرہا ہے، اس کے واپس جانے سے پہلے وہ اس کی شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔“ احمد حسین بولے تھے۔

”مامی سے مجھے معلوم ہوا تھا، مگر اس میں ایسی کیا بات ہے؟“ کچھ الجھے انداز میں اس نے فاطمہ کو دیکھا تھا۔

”باتوں باتوں میں وہ خرمن کے لیے ارادہ ظاہر کر گئی ہیں۔“ فاطمہ کے انکشاف پر وہ دنگ نظروں سے انہیں دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

”ان کی باتوں سے اندازہ ہوا ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر عروس کے ساتھ رشتے کر آئیں گی۔“ فاطمہ کے مزید کہنے پر عارض کے تاثرات بالکل پاٹ ہو گئے تھے۔

”آپ دونوں کی اسوج رہے ہیں اس بارے میں؟“ رکی سانسوں کے ساتھ اس نے دونوں کو ہی دیکھا تھا۔

”دیکھا جائے تو عثمان کے گھر والوں سے ہمارے تعلقات اس وقت سے ہی مضبوط ہیں جب ہم اس شہر میں آ کر آباد ہوئے تھے، مگر آگن ایک رہا ہے، برہان اچھا لڑکا ہے، دور جانے کے باوجود وہ ہم سے اسی طرح رابطے میں ہے جس طرح اپنے گھر والوں سے، اس بارے میں کچھ تو سوچنا پڑے گا۔“ احمد حسین کے سنجیدہ لہجے پر وہ خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

”اس بارے میں سوچنے سے پہلے آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ خرمن کے لیے آپ کسی پراکتا بھروسہ کر سکتے ہیں کہ اس کی حقیقت سب کے سامنے کھول دیں؟“ اس کے سوال پر احمد حسین نے ایک نظر فاطمہ کو دیکھا تھا۔

”عارض! کسی نہ کسی پر بھروسہ کرنا ہی پڑے گا، آخر خرمن کی شادی کہیں نہ کہیں تو کرنی ہے، پھر ہم ان پر بھروسہ کیوں نہ کریں جو ہمارے قریب ہیں؟“ فاطمہ مشتعل نہیں ہوئی تھیں۔

”آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ خرمن کے بارے میں سب کچھ جان کر بھی عثمان کے گھر والے کوئی اعتراض نہیں اٹھائیں گے؟“ عارض نے کہا تھا۔

”کیونکہ برسوں سے ان سے تعلق رہا ہے، اتنا عرصہ کافی ہے فیصلہ کرنے کے لیے کہ کس پر بھروسہ کریں کس پر نہیں۔“ قطعی لہجے میں بول کر فاطمہ نے احمد حسین کو دیکھا تھا۔

”ہم انکار نہیں کریں گے، ہمیں یہ رشتہ قبول کرنا ہے، میں خرمن اپنے گھر میں آباد ہونا دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”مامی! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، اس طرح جذبات میں آ کر آپ خرمن کا پردہ کس کے سامنے نہیں اٹھا سکتیں وہ

فحش چار سال سے امریکا میں زندگی گزار رہا ہے اور اس عرصے میں بہت کچھ بدل جاتا ہے، آپ صرف شادی پر فوکس کر رہی ہیں، زندگی خرمین نے گزارنی ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ راضی نہیں ہوگی اور اگر کسی دباؤ میں آ کر اس نے سر جھکا بھی دیا تو وہ کس طرح ایڈجسٹ کر سکے گی؟ یہاں اور امریکا کی زندگی میں بہت فرق ہے، آپ اس کی آکے کی زندگی کے بارے میں بھی تو سوچیں۔ ناگواری چھپائے وہ بولا تھا۔

”تم کیا چاہتے ہو، میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔“ احمد حسین پوچھ رہے تھے، جواباً ایک پل کو رک کر عارش نے فاطمہ کو بھی دیکھا تھا۔

”انکار کرویں۔“ وہ بولا تھا۔

”ایسے کیسے انکار کرویں، اتنا اچھا رشتہ ہے، میں اسے ٹھکرا نہیں سکتی۔“ فاطمہ فوراً ہی بولی تھیں۔

”مائی ایس یہ قبل از وقت ہے، خرمین نے ابھی دنیا کو دیکھنا شروع کیا ہے، وہ ایم۔ اے کی تیاری شروع کر رہی ہے، یونیٹن بننے کا خواب دیکھ رہی ہے اور آپ جلد بازی میں اسے پھر سے کنوئیں میں قید کر رہی ہیں۔“ وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

”اسے جو کرتا ہے بعد میں بھی کر سکتی ہے، مجھے یقین ہے کہ لقمان بھائی اور علیہ برصورت خرمین کو قبول کریں گے۔“ فاطمہ کسی صورت اپنے موقف سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

”مائی اتنی توقعات کسی انسان سے وابستہ نہیں کرنی چاہئیں، آپ انکار کریں، ورنہ پھر مجھے خرمین سے بات کرنی پڑے گی۔“ وہ ناگواری سے بولا تھا۔

”تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے، ہمیں جو کرتا ہے کر لیں گے، اس معاملے میں تمہیں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں، ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے تم۔“ فاطمہ کے ڈپٹے والے انداز پر عارش نے احمد حسین کو دیکھا تھا، ان کی خاموشی اسے بہت تکلیفی تھی اس موقع پر۔

”ٹھیک ہے، پھر میں خاموش ہو جاتا ہوں، جب میری کسی بات کی اہمیت ہی نہیں ہے تو مجھ سے رائے لینی ہی نہیں چاہیے تھی، مجھے کوئی حق ہی نہیں آپ کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کا۔“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل تیز قدموں سے کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ریسٹ وائچ پر ایک نظر ڈال کر وہ کھلتے گیٹ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”خرمین آ رہی ہے، مگر تم تو اندر آ جاؤ، جگہ آئی جاؤ، میں تمہارا فیشل کر دیتی ہوں۔“ بیلا کے چپکتے لہجے پر وہ مسکرایا تھا۔

”مجھے معاف کرو، اپنے ہنرمانی پر آ زماؤ، اسے زیادہ ضرورت ہے۔“ عارش کی بات پر وہ ہلکلائی تھی۔

”قاروق بھائی کو خبر ہے کہ ہمارے عثمان صاحب نے نئے ہنر اسٹائل کے لیے تم سے رابطہ کرتے ہیں؟“

”اور زور سے بولو تا کہ اوپر بھائی تک آواز پہنچ جائے۔“ خشک لہجے میں بولتی وہ خرمین کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”تم یہاں کھڑی ہو اور عروسہ آئی تمہاری پکاریں لگاری ہیں، جلدی جاؤ۔“ خرمین کی اطلاع پر وہ ان دونوں کو خدا حافظ کہتی اندر بھاگی تھی۔

”تم آج آکینی نہیں گئے؟“ خرمین نے بغور اس کے ٹھکے ٹھکے چہرے کو دیکھا تھا۔

”نہیں، بس موڈ نہیں ہو رہا تھا۔“ اس سے نظر ملائے بغیر بولتا وہ بانیک کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، ایک پل کو تول جاپا تھا کہ خرمین کو بتا دے کہ گھر میں کیا چھوٹی پک رہی ہے، اس کے بعد وہ یقیناً گھر سر پر اٹھالے گی اور وہ اطمینان سے دیکھے گا مگر وہ ایسا صرف سوچ کر رہ گیا تھا، گھر میں داخل ہو کر خرمین نے ایک نظر فاطمہ کو دیکھا تھا جو خاموشی سے گیٹ کھول کر واپس برآمدے کی طرف چلی گئی تھیں، جبکہ عارش کے تاثرات بھی ساٹ ہی تھے، خرمین کے لیے یہ نئی بات نہیں تھی، عارش ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فاطمہ سے روٹھ جاتا تھا، جیسے کہ آج کل گاڑی کا مسئلہ چل رہا تھا، عارش گاڑی خریدنا چاہتا تھا مگر فاطمہ مسلسل مخالفت کر رہی تھیں، ناراضی کی وجہ سے یہی الگ رہی تھی۔

”امی! آپ کی بیسٹ فرینڈ ناراض ہے آپ سے، آپ تو اس کی سلام دعا سے بھی لگیں۔“ مسکراتے لہجے میں بولتے ہوئے خرمین نے اسے بھی دیکھا تھا جو خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے کی سمت چلا گیا تھا۔

”بابا کہاں ہیں؟“ تخت کے کنارے بیٹھی وہ فاطمہ سے پوچھ رہی تھی۔

”نماز کے لیے گئے ہیں، کھانا تیار ہے، عارش سے بھی پوچھ لو یا میں پہلے نماز پڑھ لوں؟“ فاطمہ نے کہا تھا۔

”آپ پہلے نماز پڑھ لیں تب تک بابا بھی آ جائیں گے، ساتھ ہی کھانا کھا لیں گے۔“ سینڈل کے اسٹریپ کھوتی وہ بولی تھی جبکہ فاطمہ دھنوکے ارادے سے محن کی طرف چلی گئی تھیں۔

کچھ دیر سنانے کی غرض سے وہ بھی تخت پر شیم دراز ہوئی تھی کہ گیٹ بج اٹھا تھا، دروازہ کھول کر اس نے حیرت سے عثمان کے بے انتہا عجیبہ تاثرات کو دیکھا تھا۔

”عارش کہاں ہے؟“

”گھر میں ہی ہے، آ جاؤ یا بیٹیں! باؤں اسے؟“ اس کی بیچیدگی کو دیکھتے ہوئے اس نے مطلب کی ہی بات کی تھی۔

”اس کے پاس وقت کہاں ہے، ہم جیسے قاروق لوگوں سے ملنے کا، میں ہی جا کر حاضری دیتا ہوں۔“ ناگواری سے بولتا وہ اندر آیا تھا۔

”ہوا کیا ہے؟“ حیرانی سے پوچھتی وہ اس کے پیچھے ہی گئی تھی مگر وہ ان کی کرتا سیدھا عارش کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا، وہ جو جوتوں سمیت بیڈ پر دراز تھا عثمان کی آواز پر بیڑاری سے اٹھ بیٹھا تھا۔

”کیا ہوا ہے تمہیں، آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟“ بگڑے تیوروں کے ساتھ عثمان پوچھ رہا تھا۔

”کچھ نہیں ہوا، کیا ہونا ہے مجھے؟“ جوتے اتارتے ہوئے وہ بھی ناگواری سے ہی بولا تھا۔

”تم مسلسل مجھے اگود کر رہے ہو اور کہتے ہو کچھ نہیں ہوا، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا میں تمہیں پاگل نظر آ رہا ہوں؟“ عثمان تجھے سے اکھڑا تھا۔

”میں اس وقت تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ عارش کے سخت ناگوار لہجے پر جہاں خرمین دنگ تھی وہیں عثمان بھڑک اٹھا تھا۔

”تمہارے حکم کا نظام ہوں کہ جب چاہو گے بلاؤ گے، جب چاہو گے دھکے دو گے، کیا غلط کیا ہے میں نے تمہارے ساتھ؟“ لینڈ لارڈ ہو گئے ہو جو دماغ آسمان پر پہنچ گیا ہے۔“ عثمان دھماکا تھا۔

نیم فنوڈی میں اسے تازہ نگاہیوں کی مدد سے ایک اپنے دل و دماغ میں اترتی محسوس ہو رہی تھی، نرم انگلیاں اب اس کے بالوں میں سرسرا رہی تھیں، اس لمس میں جادو بھرا تھا، شانے پر اس کے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ محسوس ہوا تھا، سیدھا ہوتے ہوئے سر میں شدید جسم کی ٹیس ابھی تھی، مدھم سی کر وہ اس کے لیوں سے نکلی تھی، باہر تک آگئیں ایک ہل کے لیے ذرا کھول کر اس نے دیکھا تھا، وہ اب اس کی پیشانی کو نرمی سے سہلاتی زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی، اپنی پیشانی پر گہرے گداز اس کو محسوس کرتے ہوئے اسے اپنا سر اور وجود بہت ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہو رہا تھا، کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ اگر اس وقت وہ دنیا کو بھی بھول رہا تھا، چند لمحوں میں ہی وہ گہری نیند میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ اس پر مکمل پھیلاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف متوجہ ہوئی تھی، احمد حسین کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ورنہ یہ اس وقت نہیں سوتا ہے۔“ کچھ تشویش سے احمد حسین نے عارض کی پیشانی کو چھوا تھا۔

”اسے تو جب موقع ملتا ہے، یہ سوچتا ہے، فکر مت کریں صبح تک ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ کونٹ سے بولی تھی۔

”اب اسے جگا ناؤں، لیکن سوئے وہ بلکہ میرا ستر بھی نہیں بچے گا، دو رات میں کہیں اس کا بخار بڑھ نہ جائے، میں دیکھتا رہوں گا۔“ احمد حسین کی تشویش عارض کے زور چہرے کو دیکھتے ہوئے مزید بڑھ گئی تھی، پہلے ہی وہ اپنی ناراضی کی وجہ سے گھر میں بات چیت، بہت کم کر چکا تھا اور یہی نہیں وہ کافی دُسر ب بھی دکھائی دیا تھا، عثمان سے اس کی تلخ نگاہی کی خبر ملنے کے بعد احمد حسین موقع ڈھونڈ رہے تھے اس سے بات کرنے کا جو کچھ بھی تک نہیں ملا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر گر گئی تھی، جب قاروق بلند آواز میں اسے پکارتے شدید طیش میں پکچن کے اندر داخل ہوئے تھے۔

”تمہیں کب سے شوق ہوا ہے غیر مردوں کی تصویریں اپنے موبائل میں سجا کر رکھنے کا؟“ ان کی دھماڑ پر وہ بس ساکت نظروں سے اسکرین پر نظر آتے عثمان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

”کون سی زبان سمجھتی ہو تم، کس زبان میں سمجھاؤں تمہیں؟“ شدید طیش میں وہ بیل فون کھڑکی کی جانب پھینکتے اسے باہر اچھال گئے تھے، بیلا کا چہرہ خوف سے سفید اور زبان گنگ ہو گئی تھی، وہ سرعت سے عروس کی طرف لگی تھی جو قاروق کے پیچھے ہی آتی تھیں۔

”آخر کون سی قیامت آگئی ہے، اور کون سے غیر مردوں کی بات کر رہے ہیں آپ؟ اپنے بھائی کے لیے میں مزید آپ کی یہ باتیں برداشت نہیں کروا سکتی۔“

”میں بھی اپنے گھر میں تم سب کی من مانیوں برداشت نہیں کروں گا، نتائج؟“ بلند آواز میں انہوں نے عروس کی بات کاٹی تھی۔

”اپنے بھائی کو تم اپنی حد تک محدود رکھو، اس بے شرم لڑکی کو یہ ہوتا چاہیے کہ اس کی حدود کیا ہیں۔“ ایک بار پھر انہوں نے خونخوار نظروں سے بیلا کو دیکھا تھا جو عروس کی پشت پر چہرہ دھپچپائے کر رہی تھی۔

”کس طرح بات کر رہے ہیں آپ؟ یہ آپ کی بہن ہے، ایسا کیا کر دیا ہے اس نے جو آپ اسے بے شرم کہہ رہے

ہیں، ایسا کیا دیکھ لیا ہے آپ نے؟“ عروس کو بیلا کی سسکیوں نے غصے میں بھڑکادیا تھا۔

”جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آسکتا، یہ سب تمہاری لاپرواہی کا نتیجہ ہے، آگئیں بند کر کے قماش دیکھتی رہی ہو۔“ وہ مزید غصے میں بھڑکے تھے۔

”آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں، کون سے قماشے لگوایے ہیں میں نے آپ کے گھر میں؟“ عروس دنگ ہوئی تھیں۔

”میرا منہ مت کھلواؤ، ورنہ۔۔۔“ یکدم رنگ کر وہ قاروق کی طرف متوجہ ہوئے تھے جو بیلا کے بیل فون کے نوٹے پڑے ہاتھ میں پکڑے وہاں موجود تھا۔

”اسے اپنی زبان میں سمجھا دو کہ اگر یہ اسی طرح میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کھیل کھیلتی رہی، تو ایک دن اپنی جان سے جائے گی۔“ وہ پھر عروس کی طرف متوجہ ہوتے بھڑکے تھے۔

”پاپا! انی کو نہیں معلوم کہ ان کے بیل میں مانی ماسوں کی پکچر ہیں، آئی کا فون ایک ہفتے سے میرے پاس ہے، کل ناؤ کے گھر میں، میں نے یہ تصویریں لی تھیں۔“ شدید ناراضی سے باپ کو دیکھتے ہوئے قاروق نے حقیقت بتائی تھی۔

”تمہیں کوئی ضرورت نہیں تھی یہ سچ بتانے کی، کیونکہ یہ وہی سوچیں گے جو یہ سوچنا چاہتے ہیں۔“ تلخی نظروں سے عروس نے ان کے منہ ہاتھ تار تار کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل بیلا کا ہاتھ پکڑے اسے پکچن سے لے گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

آج پارلر آف تھا، مگر عروس نے اسے کال کر کے گھر آنے کے لیے کہا تھا، فون پر وہ بس یہی بتا سکی تھیں کہ بیلا کی طبیعت خراب ہے، اس کے بعد وہ وہیں کی تھی، روزانہ احمد حسین شاپ سے دو چہرے میں واپس آتے تھے اور خرمن کو عروس کی طرف چھوڑ کر دو بار شاپ پر چلے جاتے تھے، آج انہیں بھی پارلر آف ہونے کا پتہ تھا سو وہ نہیں آئے تھے، عارض کے یہ آفس میں درنگ آرزو تھے، اس وقت عثمان ہی دستیاب ہو سکتا تھا، عارض سے جھڑپ کے بعد یہ قیمت ہی تھا کہ وہ اسے ساتھ لے جانے کے لیے آگیا تھا پھر بیلا کی طبیعت کی خرابی کا سن کر وہ انکار نہیں کر سکا تھا۔

عثمان کے ہمراہ جب وہ عروس کے گھر پہنچی تو ان کے تاثرات نے ہی معاملے کی سنگینی کا احساس دلادیا تھا، عثمان کو ان کے پاس چھوڑ کر وہ سیدھی بیلا کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی، بیلا کے ست ہوئے چہرے اور سوچی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر وہ دھک سے رو گئی تھی۔

”بیلا! کیا ہوا ہے تمہیں، کیوں کھانا پیٹا چھوڑ رکھا ہے تم نے؟“ خرمن کا یہ پوچھنا قیامت ہو گیا تھا، اس کے شانے سے لگتی وہ اس طرح ٹکس ٹکس کر رہی تھی کہ خرمن کے ہاتھ پر پھول گئے تھے، اسے خاموش کروانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ دروازے کی سمت متوجہ ہوئی تھی، عثمان کے پیچھے عروس بھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں جبکہ عثمان کی وہاں موجودگی نے بیلا کے آنسوؤں میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

”آپ کے شو پر کون مجھ سے براغاش ہے تو مجھ سے وہ بات کیوں نہیں کرتے، بیلا کو کیوں تنہا مشق بنالیا ہے انہوں نے، کیوں اسے لذت کا نشانہ بنا کر رکھا ہوا ہے انہوں نے؟“ عثمان مشتعل انداز میں عروس سے پوچھ رہا تھا جو خاموش تھیں۔

”کس شخص کو سبق سکھاؤ گے، کس شخص کے بارے میں یہ کہو اس کر رہے ہو، وہ شخص تمہاری بہن کا شوہر ہے، اس کے بچوں کا باپ ہے، اس کی عزت نہیں کر سکتے تو منہ بند رکھو، ورنہ زبان گھنچ لوں گی تمہاری“۔ عروس نے شدید فحشے میں مٹھان کو دیکھا تھا۔

”انہوں نے مجھے کتنی عزت دی ہے جو ان کے لیے آپ اب بھی مجھ سے عزت کی توقع رکھتی ہیں؟“ مٹھان بھڑک کر بولا تھا۔

”کام بھی تو کرو عزت لینے والے، ساری دنیا میں تمہیں یہی ایک فی تھی اور اسے تم ملے تھے، میری تو زندگی اجیرن کر دی ہے تم سب نے مل کر“۔ عروس بولی تھیں۔

”زندگی تو میں اجیرن کر دوں گا، اگر ان کی وجہ سے بیلا کو کوئی نقصان پہنچا“۔ وہ بری طرح کھول اٹھا تھا۔

”کچھ نہیں ہوگا اس مہمان کی کو، یہ بس اسی طرح ساری زندگی مجھے بھیجا اور محبوب کے درمیان پسوا رہی ہے۔“

عروس نے جس طرح تھلا کر بیلا کو دیکھا تھا، اسے کندھے سے لگا کر بیٹھی خرمین بھٹل اپنی سرکھٹ چھپا رکھی تھی۔

”بھائی کے دو بیٹے بڑا عزت مند ہیں، کھانا پینا تک چھوڑ کر بیٹھی ہے۔“ عروس مزید بیلا پر بگڑی تھیں۔

”بھائی اپنی بہن کو غیر مردوں کا غصہ نہیں دیتے، چھوٹے بڑوں کے سامنے ذلیل نہیں کرتے۔“ بیلا روتے ہوئے ی

چلتی تھی۔

”کیا کہہ رہی ہے یہ؟“ بری طرح دنگ ہو کر مٹھان نے عروس سے تصدیق چاہی تھی جو اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

”وہ میرا کوئی لحاظ نہیں رکھتے، آپ برداشت کر لیں، مگر وہ بیلا کے لیے اس حد تک چلے گئے آپ نے کیسے برداشت

کر لیا؟“ مٹھان سرخ چہرے کے ساتھ بولا تھا۔

”خرمین اس کے لیے کھانا نکال رہی ہوں، آکر لے جاؤ، یہ کھاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ چھوڑ دو اسے اس کے

مال پر۔“ مٹھان کی بات سن کر مٹھان نے کیسے وہ خرمین سے مخاطب ہو کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

”مٹھان! تمہیں اپنی کی پوزیشن کو سمجھنا چاہیے، فاروقی بھائی ان کے شوہر ہیں، وہ ایک حد کے اندر رہ کر ہی تم دونوں کو

سیورٹ کر سکتی ہیں اور تم بھی یقیناً یہ نہیں چاہو گے کہ ان کے فاروقی بھائی سے تعلقات خراب ہوں۔“ خرمین نے ایک ہلکی

سی کوشش کی تھی مٹھان کو سمجھانے کی۔

”اور تم اٹھو، ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھاؤ میرے سامنے، جسے آسودہ کھانے تھے وہ دیکھ چکا ہے، اب تم یہ رونا بند کرو۔“ بیلا

کو گھر کے ہوئے خرمین نے اسے واش روم تک چھوڑا تھا اور پھر کھانا لینے کمرے سے نکل گئی تھی، واش روم سے باہر آتے

ہوئے بیلا نے اس کے پیچھے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر مزید اس کے قریب آ گئی تھی۔

”مجھے معاف کر دو، میری وجہ سے بھائی کے ساتھ تم بھی ڈسرب ہو گئے۔“ نظر جھکائے وہ شرمندہ لہجے میں بولی تھی،

دوسری جانب وہ چند لمحوں تک اس کے چہرے پر چمکتی پانی کی بوتلوں کو دیکھا، ہاتھ اور پیر دھو کر اسے اس کا نام ہاتھ اپنے

ہاتھ میں تمام لیا تھا، نظر اٹھانے پر وہ مجبور ہو گئی تھی، مگر اس کی سر انگیز آکھوں میں دیکھتی اسے یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کے

ہاتھ کی مضبوط گرفت کتنی ڈھارس دے رہی تھی، وہ ایک سی پل میں خود کو کتنا محفوظ تصور کرنے لگی ہے۔

”میری وجہ سے تمہیں ان کا سخت رویہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔“ وہ نیچے لیجے میں بولا تھا۔

”تمہارے لیے میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں، ہم از کم اتنا تو کر ہی سکتی ہوں، بھائی کی طرف سے بدگمان مت

ہو کر دماغی آدھ ہمارے لیے بہت گھر مند رہتی ہیں، ان کو ناراض مت کیا کرو۔“ اس کے مدھم لہجے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا

پلٹ کر خرمین کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کھانے کی ٹرے اٹھائے مسکراتے چہرے کے ساتھ آ رہی تھی۔

”آج میری گرل فرینڈ میری ایکس گرل فرینڈ کے ساتھ کھانا کھائے گی۔“ مٹھان نے اعلان کیا تھا۔

”شکل دیکھ لو آجیے میں۔“ خرمین نے فوراً ہی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

”میں کچھ دیر بعد آ کر تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔“ خرمین کو غائب کرنا وہ دروازے کی سمت بڑھا تھا، اس سے پہلے

کہ وہ کہہ رہی تھی کہ وہ کھانا عروس سمندر آئیں اس نے لپک کر انہیں بازوؤں میں سمجھ لیا تھا۔

”کیا مصیبت ہے، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ جھنجھلا کر چیخنے ہوئے عروس نے اسے دو چار تھوڑی لگاتے چاہے تھے

جو عورت سے باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کپیتھو اسکرین سے نظر ہٹا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو آدھی سوئی جاگ کی کیفیت میں اندر داخل ہوئی تھی۔

”اب کیا ساری رات اس انھوں کپیتھو کے سامنے بیٹھ رہو گے؟“ کچھ خواہید مگر ناگوار لہجے میں وہ بولی تھی۔

”تمہارا بس چلے تو دن رات میرے کمرے میں ہی ذرا لے رکھو۔“ بڑبڑاتی ہوئی وہ اب اپنا اسکارف سر سے

اٹارتی واش روم کی سمت جا رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ کاشن کے بلکے پھلکے لباس میں لمبوس واش روم سے برآمد ہوئی تھی اور

اسکارف بیڈ کی سمت اچھالتی ڈرائنگ کے سامنے جا رہی تھی۔

”مٹھان سے مل کر دو، وہ چار پہلے ہی بہت ڈیر بیٹھ ہے۔“ خرمین کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا، دوپٹے

سے قلعے بے نیاز وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی، جہاں عارض نے نہ کچھ کہا تھا اور نہ ہی وہ بارہ کپیتھو اسکرین سے نظریں

ہٹاتی تھیں، بیڈ کے سر ہانے پچھلے مٹھان کی طرف کھلتی کھڑک کا کپڑا پھرتا ہوا دیکھ کر مٹھان پر پورا چاند

بہت حسین لگ رہا تھا، پردے، الپس پٹائی وہ دیکھنے بہت لگی تھی۔

”عارض! جاوے۔“ بڑے ٹھیک طرح دروازہ بند کر کے جانا اور باہر کی گڑبڑ بھی چپک کر لینا۔“ لائٹ آف کرتے ہوئے

وہ عارض کو ہدایت دیتی بیڈ پر آ گئی تھی۔

کپیتھو کی تاریک اسکرین سے نظر ہٹا کر وہ کرسی سے اٹھ گیا تھا، نظر بیڈ تک لگی تھی جہاں وہ گہری نیند سو رہی تھی، وہ جانتا

تھا کہ اسے کسی گستاخی کی اجازت نہیں، اسے فوراً کمرے سے نکل جانا چاہیے، مگر اسے معلوم ہی نہیں ہوا تھا کہ کس وقت اس

کے قدم بیڈ کی سمت بڑھ گئے تھے، کمرے میں پھیلی مدھم بینکوں روشنی میں کھڑکی کے بندشوں سے چھن کر آتی چاند کی تیز

روشنی مدھم ہوتی اس کے وجود کے گرد گھیرا ڈالے پہرے کواری کر رہی تھی، اس کی لائی ٹھنی پلکوں کے سامنے عارض پر

ظہرے ہوئے تھے، یہ رات، یہ گزرتے لمبے سب کچھ جیسے قہم سا گیا تھا، یہاں تک کہ اس کی سانس بھی، چند قدم کے

فاصلے پر رکا، ہر حرکت نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتا وہ پھلتی پھرتی دل میں جھانکنے کی جرأت کر رہا تھا، پہلی بار اس کا

دل بلا خوف و خطر اعتراف کر رہا تھا کہ وہ پورا اس کی محبت میں اس کی جتنی میں فرق ہے، جو ہر چیز سے قائل نیند کی سنہری

کبھی تو کبھی تو کبھی تو کبھی تو

دستک دے گراہد حسین کمرے میں داخل ہوئے تھے، وہ جو عینے میں چوہ چھپائے سینے کے بل لیٹا ہوا تھا فوراً اٹھ بیٹھا تھا۔



نوٹ: روڈ کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی روڈ اکو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

"ساتھ میں مجھے تم سے بات کرنی ہے اگر ابھی وقت ہوتا تو ابھی بات کرتا تھا اب اٹھ کر پہلے اپنا طیلہ درست کرو، ورنہ تم مزید میرے شے کو ہی ہوا دو گے۔" تنیدگی سے بولتے ہوئے وہ بنور اس کے ساتھ بائیں طرف سے آگے بڑھے۔
"جس دن یاد تھا کہ بیلے سے اٹھ کر کیا تھا تب ہی خرمن تھی سے مجھے گھاس ڈرے میں سجائے آ چکی تھی۔"
"جلدی آ جاؤ، ٹھنڈی تھی تمہارے دماغ کی سادی گری قسم کر دے گی۔" واٹس روہم میں بند ہوتے عارض کو آواز لگاتی وہ اس حسین کی طرف متوجہ ہوتی تھی اور اس کے ہیٹ ان کی غشی نظروں پر ویرے سے ہنسی تھی۔

☆ ☆ ☆



فی وی اسکرین سے نظر ہٹا کر انہوں نے کچھ فاصلے پر چھتیں عروس کو دیکھا تھا۔
 "دونوں سے بیلا کی طبیعت خراب ہے، آپ نے غلطی سے بھی اس کی خیریت دریافت نہیں کی ہے۔" شکایتی لہجے میں وہ بولی تھیں۔

"میرے پوچھنے سے کیا ہوگا؟ اس سے کہہ دو انیس وقت پر لے۔" روکھے لہجے میں بولتے ہوئی وی کی جانب میں دیکھ رہے تھے۔

"فاروق! آپ اس کے لیے حد سے زیادہ کھڑے ہو رہے ہیں، دواؤں سے زیادہ اسے آپ کی توجہ کی، آپ کی شفقت کی ضرورت ہے۔" عروسہ شدید تا مسف سے بولی تھیں۔ جو اپنا فاروق نے بس ایک نگاہ انہیں دیکھا تھا۔

"ہیش آپ نے اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ رکھا ہے، جو کسی ساطع تھا آپ نے وہ بھی ختم کر دیا ہے، وہ اگر کچھ کہتی نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ محسوس بھی نہیں کرتی، آپ اس کے سامنے اپنے بچوں پر محبت بھرا کرتے ہیں، ان کی فکر رکھتے ہیں، مگر اس کے لیے آپ کے پاس دو لفظ بھی نہیں ہوتے، میں اور کتنی بار یہ سب باتیں

دوہراؤں، آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ آپ کی ایک ہی بات نہیں ہے، میرے لیے وہ میری پہلی اولاد ہے، مگر آپ نے تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں نے اس کے ساتھ کیا رویہ اپنا رکھا ہے، میں جانتا ہوں کہ میں نے بھائی ہونے کا حق نہیں کیا، اس کی نظروں میں کوئی عزت نہیں ہے میری، مگر تم بھی یہ مت بھولو کہ وہ اول درجے کی نافرمان ہے۔" وہ انتہائی ناگوار لہجے میں بولے تھے۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ میرے دل میں اس کے لیے محبت نہیں، تو تم یہی سمجھو، اسے اپنی من مانی کرنی ہے تو مجھ سے اس تعلق بھی رکھنے کی ضرورت نہیں، میری محبت، میری توجہ میرے بچوں کے لیے ہے، کیونکہ وہ میرے فرما تیار ہیں، میری بات کو سمجھتے ہیں، میرے حکم کے خلاف نہیں جاتے جبکہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ....." بگڑے لہجے میں بولتے ہوئے عروسہ نے رکے تھے، ان کی نظروں کے تعاقب میں عروسہ نے گردن موڑ کر دیکھا تھا، اپنی جگہ پر رکی دھاک کے سپاٹ چہرے سے عروسہ کو بولکھا کر رکھ دیا تھا۔

"تم کیوں بیٹھ سے اٹھیں؟ مجھے آواز دی ہوئی۔" عروسہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"میں آپ کو بتانا بھول گئی تھی، خرمین کہہ گئی تھی کہ کل وہ کچھ دیر سے پارلے آئے گی۔" عروسہ نے اطلاع دے دی تھی، ایک نظر عروسہ نے انہیں دیکھا تھا، جونی وی کی سمت متوجہ تھے، یہ نہیں دیکھا تھا، عروسہ کو ان کے چہرے رنگ ہی نہیں تاثرات بھی بدلے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

☆ ☆ ☆

بانک کی مخصوص آواز پر وہ جھن جھن کرکے گیٹ تک پہنچی تھی۔

"تم نے تیرے کرلیا ہے شاید کہ بابا سے آج لازمی ڈانٹ کھانی ہے۔" اسے اندر آنے کا راستہ دیتی وہ ناگواری سے بولی تھی۔

"میں نے اکیڑی جانے کے لیے ماموں جان سے اجازت لی تھی۔" اس کی جانب دیکھتے بغیر وہ بولا تھا۔

"مائی اور ماموں جان کہاں ہیں؟" غیر معمولی خاموشی محسوس کرتے ہوئے وہ دھڑکے میں رک کر خرمین سے بولی تھی۔

"میں نے اکیڑی جانے کے لیے ماموں جان سے اجازت لی تھی۔" اس کی جانب دیکھتے بغیر وہ بولا تھا۔

"مائی اور ماموں جان کہاں ہیں؟" غیر معمولی خاموشی محسوس کرتے ہوئے وہ دھڑکے میں رک کر خرمین سے بولی تھی۔

رہا تھا۔

"دونوں کچھ دیر پہلے مین کے گھر گئے ہیں۔" اس کی اطلاع نے عارش کو بری طرح چونکایا تھا۔

"مارش اڑ کوڑا۔" وہ خاموشی سے اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا جب اس کی آواز نے قدم روکے تھے۔

"اگر تم اپنی اور بابا کے سامنے مخالفت نہ کرتے تو یہ کام میں کرتی، بہتر ہوا کہ میرے انکار کرنے کی نوبت نہیں آئی،

کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے ان دونوں کو تکلیف پہنچے، مگر میرے انکار کی وجوہات وہ نہ ہوئیں جو تم نے بیان کی تھیں۔" خرمین اچانک یہ موضوع شروع کر گئی تھی، مگر وہ حیران نہیں تھا، ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ گھر کے ناسازگار ماحول کے محرکات سے بے خبر رہتی، مگر وہ بس ایک حد تک ہی باخبر تھی، بس ایک حد تک۔

"مہربان بھائی اچھے انسان ہیں، مگر میرے لیے وہ دیوار کی دوسری جانب ہی رہیں گے، جہاں باقی ساری دنیا ہے، اس دیوار کو پار کرنے کی اجازت میں کبھی کسی کو نہیں دے سکتی، امی اور بابا کے لیے یہ قبول کرنا مشکل ہوگا مگر یہ سچ ہے،

دیوار کے اس جانب میں ان دونوں کے ساتھ بہت پرسکون اور خوش ہوں۔" اس کے خاموش ہونے پر وہ جو خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، جب بولنے کے قابل ہوا تو اسے اپنی آواز کی کھائی سے برآمد ہوتی سنائی دی تھی۔

"میں کس جانب ہوں؟" اس کے سوال پر وہ بس ایک لمبے کے لیے حیران ہوئی تھی۔

"فکر مت کرو، تم دیوار کے اسی جانب ہو، اور ایک عرصے سے ہم سب کے سروں پر مسلط بھی ہو، جو ہمیں یاد ہوتا چاہیے۔" خشک نظروں سے اسے دیکھتی وہ جاتے جاتے دلی تھی۔

"اگر تمہیں بھوک لگی ہے تو امی کے آنے تک صبر کر لو، کیونکہ میں کلیرنگ کر چکی ہوں، لیکن میں قدم بھی نہیں رکھوں گی۔" صاف کوئی سے اسے جاتی وہ آگے بڑھ گئی تھی، چند لمحوں تک وہ اپنی جگہ رکھا اسے دیکھتا رہا تھا، مگر پھر اس کے آنکھوں سے دھول ہوتے ہی گہری سانس لیتا جھکے جھکے انداز میں اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔ خرمین کے جواب نے اسے کئی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کیا تھا، آج اسے احمد حسین کا سامنا کرنا تھا، یہ موقع وہ خود اسے دے رہے تھے، وہ نہیں جانتا

تھا کہ اس شخص مرط سے وہ کیسے نرے کئے گا، یہ خوف بھی نہیں تھا کہ جانے احمد حسین اس کے بارے میں کیا سوچیں، وہ ان کے ساتھ قریب تھا کہ اب کبھی قیمت پر ان سے دور نہیں ہو سکتا تھا، وہ ان کی دل آزاری کا سبب نہیں بننا چاہتا تھا، ان کی نظروں میں اپنا مقام کھو کر وہ اس زمین میں کسی بھی شے کا سامنا کرنا چاہتا تھا، جہاں اسے احمد حسین کا سامنا کرنا پڑا تھا،

وہ ان کے دل کو یہ یقین بھی تھا کہ وہ اس کی بات کو اس کے جذبات کو سمجھیں گے، اسی کشش اور ذہنی دباؤ کو کم کرنے کے لیے وہ اکیڑی چلا گیا تھا، مگر طبیعت وہاں بھی بے گن اور مضطرب رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اطلائی جیل کے گرد بیٹھا وہ اس وقت بھی اپنی کتابوں میں توجہ دینے کی کوشش کر رہا تھا، جب احمد حسین کی آمد ہوئی تھی۔

"تمہیں کچھ دیر کے لیے کتابیں بند کرنی ہوں گی، کوئی مسئلہ تو نہیں؟" ان کے ہلکے پھلکے صوالیہ لہجے پر عارش نے اپنی کرسی انہیں نہیں لی تھی۔

"نہیں، میں تو انتظار ہی کر رہا تھا کہ آپ کب میرے کان کھینچنے آئیں گے۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ عارش نے

☆ ☆ ☆

انہیں دیکھا تھا، جو کرسی پر بیٹھ رہے تھے جبکہ وہ خود بھی ان کے سامنے بیٹھ کے کنارے پر براہمان ہو گیا تھا۔

”تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟“

”آج آپ نے اتنا آرام کروایا ہے، کیسے طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی۔“ وہ فوراً بولا تھا۔

”معلوم ہے مجھے تم نے کتنا آرام کیا ہے تمہارے چہرے سے ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کتنے بہتر ہو، یہ سب تمہاری دن رات کی بھگ دوڑ کا نتیجہ ہے، اپنی صحت کے دشمن بن گئے ہو تم۔“ احمد حسین شہید عارضی سے بولے تھے۔

”بس میں فائل پیچہ ز سے پہلے ایک ہی کوئی آف کر رہا ہوں، آپ کی ہمارا ضرور پتہ لگ چکا ہو جائے گی۔“ وہ بولا تھا۔

”اچھا یہ بتاؤ، عثمان سے کیوں عارض ہو تم؟ وہ اتنا اچھا دوست ہے تمہارا، تمہیں اس سے کچھ کھائی کرنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے پہلے تو کبھی تم دونوں کے درمیان اس قسم کا اختلاف نہیں ہوا؟“ احمد حسین بخوراسے دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

”پتہ نہیں، میں نے غصے میں اسے کچھ باتیں کہہ دی تھیں، مگر میں شرمندہ ہوں، میں اس کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔“ وہ واقعی اس وقت شرمندگی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر گیا تھا۔

”تمہیں اس کی ناراضی دور کرنی بھی چاہیے، اس جیسے دوست بار بار تمہیں نہیں ملیں گے۔“ احمد حسین کی تاکید پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”آج عثمان کے ماں باپ نے پھر وہی ذکر شروع کیا تھا، تو ان کے دوران، مگر میں نے سلیقے سے انکار کر دیا ہے۔“ احمد حسین کے سنجیدہ لہجے پر وہ بس خاموش تھا۔

”تمہارے اعتراضات بالکل درست تھے، تمہاری مامی کو بھی بعد میں اس کا احساس ہوا تھا، میں اس بارے میں زیادہ بات نہیں کروں گا، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، غرض کہ لیے اللہ کو جو بہتر لگے گا وہ خود اس کے لیے کرے گا مگر تم سے یہ ضرور کہوں گا کہ یہ کبھی مت سمجھا کہ اس گھر کے کسی معاملے میں تمہیں کچھ بولنے کا حق حاصل نہیں ہے، ایسا سوچ کر صرف ہماری جھجکی پر شک کر دو گے۔“ ان کے چٹکاتی لہجے پر وہ نظر نہیں اٹھا سکا تھا۔

”اب تم مجھے بتاؤ کہ تم کیوں مستقل پریشان اور الجھے دکھائی دے رہے ہو؟ تم جانتے ہو کہ تمہیں بے سکون دیکھ کر میں کس طرح سکون سے رہ سکتا ہوں، میں انتظار ہی کرتا رہا کہ تم مجھ سے اپنی پریشانی کا تذکرہ کرو گے جسے میں تمہارے پیچھے سے پڑھ سکتا ہوں، تم نے کبھی مجھ سے اپنی کوئی پریشانی نہیں چھپائی تو اب ایسا کیوں کر رہے ہو؟ تم بلا جھجک مجھے اپنے دل کی بات بتاؤ، میں اور زیادہ تمہیں خود سے ہی الجھتا نہیں دیکھ سکتا۔“ ان کے نرم لہجے میں چھپے اسرار کو محسوس کرتے ہوئے وہ سر نہیں اٹھا سکا تھا، مگر خاموش بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ نہیں چھپا سکتا، نہی ایسا کروں گا۔“ بہت مجمع کرتے ہوئے وہ ایک پل کے لیے رکا تھا۔

”عارضی تمہیں جو کہنا ہے کہ وہ، میں سن رہا ہوں۔“ اس کے تذبذب کو بھانپتے ہی وہ پھر نرم لہجے میں بولے تھے۔

”ماموں جان! میں نہیں جانتا کہ میرے سب کچھ کہہ دینے کے بعد آپ کے دل میں میرے لیے محبت رہے گی یا نہیں، مگر میں اب سب کچھ خود تک محدود نہیں رکھ سکتا، اگر میں ایسا کروں گا، تو مجھے خوف ہے کہ کہیں میری ساری زندگی

چھت روکن کی نظر نہ ہو جائے۔“ ان کی جانب دیکھتے بغیر بولتے ہوئے وہ پھر ایک لمحے کے لیے رکھا اور دوسرے ہی لمحے نظر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تھا۔

”اگر میں آپ سے وہ سب مانگ لوں جو آپ کے لیے ساری دنیا سے بڑھ کر قیمتی ہے تو کیا زندگی کے کسی حصے میں آپ وہ سب مجھے سوپ سکتے ہیں؟“ ہلکی سی لڑکش اس کے لہجے میں موجود تھی، احمد حسین الجھی نظروں سے بس اسے دیکھ رہے تھے جو جھٹکوں کے بل ان کے سامنے آ بیٹھا تھا، اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ اس وقت جو میں آپ سے مانگ رہا ہوں، وہ میری حیثیت سے بہت بڑھ کر ہے، میں اس کے کچھ نہیں ہوں، مگر ایسا تو نہیں ہے کہ کبھی اس کے قابل بھی نہیں ہو سکتا۔“ اپنے ہاتھوں میں موجود ان کے ہاتھ پر نظر جمائے وہ بولا جا رہا تھا۔

”اللہ نے اس کی محبت آپ کے دل میں ڈالی تھی، اس پر آپ کا کوئی اختیار نہیں تھا، آپ جیسی پاکیزہ محبت کے بڑھن کا دعویٰ کرنے کا اہل میں خود کو نہیں سمجھتا، مگر مجرمی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے دل پر اب میرا بھی کوئی اختیار نہیں رہا ہے، آپ اس سے دستبردار نہیں ہو سکتے، دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتی تھی، مگر میں مجبور ہو رہا ہوں، طلب کر رہا ہوں آپ سے وہ جس کے لیے میرا دل مجھے مجبور کر رہا ہے۔“ ساکت نظروں سے احمد حسین اسے دیکھ رہے تھے جو رازتے لہجے میں بولتا سر نہیں اٹھا سکا تھا۔

”میں آپ کی محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتا، میری محبت تو صرف ابھی عقیدت تک پہنچی ہے اور عقیدت کے بغیر تو محبت، کثرت فرا نہیں ہوتی، آپ مجھے معاف کریں، میں نے آپ کی قیمتی متاع کی جانب نگاہ اٹھائی ہے، لیکن اللہ جانتا ہے کہ ان کی تمام عقیدت ہے وہی عقیدت جو میرے دل میں آپ کے لیے ہے، مامی کے لیے ہے، میں آپ سب سے الگ نہیں ہو سکتا، میں ہمیشہ آپ سب کے قریب رہتا چاہتا ہوں، مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ ہمیشہ اس گھر میں ہم سب کے قریب نہیں رہ سکتے، اور جب اس حقیقت کا اندازہ ہوا تو مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ...“ بات اجھوری چھوڑ کر عارضی نے سر اٹھا کر ان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”ماموں جان! میں اپنی ساری زندگی بسر کرتے ہوئے نہیں گزارا سکتا، میرے پاس آپ جیسا عطف و آپ جیسا حشر جو میں نے ہمہ جیسے میں بولتے ہوئے وہ انہیں دیکھ رہا تھا جو کسی گہری سوچ میں مبتلا اس کی جانب نہیں دیکھ رہے تھے، نہ ہی کسی خاموشی نے عارضی کو خوف میں گرفتار کیا تھا۔

”آپ کو میری اس جرأت پر فخر ہے تو مجھے برا لگتا، مگر اس طرح خاموش نہ رہیں، میں نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے بتائیں؟“ اس کے خوفزدہ لرزاتے لہجے پر احمد حسین نے دھک نظروں سے اس کی کشادہ آنکھوں میں پھٹکتی نمی کو دیکھا تھا، کتنی ہی مل وہ ان کے غصوں پر سر رکھ چکا تھا۔

”عارضی! امرونی آنکھوں میں آنسو نہیں ہوتے۔“ اس کا پیچہ ہاتھوں میں بھرے وہ نرم لہجے میں بولے تھے۔

”میں کے لیے ہو سکتے ہیں جن سے وہ محبت کرتا ہے، جن سے وہ دور نہیں ہونا چاہتا، جن کے بغیر اس کی زندگی بھری ہے۔“ ان سے نظر ملائے بغیر وہ نرم لہجے میں بولا تھا۔

”اگر میں کوئی کسی سے دور نہیں ہو رہا، تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ہے، نہ ہی آج تمہاری باتوں نے مجھے

بہت زیادہ حیران کیا ہے، اس لیے تمہیں کسی چیز کے لیے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس کے سر پر ہاتھ بھرتے وہ اسی پر شفقت لہجے میں بولے تھے جس کا وہ عادی تھا۔

”پھر آپ خاموش کیوں رہے؟“ عارش کا چہرہ! اب بھی زرد تھا، مگر سانسیں کچھ بحال ہوئی تھیں، جبکہ احمد حسین نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”اس لیے کہ فوراً طور پر تم سے کہنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، میں تمہیں سن رہا تھا مگر میرا آواز صاف ان غریبوں کی طرف تھا، تمہیں اندازہ ہوگا کہ اس کا رد عمل کتنا خطرناک ہو سکتا ہے۔“ وہ پرسوں لہجے میں بولے تھے۔

”مجھے اندازہ نہیں، پورا یقین ہے کہ وہ پہلی فرصت میں مجھے جان سے مار دے گی۔“ سر جھکائے وہ بھیجے لہجے میں خدشہ ظاہر کر رہا تھا۔

”کیا فضول بات کر رہے ہو؟“ احمد حسین نے فوراً اسے گھر کا تھا۔

”ابھی اس بارے میں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ابھی میرے لیے اہم یہ ہے کہ تمہارے دل پر کوئی بوجھ نہ رہے، کیا تم سب کچھ کہہ چکے ہو یا اور کچھ بھی کہنا ہے؟“ ان کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا، واقعی ان سے سب کچھ کہہ کر وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا، خاص طور پر ان کے رد عمل نے اسے ہر بوجھ سے آزاد کر دیا تھا، پہلا مرحلہ تو اس نے طے کر لیا تھا، یہ سچ سکون دے گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹاؤل سے بھیجا چیرا شکرت کرتے ہوئے اس نے اپنی سرخ آنکھوں کو دیکھا تھا، شدت گریہ سے اس کا چہرہ وحشت سے سستا ہوا تھا، اسے اپنے عکس سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی کہ وہ کس حد تک ان کے لیے قابل نفرت ہو چکی ہے، وہ اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی اپنی نفرت کو نہیں چھپا سکتے تھے، وہ جانتی تھی کہ وہ ان کی مرضی کے خلاف جس انسان کی چاہت میں غرق ہو چکی تھی، اس نفرت کی وجہ صرف وہی انسان نہیں ہے، وہ تو بس ایک بہانہ ہے، ورنہ وہ تو شاید ازل سے اس کا وجود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، آج وہ اسے یقین دے چکے تھے کہ وہ کوئی وقعت، کوئی حیثیت نہیں رکھتی، نہ ان کے گھر میں، نہ ان کے دل میں، اس سے پہلے کہاں گھٹیں پھر سمندر بن جائیں، پھر بے ہالوں کو پونی ٹیل کی شکل میں جکڑتی وہ اودھ کھلے دروازے تک گئی تھی، لاؤنچ میں صرف فاران ہی اتنی رات میں فی وی کے سامنے موجود ہو سکتا تھا، اسے دایوم کم کرنے کی تاکید کر کے وہ لاؤنچ آف کرتی واپس بیڈ کی سمت آئی تھی اور ٹیل فون اٹھا لیا تھا۔

”پانی پیاتم نے؟“ وہ جو ہولڈ پر تھا فوراً بولا تھا۔

”ہاں، اور اب میں بالکل نہیں زور رہی۔“ وہ بولی تھی۔

”اب یہ سب بدلتی کرنا بھی نہیں، ورنہ میں پہنچ جاؤں گا تمہارے گھر۔“ وہ دھمکی دے رہا تھا۔

”تم اتنی کوڑھ مفر ہو کہ یہ تک بھول گئیں کہ یہ سب جو تم پر اتار رہا ہے، وہ میرا ہی قصہ ہے۔ تم یہ کیوں سوچتی ہو کہ وہ تم سے بڑا ہے؟ میرے لیے وہ جیسے بھی ہیں مگر تم جیسی بھی ہوں ان کی بہن ہو۔“ عثمان نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ اسے گھر کا تھا۔

”ان! میں نا کچھ نہیں ہوں، وہ یوں کہہ کر انہوں کو محسوس کر سکتی ہوں، یہ سب کیا نہیں ہے میرے لیے۔“ وہ سپات لہجے

میں بولی تھی۔

”کبھی کبھی تو مجھے بہت ندامت ہوتی ہے، یہ میں نے کس راہ پر لگا دیا ہے تمہیں؟ کاش! میں ہی اس قابل ہوتا کہ ان کے دل میں جگہ بنا سکتا۔“ وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

”جو انسان اپنی بہن کو اپنے دل میں آج تک جگہ نہیں دے سکا وہ تم ان سے یہ امید کیسے کر سکتے ہو؟“ وہ نفی سے بولی تھی۔

”مگر میں یہ کیوں گا کہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں، اس وقت تم نصی میں۔۔۔“

”میں نصی میں نہیں، صدے میں ہوں مان لیجئے ان سے کبھی کچھ نہیں چاہیے تھا، کیونکہ مجھے جو چاہیے وہ مجھے ان سے پہلے ہی ملا ہے نہ آئندہ کے لیے کوئی امید باقی رہی ہے، صدے تو صرف اس حقیقت کا ہے کہ وہ میری پشت پر بھی میرے لیے زہر افشے ہیں۔“ وہ شدید اذیت سے بولی تھی۔

”کیا تصور ہے میرا، میں بن بلائے، بلا ضرورت اس گھر میں پیدا ہوئی، جہاں بڑے حالے میں میرے ماں باپ کو بھی میری خواہش نہیں تھی، زبردستی میں ایک بوجھ کی طرح پہلے ان پر اور پھر ان کے بیٹے پر مسلط ہوئی، کیا کوئی انسان اپنی مرضی سے اس دنیا میں آتا ہے؟“

”بیلا! اب تم دوبارہ رونا شروع مت کرنا، میں جانتا ہوں تمہیں کتنا اس کی ضرورت ہے، مگر وہ تم میرے سامنے بیٹھ کر کہتا لیکن اس فون پر تم مجھے سولی پر مت چڑھاؤ۔“ عثمان کا لہجہ اٹھائی تھا جبکہ وہ خاموش رہی تھی۔

”کل تک بالکل فٹ فٹ ہو جاؤ، پھر تم بہت سارا وقت ساتھ گزاریں گے، آج کل جیب بہت بھاری ہو رہی ہے، سوچ رہا ہوں تم پر ہلکی کر دوں۔“ وہ فخر سے بولا تھا۔

”یہ سوچ تو میں کسی حال میں نہیں گنواؤں گی اس روز رو تو تمہاری جیب بھاری ہوتی نہیں ہے۔“ وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”اچھا ایک تو شہر بنی ہو، میری دشمن کوئی پوری ہوگی، مگر میں نے احمد کا دل دیا ہے۔“

”ہاں، مجھے بھائی سے معلوم ہوا ہے، وہ تو بہت افسردہ ہوئی ہیں، مگر یہ انکار غیر متوقع نہیں تھا، اب کوئی اندازہ تھا کہ غریب کے گھر والے کبھی اسے ملک سے باہر نہیں دے دیں گے، تم ان انکار کا تو شہر بنی کے جھٹکوں میں لے رہے ہو، بہانہ بھائی کا بھی خیال نہیں تمہیں؟“ بیلا نے اسے شرمندہ کارہ چاہا تھا۔

”اسے بھائی کے لیے لڑکیوں کی کی نہیں ہے یا راکھ میں عمارت کو بڑھتے کرتے اودھ سے مرہے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا، اسے موصوف بننے کا کیا خاصہ جسم کے پیچھے رسمیں اماندہ ہو گیا ہونگا تمہیں۔“ عثمان کے کہنے پر وہ دھیرے سے قہقہے مارتی تھی۔

”غریب کو بے گھر مجھے کچھ شک تو تھا عارش پر، مجھے حیرت ہے کہ تم جیسے سینٹ فرینڈ نے ان کے اپنی نیا نیا شہر نہیں گئیں۔“ بیلا نے حیرانگی سے کہا تھا۔

”مگر وہ کیوں اپنی سینٹ فرینڈ نے اسے مجبور کر دیا ہے سب کچھ لکھتے پر، میں نے تو جان بوجھ کر غلبت چاہی تھی گھر میں سب کو اکسا کر غلبہ دینا، وہ جیتنے ہوئے تھا۔“

"ٹھیک ہی ناراض ہے تم سے عارش، جب تم سب کچھ سمجھتے تھے تو اس کے ساتھ کیوں یہ سب کیا؟" بیلا نے خشک لہجے میں کہا تھا۔

"اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ حال دل سینے میں ہی چھپائے دینا سے گوج کر جاتا، جنہیں نہیں پتہ کس طرح جان جاتی ہے اس کی استانی کے سامنے، مگر اب تو منہ کھولنا ہی پڑے گا۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"اب تم کسی بات کا ذکر غلطی سے بھی خرمن سے نہ کرو بیلا۔" عثمان نے تحسیر کی تھی۔

"فخر مت کرو، میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ اسے ڈسٹرب کروں، یہ کام تو عارش نے کرنا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی، جب ہی وہ کچھ چوگی تھی، باہر سے اسے فاروق کی آواز سنائی دی تھی جو یقیناً فاران کوئی وی بند کرنے کی ہدایت دے رہے تھے۔

"مان! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں کہ سبیل فون کے بعد تم اب خود کو کچھ نہیں کروانا چاہو گی۔" عثمان بھی کچھ کیا تھا۔ ایک بلی کو رک کر اس نے دروازے پر ابھرتے سامنے گود یکھا تھا اور اگلے ہی بل دھکیے پر سر رکھتی آنکھیں بند کر چکی تھی، اسے اندازہ تھا کہ وہ اگر اس کی طرف آ رہے ہیں تو ضرور عروسہ کے کہنے پر جھک دے گا، بالکل بھی ان کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی، جو کچھ وہ ان سے اپنے بارے میں سن چکی تھی، اس کے بعد ان کا کوئی لفظ اس اذیت کو زائل نہیں کر سکتا تھا، چند لمحوں بعد اس نے دروازے پر ہوتی دستک بنی تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر فاروق نے اسے پکارا بھی تھا، انہیں اندازہ تھا کہ وہ سو چکی ہے مگر وہ ابھر نہیں جاسکتے تھے، سائینڈ ٹیبل پر موجود ایپ آن کر کے فاروق اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے جفا کرنے بالکل اسے بچو کر رکھ دیا تھا، بہت بڑا حال اور کمزور ہو چکی تھی وہ، دھیرے سے اس کی پیٹانی کو چھو کر انہوں نے بھاری شدت کو جانچا تھا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے سے وہ خود کو رک نہیں دیتے تھے، حالانکہ یہ کام انہوں نے پہلے بھی نہیں کیا تھا، مگر وہ بیدار ہوتی تو بھی اس شفقت کا مظاہرہ وہ اس وقت بھی نہیں کر سکتے تھے، بیلا اور ان کے درمیان موجود جھجک دھاسے شاید عروسہ کے بہت زیادہ فرق کی وجہ سے بھی تھے، ان کی شادی کے وقت بیلا انہیں ۱۵ سال کی ہوئی، بالکل ایسی ہی صورت حال عروسہ کی طرف سے بھی تھی، عروسہ جب ان کی زندگی میں شامل ہوئیں، عثمان ان کا بھی ہمراہ تھا، مگر وہ ہاں صرف عروسہ کی فرق تھا، عثمان اپنی ماں سے زیادہ عروسہ کے ہی قریب رہا تھا، اور آج تک تھا، عروسہ اور ان کی ماں آپس میں کڑوتالی دونوں نے اپنی پہلی اولادوں کو ایک رشتے میں باندھ کر اپنے رشتے کو اور بھی مضبوط کر دیا تھا، مگر عروسہ کے ان کی زندگی میں آنے کے بعد ان کی ماں زیادہ عروسہ تک زندہ نہیں رہ سکی تھیں۔ عثمان کی طرح بیلا کی پرورش میں بھی عروسہ کا ہی عمل دخل رہا تھا، وہ اس کی جگہ کو مانتے تھے کہ عروسہ نے گھر اور بیلا کو بہت اچھی طرح سنبھالا تھا، بیلا کو کسی طور وہ اتنی قوت نہیں دے سکتے تھے، جو توجہ عروسہ نے دی تھی، بیلا اپنی ہر ضرورت کے لیے عروسہ کی طرف ہی دیکھتی تھی اور یہ سب آج تک جاری تھا۔

ایپ کی مدد روشنی میں وہ اب بہت احتیاط کے ساتھ سائینڈ ٹیبل پر پھیلے ہوئے افس کو تڑپ دے رہے تھے، بیلا ان کی عمر کے اس دور میں ان کی ماں کی گود میں آئی تھی، جس میں یہ سب ایک جوان لڑکے کے لیے یا تو بہت خوشی کا باعث ہوتا یا پھر شرمندگی کا باعث ہو سکتا تھا، اور فاروق کے لیے یہ سب خوشی کا باعث نہیں ہو سکتا تھا، اپنے ماں باپ سے نہ تو وہ بکریہ

سمجھتے تھے نہ ہی ان کے ماں باپ ان کے تیر بھائی کر اپنی نومولود بیٹی کو نہیں بھینک سکتے تھے۔

وہ اپنے ماں باپ کی محبت اور توجہ کا واحد مرکز اگر تھے بھی تو بیلا نے ان سے یہ امر الزامین لیا تھا، بیلا سے اختلافی اور بے وفائی کی فطرت میں مکمل گئی تھی، ان کے ماں باپ اس دن کے بعد کچھ اور سنبھل گئے تھے جب بیلا اپنے چھوٹے چھوٹے بچہ دل پر لڑکھائی ہوئی ان کے کمرے میں پہنچ گئی تھی جہاں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کہاں اسٹڈی میں مصروف تھے، بیلا کی مصیبت اور غصے وجود نے ان کے دوستوں کی ساری توجہ اپنی سمت بھینچ لی تھی، ان کے دوستوں نے ان کے گھر میں پہلے بھی اتنے چھوٹے بچے کو اتنی آزادی سے گھومتے ہوئے جو نہیں دیکھا تھا، دیکھ بھی کیسے سکتے تھے، فاروق کے سامنے بھی ان کی ماں بیلا کو نہیں آنے دیتی تھیں کہ کہیں بیٹے کا مزاج نہ بگڑ جائے، اپنے دوستوں سے وہ بچ چھپا نہیں سکتے تھے، مگر اس کے بعد وہ دونوں تک انہوں نے نہ گھر میں کسی سے بات کی تھی نہ کھانے کو ہاتھ لگایا تھا، اپنے دوستوں کے حیران چہرے اور پھر وہی وہی مسکراہٹوں نے انہیں شدید ذلت سے دوچار کیا تھا، بیلا کے لیے ان کی بیزاری کچھ اور زیادہ بڑھ گئی تھی، دوسری جانب انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ بیلا کو قبول نہ کر کے انہوں نے اپنے ماں باپ کو دکھ پہنچایا ہے، ان کے باپ بہت اچانک اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، بیلا تو اس وقت بھی بہت کمسن تھی، البتہ اپنی ماں کی زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے اپنے رویے کی معافی مانگ لی تھی، مگر بعد میں بھی بہت چاہ کر بھی وہ بیلا کو اپنے قریب نہیں کر سکتے تھے، ایک ہی چیز بھی تھی کہ اسے داریوں اور بیوی، بچوں کی آمد نے بھی انہیں اس کام کا موقع نہیں دیا تھا، لہذا انہوں نے بہن کو عروسہ کے حوالے اور ان کے بھروسے پر ہی چھوڑ دیا تھا، ان کے لیے وہی کی محبت تو پہلے ہی ختم تھی، عروسہ جب ان کے گھر میں آئیں تو یہ کہنا لڑائیں ہوگا کہ پہلے سے ہی وہ بچوں کی ماں تھیں، ایک عثمان اور دوسری بیلا، حتیٰ نوٹری بیوی کو اس طرح بٹا ہوا دیکھنا ان کے لیے بھی جھنجھلاہٹ کا باعث بن گیا تھا، مگر اس میں عروسہ کا کوئی قصور نہیں تھا، عثمان کو دیکھا تھا اور بیلا ان کی بہن تھی، انہاں پر انہیں یہ صورت حال قبول کرنی ہی تھی۔

بیلا کے ساتھ ان کی اختلافی کو عروسہ جی محسوس کرتی تھیں، اگرچہ بھائی بھی تھیں مگر اب اس غذا کو پر کرنا ممکن ہو گیا تھا، سونے پر سہاگہ یہ ہو گیا تھا کہ بیلا نے ان کی اجازت کے بغیر اس شخص کا نام اپنے دل پر لکھ لیا تھا، جسے وہ بیلا کے لیے بھی منتخب نہیں کر سکتے تھے، مگر یہ کام بیلا نے خود ہی کر لیا تھا، جسے فاروق بھی قبول نہیں کر سکتے تھے۔

کمپل اس پر پھیلا کر انہوں نے فیملی ریب آف کیا تھا اور پھر دروازے کی سمت بڑھ گئے تھے، اس بات سے بے خبر کہ وہ نگلی اپنے آنسوؤں سے جھکنا شروع کر چکی ہے، وہ نہیں جانتی تھی کہ اس سے پہلے وہ کب اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے، یہ کمرہ تو شاید ان کے لیے اچھوت تھا اور وہ خود بھی۔ وہ یقیناً عروسہ کے کہنے پر اس وقت آئے تھے، تاکہ جو اذیت وہ اسے دے چکے ہیں اس میں کچھ ہی آجائے مگر اب یہ ممکن نہیں تھا، ان کا اب کوئی لفظ بھی بیلا کو ان کے بارے میں اچھا اور مثبت سوچنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا، وہ ان کی طرح خود بھی اپنے دل میں ان کی فطرت نہیں بھر سکتی تھی، مگر اب اس کی نہ داشت ہو گئی تھی، وہ ان کے گھر میں بڑی ایک ناکارہ اور بیکار چرچہ تھی، اس بات کا یقین ہونے کے بعد وہ انہیں اپنے دل کے سب سے اونچے مقام پر نہیں رکھ سکتی تھی، آج وہ اس کے دل سے اتر گئے تھے، مکمل طور پر اتر گئے تھے، یہی غم اسے آنسو بہانے پر مجبور کر رہا تھا، حتیٰ سونے پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ یقیناً اس کی بے خبری میں اس کے کمرے کی حاشی لینے آئے تھے، جس شخص نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ بعد کمرے میں اس کی بہن زندہ بھی ہے یا نہیں وہ رات کے اس

پہر اور کس مقصد سے اس کے کمرے میں داخل ہو سکتا تھا؟ شاید انہیں اس کے غیر مردوں سے تعلقات رکھنے کا کوئی ثبوت مل گیا ہو۔ بتنا وقت وہ کمرے میں رہے اس کے دل میں طوفان چلتے رہے تھے وہ نہیں جانتی تھی کہ کس طرح وہ بے جان لاش کی طرح ان پر خود کو نیند میں غار کرتی رہی تھی، ورنہ اس وقت وہ طوفان کو دہانہ نہیں چاہتی تھی، ان پر چٹنا چاہتی تھی، انہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کتنے برس ہیں، وہ اس پر کوئی حق نہیں رکھتے، وہ سب کچھ ختم کر دینا چاہتی تھی، مگر... بیشک کی طرح وہ آج بھی ایک ڈی کی طرح ان کے سامنے تھے، جس کے پاس نڈ زبان تھی، نڈل، نڈی کوئی احساس۔

☆ ☆ ☆

سبک روانی سے گھر کی سمت بڑھتے ہوئے اسے اپنے عقب سے پانچ کی آواز آرہی تھی، مگر اس نے جیسے سنائی نہیں تھا، نہ ہی ایک طرف بٹنے کی کوشش کی تھی، بس ایک نظر اسے دیکھا تھا جو کھولتی نگاہ اس کے مسکراتے چہرے پر ڈالنا تجزی سے پانچ برابر سے نکال لے گیا تھا۔

"راستے میں آنے کی عادت نہیں جائے گی تمہاری۔" پانچ سے اترتے ہوئے عثمان جتنا نہیں بھولا تھا۔

"تم جانتے ہو راستے میں کون آیا ہے؟" ایک لمبے لمبے رک کر عارش نے سنجیدگی سے کہا تھا اور پھر رکائیں تھا بلکہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے عثمان کچھ نام نہاد ہوا تھا، آج وہ کچھ زیادہ ہی غلط کر گیا تھا، عارش کے ساتھ، بیٹے کے دن عارش کا آفس آف ہوتا تھا، دونوں ساتھ ہی بیٹے کی نماز کے لیے جاتے تھے، مگر پچھلے بیٹے کی طرح آج بھی وہ عارش کا انتظار کیے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔ گیت کھلا ہوا ہی تھا، برآمدے میں ہی فاطمہ قرآن پڑھنے میں مصروف تھیں، بس ایک نظر انہوں نے عارش کو دیکھا تھا جو ان کی سمت ہی آ رہا تھا۔

تحت کے کنارے بیٹھے ہوئے اس نے اشارہ کیا تھا، اسے بس فاطمہ کے فارغ ہونے کا انتظار تھا، ان کی بہت زیادہ خاموشی اور سنجیدگی اس کی برداشت سے تجاوز کر رہی تھی، وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ فاطمہ اس سے ناراض ہیں یا پھر عثمان کے ماں باپ کو انکار کرنے کا افسوس ہے، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ پریشان ہوں، احمد حسین یقیناً ایسا اور اس کی گفتگو سے انہیں اب تک آگاہ کر چکے ہوں گے، اس وقت وہ ان سے کھل کر بات کر رہا تھا، اس گفتگو کے بارے میں بھی احمد حسین سے بات کرنے کے بعد اس کا اعتماد اس حد تک تو بڑھ چکا تھا کہ وہ اب فاطمہ سے بھی اپنے دل کی خواہش کو نہ چھپائے۔ بات کرنے کے لیے یہی موقع بہتر تھا کہ خرمین بھی اور گرد نہیں تھی، آج کے دن عارش ہی اسے غور سے طرف ڈراپ کرتا تھا۔

"میں تمہارے لیے کھانا گرم کرتی ہوں۔" قرآن ایک طرف رکھتے ہوئے فاطمہ اس سے مخاطب تھیں، جو ان کے متوجہ ہونے کا ہی منتظر تھا۔

"مجھے اس وقت صرف آپ سے بات کرنی ہے۔" عارش کے فوراً ہی کہنے پر فاطمہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مامی! آپ کو اب بھی یہ لگتا ہے کہ میں خرمین کے لیے کچھ بڑا چاہتا ہوں؟ آپ کی طرح مجھے اس کے مستقبل کی پروا نہیں ہے؟" وہ ہنسنے لگا تھا۔

"ہمیشہ غلط مت سوچا کرو، میں نے تمہاری مخالفت کرتے وقت واقعی آگے کے بارے میں نہیں سوچا تھا، اور جب

سوچا تو تم بالکل اپنی جگہ درست لگتے تھے۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھیں۔

"پھر میری طرف دیکھ کر کچ کچ کچ تائیں کہ میں نے کیا غلط کیا ہے، آپ کیوں مجھ سے دور رہیں؟ مجھ سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں کرتیں۔" وہ شکایتی لہجے میں بولا تھا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں عارش! مگر تم نے مجھے حد سے زیادہ پریشان کر دیا ہے، میں نے تمہارے لیے ویسا ہرگز نہیں سوچا تھا، جیسا تم چاہتے ہو، تم آخر ایسا چاہتے ہی کیوں ہے؟" شدید مضطرب لہجے میں فاطمہ بولی چلی گئی تھیں۔

"تم خود نہیں جانتے تم کیا چاہتے ہو، اگر جانتے تو کبھی ایسی خواہش نہ کرتے، میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ تم بھی سب سے کٹ کر سب کے سامنے جھک کر زندگی گزارو، خاندان بھری مخالفت اور ملامت، ہم نے اپنے فیصلے کے خیارے کے طور پر برداشت کی ہے، مگر وہ زمانہ اور تھا، جنہیں اسی دنیا میں ان ہی لوگوں کے درمیان رہنا ہے، تمہارے دونوں ماموں کبھی یہ سب برداشت نہیں کریں گے، انہیں ہر کچھ بھی لگ گئی تو۔۔۔۔۔" فاطمہ شدید پریشان لہجے میں بولیں ایک لمحے کو رک گئیں۔

"تم ایسا کوئی فیصلہ مت کرو جو تمہارے لیے دشواریاں پیدا کر دے، میں صرف خرمین کے لیے ہی نہیں تمہارے لیے بھی ایک اچھی پرسکون زندگی کی خواہش مند ہوں، اسی لیے تم اس راویہ مت چلو، میں جنہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔" فاطمہ غلطی لہجے میں فیصلہ سناتی تھیں۔

"پتہ نہیں کیوں آپ نے خاندان کو وہ اپنا کر سر پر سوار کر رکھا ہے، خاندان کی اہمیت اپنی جگہ، مگر یہ میری زندگی ہے اور مجھے اپنی زندگی کے فیصلوں میں کسی خاندان کو شامل رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کچھ بڑے لہجے میں بولا تھا۔

"آپ نے ٹھیک کہا، وہ زمانہ اور تھا جس میں ہر مکان سے نکلے تیرے کائنات احمد حسین کی ذات تھی، مگر یہ وہ زمانہ نہیں رہا، کئی میں اتنا دم نہیں ختم نہیں کہ میرے سامنے اگر کچھ پر اٹھ بھی اٹھا سکے، میں آج جو کچھ بھی ہوں آپ کی اور ماموں جان کی وجہ سے ہوں، بڑے ماموں اور مصطفیٰ ماموں کو میری پروا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں سانس لینے کے لیے بھی ان کی اجازت لوں گا، اگر ان دونوں نے میرا فیصلہ قبول نہیں کیا تو میں ان کی مخالفت کی بھی پروا نہیں کروں گا، میں انہیں ہرگز اس انداز میں فحش نہیں کروں گا، جس طرح ماموں جان نے کیا تھا، مجھے لوگوں کو ان کی حد کے اندر رکھنے کا فن آتا ہے، میری زندگی کے ہر فیصلے میں آپ اور ماموں جان داخلا مت کر سکتے ہیں، مخالفت بھی کر سکتے ہیں، مگر آپ دونوں کے علاوہ اس کام کی اجازت میں کسی کو نہیں دوں گا۔" وہ بھی اٹل لہجے میں بولا تھا۔

"عارش! میں جنہیں جو سمجھنا چاہ رہی ہوں اسے سمجھو، مجھے قابل مت کرو، تم اپنے دماغ سے وہ سب نکال کیوں نہیں دیتے جو ممکن نہیں؟" اس بار فاطمہ نے کچھ سخت لہجے میں کہا تھا۔

"میں آپ کی باتوں کو سمجھ رہا ہوں، مگر آپ بھی تو میری بات سمجھیں، آپ چاہتی ہیں کہ میری زندگی اچھی اور پرسکون ہو، مگر ایسا کس طرح ممکن ہوگا، جب وہی میرے پاس نہ ہو جو میرے لیے سکون کا باعث ہے؟" مجھے لہجے میں وہ

بولا تھا اور اگلے ہی لمحے فاطمہ کا ہاتھ بہت حقیقت سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"مامی! آپ نے اپنی اولاد کے لیے دنیا کو ایک طرف بنا دیا تھا تو میری خوشیوں کے لیے ایسا کیوں نہیں کر سکتیں؟ کیا اس لیے کہ مجھ سے آپ کا وہ رشتہ نہیں، جو خرمین سے ہے؟ آپ کہہ دیں، ہاں! پھر میں کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔"

کوئی شکایت بھی نہیں کروں گا۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو فاطمہ کی سادگی نظر میں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
 "آپ مجھے بتائیں آپ کیا چاہتی ہیں؟ ایسا کون کس شخص خرمن کے لیے آپ کی نظر میں اتنا بہتر ہو سکتا ہے جو کہ میں نہیں ہو سکتا؟" اس کے سوالیہ لہجے پر فاطمہ کچھ بول نہیں سکی تھیں۔

"مامی! امیر الیقین کریں، اس کے لیے آپ نے جو خواب دیکھے ہیں، میں ان سب کو پورا کروں گا، آپ اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہیں، میں اس کی خوشیوں کے لیے اپنی ذات کو بھی نظر انداز کروں گا، آپ اسے ایک اچھے سے گھر میں رخصت کرنا چاہتی ہیں، میں اسے وہ گھر دوں گا، جہاں صرف اس کی حکومت ہوگی۔" وہ انھیں یقین دلارہا تھا، جن کا دل کچھلنا جا رہا تھا، وہ وہ سب کچھ بھلائے صرف اسے سننا چاہتی تھیں۔

"آپ نے میرے لیے جو خواب دیکھے ہیں میں انہیں بھی پورا کروں گا، آپ اور ماموں جان ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے، میں آپ دونوں سے الگ نہیں ہو سکتا، آپ اس دنیا کی پروا موت کریں، جس نے مامی آپ کے دل میں جھانک کر آپ کے درد کو نہیں سمجھا، میں سب کی ذمہ داری لیتا ہوں، کوئی آپ سے سوال کرنے نہیں آئے گا، امیری موجودگی میں آپ کو کسی کے سامنے اپ سر نہیں جھکانا پڑے گا کیونکہ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، اپنی آخری سال تک بھی نہیں۔" وہ خاموش ہوا تھا کہ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگاے فاطمہ گھٹ گھٹ کر رہی تھیں، یہی سب تو وہ اس انسان سے سننا چاہتی تھیں، جسے شاید آسمان سے اترا تھا، زمین پر تو انہیں آج سے پہلے بھی کسی انسان سے یہ امید نہیں تھی، وہ نہیں جانتی تھیں کہ اب کسی کو آسمان سے اتر کر آنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جس کا انتظار تھا وہ تو پہلے سے ہی ان کی نگاہوں کے سامنے تھا، بس وہی نہ پہچان سکی تھیں۔

"مامی! آپ رو نہیں مت، آپ کو معلوم بھی ہے کہ میں آپ کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" ان کے آنسوؤں نے عارض کو اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔

"اگر میں نے آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے تو مجھ سے شکایت کریں، آپ کو میرے فیصلے سے تکلیف پہنچ رہی ہے تو مجھے معاف کر دیں، آپ کو حتیٰ کہ میری خواہش کو رد کر دیں، خرمن کے لیے میں واحد انسان نہیں ہوں، مجھ سے بہتر انسان بھی اسے مل سکتا ہے، مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے، ہو گا وہی جو آپ اور ماموں جان چاہتے ہیں، میں کبھی آپ دونوں کے خلاف نہیں جاؤں گا، مگر یہ سچ ہے کہ میں اپنی زندگی میں خرمن کو جو تمام دے چکا ہوں، وہ کسی اور کو کبھی نہیں دے سکوں گا۔" خاموش ہو کر وہ چند لمحوں تک انہیں دیکھتا رہا، جو بار بار ہلکتی آنکھیں خشک کر رہیں اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھیں۔

"آپ جانتی ہیں ابھی کچھ دیر پہلے عثمان نے مجھ سے کہا کہ مجھے راستے میں آنے کی عادت ہے، اگر آپ کو بھی ایسا لگتا ہے تو میں ابھی اور اسی وقت ایک طرف ہٹ جاتا ہوں۔" سر جھکا کر وہ دم لہجے میں بولا تھا۔

"وہ تم سے ناراض ہے، اس لیے ٹھہرے میں کہہ پاؤں گا، ورنہ تم جانتے ہو کہ عثمان کو تمہاری کتنی پروا ہے۔" اس کے چہرے پر جھلکی مامی فاطمہ سے برداشت نہیں ہوئی تھی جبکہ عارض نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"تم جانتے ہو خرمن کو اگر کھانک بھی لگ گئی تو وہ قیامت اٹھائے گی اور مجھے صرف تمہاری فکر ہے۔" خرمن کے رد عمل کو سمجھ کر وہ لڑتے ہوئے فاطمہ کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔

"وہ قیامت اٹھائے یا طوفان لائے، آپ اور ماموں جان اگر میرے ساتھ ہیں تو میں اس کا سامنا بھی کر لوں گا۔" اس کے جواب پر فاطمہ نے اسے دیکھا تھا، جس کی آنکھوں میں آس و امید کی قدیمیں روشن تھیں، چہرے پر ایسی معصومیت اور مظلومیت اس نے سہار کھی تھی جو فاطمہ کو بالکل ہی زیر کرنے کے لیے کافی تھی۔

"اسی لیے میں تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ تم اپنی بات منوا کر ہی دم لو گے، تمہارے ماموں بالکل ٹھیک کہتے ہیں، تم خرمن سے کسی بھی طرح کم نہیں ہو، تم دونوں نے ہماری ناک میں دم کرنے کی قسم کھا کر لی ہے، فاطمہ کو یکدم ہی اس پر بہت غصہ آیا تھا، ساتھ ہی وہ عثمان کو بھی لپیٹ گئی تھیں۔

"اسے درمیان میں کیوں لا رہی ہیں، اسے تو کچھ خبر بھی نہیں ہے۔" مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عارض نے درمیان میں انہیں روکا تھا۔

"جب اسے خبر ہوگی تب تمہیں پتہ چلے گا، میرے پاس اگر تم اس کی شکایت لے کر آئے تو اس سے پہلے میں تمہارا حشر بکاؤں گی۔" فاطمہ کے مزید برتنے پر اس نے خاموش رہنا ہی غنیمت سمجھا تھا۔

کمرے میں جس اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی، کچھ دیر تک وہ پیاس سے قائل ہونے کی کوشش کرتا رہا، مگر نہ کامی ہوئی تھی۔ فاطمہ اس کے کمرے میں پانی رکھنا بھول گئی تھیں، لہذا خود اسے الٹا ہی پڑا تھا، کمرے سے باہر آ کر ایک پل کو کھنکھاتا تھا، مگر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی کہ خرمن کے علاوہ واقعی رات میں اور کوئی دوسری مخلوق کمرے میں گھومتی نظر نہیں آ سکتی تھی، بیضرے پوچھ ل آ نکلیں، بشکل پوری کھولے وہ خاموشی سے کچن کی سمت بڑھ جانا چاہتا تھا، مگر قدم خود خود اس کے قریب رک گئے تھے جو گرجا میں انگلیاں پھسائے روشن آسمان کو تک رہی تھی، عارض کی موجودگی نے اس کے انہماک میں خلل نہیں لایا تھا۔ چاند کی تیز روشنی سیدھی اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی، مگر اس کے علاوہ بھی ایک عجیب سی بات اس کے فطرت میں چھلکی ہوئی تھی، جس نے عارض کو پورا غور کیا تھا، جب اس کی سیاد آنکھوں نے حرکت کی تھی، وہ خاموشی میں بھول گیا تھا۔

"تم اس وقت کمرے سے باہر..." وہ دھچکن آتا ہی بول رہا تھا۔

"پتہ نہیں، اس وقت کیوں میری ساتھیوں سے بہت عجیب پکاریں نکلتی ہیں، میں سونا چاہتی ہوں، مگر... ابھی ابھی مجھے اپنے ارد گرد پر چھائیاں نظر آرہی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ میں ان پر چھائیاں سے خاموشیوں ہوں اور نہیں ابھی۔" عجیب د کے اسے سبکے میں بولتی وہ اسے دنگ کر گئی تھی اور اب اسے الجھتا چھوڑ کر وہ بارہ آسمان کو تک رہی تھی، عارض کو کچھ نہیں آیا تھا کہ اس سے کیا کہے، اس نے کئی بار چاہا تھا کہ خرمن سے صرف اس کی ذات کے خوالے سے بات کرے، وہ اپنے ہارے میں سب کچھ جانتی ہے، تو اپنے اور اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچتی ہے، اس کے کیا احساسات ہیں، اپنے ماضی اور حال کو سے کرکھر وہ شاید اس وقت بھی اس سے یہ سوال کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا، مگر یہ خاموشی میں وہ بس اس کی سادگی انہوں میں ابھرتے چاند کے عکس کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کبھی زندگی بوجھ محسوس ہوتی ہے؟ کبھی قید محسوس ہوتی ہے یہ دنیا، یہاں سے دور بھاگ جانے کا دل چاہتا ہے؟" کبھلک آسمان بھی وہ شاید اس سے سوال کر رہی تھی۔

"زندگی بوجہ نہیں اللہ کا تخت ہے، یہ دنیا میرے لیے قید نہیں، ایک تجربہ گاہ ہے، ہر تجربے کے بعد مجھے اللہ کی طرف سے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے جو مجھے آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے، میں اس دنیا سے نکل کر کہیں جہان نہیں چاہوں گا کہ اس دنیا میں میرے قریب کچھ لوگ ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو، میں بھی جہان نہیں چاہوں گی مگر اس کی طرف متوجہ ہوتی وہ ایک بل کوہ کی تھی۔"

"میں جہاں تھی وہیں رہی ہوں، مجھے آگے بڑھنے کا راستہ کیوں نہیں ملتا؟" کرزرتے لہجے میں وہ بول رہی تھی۔

"اللہ نے میرے راستے اگر بنائے ہیں تو وہ مجھے کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ اگر میرے نصیب میں یہ قید لکھ دی گئی ہے تو کیوں میرے ارد گرد کوکھڑی دیواروں تک وہ آوازیں پہنچتی ہیں جن کی اذیت مجھے نیند سے جگا دیتی ہے، کیوں میری مشکل ختم نہیں ہوتی؟ کیوں یہ اندھیرے...؟" یکدم خاموش ہو کر اس نے چٹائی آگے کر کے لگا دی تھی۔

"تم کس مشکل کے بارے میں بات کر رہی ہو مجھے بتاؤ خرم! انہی آوازیں، اور یہ کب سے ہو رہا ہے تمہارے ساتھ؟" اس کی بند آنکھوں اور چہرے پر ابھرتے محض کے آثار عارض کو تشویش میں مبتلا کر گئے تھے۔

"تم نہیں سمجھو گے، کوئی نہیں سمجھ سکتا۔" بند آنکھوں کے ساتھ ہی وہ بہت مدھم آوازیں بولی تھی، اس کے لہجے میں مایوسی گہری تھی، اگلے ہی بل کرزرتے دور ہفتی وہ کمرے کی سمت بڑھ گئی تھی، عارض نے چاہا تھا کہ اسے روکے، آج پہلی بار اپنے دل کی کچھ باتیں اس سے وہ جانے کس جھوٹے میں بیان کر گئی تھی مگر اسے بھی بری طرح الجھا تھی، اس وقت وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے دل کے ہر گوشے میں پیچھے راز تک پہنچے، اس کے ہر غم کو اپنے نام کر لے، اس کی محنت کو سیٹ لے اور یہی نہیں اسے سالم اپنے اندر چھپا کر کسی اور ہی دنیا میں چلا جائے مگر یہ اختلاف ابھی وہ حاصل نہیں کر سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"جب تک تم اندر نہیں آؤ گے، میں خرم کو باہر نہیں بھیجوں گی۔" دھانے وار تک دی تھی۔

"ایسا تم کرو مای گھر پریشان ہو رہی ہوں، اس دن بچے ہیں، صبح دو اسے باہر۔" عارض نے واقعی التجا کی تھی۔

"آج بھی جاؤ، کتنے غم کرتے ہو، چائے پینے میں وقت ہی کتنا لگے گا تمہیں؟"

"چائے بھی چینی پڑے گی؟" وہ دنگ ہوا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اتنی بری چائے بناتی ہوں میں؟" دھانے آنکھیں کھل کر اسے دیکھا تھا۔

"میرے گھر، ابھی آواز دے کر بھائی کو بلاتی ہوں۔"

"اب تو کبھی بھی اندر نہیں آؤں گا۔" وہ جس طرح بولا تھا، ویسا ہی بے ساختہ تھی۔

"مان سے جھگڑا کیوں کیا تم نے خرم کو اس کی وجہ بتائی تم نے؟" وہ بدبینانہ سے تنگ کرنے کے مؤذنب تھی۔

"میرا خیال ہے کہ میں خرم کو تنہا سے آوازیں دے کر بلاتا ہوں۔" عارض نے خشکی نظر سے اسے دیکھا تھا۔

"پانچ منٹ مبر کر جاؤ وہ اندر نہیں تیار کر رہی ہے۔"

"کیا شہر بھری نہیں سکیں آگئی ہیں؟" دوزخ ہوا تھا۔

"ایسا کرو تم خود اندر آ کر دیکھو نہیں دیکھو؟"

"محاف کرو، میں بس اپنی دلکشی دیکھوں گا۔" وہ فوراً بولا تھا۔

"پھر تو فوراً جاؤ، وہ اندر ہی ہے۔" دھانے فوراً ہی کہا تھا، مگر اگلے ہی بل اس کی خشکی نظر سے بے ساختہ فنی تھی، جبکہ عارض نے تک کر فاروق کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"تم کہاں کیوں روکے ہو؟ میرے گھر میں کوئی پردہ نہیں کرتا تم سے۔" عارض سے صاف کرتے وہ بولے تھے۔

"خرم کو اتنی دیر تک کیوں روکا ہوا ہے عروسہ نے؟" اس بار وہ دھانے سے مخاطب تھے۔

"بھائی اسے قارن کے ساتھ گھر بھیج رہی تھیں، مگر وہ خود نہیں گئی، کیونکہ ایک ساتھ دو پرائیڈ ڈانسی تھیں، وہ بس قارن ہونے والی ہے۔" ان کی جانب دیکھے بغیر دھانے جواب دیا تھا۔

"مجھے خبر ملی ہے کہ عثمان سے تمہاری ناراضی چل رہی ہے؟" فاروق کے اچانک سوال پر جہاں عارض کچھ بل سا ہوا تھا وہیں دھانے سے جانے کے لیے پلٹ رہی تھی یکدم ہی رک گئی تھی۔

"وہ تو بس ایسے ہی...! ہمارے درمیان یہ سب چلتا رہتا ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر زیادہ دن تک نہیں رہ سکتے۔" عارض کچھ شرمندہ گی سے بولا تھا۔

"اپنے وقت کو برداشتیں کرنا چاہتے تو اس کے بغیر رہنا سیکھ لو، یہ زیادہ بہتر ہوگا، موصوف کی محبت تمہارے لیے معجز ثابت ہو سکتی ہے۔" فاروق کے تلخ لہجے پر عارض نے خیران ہو کر ایک نظر دھانے کو بھی دیکھا تھا، جس کے چہرے کے اثرات تن گئے تھے، عارض سے نظر چرائی وہ فوراً ہی پلٹ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

فاروق سے باتیں کرتے ہوئے عارض دل ہی دل میں خرم کے جلدی باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا، فاروق کی شخصیت ہی اتنی رعب دار اور پردہ کشی کہ ان سے بہت سنبھلا سنبھل کر بات کرنی پڑتی تھی، اس کا اعتماد ان کے سامنے ڈالنا اولیٰ ماننے لگتا تھا، حالانکہ عثمان کے برعکس عارض کے ساتھ ان کا رویہ بہت اچھا اور خوش اخلاقی سے بھرپور ہوتا تھا، مگر عثمان کی طرح وہ خود بھی ان سے آگاہ سنا سنا ہونے سے گریز کرتا تھا، یہ بھی شکر تھا کہ دھانے جلد از جلد خرم کو باہر بھیج دیا تھا، جس کا جھنجھڑاؤ ہی عارض کو نہ صرف فاروق سے خلا ہی ملی تھی بلکہ گزری رات کا منظر بھی سنہ سے تازہ ہو گیا تھا۔

"کل رات یہ نہیں میں نے کیا اوٹ پناگ باتیں کی تھیں، مجھے اب بہت عجیب لگ رہا ہے، تم میرے بارے میں یہ مت سوچو کہ مجھے کسی سائیکسٹ کی ضرورت ہے۔" سگل پر اس نے بایک روکی تھی، جب خرم نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"کل رات تم نے کوئی اوٹ پناگ بات نہیں کی، مجھے یہ اچھا لگا کہ تم نے اپنے دل کی کوئی بات مجھ سے شیئر کی۔" وہ اس کا چہرہ تو نہیں دیکھ سکا تھا مگر اپنے شانے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہوئے پوری چٹائی سے کہا تھا۔

"اگر کبھی مجھے ضرورت پڑی تو کیا تم میرے دل کی بات سنو گی؟" ایک بل کوک کر جانے کیوں وہ یہ سوال کر گیا تھا۔

"تمہارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ مجھے کر تہجاری رام کہانیاں سنوں، امی، بابا ہیں تو تمہارے دل کی باتیں سننے کے لیے۔" اس کے ہنر لہجے پر عارض کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

(جاری ہے۔)

☆ ☆ ☆

کبھی اٹول کبھی میر و دل لڑک

”عارش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ ایک نظر وہیں نے عروہ کو دیکھا بھی تھا جو ڈورنگ کے سامنے بیٹھیں تھیں، ان کے سوال میں ایسا کچھ تھا کہ وہ بالوں میں ہرٹس پھیرنا بیوقوف مانتی تھیں۔



نوٹ: روڈ کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی روڈ کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

”آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ جانچتی نظروں سے عروہ نے انہیں دیکھا تھا جو بیک کراؤن سے پشت لگائے اپنے لیپ ٹاپ میں بھی مصروف تھے۔
 ”اس لیے کہ تم اور تمہارے گھر والے عارش اور اس کے گھر والوں کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو، مجھے تو وہ ہر طرح سے اچھا لگتا ہے مگر میں تمہاری رائے بھی اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔“ وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولے تھے۔
 ”مگر مجھے پتہ تو چلے پہلے کہ آپ کسی حوالے سے اس کی رائے جاننا چاہتے ہیں؟“ عروہ نے مشکوک نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔



"بیلا کے حوالے سے"۔ وہ صاف گوئی سے بولتے عروسہ کو دنگ کر گئے تھے اور ہادیو اس کے کندہ ان کے مقصد کو پہلے سے سمجھ چکی تھیں۔

"بیلا کے لیے عارض مناسب رہے گا تم خرمن سے ذکر کر کے دیکھو"۔ وہ مزید بولے تھے۔

"فاروق اسب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ....." عروسہ شدید تاسف کی وجہ سے بات مکمل نہیں کر سکی تھیں۔

"کچھ نہیں جانتا تھے، جس بارے میں بات کر رہا ہوں اسی پر ہو"۔ فاروق کے لہجے میں ناگواری درآئی تھی۔

"آپ ایسا کریں، ایک ہی بار میرا گانا گھونٹ دیں"۔ سرخ چہرے کے ساتھ بولتے ہوئے عروسہ چونک کر اودھ کھلے دروازے کی سمت متوجہ ہوئی تھیں اور اگلے ہی پل خود اٹھ کر دروازے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔ سوئے ہوئے فائر کو اس نے خاموشی سے عروسہ کے حوالے کیا تھا جبکہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے ہلکی آنیت نے عروسہ کو یقین دلادیا تھا کہ وہ ان کی باتیں سن چکی ہے، کچھ بھی کہے بغیر وہ خاموشی سے واپس بھی چلی گئی تھی۔ بچے کو بیڈ پر لٹاتے ہوئے انہوں نے ایک بار بھی فاروق کو نہیں دیکھا تھا جو ان کی طرف ہی متوجہ تھے۔

"پھر..... تم بات کر دو گی خرمن سے؟" وہ پھر اسی موضوع کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔

"میں ایسا نہیں کروں گی"۔ فیص کو کاہلو کر تھیں وہ واپس ڈرائنگ کی جانب گئی تھیں۔

"کیوں، کیا برائی ہے بات کرنے میں؟" فاروق کی پیشانی پر پل پڑ گئے تھے۔

"اس لیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، خرمن کے لیے گھر میں جو بات چلی تھی، احمد اگلے ہی اس کے لیے اٹکار کر دیا تھا، مجھے یہی لگتا ہے کہ وہ خرمن کو عارض سے منسوب کریں گے"۔ پنڈلوٹن باتوں پر استعمال کرتی وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھیں۔

"جہیں شک ہے مگر یقین تو نہیں، کچھ عرصہ دیکھ لو یا پھر تم باتوں باتوں میں خرمن سے اس بات کی تصدیق کرو، تمہاری خام خیالی سے تو یہی بہتر ہے"۔ ان کے ناگوار لہجے پر عروسہ اس آہستے میں ان کے ٹکس کو دیکھتیں تو ان کے گھونٹ پنی کر رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

حد ٹکا تک پھیلے سمندر کی شوریدہ لہروں سے نظر ہٹا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، جو بالکل خاموشی سمندر کی آہستی گرتی لہروں کو دیکھ رہی تھی۔

"بب میرا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تو شکایت کرتی ہو کہ میرے پاس تمہارے لیے وقت نہیں ہوتا اور اب تمہارے ساتھ ہوں تو کوئی دیکھ نہیں، میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ سارے مسئلے مسائل گھر کے کسی کو نہ میں پھینک کر باہر آنا"۔ عثمان نے اسے گھر کا تھا۔

"دراصل میں پہلی بار تمہارے ساتھ یہاں آئی ہوں اس لیے میں کچھ شاک ہوں کہ تم اتنے رہے تنہا کب سے ہو گئے کہ مجھے سیدھا نہیں لے آئے ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"کسی لحاظ بھی میں نہر ہو، اگر جہیں پہنچ جاتا ہے میں کتنا رو میٹک ہوں تو کبھی میرے ساتھ اس جگہ پر آنے کی غلطی نہیں کرتیں"۔ اس کے مسکراتے لہجے پر بیلا کی مسکراہٹ عابث ہوئی تھی۔

"پیارے آگے چلتے ہیں"۔ سینڈ ٹراٹارے ہوئے وہ بولی تھی۔

"آگے بھی ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا، جہیں سمجھوتا کر لینا چاہیے"۔ عثمان کے سنجیدہ انداز پر وہ بے ساختہ ہنسی چلی۔

"ہم اسی طرح ہنسی نظر آنا جب تک میرے ساتھ ہو"۔ اسے تاکید کرتے ہوئے عثمان نے اس کے ہاتھ سے سینڈ ٹراٹارے لینے چاہے تھے مگر وہ فوراً اسے روک گئی تھی۔

"آپ کی بہت مہربانی مگر یہ میرے ہاتھ میں ہی ٹھیک ہیں"۔ وہ بولی تھی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ سینڈ ٹراٹارے میں، میں نے ہی تو کھائے ہیں"۔

"ایسا مت کہو، میں تو جہیں بہت پیار سے رکھوں گی"۔ اس کے روانی سے بول جانے پر عثمان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو بری طرح حیرت چاہی گئی تھی۔

"ذرا دیر بارہ کہو، میں نے ٹھیک سے سنا نہیں"۔ اس کی شوخ نظروں پر وہ پیش کر گئی تھی۔

"تمہارا ٹھیک سے نہ سنا ہی اس وقت بہتر ہے"۔ اس کے جھلکے پر وہ دھیرے سے ہنسا اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا۔

"بچہ زکے ساتھ تمہاری اسٹور پر مکمل ہو جائے گی، آگے کیا کرنے کا سوچا ہے؟" بیویوں سے نگرانی بھلی لہروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس نے عثمان کو دیکھا تھا۔

"تمہارا کونجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ جواباً سوال کر رہا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ جہیں کسی شک قسم کی جاب تک خود کو محدود کر لینا چاہیے، مجھے تمہارے اندر بہت صلاحیتیں نظر آتی ہیں، ان کو زک نہیں لگنا چاہیے، میں جانتی ہوں کہ تم بھی ایسا نہیں چاہتے"۔ تیز ہوا سے چہرے پر بکھرتے بال سنبتی وہ بولی تھی۔

"وہاں میں عارض کے بعد تم واحد ایسی ہستی ہو، جو مجھے اندر تک جانتی ہو"۔ چاہت سے لہرزا ایک ٹکا عثمان نے اس پر ڈالی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، ملازمت جیسے پروفیشن کی میں عزت کرتا ہوں، مگر یہ میرے بس کا لوگ نہیں ہے، بچہ زکے بعد مجھے عارض کے ساتھ مل کر جیجی کی سے اسٹیبلشمنٹ شروع کرنے کے متعلق معاملات کو دیکھنا ہے"۔

"مگر اس کام کے لیے تم دونوں کو تو کتنی عقلی اسٹرونگ ہونا بھی تو ضروری ہے، صرف مشاہدے، تجربے کا ہونا کافی نہیں"۔ وہ اسے کہا تھا۔

"اس بارے میں بھائی سے بات ہو چکی ہے، انہوں نے تو پہلے ہی مجھے کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے سپورٹ کریں گے، اگر میں کوئی بزنس شروع کرنا چاہوں، عارض میری طرح فائز نہیں ہے، وہ تو آل ریڈی ایک اچھی جاب کر رہا ہے، اس کے پاس اس کے بزنس کی بھی کچھ پراپرٹی ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ احمد اگلے ہی اسے برطرح سے سپورٹ کریں گے، عارض کے ساتھ ہوگا تو یقیناً کچھ بہتری ہوگا"۔ وہ دھیمی دھیمی بولی تھی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، اور میرا خیال ہے کہ عارض کے ساتھ یہ پروفیشن اختیار کرتے ہوئے جہیں اپنے پسندیدہ کام

کرنے کا وقت بھی کافی مل جائے گا۔"

"اور میرے پسندیدہ کام کون سے ہیں؟" عثمان نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مثلاً خود کو اکیسویں کرنا۔"

"تاکہ اس اچھی چیز میں؟" رک کر عثمان نے اس کے چہرے کو گھورا تھا۔

"میرا مطلب تھا میگزین میں۔" وہ بخیر ہوئے کی کوشش کرتی ہوئی تھی۔

"یہ کام تو میں کروں گا، دنیا کو یہ لگتا ہے تو مجھے اچھا لگتا ہے یہ کافی ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا تھا جبکہ بیلا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو کر وہ بارہ شور مچاتی لہروں کو گتے لگی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو، میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟" اس کے سامنے آتے ہوئے عثمان نے بغور اس کی آنکھوں میں الجھتے حزن کو دیکھا تھا۔

"مان! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ ہم دونوں کو اگر الگ الگ زندگی گزارنی پڑی تو۔۔۔"

"تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟" عثمان نے جس طرح درمیان میں اس کی بات کافی تھی وہ پریشان ہوئی تھی اس کے بگڑتے تیروں پر۔

"گھر میں کوئی بات ہوئی ہے یا تمہارے بھائی نے پھر مجھے اور تمہیں ملنا نہ بتایا ہے تو مجھے بتا کر دل کا بوجھ ہٹا کر لو، مگر مجھے مجبور مت کرو کہ میں ابھی تمہیں اسی سمندر کے خوابے کر کے یہاں سے چلا جاؤں۔" اس کے قصیلے لہجے پر بیلا کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"تمہیں اگر مجھ سے الگ ہو کر زندگی گزارنا ہی ہے تو کیوں اپنے بھائی کے ہاتھوں میری دلچسپی اور اوریسی ہو؟" وہ بڑا نا شروع ہوا تو کہ نہیں تھا، بیلا کو کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی، وہ جانتی تھی سامنے کھڑے اس بھڑکے شخص کی محبت ایسی ہی تھی، سرکش پہاڑوں کو چرتے آتش رجمی اور کبھی پر سکون ندی کے بہتے پانی جیسی، وہ ہرگز بھی اس وقت فاروق کے اروے سے آگاہ نہیں کر سکتی تھی نہ ہی آگے کبھی کر سکے گی، وہ یہ بھی نہیں چاہ سکتی تھی کہ عارشا سے اس کے تعلقات خراب ہوں یا ان کے دوستی کے رشتے میں کوئی فرق آئے۔

"آئی ایم سوری، میں کچھ زیادہ بول ہی گیا۔" بیلا کی خاموشی نے اسے پریشان کیا تھا، نظر اٹھا کر بیلا نے اسے دیکھا تھا جو سمندر کی ایک اونچی لہر پر نکل کر بنائے ہوئے تھا مگر اس کے چہرے پر اضطراب ابھی باقی تھا۔

"مجھے برا نہیں لگا ہے تمہارا یہ جوش میری ہمت اور حوصلے کو بڑھاتا ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔

"ایسا ہونے چاہئے کہیں۔" عثمان نے ناراضی سے ہی اسے دیکھا تھا۔

"میری طرف سے اتنے مایوس مت رہا کرو مان! یہ میرا تم سے وعدہ ہے، وقت آنے پر اگر تمہارے لیے مجھے دینا بھی چھوڑنی پڑی تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔"

"اچھا اب زیادہ بہادری کے مظاہرے کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں اس کی نوبت نہیں آنے دوں گا، ہمیں کبھی الگ الگ رہ کر زندگی نہیں گزارنی پڑے گی اس بات کا یقین رکھو اور سب بھول جاؤ۔" اس کی آنکھوں میں دیکھا وہ مسکرایا تھا۔

"اچھا اب کیا سارا وقت یہیں گزار دو گے؟" بھوک سے سرری ہوں میں تمہاری جیب ہلکی کر داکری جان چھوڑوں گی۔" فیصلہ نہاتے ہوئے بیلا نے اسے بھی واپس جانے کے لیے ساتھ کھینچ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

گیٹ کھلا دیکھ کر وہ صحن عبور کرتی گیٹ تک پہنچی تھیں، گیٹ بند کر کے وہ واپس ہلکی تھیں کہ عثمان کی ہلکی سی آواز پر انہوں نے سرفا کر اورد دیکھا تھا اپنے گھر کی چھت کی یاد غری پر وہ چمکا ہوا تھا۔

"استانی کی طرح آپ کو بھی مجھ پر تم نہیں آتا۔" اس کی انتہائی آواز پر فاطمہ مسکرائی تھیں۔

"اچھا تم رکو میں اسے چھیتی ہوں، مگر تم بھی اب مان جانا۔" اسے تاکید کرتی وہ برآمدے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔ کمرے میں احمد حسین حسب معمول فی دی پر بیٹھ دیکھ رہے تھے جبکہ ظہور کن کو ملا کر ان پر سینے کے تل لینا، عارش میگزین کی ورق گردانی کرتا فی دی پر بھی نظر ڈالتا جا رہا تھا۔

"عارش! ذرا اوپر جاؤ، عثمان اپنی چھت پر ہے جا کر بات کرو اس سے۔" فاطمہ کی ہدایت پر احمد حسین بھی متوجہ ہوئے تھے۔

"عارش! کیا کہا ہے میں نے تم سے؟" اسے سو جانے کی ایکٹنگ کرتے دیکھ کر فاطمہ نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں بہت بار کوشش کر چکا ہوں مگر وہ میری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔" کوخت کے ساتھ بولتا وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

"تم نے ابھی تک عثمان کی ناراضی ختم نہیں کی، یہ بہت بری بات ہے۔" احمد حسین نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

"ہاؤ ابھی جا کر اس سے بات کرو، نہیں مان رہا تو اس کے گھر میں چلے جاؤ اور اس وقت لگتا جب اس کی ساری ناراضی ختم ہو جائے۔" احمد حسین کے مسکراتے لہجے پر وہ حیرے سے ہنستا جانے کے لیے اٹھ گیا تھا۔

"عثمان سے کہنا کہ میں اس کے لیے جانے بخاری ہوں، تمہیں دیکھ کر بھاگے گا نہیں۔" فاطمہ نے پیچھے سے اسے ایک احتیاطی تدبیر بھی بتائی تھی۔

باغ غری کی جانب بڑھتے ہوئے وہ اسے دیکھ سکتا تھا جو کرسی پر پھیل کر بیٹھا اپنے فضا میں مصروف تھا، عارش کی پکار پر بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

"مجھے بتا دو اور کس طرح تمہاری ناراضی کو ختم کروں، تم اپنے دوست کی غلطی کی بھی معاف نہیں کر سکتے، کیا یہ اچھا ہے کہ تمہارے میں اپنی اپنی اڑدھانج کی مسجد بنا کر اس بیٹھے ہیں؟" عارش کے شکایتی لہجے پر عثمان نے اسے دیکھا تھا اور اگلے لمحہ ہلکا سا مسکرت ایک طرف پھینکا جا رہا تھا، عارش نے اس کی مس آگیا تھا۔

"تم کس منہ سے مجھے اپنا دوست کہہ سکتے ہو؟ اگر تم کچھ کر نہیں سکتے تو اس کا بدلہ تم نے مجھ سے کھلے کر کیوں لیا؟" کچھ الہام ہو گیا تھا کہ تم اپنے دل میں کیا کچھ مجھ سے چھپا کر بیٹھے ہو؟" عثمان کے بگڑے سوالیہ لہجے پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اپنے ان چند بول کو میں خود سے بھی چھپائے رکھنا چاہتا تھا، صرف اس خوف سے کہ کہیں مانی اور ماسوں جان کو یہ

سب ناگوار نہ گزرے، مجھے خدشہ تھا کہ کہیں مجھ پر اس کا ہمدردہ اٹھ جائے مگر میں بزدل نہیں تھا، اگر ہوتا تو کبھی وقت آنے پر مای اور ماموں جان کے سامنے اپنا دل کھول کر نہ رکھتا، تم میرے دوست ہو، مجھے لگتا تھا کہ تم میری فیملی کو سے واقف ہو، تمہارے سامنے مجھے خرمین کے لیے اپنے احساسات عیاں کرنے کی ضرورت نہیں تھی، مگر تم الٹا ہی مطلب افکار رہے ہو۔ عارش کے لہجے میں شدید تاسف تھا۔

”اپنے آپ کو درست ثابت کرنے کے لیے اب تم یہ مت کہو کہ عثمان کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں، اس پر الہام ہوتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اگر تم نے اٹکل آئی کے سامنے زبان کھولی ہے تو صرف میرے بھائی کی وجہ سے ورنہ تمہارے اندر ہمت نہیں تھی۔“ عثمان کے استہزاء سے لہجے نے عارش کے تاثرات بدلے تھے۔

”ٹھیک ہے تم نے جو کہا وہی سچ ہے، اب اس کے بعد اگر تم نے مجھے کسی قسم کا طعنہ دیا تو میں تمہارا امتداد توڑ دوں گا۔“ پھر سے لہجے میں اس نے عثمان کو وارن کیا تھا جس کی طرز یہ مسکراہٹ نے مزید اسے بھڑکایا تھا۔

”میں نہیں، تمہارا بھائی میرے راستے میں آیا تھا۔ تم بھوت بول رہے ہو کہ تم خرمین کے لیے میری فیملی کو سے واقف نہیں ہو، تم سب کچھ جانتے تھے پھر بھی تم نے دوست ہو کر آستین کا سانپ بننے کی کوشش کی تھی۔“

”میرے بھائی کو تم ایک طرف ہٹا چکے ہو لہذا ان کی بات مت کرو، کیونکہ میں سنوں گا نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم میرے سامنے بھی زبان کھول چکے ہو تو اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے، جتنی ہمت کے مظاہرے تم کر چکے ہو تو اس کا محرک میں بنا ہوں۔“

”تم کرا چھو گے۔“ عارش نے کافی طرز یہ لہجے میں کہا تھا۔

”اچھا تو مجھے بھی اس دن لگے گا جب تم خرمین کے سامنے حال دل بیان کرنے کی ہمت کرو گے مگر مجھے لگتا ہے کہ اس کے لیے بھی مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا ورنہ تمہارے ارمانوں کی قبر تمہارے دل میں ہی تیار ہو جائے گی اور تم جب بھی میری نعرے لگاتے رہو گے کہ میں بزدل نہیں ہوں۔“ مضحکہ خیز انداز میں بولتا عثمان بہت اچھی طرح اسے ٹیش میں جتلا کر گیا تھا۔

”مجھے نہ ہی نعرے لگانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی خرمین کے سامنے اپنا حال دل بیان کرنے کی۔ اگر میرے جذبے اس کے لیے خالص ہیں تو مغربی وہ جان جائے گی کہ میرے دل میں اس کے لیے کیا ہے، یہ بھی کہ میں اس کے اور اپنے درمیان آنے والے کسی بھی تیسرے شخص کو اسی طرح لگ آؤں کر سکتا ہوں جس طرح تمہارے بھائی کو کر چکا ہوں، خرمین کے احقاد کو اور اس کے دل کو جھگ کرنے کے لیے مجھے تمہاری ضرورت سمجھی نہیں ہوگی، سمجھے تم؟“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ خونخوار نظروں سے اب عثمان کو دیکھ رہا تھا جس کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

”کہہ چکے ہو کہ تمہارا دل میں ابھی کچھ اور باقی ہے؟“ کھل کر مسکراتے ہوئے عثمان اسے جیسے سے اکھاڑ گیا تھا۔

”میں اوست سمجھتا ہوں تم پر۔“ عثمان پر غراتے ہوئے وہ جانے کے لیے چلا اور اگلے ہی لمحے اسے اپنے جیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی، بس چند قدم کے فاصلے پر ہی وہ موجود تھی مگر اسے ہاتھوں میں تھامت سیاہ چہرے کے ساتھ وہ عارش کو دیکھ رہی تھی جس کے ہوش اس اچانک صورت حال پر بالکل اڑ چکے تھے، دوسری جانب خرمین اس کے چہرے سے نظر ہٹاتی باؤڈری کی سمت آئی تھی مگر اس نے باؤڈری پر دیکھی تھی اور کسی بھی جانب دیکھے بغیر اسی خاموشی

سے ایس جلی گئی تھی۔

ملا سبک میں سے چائنگ میں اٹھ بیٹے عثمان نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا، جو باؤڈری پر کہیاں نکالنے پر سر ہاتھوں میں تھامت سے گم تھا۔

”کوئی بات نہیں، ہوتا ہے، اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔“ عثمان نے ہنسنے ہوئے اس کے شانے کو چبھایا تھا، گہری سانس لے کر اس نے بس عثمان کو ایک نظر دیکھا تھا، جبکہ اس کے بے انتہا سنجیدہ چہرے نے عثمان کو بھی حبیہ کر دیا تھا۔

”مجھے معلوم تھا کہ تم اتنی آسانی سے استانی کا سامنا نہیں کرو گے، مجھے یہ موقع بھڑکا کہ کم از کم خرمین کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے اس لیے میں نے تمہیں اس کی موجودگی پر خبردار نہیں کیا، ورنہ تم اتنا کھل کر بی واری کا مظاہرہ دس سال بعد بھی نہیں کر سکتے تھے، بلکہ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تمہارا کام کتنا آسان ہو گیا، میری وجہ سے، حالانکہ تم اب بھی یہی کہو گے کہ تمہیں میری ضرورت نہیں تھی۔“ مسکراتی نظروں سے عثمان نے اسے دیکھا تھا جواب تک سناتے میں ہی گھرا تھا۔

”میں جانتا ہوں تمہاری سنی گم ہو چکی ہے، مگر پریشان مت ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، لو چائے پیو۔“ مسکراہٹ بھرتے ہوئے عثمان نے کدو برقی اسے تھا دیا تھا جس کا دل چاہو رہا تھا کہ لگ اس کے سر پر ہی چھوڑ ڈالے۔

☆ ☆ ☆

اس کی خاموشی عارش کو کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی، وہ اس کے کسی بھی رد عمل کا منتظر رہا تھا، مگر کچھ بھی تو نہیں ہوا تو سوائے اس کے کہ وہ پہلے کی طرح خرمین سے نظریں ملا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا، یہ جذبات بھی بہت عجیب ہوتے ہیں، ان کو چھپائے رکھنا اذیت تو عیاں کرنا قیامت سے کم نہیں ہوتا، وہ جانتا تھا کہ خرمین سے زیادہ عرصے تک یہ سب دو چھپائیں سکے گا، دن یہ دن دل پر ایک بوجھ سا بڑھتا جا رہا تھا، وہ دیکھ رہا تھا محسوس کر رہا تھا کہ خرمین اس سے کتنی گہنی راہی ہے، اس سے کتنا لگے گی ہے اور یہ سب عارش کو توشیش میں جتلا کرنے کے لیے کافی تھا، ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو خرمین سے اس کے تعلقات کچھ بہتر ہوئے تھے، جب سے اس نے پارا جوائن کیا تھا، اس میں بہت پہنچ آیا تھا، یہ چیز سب نے ہی محسوس کی تھی، عارش سے اس کی بات چیت ہونے لگی تھی، اپنے کاموں کے لیے وہ عارش کو کبھی یاد کر لیا کرتی تھی، کبھی کبھی معمولی سی فرمائش بھی کر جاتی تھی، اس کی یہ فرمائش بس کھانے پینے کی چیزوں تک ہی محدود ہوتی تھی، مگر عارش کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اسے اتنی اہمیت تو دے رہی ہے، مگر اب وہ کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ خرمین کے لیے وہ پہلے کی طرح اجنبی اور ناگوار سنی بن جائے، ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے وہ بہت عرصے تک اس کی لاشعلی کو لپیٹتا رہا تھا، لیکن اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے، کم از کم اب جبکہ وہ سب کچھ جان چکی ہے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ خرمین اور اس کے درمیان جو فاصلہ کچھ کم ہوا ہے، وہ بارہ بار کھیل جائے، وہ خرمین کا سامنا کرنا چاہو رہا تھا اس سے مل کر بات بھی کرنا چاہتا تھا، مگر اس جرات کے لیے عارش کو مہلت چاہیے تھی، اسی کشش میں جب اس کے پیچہ ز افسانہ ہوتے تو اس نے فی الوقت سر سے ہر بوجھ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تھا، اور پوری یکسوئی کے ساتھ اٹل ز میں کھول ہو گیا تھا، پیچہ ز سے فراقت کے بعد اسے اور زیادہ مصروف ہو جانا تھا، لہذا اسے سب کچھ وقت پر چھوڑنا پڑا تھا، اس

دورانِ خرمین کی روشن دی گئی، مگر اور پارلر۔ عارض سے وہ بات بھی کر لیا کرتی تھی مگر ضرورت کے تحت برائے نام واسطہ روپے سے اس نے کچھ خاطر نہیں کیا تھا مگر عارض سے یہ کیسے چھپا رہا تھا کہ وہ جتنا مل ہوگئی ہے، بہت زیادہ۔

☆ ☆ ☆

”صبح سے رات ہوگئی ہے مگر اس لڑکے کی کچھ خبر نہیں، پہلے ہی حالات اتنے خراب ہیں۔“ ایک بار پھر کمر سے سر آئیں قائلہ غصے میں بول رہی تھیں۔

”تم ہی انون کر کے پتہ کرو کہاں ہے وہ؟“ انہوں نے خرمین کو گھر کا تھا۔

”وہ کال ریسیو نہیں کر رہا کتنی بار بتاؤں؟“ مسمو نے پر غم و راز خرمین بھلا کر بولی تھی۔

”کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو، ایک ادارہ شروع کر رہا ہے وہ، یہ کام گھر میں بیٹھ کر نہیں ہو سکتا، وہ مصروف ہو گا ہی لیے کال ریسیو نہیں کر رہا ہو گا، وہ اپنی گھر ہی آتا ہے اس نے۔“ خبریں دیکھتے احمد حسین کے اٹھناک میں بھی غلغلہ ہو رہا تھا وہ کچھ ناراضی سے قائلہ کو ناشوٹ کر دے گئے تھے۔

مسمو نے پری وہ اس وقت نیم فٹو کی میں تھی جب باہر سے اسے آوازیں سنائی دی تھیں، اسٹارف کو لٹھیک کرتی وہ تو بھی باہر آگئی تھی، اسے حیرانی ہوئی تھی کہ قائلہ بھی گیٹ کے باہر تھیں، تیز قدموں کے ساتھ وہ خود بھی گیٹ کی سمت بڑھ گئی تھی، خوشگوار حیرت کے ساتھ خرمین نے اس چنگی دکتی سلور کرے سوک کو دیکھا تھا، جس کا جائزہ لیتے ہوئے احمد حسین، عثمان سے ہی ٹھوٹھو گئے تھے۔

”آؤ خرمین! یہاں آ کر دیکھو۔“ اس کی طرف متوجہ ہوتے احمد حسین نے اسے اپنی طرف بلایا تھا، وہ قائلہ سے اچھے عارض کو ان کے حال پر چھوڑتی گاڑی کی طرف پہلی گئی تھی۔

”میں کبھی تھا کہ آپ خوش ہوں گی، مگر آپ تو میری خوش پر بھی پانی پھیر رہی ہیں۔“ وہ شدید ناراضی سے بولا تھا۔

”میرے سنا کرنے کے باوجود تم نے یہ کام کر ہی لیا، پہلے ہی تم گاڑی ہو اس اڑاتے ہو، اب اس ہاتھ کو بھی خراب اڑے ہو اور میری جان عذاب میں ڈال دی ہے تم نے۔“ وہ شدید ناراضی کا اظہار کرتیں گھر کے اندر چلی گئی تھیں، جبکہ عارض نے زچ ہو کر احمد حسین کو دیکھا تھا۔

”گھر کی ضرورت کے لیے ایک کار آدھ ہے، مگر ان کو مجھ پر بھروسہ ہی نہیں ہے۔“ اس نے شکایت کی تھی۔

”تم جانتے ہو اس قسم کی سواریوں سے وہ کتنا گھبراتی ہیں اور پھر سواری بھی وہ جس کا کنٹرول تمہارے ہاتھ میں ہے۔“ احمد حسین کے مسکراتے لہجے پر وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”اور یہ کیا... تم مضانی کے بغیر ہی آگئے ہو، میں تو خوش ہوں، خرمین کو بھی گاڑی بہت پسند آئی ہے، مضانی کے بغیر تو خوش ہی اچھوری ہے۔“ ان کی شکایت اور اپنی بھول پر وہ شرمندہ ہوا تھا۔

”لٹھیک ہے پھر آپ بھی میرے ساتھ ابھی ڈرائیو پر بیٹیں، میں ابھی مضانی لینے جا رہا ہوں۔“ عارض نے فوراً ہی کہا تھا۔

”میں اگر تمہارے ساتھ گیا تو تمہاری مامی کا غصہ کون ٹھنڈا کرے گا، خرمین کو ساتھ لے جاؤ، وہ تو پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکی ہے۔“ احمد حسین نے مسکراتے ہوئے خرمین کو دیکھا تھا جو فرنت سیٹ پر ہی موجود تھی جبکہ ڈرائیو تک سیٹ پر موجود

عثمان اسے ساؤنڈ سسٹم چیک کروا رہا تھا۔

”چابی مجھے دو، میں ڈرائیو کرتا ہوں، تم جاہو تو مجھے بیٹھ جاؤ۔“ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عثمان نے اس سے چابی مانگی تھی جو اس کے ڈرائیو تک سیٹ چھوڑنے کے انتظار میں تھا۔

”مجھے جہاں جانا ہے، خود چلا جاؤں گا، تم باہر لٹھو۔“ خشکیں انھوں سے اسے دیکھتے ہوئے عارض نے اس کا کالر پکڑ کے باہر نکالا تھا مگر وہ بھی جان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا، وقت ضائع کیے بغیر ایک سیٹ پر قبضہ نہ کیا تھا، اب عارض اسے وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا، کچ تو یہ تھا کہ اس وقت وہ بہت خوش تھا، اس لیے کہ فرنت سیٹ پر وہ مستی موجود تھی، جس کے لیے اس نے سوچ رکھا تھا کہ پہلی بار اس کی گاڑی کی فرنت سیٹ پر برہمان ہونے کا حق صرف وہی رکھتی تھی۔

”تمہیں یہ پسند آئی؟“ اپنی خوشی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے عارض نے پلا خراسے قائلہ کرنی لیا تھا۔

”ہاں، مجھے یہ بہت پسند آئی ہے۔“ بلی کی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اتنا ہی بولی تھی۔

”بات سنو اگر تم لوگ میرے بھائی کے لیے ہاں کر دیتے تو میرا بھائی ایسی دکانیں تمہارے گھر کے سامنے گاڑی کر دیتا، اس ایک گاڑی پر فخر کرنے کی ضرورت نہیں۔“ عثمان کا یہ اچانک طعنہ عارض کے دماغ پر جا کر لگا تھا۔

”وہ دس گاڑیاں تمہارے بھائی کو ہی مبارک ہوں، ہم اس ایک پر ہی اللہ کے شکر گزار ہیں۔“ خرمین نے فوراً ہی جواب دے کر عارض کو پر سکون کر دیا تھا۔

”امیرا، ایک خوشخبری اور سن لو، ہر بان بھائی وہیں شادی کر رہے ہیں۔“ عثمان کی اطلاع نے عارض کے ساتھ خرمین کو بھی چونکا دیا تھا۔

”واقعی... کب کر رہے ہیں شادی؟“ انکل آئی نے اجازت دے دی ان کو شادی کی؟“ خوشگوار حیرت کے ساتھ قائلہ نے پوچھا تھا۔

”کیسے اجازت نہیں دیں گے، یہاں ان کے لیے کوئی خاتون مل نہیں رہی، لہذا انہوں نے کہہ دیا کہ وہ یہ کام وہیں خود ہر اپنی جگہ سے کر آئیں گے تو بعد ان کا یہیں ہو گا، بس ان کے استقبال کی تیاریاں شروع ہونے والی ہیں۔“

”یہ تو بہت اچھی خبر دی ہے تم نے، شکر ہے ورنہ ان کا یہیں ہو گا، کم از کم یہ تو دیکھ لیں گے کہ انہوں نے کس خوش نصیب کو اپنے لیے چنا ہے۔“ خرمین نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”وہ جو بھی ہوگی تم سے تو اچھی ہوگی، جل جاؤ گی دیکھ کر استانی صدا!“ عثمان نے اسے چھیڑا تھا۔

”مجھ سے اچھی ہی نہیں لاکھ رہے ابھی ہوں گی وہ، ہر بان بھائی نے ایسے ہی جنس اتنا بڑا فیصلہ کر لیا ہو گا اور میں کیوں سنے گی، خبردار جو تم نے مجھے بدنام کیا، میرے لیے تو یہ خوشی کی بات ہے۔“ خرمین نے مسکراتے ہوئے ہی کہا تھا۔

”تم خوش ہو رہی ہو اور دیکھ لوگوں کے دل تو خوشی سے اچھل رہے ہیں، لٹھو پھوٹ رہے ہیں اندر ہی اندر۔“ ہنسنے والے عثمان نے بیک وچور میں عارض کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بہتر آرام سے بیٹھے ہوئے اس نے نکلیا تھا کہ گود میں رکھا تھا، جس وقت خرمین چائے کے ساتھ دیگر لوازمات فرامی شکر ہائے کمرے میں داخل ہوئی وہ کمرے کا جائزہ لینے میں ہی مگن تھی۔

”خرمن! میں نے اچانک آکر تمہیں بہت ڈسٹرب کیا ہے، تم پارلر جانے کے لیے بالکل ریڈی تھیں۔“ میز وئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تھا۔

”ایسا بالکل نہیں، میں تو شکر ادا کر رہی ہوں کہ تم بروقت آئی ہو۔ ورنہ ہماری ملاقات نہ ہو پاتی، آج تو ویسے بھی مجھے دیر سے ہی جانا تھا، ویسے بھی عارش لیٹ ہو گیا ہے، جانا تو مجھے اسی کے ساتھ ہے۔“ تھکاپور بولتے ہوئے خرمن نے چائے بھی سرو کرکے شروع کر دی تھی۔

”ملاقات کی بات تم نے خوب کی، مجھے لگ رہا ہے کہ ہماری اس ملاقات میں دیر ہو گئی، ایک گھنٹے میں ہی مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری دوستی سالوں پرانی ہے، پتہ نہیں ہمارے بڑوں نے اپنی ناچاقیاں ہم تک کیوں منتقل کیں؟“ میز وئے کو تاہف سے بولی تھی۔

”میں تمہاری بات سے اتفاق نہیں کروں گی اگر ہمارے بڑوں نے ایسا کیا، ہوتا تو ہم یہاں ساتھ بیٹھ کر کھیں نہ، رہے ہوتے۔“ خرمن نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”اور اتنا سب کچھ سامنے ہونے کے باوجود صرف چائے پر اکتفا نہ کر رہے ہوتے۔“ میز وئے کے چہلے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

”میں اس بات پر بالکل شرمندہ نہیں ہوں کہ مجھے پہلے ایک پیش کرنا چاہیے تھا۔“ خرمن کے برجستہ کہنے پر ال پارلر میز وئے ہنسی تھی تب ہی خرمن کے سیل فون پر کال آ گئی تھی۔

”بیلا کا فون ہے۔“ ڈرائیگ پر رکھا فون اٹھاتے ہوئے اس نے میز وئے کو اطلاع دی تھی، جو مسکراتے ہوئے اب خاموشی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی، بلیو اور بلیک انٹنک کی شرٹ میں اس کا سراپا مناسب اور دلکش دکھائی دے رہا تھا، بلیو سیٹ کا ہی خوبصورت سا اسکارف اس کے چہرے کے گرد غلاست سے لپٹا ہوا تھا، بلیو زکائوں سے کچھ اوپر ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں پھنسا میسرین گنگن جبکہ دوسرے ہاتھ میں بھری بلیو کھڑکی کی پنڈلیاں بہت سجلی دکھائی دے رہی تھیں۔

”بھئی! تمہارے لیے دعوت نامہ آیا ہے نیلا کی طرف سے۔“ فون اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے خرمن بول رہی تھی۔

”اگر ابھی تم میرے ساتھ ہی پارلر کاؤزٹ کرتی ہو تو آج ہی وہاں تمہیں فری سروس دی جائے گی۔“

”ہائے خرمن! ایسا مذاق نہ کرو کہ میرا ہاتھ مل ہو جائے۔“ میز وئے ہوش ہونے لگی تھی، اسے دیکھتے ہوئے خرمن کی ہنسی بے ساختہ تھی تب ہی کمرے میں داخل ہوتے عارش کے لیے یہ منظر ناقابل یقین تھا میز وئے کی موجودگی میں خرمن کے چہرے پر مسکراہٹ۔ مگر یہ وہ حقیقت میں دیکھ رہا تھا۔

”آئیے جناب! آپ کا ہی انتظار تھا۔“ میز وئے خوشدلی سے مسکراتی بیڈ سے اترتی تھی اور ہاتھ عارش کی سمت بڑھا رہا تھا۔

”آج تو بڑے بڑے لوگ ہمیں اعزاز بخشے خود چلے آئے۔“ بڑی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے عارش نے جتایا تھا جس پر بے ساختہ ہنستے ہوئے میز وئے فوراً ہی مزے اس کے قریب ہو کر اپنا سر ایک لمبے کے لیے اس کے سینے سے لگا لیا تھا، خرمن کے لیے یہ منظر حیران کن ضرور تھا مگر اسے شاک بالکل نہیں لگا تھا کیونکہ اسے یہ معلوم تھا کہ عارش اور میز وئے کتنے کلوز ہیں۔

”یہ بومیرے آئے کی خوشی میں کیک کھاؤ۔“ میز وئے فوراً ہی اپنی پلیٹ عارش کو تھما لی تھی۔

”تم اچانک آ گئی ہو، اب حضور سے اجازت لی تھی؟“ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے میز وئے کو دیکھا تھا۔

”افسوس! باتیں کرو گے تو دوبارہ نہیں آؤں گی۔“ اس کے شانے پر ہاتھ برساتی وہ وارننگ دے رہی تھی۔

”تمہارے لیے چائے نکالوں؟“ خرمن نے سوالیہ نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

”خرمن! ہمیں دیر ہو جائے گی، اس کی تو اسح بعد میں کر لینا۔“ میز وئے یاد دلایا تھا۔

”کہاں جانے کے لیے دیر ہو رہی ہے؟“ عارش نے سوالیہ نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا۔

”خرمن کو پارلر جانا ہے اور مجھے فری سروس لینے، جو کہ میں کسی حالت میں مس نہیں کر سکتی۔“ میز وئے بولی تھی۔

”ابھی تو میں آیا ہوں اور تم جاننے کی بات کر رہی ہو؟“ عارش نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”میری چائے ختم ہوئے تک پہنچی باتیں کرنی ہیں کرلو، جس دن میں تم سے ملنے آؤں گی پہلے کال کر کے کفرم کر لوں گی کہ تم گھر پر ہو یا نہیں، آؤں تو مل میں خاص طور پر جتنی جان اور خرمن سے ملنے آئی تھی۔“

”اب تو تم بھی پیچھے نہ فارغ ہو، کیا کر رہی ہو آج کل؟“ سائیڈ ٹیبل کے کنارے گئی خرمن نے میز وئے سے سوال کیا تھا۔

”نکھیاں مارنے کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہوں، اس عارش کے پیچھے میرے گھر میں سب کے کان بھر رکھے ہیں کوئی مجھے جاب کی اجازت ہی نہیں دے رہا۔“ خرمن کو بتاتے ہوئے اس نے عارش کو بھی گھورا تھا۔

”بس ایک ماہ اور نکھیاں مار لو، اس کے بعد انٹینیوٹ میں ایڈمیشن شروع ہو رہے ہیں، سیدھی طرح وہاں آ جانا۔“

عارش کے لہجے میں تاکید کم دکھائی یاد تھی۔

”بھئی! ابھی سے نہیں ہو گا یہ شک کام۔“ میز وئے جھجھکی تھی۔

”جہاں سے مت بناؤ میرے سامنے، ابھی خاصی کمپیوٹر انٹیکسپرٹ ہو، تمہیں تو کہیں بھی آسانی سے اچھی جاب مل سکتی ہے۔“ عارش نے اسے گھر کا تھا۔

”تو پھر کیوں میرے باپ بھائیوں کے برین واش کیے تم نے، اب تو میں ضرور جاب کے لیے اپلائی کروں گی۔“

”میرے انٹینیوٹ کے علاوہ تم کہیں بھی کہیں، میں وہاں سے تمہیں نکلا دوں گا۔“ عارش اطمینان سے بولا تھا۔

”یہ ابھی دھونس ہے تمہاری۔“ میز وئے کے حیران لہجے پر خرمن نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ عارش کی سمت بڑھا دیا تھا۔

”نان چائو میز وئے! ہو سکتا ہے تمہاری بیوہ سے اسٹوڈنٹس کی لائن لگ جائے ورنہ ان سب کی رفاہی نہ تھیں دیکھ کر

ایڈمیشن ختم کیا شروع بھی نہیں ہوں گے۔“ خرمن نے کہا تھا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے انٹینیوٹ کو کامیاب بنانے کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتے ہو؟“ میز وئے نکتہ سے عارش کو دیکھا تھا۔

”بہت اچھی بات کی ہے تم نے، اب اور ڈیڑھ حق دار ہو تم۔“ عارش کے خشمک لہجے پر میز وئے بے ساختہ ہنسی تھی۔

”اچھا، اب تم جلدی اپنی چائے ختم کر کے باہر آؤ، ہم باہر انتظار کرتے ہیں، میری بیوہ سے خرمن کو مزید دیر نہ

ہو جائے۔" عاشر کو تاکید کرتی منیز وہ جانے کے لیے اٹھ گئی تھی، جبکہ سینڈلر کے اسٹریپ ہاندھ کر خرمن بیگ اور وہ پنڈ
سنبھالتی منیزہ کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ کمرے سے باہر نکلا تھا کہ منیزہ کی چٹکتی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

"یہ میری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں، ایک میاں میں دو گواریں۔" منیزہ اور خرمن کو ایک ساتھ دیکھ کر اس پر حیرت کا
دورہ پڑا تھا۔

"تم اتنے سنور کر کہاں جا رہے ہو؟ یقیناً ڈیٹ پر جا رہے ہو۔" منیزہ نے مسکراتی نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

"میں کہاں جاتا ہوں لوگ مجھے ہی لے جانے کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔" وہ فخر سے بولا تھا۔

"خوش فہمی میں ہی مر جائیں گے یہ۔" خشکیاں لہجے میں بولتے ہوئے خرمن نے منیزہ سے کہا تھا۔

"تم کیوں بول رہی ہو درمیان میں؟ استاد کا بڑا احرام ہوتا ہے اگر بول پر تیز کر کے مجھے یہ کام کرنا پڑتا ہے۔" مہمان
جل ہی تو گیا تھا، جبکہ منیزہ کی فہمی بھر پور تھی۔

"تم اس گھر میں رہتے ہو؟" فہمی کے درمیان منیزہ نے سوال کیا تھا۔

"انسان کی اولاد ہوں، گھر میں ہی رہوں گا، استانی کے بھجروں میں ٹھکانہ نہیں میرا۔" وہ فخریہ انداز میں بولا تھا۔

"فہمکانہ ہونا تو ہیں چاہیے تھا۔" مسکراہٹ چھپاتے ہوئے خرمن پھر بولی تھی۔

"تم بس خوش ہونا تو مجھ سے الجھنے کی کوشش میں پکڑاں ہوتی رہنا، کوئی فائدہ نہیں، میں اپنے دل کے دروازے تم پر بند
کر چکا ہوں۔" مہمان کے جتانے پر وہ مسکراہٹ نہیں چھپا سکی تھی۔

"تم کیوں فتنے جاری ہو، آ جاؤ گھر سے گھر میں رنج بول رہا ہوں، اندر کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ منیزہ پر ایک شافٹ کر رہا
تھا۔

"عثمان۔" خرمن کے تیز بگڑے تھے۔

"فاتحہ پڑھ لو عثمان پر۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا۔

"خرمن ایہ جو بول رہا ہے، بولنے دو، مجھے عادت ہے، یونیورسٹی میں اسے جھکنا میرا معمول رہا ہے۔" منیزہ نے
مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"تو میرے علاوہ تھا کون یونیورسٹی میں جو تمہیں پوچھتا؟" وہ منیزہ کو ہنسا رہا تھا۔

"اگر ایسا تھا بھی تو صرف تمہاری اور عاشر کی وجہ سے تھا، تم دونوں تو میری ایک ایک حرکت پر فکرمندانہ تھے۔" منیزہ
نے بھی فوراً جواب دیا تھا۔

"گھر میں آ کر جھگڑا کر لو، میں ایک ساتھ دو خواتین کے لیے اسکیڈل افوف نہیں کر سکتا۔" مہمان نے خشکیاں لہجے میں
منیزہ کو مخاطب کیا تھا۔

"ابھی تم اتنے مشہور نہیں ہوئے کہ تصویروں کے ساتھ تمہارے اسکیڈل پر بھی میگزینز میں چھپ جائیں۔" خرمن نے
کوفت سے کہا تھا جب ہی عاشر کی آواز پر وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"عثمان! میں بعد میں ضرور تمہارے گھر آؤں گی، ابھی تو مجھے اور خرمن کو یہاں کی طرف جانا ہے، جس نے خاص طور پر

مجھے بلایا ہے۔"

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔" منیزہ کی بات پر ہی سے لغیر وہ ان دونوں سے پہلے عاشر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"میں اسے ساتھ نہیں لے جاؤں گا، فاروق بھائی نے اگر اسے دیکھ لیا تو وہ بھی سمجھیں گے کہ میں یہاں سے اسے
وہاں لے گئی ہوں۔" خرمن ناگواری کے ساتھ عاشر سے مخاطب تھی جبکہ مہمان فرنیٹ سیٹ سے اترنے کے لیے تیار نہیں
تھا۔

"مجھے اور عثمان کو ساتھ ہی انٹینیوٹ جا کر کام عمل کروانا ہے، ہم گھر کے اندر نہیں جائیں گے، اب تم بیٹھ جاؤ۔"

مہمان کی ڈھٹائی پر عاشر کو اٹھا کر کرنی پڑی تھی۔

"مگر میں بیٹا کو ایک نظر دیکھوں گا ضرور، بہت دن سے نہیں دیکھا، دل بند ہو رہا ہے۔" بڑی مسکینیت کے ساتھ عثمان
نے عاشر کو بھی دیکھا تھا جو بس دیکھ کر رہ گیا تھا اس کی فٹکاری۔

"خرمن! رتم کر لو بے چارے پر، بے چارہ ساتھ۔" بیک سیٹ پر موجود منیزہ نے بھی کہا تھا۔

"یہ بے چارہ پوری دنیا کو پارہ ڈالتا ہے۔" کھا جانے والی نظروں سے عثمان کو دیکھتی وہ منیزہ کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

کچھ آوازوں نے اسے گہری تینوں سے یکدم بیدار کر ڈالا تھا، بالکل آنکھیں کھلی رکھتی وہ وال کلاک کی سنت متوجہ ہوئی
تھی ابھی کے چار بجنے والے تھے، اٹھ کر بیٹھے والے تھے، کچھ تھوٹھ میں جٹا ہوئی تھی کہ باہر سے آتی آوازوں میں فاران
کی آواز سب سے نمایاں تھی جو کل سے مہمان کی طرف تھا، ابھی وہ بیٹھ سے اترنے کا ارادہ کر رہی تھی جب کسی نے اس کے
سرے کا دروازہ کھینچا تھا، حیران پریشان ہوتی وہ کمرے سے باہر نکلی تھی اور اگلے ہی بل نہ بدست طریقے سے دنگ
رہی تھی، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا، عثمان کے چہرے نے اسے دم میں جٹا نہیں کیا تھا مگر اس کے ساتھ موجود
عین نے اسے چپنا چپنا ضرور گھبرا دیا تھا، وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی عروس حقیقت میں ہی یہاں کے سینے سے لگی ہوئی
تھی۔

"آ جاؤ، چندی آ جاؤ، وہاں کیوں رہی ہو؟" یہاں نے مسکراتی نظروں سے اس کے ہونق تاثرات کو دیکھا تھا جو
پر ہاتھ رکھتے اب خوشگوار حیرت سے اسے دیکھتی قریب آ گئی تھی۔

"یہ چار سال بعد بھی مجھے دیکھی ہی دکھائی دے رہی ہے جیسی میں اسے چھوڑ کر یہاں سے گیا تھا۔" بیٹا کو ساتھ لگاتے
ہوئے وہ فاروق سے مخاطب تھا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ آئے سے پہلے خبر کیوں نہیں دی؟ کیا سوچ رہی ہوگی ابید، ہم میں سے کوئی اسے ایئر پورٹ ریسیو
کرنے بھی نہیں گیا، تم اسے ساتھ لائے بھی ہو یا نہیں؟" رونا دھونا بھول کر عروس اب ہول کر سوال پر سوال شروع کر گئی
تھی۔

"اسے بیٹھنے دو، پہلے ہمیں ساری باتیں کرو گی کیا؟" فاروق نے درمیان میں انہیں روکا تھا۔

"ناموں! آپ کو اب تک دیکھ کر میری کا دماغ کام کرنا بھول گیا ہے، آپ آئیں۔" فاران نے فوراً ہی یہاں کا بازو
کھینچا اور لاکھنگی کی راوی لگی۔

”میں تو کچھ نہیں چھپا رہا تھا مگر بھائی نے کہا تھا کہ وہ اچانک آ کر آپ سب کو سر پرانز و دینا چاہتے ہیں، صرف یہ اور فاران کو معلوم تھا کہ یہ آج رات کی فلاٹ سے آرہے ہیں، بس ہم نے ہیڈ بھائی کو گھر پر چھوڑا ہے اور بھائی کے ساتھ یہاں آ گئے۔“ عثمان نے عروسہ کو تفصیل بتائی تھی۔

”آئی اب آپ فوراً اپنا اور سب کا سامان پیک کریں، ابھی آپ سب میرے ساتھ گھر چلیں گے، جب تک میں یہاں ہوں آپ سب امی کی طرف ہی رکھیں گے۔“ برہان نے قطعی انداز میں فیصلہ سنایا تھا۔

”فارق بھائی ایسا کو بھی میں ساتھ لے جاؤں گا، آپ کی اجازت ہے؟“ برہان نے بطور خاص ویلا کا نام لیا تھا۔
 ”ہاں ضرور، کیوں نہیں؟“ ایک نظر ویلا کو دیکھ کر فارق نے جواب دیا تھا، ویلا کو ان سے اس جواب کی توقع نہیں تھی کہ اسے یہ معلوم تھا کہ فارق بھی برہان کی بات نہیں مانیں گے، عثمان کے مقابلے میں برہان کے لیے وہ بہت مہربان رہے تھے ہمیشہ۔

سکون کی سانس لے کر ویلا نے سب کی نظروں سے بچتے ہوئے عثمان کو دیکھا تھا، جو سنجیدہ تاثرات چہرے پر غالباً فارق کی وجہ سے سجائے کن انھیں سے ویلا کی طرف ہی متوجہ تھا، اسے اپنی طرف دیکھتا یا کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ عثمان نے چٹکیں چپکائی تھیں، جس پر کھل کر مسکراتی وہ برہان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو فارق اور عروسہ سے محو گفتگو تھا۔

برہان اور اس کی بیوی کی آمد کے بعد گھر میں ان سے ملنے کے لیے آنے والوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا تھا اور پھر ویلا کے انتظامات نے بھی مصروفیات بڑھا دی تھیں، عثمان کو موقع ہی نہیں مل رہا تھا برہان سے اپنے اور ویلا کے بارے میں بات کرنے کا، بلکہ اپنے ہی گھر میں اسے ویلا کی موجودگی کا پتہ بھی نہیں چل رہا تھا، مہمانوں کے درمیان وہ کھن پکھن بنی ہوئی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ برہان بھائی اسے سوشل ہوں گے، تمہارا وسیع خاندان کیا کم تھا جو انہوں نے غیر سادہ دوستوں کی بھی لائن لگائی ہے، اوپر سے تم بھی انھیں یہاں اکڑ بیٹھو گے ہو۔“ اس وقت بھی یکن میں مصروف ویلا الٹا برس پڑی تھی جسے دیکھنے کی فرصت بھی اسے نہیں مل رہی تھی۔

”میں موقع ڈھونڈتا رہا ہوں، مگر تم دیکھ رہی ہو کہ برہان بھائی کو خود وقت نہیں مل رہا، تنہائی مل نہیں رہی اور سب کے سامنے میں انہیں وہ مقصد یاد نہیں دلا سکتا جس کے لیے ہم ان کے منتظر تھے۔“ عثمان بھی پریشان حال تھا۔

”ایک دن جیتی ہے، برہان بھائی کو واپس بھی جانا ہے، بھائی کو راضی کرنے کے لیے چند دن کافی نہیں ہوں گے۔“ ویلا کا لہجہ مضطرب تھا جبکہ عثمان کچھ کہتے کہتے رک کر یکن میں آتی خرمن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”ویلا ٹھیک کہہ رہی ہے عثمان ابھی موقع اچھا ہے فارق بھائی سے بات کرنے کا، اب انکار کی کوئی وجہ ان کے پاس نہیں ہے، ہم ایک ادارہ شروع کر چکے ہو، مغرب کو ابھی جاب بھی نہیں مل جائے گی، یہ بہت اچھا ہوگا اگر برہان بھائی تمہاری اور ویلا کی انجمن کروا کر یہاں سے جائیں۔“ خرمن نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”تم ایسا کرو اور جاؤ، عارش کو بھی وہیں بلاؤ، میں برہان بھائی کو اس بہانے سے سب کے درمیان سے نکال کر ہائی ہوں کہ تم دونوں نے اپنے اسٹیٹیوٹ سے متعلق کوئی ضروری بات کرنی ہے، جاؤ اب دیر مت کرو۔“ خرمن کی جملت پر وہ

بلا تا یکن سے نکل گیا تھا۔
 ”میرا تو یہ خیال ہے کہ جنہیں ان کے ویسے کی تقریب تک ممبر کرنا چاہیے۔“ پاؤٹری کے دوسری جانب موجود عارش نے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
 ”یعنی جنہیں بھی کسی اچھی امید کے آواز نظر نہیں آتے؟“ گہری سانس لے کر عثمان نے کہا تھا۔
 ”مجھے بھی سے مطلب؟“ عارش نے پوچھا تھا۔
 ”آئی بھی تمہاری ہم خیال ہیں۔“ عثمان بولا تھا۔

”بات امید کی نہیں موقع کی نزاکت کی ہے، فارق بھائی کی نچر سے تم واقف ہو اور کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ خوشی کی ایک تقریب بدتر کی نظر ہو جائے۔“ بولتے ہوئے عارش اس جانب متوجہ ہوا تھا جہاں سے وہ برہان کے ہمراہ آ رہی تھی، پتہ نہیں کیوں تاکواری کی ایک لہر عارش کی رگوں میں دوڑی تھی، حالانکہ اب ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا مگر یہ جذبات بھی عجیب منطقی رکھتے ہیں، جس ہستی پر پھار ہو جاتے ہیں اسے پھر دنیا کی نظروں سے چھپائے رکھنے کے لیے پھلتے رہتے ہیں۔

”یہاں تو موسم بہت خوشگوار ہو رہا ہے، مگر یہ وہ سب سے بدستور بندے اسے سنجیدہ کیوں نظر آ رہے ہیں؟“ برہان نے مسکراتی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

”کیونکہ ان دو بندوں کو اپنے ویسے کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دے رہے۔“ خرمن کے فوراً ہی کہنے پر برہان نے ہلکا سا تہہ لگاتے ہوئے عثمان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

”میں خواہ مخواہ لپٹ میں آ رہا ہوں، مگر آپ کو عثمان کے لیے سنجیدہ ہو جانا چاہیے۔“ عارش کے مسکراتے لہجے پر عثمان بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”بالکل، آپ صرف یہاں شادی کی رسمیں مکمل کرنے نہیں آئے۔“ خرمن نے بھی فوراً کہا تھا۔
 ”ہاں، میں جانتا ہوں یہاں آنے کا اہم مقصد میں نے کل ہی فارق بھائی سے کہا تھا کہ مجھے ان سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، اس سلسلے میں ان سے بات ان کے گھر ہی کروں گا۔“ سنجیدہ ہوتے ہوئے برہان نے کہا تھا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے، وہ مان جائیں گے؟“ عثمان کا لہجہ منتظر سا تھا۔
 ”مجھے امید ہے کہ میں ان کو قائل کروں گا مگر تم اس طرح پریشان کیوں نظر آ رہے ہو، اللہ پر بھروسہ رکھو۔“

”میں صرف ایک اسی وجہ سے پریشان نہیں ہوں۔“ پاؤٹری سے پشت لگاتے ہوئے اس نے کچھ ناراضی سے برہان کو دیکھا تھا۔

”کچھ عرصے کی تو بات ہے یا رامیں ہمیشہ کے لیے تو امی، ابو کو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا۔“ برہان کے زنج ہونے پر خرمن پوچھ گئی تھی۔

”آپ اٹکل، آئی کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں، عثمان ان کے بغیر یہاں تنہا کیسے رہے گا؟“

(جاری ہے۔)

کبھی تو کبھی میری دل تو کبھی

”تم اور یہ کہہ کر اسے اموٹل کر دو۔“ برہان نے خشکیں نظروں سے غریب کو دیکھا تھا۔

”میں ایک طویل عرصہ ان سے الگ رہا ہوں۔ مئی الوقت زیادہ دن یہاں نہیں رک سکتا اور نہ ہی ان سے مزید دور



نوٹ: روڈ کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی روڈ کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی رمانٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ ورج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

رہنے کی سکت ہے، بس کچھ عرصے کی بات ہے، وہاں ایوکا ٹریڈسٹ بھی بہتر ہو جائے گا، تھوڑا پیسہ ملے گا تو ان کی صحت پر بھی اس کا اچھا اثر ہوگا۔“

”آپ کا ارادہ بہت اچھا ہے، آپ کو بھی حق ہے اپنے ماں باپ کو اپنے قریب رکھنے کا، مان کی غرمت کریں میری موجودگی میں یہ تمہا نہیں ہوگا۔“ عارش نے ایک نظر خاموش کھڑے عثمان پر ڈال کر برہان سے کہا تھا۔

”جج کہوں تو میں آج ہی سے زیادہ تمہارے بھر دے پر اسے یہاں پھونڈ کر جاؤں گا، تمہاری اور بیلا کی وجہ سے ایسا کرنا چرہ با ہے اور نہ میں اسے بھی بہت پہلے یہاں سے لے جاتا۔“ برہان نے شجیدگی سے عارش سے کہا تھا۔



”مگر مجھے یقین ہے عثمان کی بھی صورتحال میں اس ملک کو نہیں چھوڑ سکتا، کچھ وقت سکے لیے بھی نہیں، یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا جینا مرنا اپنی مرضی پر وقف ہوتا ہے۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ خرمن نے کہا تھا۔

”استاد محترم! جہیں محبت وطن ثابت کر رہی ہیں۔“ برہان کے کہنے پر عثمان نے مسکراتی نظروں سے خرمن کو دیکھا تھا۔

”پھر آپ کب بات کر رہے ہیں فاروق بھائی سے؟“ خرمن نے پوچھا۔

”کہو تو آج ہی جا کر بات کر لیتا ہوں؟“ برہان نے ان تینوں سے ہی تائید چاہی تھی۔

”مجھے عارض کی رائے سے اتفاق ہے، آپ ویسے سے فراغت کے بعد ہی بات کیجئے گا۔“ عثمان نے قلعی لہجے میں کہا تھا جبکہ خرمن فوراً ہی بیلا کی طرف بڑھتی چائے کی ٹرے اس سے لے چکی تھی۔

”بیلا! ابھی وقت ہے سوچ لو، ورنہ ان کے لیے چوڑے خاندان کی خدمتوں میں گھن چکر بن جاؤ گی۔“ خرمن نے مشورہ دیا تھا۔

”اسے درغلاؤ گی تو اس کی جگہ تمہیں ہی اپنے گھر لے آؤں گا۔“ عثمان جل کر بولا تھا۔

”کیا بکد رہے ہو؟“ برہان بے ساختہ ہنسا تھا۔

”عارض! فوراً چائے نو، غیرت چگانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ بیلا نے جتے ہوئے مگ عارض کی طرف بڑھایا تھا جسے عثمان نے فوراً درمیان میں ایک لیا تھا۔

”میری خدمتیں کرنے کی عادت ڈالو، اسے پوچھنے والے بہت ہیں۔“ عثمان کے گھر کئے اور سب کے مسکرانے پر بیلا کا چہرہ غصت سے سرخ ہوا تھا۔



”یہ تم کیا کہہ رہے ہو، کیا یہ سچ ہے؟“ فاطمہ جو درطہرت میں تھیں شدید بے چینی سے انہوں نے عارض کو اور پھر احمد حسین کو دیکھا تھا جن کے چہرے پر موجود نرم مسکراہٹ اس بات کی تصدیق کر رہی تھی کہ یہ خوش کن خبر ان کے لیے نئی نہیں تھی۔

”یہ سچ ہے ماما!“ عارض نے انہیں شانوں سے تھا تھا۔

”آپ عمرہ کے لیے جانے کی تیاریاں کیجئے، اس مقدس سرزمین کو چھونے کا آپ کا خواب اللہ نے پورا کر دیا ہے اور یہ سچ خواب نہیں ہے۔“

”عارض! میں تو صرف کبھی تھی مگر تم نے تو آج اولاد ہونے کا حق ادا کر دیا، میں نے ضرور کوئی ایسی نیکی کی تھی کہ اللہ نے مجھے تم سے اور خرمن سے نوازا دیا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہو سکتا ہے، اب اور کیا چاہیے مجھے اس دنیا میں۔“

لڑتے ہاتھوں سے اس کا روشن چہرہ تمام گرفتار نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

”خوش نصیب تو آپ ہیں ماما! اللہ نے آپ کو ہلال بلایا ہے جہاں جانے کی حسرت اور آرزو ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔“ ان کے آنسو سہیتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”میں نے آپ کے لیے کچھ نہیں کیا، یہ سب آپ کی دعاؤں اور بھئی لگن کا نتیجہ ہے، انشاء اللہ عمرہ کے بعد آپ اور

ہموں جان حج پر جائیں گے تو میں اور خرمن آپ کے ساتھ ہوں گے۔“ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”انشاء اللہ! ہم وہ دن بھی ضرور دیکھیں گے۔“ احمد حسین بھی بولے تھے۔

”تم سب سے چھپا کر انتظامات میں لگے رہے اور میں تم سے ناراض ہوتی رہی کہ تم گھر سے بیزار ہو چکے ہو، پہلے کیوں نہیں بتاؤ تم نے؟“ فاطمہ پیشانی سے بولی تھیں۔

”آر۔ کی ناراضی میری زندگی کو رواں رکھنے کا ذریل ہے اور اگر میں پہلے آپ کو یہ خوشخبری دیتا تو آپ کے چہرے پر یہ خوشی کیسے دیکھ سکتا تھا جو ابھی دیکھ رہا ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

”تم دونوں بیٹو مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“ احمد حسین کے سنجیدہ لہجے پر عارض کچھ چونکا ضرور تھا مگر فاطمہ کے ساتھ ہی ہمدردی گوش ہو گیا تھا۔

”میں چاہتا ہوں عمرہ پر جانے سے پہلے عارض اور خرمن کا نکاح ہو جائے۔“ ان کی اس بات پر عارض نے ایک بے چینی ہی نگاہ فاطمہ پر بھی ڈالی تھی۔

”مگر یہ کیسے ہوگا؟ خرمن تو ابھی ہر بات سے بے خبر ہے۔“ فاطمہ پریشان ہو اٹھی تھیں۔

”تم پریشان مت ہو، میں اس سے بات کروں گا، وہ میری بیٹی ہے، وہ کبھی مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گی اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے جو مانگ رہا ہوں وہ اس کی خوشیوں اور بہتر زندگی کے لیے ہے۔“ احمد حسین کے لہجے میں بیٹی کے لیے محبت اور فخر تھا۔

”ابھی تو میں عارض کی مرضی جانتا چاہتا ہوں، اسے کوئی اعتراض تو نہیں؟“

”اسے کیا اعتراض ہوگا، اس نے تو تجویز کر رکھا ہے، مجھے اور آپ کو پریشان کرنے کا۔“ فاطمہ نے فوراً ہی ناراض نظروں سے عارض کو دیکھا تھا۔

”جب آپ سب جانتی ہیں تو ماموں جان سے کہہ دیں کہ میری کیا مجال جو ان کے خلاف جاؤں۔“ مسکراتی نظروں سے اس نے فاطمہ کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل احمد حسین سے نظریں ملائے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔

”فاطمہ! اس کی پیشانی پر تمہاری بیٹی کا نصیب چمک رہا ہے، کبھی غور سے دیکھنا۔“ احمد حسین نے سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں مخاطب کیا تھا جو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکراتی تھیں۔



بلکہ آؤٹ کی وجہ سے دو در در تک ہی تار کی پھٹی تھی، محبت پر وہ مرنیوں اور کیتروں کا داند بانی چپک کر آئی تو دوسری طرف سے بیلا کو بھی اوپر ہی بلالیا تھا مگر اس کی سنجیدگی نے خرمن کو پھر الجھا دیا تھا، پہلے وہ یہی سمجھتی رہی تھی کہ یہ اس کا وہم ہے مگر آج وہم کو دور کرنے کے لیے خرمن نے اس سے سوال کر ہی لیا تھا اور اس کے بعد بیلا اس سے اپنی پریشانی بچا نہیں سکی تھی۔

”وہ عثمان کے لیے اسنے بے رحم ہو سکتے ہیں، مجھے کوئی حیرت نہیں مگر اسے مار چر کرنے کے لیے وہ عارض کے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟“ ایک عارض ہی تو ہے جو مجھ سے زیادہ اس کے قریب ہے اگر عثمان کو فاروق بھائی کے اندر سے کی جھک بھی لگ گئی تو کہیں وہ عارض سے بدولت نہ ہو جائے، میں ایسا مگر بھی نہیں چاہوں گی مگر عثمان بہت جذباتی

ہے اور فاروق بھائی کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کس وقت کیا کہہ دیں عثمان کے سامنے۔ وہ عارض کو چٹان سے دوڑ رہے کا مشہور بھی دے چکے ہیں۔ بیلا کا لہجہ سچ ہوا تھا۔

”میں جانتی ہوں کہ فاروق بھائی نے ایسا سوچ کر جنہیں شدید چوٹ پہنچائی ہے، مگر یقین کرو کہ وہ اس سے زیادہ بکھر نہیں کریں گے، یہ بات وہ بھی جانتے ہیں کہ عثمان کس حد تک جذباتی ہے، عروسہ آئی اور تمہارے سامنے وہ جو کچھ کہیں کر عثمان کے خلاف اس حد تک جانے کا وہ صرف ارادہ کر سکتے ہیں مگر مل بھی نہیں کر سکتے۔“ خرمین اپنے شاک سے لگتے ہوئے اسے قہر سے دے رہی تھی۔

”سب کچھ جانتے ہوئے بھی فاروق بھائی کا ایسا سوچنا غلط ہے، اگر عثمان درمیان میں نہ ہوتا تو ان کا یہ چاہنا جائز تھا اور میں بھی ان سے اتفاق کرتی۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ویلا بری طرح چوکی تھی۔
”وہی جو تم کچھ بھی ہو، مایا یا باکو تم سے بہتر یہودی نہیں مل سکتی تھی۔“

”چپ ہو جاؤ خرمین! مجھے وحشت ہو رہی ہے۔“ خرمین کی سنجیدگی نے اسے گھبراہٹ ہی میں مبتلا کیا تھا۔
”میں دوسرے معنوں میں یہ بات کہہ گئی، ورنہ ان حالات میں تو واقعی ایسا ناممکن ہے۔“ کچھ شرمندہ ہو کر خرمین نے کہا تھا اور پھر عثمان کی آواز پر بیلا کے ساتھ ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
”کہاں غائب تھے اتنی دیر سے، مگر سے نکل کر واپس آنے کا ہوش نہیں ہوتا تمہیں۔“ بیلا کڑک لہجے میں اسے ایک پل کو حیران کر گئی تھی۔

”کیا ہو گیا کھترمد! بندے کو دیر سو رہی ہو جاتی ہے، واپس آؤ تو کیا ہوں تمہارے لیے۔“ عثمان کا جواب بیلا کو شرمندہ جبکہ خرمین کو بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا۔

”بات سنو! بڑے نازاٹھانے جا رہے ہیں نئی بھائی کے، ان کے لیے جزیہ کا انتظام بھی کر لیا۔“ خرمین نے کہا تھا۔
”ارے چھوڑو، ہم نازاٹھا کر تھک گئے اور وہ ہمارے بھیا کے ساتھ دو عیسائی اڑانے میں مصروف ہیں، ابھی بھی گھر سے غائب ہیں۔“ وہ بولا تھا۔

”نبی ہو نا چاہیے تمہارے ساتھ، اتنا نہ ہوا کہ جزیہ کا نکشن ہمیں دے دیتے۔“ خرمین نے اسے گھر کا تھا۔
”تمہیں کیا ضرورت ہے نکشن کی، چار سواستی کا وہ لٹ تو خود ساتھ لیے گھومتی ہو اور طعنے مت دینا تو اخوان کے، نکشن دیا تو ہے تمہارے گھر میں، اللہ چاہے ایسے پڑوسیوں سے انگی پڑاؤ تو کچھ پڑ لیتے ہیں۔“

”زیادہ باتیں نہ بناؤ، اگر تم نے نکشن دیا بھی ہے تو اپنے یا رکھو اسی کے کمرے کی لائٹ اور چکھا آن ہے۔“ خرمین جل کر بولی تھی۔

”تم بھی اپنا اخلاق اچھا کر لیتیں تو آج تمہارے کمرے میں اندھیرا نہ ہوتا اور معاف کرنا میرا دوست تمہاری طرف نہیں ہے، اگر لائٹ رات بھر غائب رہی تو اس کے کمرے کے چلے چکے کے نیچے تم ہی سو رہی ہو گی، یہ طعنے اس کے سامنے جا کر وہ جو تمہیں جانتا نہ ہو۔“

”میں کرومائی! اپنی روکنے کی کوشش کرتی بیلا نے اسے رد کا تھا جولا نے کے موڑ میں تھا۔

”لوئے دو اسے، یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے بھائی کے ویسے میں شرکت نہ کروں تو میں بھی نہ آنے کی قسم ابھی لیا نہیں گی۔“ خرمین کا بھڑکنے لازی تھا۔

”رہنے دو تمہارا نہ آئی اچھا ہے، کوئی فرق نہیں پڑے گا ہمیں۔“

”مان! بری بات ہے، کیا بولے جا رہے ہو۔“ خرمین کی خاموشی پر بیلا نے اس بار شجیدگی سے عثمان کو کڑکا تھا جبکہ خرمین جو صفے میں جانے کے لیے تیار تھی اپنی طرف آتے عارض کو کچھ کر رک گئی تھی۔

”عارض! تم کیوں چائے لے آئے، میں بنا کر لے آتی۔“ بیلا اس کے ہاتھوں میں ڈرے دیکھ کر بولی تھی۔

”کیوں تم کیوں بنا کر لاتیں چائے، میں کیا اسی لیے تمہیں اپنے گھر میں لایا ہوں؟“ عثمان بکڑا تھا۔

”اور وہ جو دن رات تمہارے منہ اٹھا کر آ جانے والے رشتے داروں کی خدمت میں دن رات لگی ہے وہ تمہیں نظر نہیں آتا مگر ہمارے لیے چائے لانا تمہیں کھلک رہا ہے۔“ خرمین بھی بھڑک کر بولی تھی۔

”ہوا کیا ہے یہاں؟“ عارض دنگ تھا۔

”کچھ نہیں! پار! خوشنواہ کے طعنے دے رہی ہیں، ان سے ہضم نہیں ہو رہا کہ بس تمہارے کمرے میں لائٹ آن ہے زرا بتاؤ ان کے لبا حصور نے پورے گھر کے لیے نکشن لینے سے منع کر دیا تھا۔“ عثمان جھلا کر بولا تھا۔

”یہ بات تم پہلے خرمین کو نہیں بتا سکتے تھے؟“ بیلا نے ناگواری سے کہا تھا۔

”پہلے اس کی زبان پر قلعی ہو رہا تھا۔“ خرمین برسا کر بولی تھی۔

”خرمین! کیا بول رہی ہو تم، غلط بات مت کرو۔“ عارض کو ناگوار گزرا تھا جو بولے بغیر نہ دے سکا۔

”تم خاموش رہو، تم نہیں میں اب تک اس کی ساری بکواس سنی رہی ہوں، اب تمہارے سامنے یہ کیا لیاں اچھا بننے کی کوشش کر رہا ہے۔“ خرمین کو آگ ہی لگ گئی تھی۔

”اور تم قہر میں ابھی ہو؟ اگر اتنی ہی ابھی ہو تو اپنے اماں اب کے ساتھ تم بھی عمرہ پر جا رہی ہو تم۔“ عثمان کے اس طعنے نے جہاں خرمین کو تنگ کر دیا تھا وہیں عارض بھی بوکھلا اٹھا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا خرمین تیز قدموں کے ساتھ بڑبڑوں کی جانب بڑھ گئی تھی، بیلا کی پکار بھی اس نے ان ہی کر دی تھی۔

”نبی جا رہے تھے تم، اب خوش ہو؟“ فیصلے لہجے میں بیلا عثمان سے بولی تھی اور پھر خود بھی وہاں نہیں رہی تھی۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی یہ بات کہنے کی، تم جانتے بھی ہو کہ ماموں جان اور مامی کے جانے کے بعد مجھے خرمین کی بحال ضرورت ہے، کچھ کام کرنے ہیں جن کے لیے اس کی موجودگی ضروری ہے، اب تم نے تو اس کے دل میں شک ڈال دیا ہے کہ میں نے اس کے بھی عمرے پر جانے کی بات کیوں نہیں کی، وہ تو یہی سمجھے گی کہ میں فرق کرتا ہوں یا ماموں، مامی کا ٹوٹنا ہی ہوں، کوئی لالچ ہے مجھے۔“ عارض شدید ناگواری کے ساتھ اس پر گرم ہوا تھا۔

”اچھا! میں نے کہہ دیا تو وہ اب غلط سوچے گی، مگر اس سے پہلے یہ سچ اسے نظر نہیں آ رہا تھا کہ تم نے اس کے بھی ہانسنے کا انتظام کیوں نہیں کیا؟“ عثمان خشکیں لہجے میں بولا تھا۔

”اس کیوں کا جواب تو تمہیں اسے سمجھانا ہی تھا تو اب بھی سمجھاؤ۔“

”اپنی غلطی نہیں مانو گے۔“ عارض نے عاجز آ کر کہا تھا۔

”چائے پینے دو مجھے۔“ عثمان نے سر جھٹکتے ہوئے شک اٹھایا تھا۔

واپس نیچے آتے ہوئے اس نے دیکھا تھا احمد حسین تو مگن میں ہی بیٹھ بچھائے سوچنے لگے جبکہ برآمدے کے اسٹیپ پر بیٹھی خرمین اپنا سیل فون چیک کر رہی تھی، پیشانی تک دوپٹہ گرائے وہ بس ایک ہل کے لیے قریب آتے عمارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی، جو کچھ فاصلے پر اب بیٹھ رہا تھا۔

”تم تو جانتی ہو، ماں کو بلا سوچے کبھی بولنے کی عادت ہے، جنہیں تنگ کرنے کے لیے وہ کچھ بھی بول جاتا ہے، میں جانتا ہوں اس نے جو کہا وہ تم نے محسوس کیا ہے، میں اسی بارے میں تم سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔“ ایک ہل کو رک کر عمارش نے اس کے تاثرات کو دیکھنا چاہتا مگر تار کی کی وجہ سے ناکامی ہوئی تھی۔

”میں ابھی ماموں جان اور مامی سے یہ سب چھپائے رکھنا چاہتا ہوں کہ میں ان دونوں کے لیے ایک مگر خرید رہا ہوں۔“

”مگر خرید رہے ہو مگر کہاں؟“ خرمین نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

”اب اس بارے میں، میں سب کچھ نہیں ماموں جان اور مامی کی عمر سے پرور اگلی کے بعد بتاؤں گا، مگر کلاسارایت اپ تم نے ترتیب دینا ہے اور ظاہر ہے میری مدد کے لیے تمہارا یہاں موجود ہونا لازمی ہے، تم جلیزے نریت سوچنا کہ میں ماموں جان اور مامی کے ساتھ ہی قفل ہوں۔“

”میں ایسا کیوں سوچنے لگی، اللہ نے چاہا تو اگلی بار میں بھی اسی اور بابا کے ساتھ جاؤں گی۔“

”صرف تم ہی نہیں، وہ دو نابولہا۔“

”ظاہر ہے تم نے ہمارا بیچھا کہاں چھوڑا ہے۔“ اس کے جتانے والے انداز پر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

”میرے ماں باپ کے لیے تم اپنا اتنا پیسہ خرچ کرو گے، تمہارے رشتے داروں نے اعتراض اٹھایا تو؟“ وہ کچھ ناگواری سے پوچھ رہی تھی۔

”جی ہاں بات تو یہ کہ میرے معاملے میں تم میرے رشتے داروں کو درمیان میں مت لایا کرو، وہ اعتراض تب کریں گے جب انہیں ایسا کوئی حق حاصل ہوگا، دوسری بات یہ کہ تمہارے ماں باپ اسے میرا بھی ایک رشتہ ہے، جسے تم بھی جانتی ہو۔“ وہ بیچیدگی سے بولا تھا۔

”جنہیں لگتا ہے کہ بابا اس مگر کو چھوڑنے کے لیے راضی ہوں گے؟“ خرمین نے پوچھا تھا۔

”اس مگر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا ان کے لیے ہی نہیں، ہم سب کے لیے بھی مشکل ہے، میں بس انہیں ایک اچھے سے مگر کا تحفہ دینا چاہتا ہوں، اس مگر سے کوئی چیز ادھر ادھر نہیں ہوگی، ماموں جان اور مامی جب چاہیں یہاں وقت گزاریں اور جب ان کی خوشی ہو وہ نہ مگر میں رہیں، بیٹھے میں اگر ایک دن بھی نہ مگر میں وہ گزارنے کے لیے راضی ہو گئے تو میرے لیے کبھی بہت ہے، میری محنت دیکھاں نہیں جائے گی۔“ وہ عجیب سی مسرت سے بولا تھا۔

”تم اسی بابا کے لیے اتنا کچھ کر رہے ہو، کتنی محبت کرتے ہو ان سے؟“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد خرمین نے پوچھا تھا۔

”اگر یہی سوال میں تم سے کروں تو جواب دے سکو گی؟“

”ظاہر ہے میری محبت کی تو کوئی حد نہیں ہے اپنے ماں باپ کے لیے، مگر تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم اسی بابا سے بہت محبت کرتے ہو، اتنی نہیں جتنی میں کرتی ہوں، مگر کرتے ہو۔“ اس کے سمجھانے والے انداز پر عمارش جو حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا، بیٹھ اپنی مسکراہٹ روک رہا تھا۔

”تم میرے کمرے میں جا کر سو جاؤ، وہ تمہارے شایان شان تو نہیں مگر مجبوری ہے۔“

”میں نہیں تخت پر سو جاؤں گی، اس خبیثت کا احسان لینے سے تو یہی بہتر ہے۔“ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

”میں اسے نہیں بتاؤں گا۔“

”نہیں، اپنی ٹینڈر خراب مت کرو، مجھے تو گھر میں ہی رہنا ہے، تم نے صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے، اب جاؤ سو جاؤ جا کر۔“ اس کے نرم لہجے پر عمارش مزید کچھ نہیں کہہ سکا تھا، وہ کبھی کبھی تو اتنی اپنائیت کا مظاہرہ کرتی تھی، اس وقت اگر وہ کبھی کہہ جاؤ گا کہ وہ اپنی فینڈ سو جاؤ تو عمارش نے فوراً عمل کرتے ہوئے فرمایا وہ داری کے ریکارڈ تو ڈالنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

گلاس پانی سے بھرتے ہوئے بیٹھانے چونک کر اسے دیکھا تھا، جو کچن میں داخل ہوا تھا۔

”ماں! فوراً پلے جاؤ یہاں سے، کل کی طرح اگر آج بھی بھابی نے ہمیں بات کرتے دیکھا تو میری خیر نہیں ہے، کڑی بھرائی کر رہی ہیں وہ میری۔“ پانی کے گھونٹ لیتے ہوئے بیٹھانے کہا تھا۔

”نہ میں کل تم سے کوئی رویہ تنگ لگتا کروں گا، اب آج تمہاری سرپلی آواز سننے کے لیے بے تاب ہوا ہوں۔“ وہ ناگواری سے بولا تھا۔

”اچھا تو پھر تمہیں بھی شٹلے پانی کی طلب یہاں لے آئی ہے، یہی لو۔“ اسے سر پر اٹھل لاقو تو یاد آجیسا ہوگا۔“ بول جانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھانے گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا تھا جسے لکڑیٹھان نے پھیل پر پٹ دیا تھا۔

”تم اسے سمجھا مگر نہیں لاسکتی تھیں، آج بھی اس نے آنے سے انکار کر دیا، مگر میں سب کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ مجھ سے ٹھکرے لگاتی ہے۔“

”آہستہ وار تم ہی ہو، خواہ تو وہی زبان و رازی کی تم نے، اس بات کا بھی لحاظ رکھ لیا کرو کہ اس نے تمہیں قرآن پڑھایا ہے۔“ بیٹھانے اسے شرمندہ کرنا چاہتا تھا۔

”اس نے بھی تو ذرا سی بات پر کہہ دیا کہ وہ بھابی کے ویسے میں شرکت نہیں کرے گی۔“ وہ جھلا کر بولا تھا۔

”اس نے کہا تو چتری کیلیر نہیں ہو گیا تھا، مگر اب تو وہ واقعی نہیں آئے گی، مجھ سے صاف کہہ چکی ہے، میں آخر کتنا ناگوار لب قسمیں ہی جا کر اس کا منہ ٹھنڈا کرتا ہوگا۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔“

”پھر مننا سب کی چٹکا دیں، بھابی نے کہہ دیا ہے کہ تمہیں اس سے معافی مانگنی ہوگی۔“ بیٹھانے لہجے میں بولی تھی۔

”تم اسے کسی طرح ویسے کی تقریب اینڈ کرنے پر راضی کرو، میں وہاں لازمی اس سے ایکسکلیوڈ رکھوں گا۔“ لاجپت نے اسے عثمان نے اس کا ہاتھ جھپٹ لیا تھا۔

”ماں! امیر! ہاتھ چھوڑ دو، کوئی آجائے گا۔“ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی وہ دلی آواز میں جھنجھکی تھی۔

”پہلے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم کل صبح ہی خرمن کو مٹا کر گھر لاؤ گی۔“

”عثمان! عروس کی کڑک دواؤں پر بیلا کا دل اچھل کر ملحق میں آیا تھا۔“

”مگر کیا عثمان، دو دنٹ ٹھہر جائیں پہلے اس سے توبہ بات کر لوں، ورنہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔“ وہ جھلا کر ان سے مخاطب ہوا تھا مگر بیلا کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

”ارے، یہ فتنہ پروہ تو میرے ہاتھوں سے اس دنیا سے نکلے گی، بکثرت کو اب بھی جہنم نہیں ملا مجھے اپنے شوہر اور بھائی کے درمیان فٹ بال بنا کر۔“ عروس نے قریب آتے ہی دو ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر کہے۔

”اسے کیوں نہیں مارتیں، اس نے زبردستی میرا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔“ بیلا نے رو ہانسی ہونے کی کوشش کی تھی۔

”یہ جب تک خرمن کو مٹا کر یہاں لانے کا وعدہ نہیں کرے گی، میں ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔“ عثمان ڈھٹائی سے بولا تھا مگر اگلے ہی پل عروس اس کا کان پکڑ کر کبھی اکھیرنے کی خواہش کی تھی۔

”سیدھی کرے میں جاؤ، صبح تک میری اجازت کے بغیر کمرے سے نکلی تو ناگھیں ہی تو زدوں گی۔“ عثمان کا کان آزاد کیے بغیر انہوں نے بیلا کو گھورا تھا جو اپنی کٹائی سہارا رہی تھی۔

”یہ تو میرا ہاتھ ہی تو زودیتا، پورا جاناور ہے آپ کا بھائی۔“ بیلا جھل کر بولی تھی۔

”اپنے بھائی کو کبھی کبھی غور سے دیکھ لیتا۔“ فتنے میں عروس کی زبان جھل گئی تھی اور وہ جو اپنا کان چھڑانے کی کوشش میں تھا سب کچھ بھول کر انہیں دیکھا تھا۔

”آئی! یہ کیا کہہ رہی ہیں، یعنی میرا شک بالکل درست تھا، آپ کے شوہر واقعی۔“

”کہو اس مت کرو۔“ اس کے شانے پر چھوڑ سید کرتی وہ بمشکل مسکراہٹ روک سکی تھیں۔

”شرافت سے جا کر خرمن سے معافی مانگو ورنہ میں برہان سے کہہ چکی ہوں گردن سے پکڑ کر تھیں لے جائے گا۔“

”سب کا زور مجھ پر ہی چلا ہے۔“ کالر جھٹک کر ٹھیک کرنا وہ جذباتی ہوا تھا۔

”سارے بدلے تم سے گن گن کر لوں گا اڑیل بھائی کی، لیکن! بیلا کو لگا کرتے ہوئے اس نے عروس کو دیکھا تھا اور بروقت ہی ان کے ہاتھوں سے بچا لیکن سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ہم اندر آ جائیں؟“ بیلا کی آواز پر وہ جو بیٹھ ٹھیک کر رہی تھی، چونک کر بیلا کے ساتھ برہان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

”رکے کیوں ہیں، اندر آئیں۔“ مسکراتے ہوئے اس نے برہان سے کہا تھا۔

”میرے ساتھ تمہارا ایک ہلاکتی شاگرد بھی ہے، اجازت ہو بلا لوں؟“

”آپ تشریف رکھیں، غیر ضروری چیزیں بلا اجازت ہی نازل ہو جاتی ہیں۔“ خرمن کے جتانے والے انداز پر برہان دھیرے سے ہنسنے ہوئے کرسی پر براہِ راجہ ہوا تھا سب ہی عثمان کھٹکھٹاتے ہوئے اندر آ گیا تھا۔

”کہاں رو گئے تھے، یقیناً ورد کر کے حصار کھینچ رہے ہوں گے۔“ بیلا نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔

”میں جوتے باہر اتار رہا تھا، یہ تو ہمیں پتہ ہے کہ استانی نفیاتی ہے۔“

”میں اسے بہت ماروں گی، پہلے ہی یہ میرا بہت دماغ خراب کر چکا ہے۔“ برہان سے مخاطب ہوتے ہوئے اس نے کہا جانے والی نظروں سے عثمان کو دیکھا تھا، جو ڈھٹائی سے ہڈیاؤں رنگ کے کنارے تک گیا تھا۔

”یہ پر فحیم تو بہت زبردست لگ رہا ہے، چیک کروں؟“ وہ مزید اسے جا رہا تھا مگر خرمن سرعت سے آگے بڑھ کر پر فحیم اس سے بچھٹ چکی تھی۔

”انسان میں جاؤ عثمان! پلو، خانی مانگو خرمن سے میرے سامنے۔“ برہان نے تنبیہ کی اسے گھر کا تھا۔

”بھائی! آپ کا بھائی سر کرنا سکتا ہے مگر کسی صورت کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا۔“ عثمان جھک کر بولا تھا۔

”خرمن! اس کا تو ہو گیا ہے دماغ خراب و معاف کر دو اسے، تمہیں پتہ ہے کہ یہ پیدائشی جنونی ہے۔“ برہان نے عاجز آ کر کہا تھا۔

”تمہارے معاملے میں تو یہ ہر دور میں جنونی رہا ہے۔“ بیلا نے کھٹکھٹاتے ہوئے خرمن سے کہا تھا۔

”اس کا جنون تو میں دو جنوں میں ختم کر دوں گی، برہان بھائی! یہ مجھے کہہ چکا ہے کہ آپ کے ویسے میں میرے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“

”میں اسے اسٹینٹ پر اب بھی قائم ہوں۔“ عثمان کے فوراً ہی کہنے پر خرمن تپ کر کچھ کہتے کہتے دک کر برہان کی طرف متوجہ ہوئی تھی، جسے ہلکی سی کھانسی کا ایک ہوا تھا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“

”ہاں، بس شاید موسم کا اثر ہے، مجھے کوئی ٹشو پیچہ دو ذرا۔“ برہان کے کہتے ہی خرمن فوراً حرکت میں آئی تھی۔

”یہ موسم کا اثر نہیں ہے، ایک شریف بندے پر زور آزمائی کی سزا ہے۔“ عثمان نے جتنا پایا تھا۔

”یہ باتیں تم پر چھٹی نہیں ہیں لہذا اب ہیز کیا کرو۔“ اس کی طرف آتی خرمن نے فوراً پر فحیم اس سے لیا تھا جسے وہ دوبارہ پکڑے بیٹھا تھا، عثمان کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں، سرخ ریشمی رومال پر پر فحیم کا سپرے خرمن نے کیا تھا اور ایک خوش بھری نعرہ عثمان پر ڈال رہی برہان کی طرف آ گئی تھی۔

”اس کی کیا ضرورت تھی، یعنی! اتنا پیارا رومال ہے اسے تو استعمال کرنے کا دل بھی نہیں چاہے گا۔“ رومال اس سے لپٹے ہوئے برہان نے کہا تھا جبکہ بیلا نے مسکراتے ہوئے عثمان کو دیکھا تھا جو ڈھیر رنگ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”چند دن ہوئے نہیں آکر کہ مہکنا رومال ہتھیا گئے، مطلب ہم پر دوسری جو برسوں سے حسرت دل میں لیے گھوم رہے ہیں کیا سوچ پھیلان بیچنے آئے ہیں، یہ انصاف نہیں ہے، ایک سکیم زنی ذرا یہ رومال دو دنٹ کے لیے ملے گا؟“ تاسف سے کہتے ہوئے عثمان نے رومال لینا چاہا تھا مگر برہان نے فوراً اسے پاکٹ میں رکھ لیا تھا۔

”برہان بھائی! اب کسی افواہ کے لیے آپ تیار رہیں گے۔“ بیلا نے کہا تھا۔

”مگر آپ سے صاف کہہ رہی ہوں، یہ جب تک مجھ سے معافی نہیں مانگے گا، میں آپ کے ویسے میں آنے کے لیے جہنم نہیں ہونے والی۔“ خرمن قطعی انداز میں فیصلہ سنارہی تھی۔

”یہ تم سے معافی مانگے گا اور ابھی مانگے گا عثمان۔“ برہان نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”لامال کے بارے میں نیگم کو خود بتائیں گے یا مجھے زبان کھولنی پڑے گی؟“ کچھ عرصے میں وہ آ گیا تھا مگر باز نہیں

”معافی مانگو معافی“۔ خرمن کے قریب ہو کر بیٹا نے ترحم کر کہا تھا۔

”جسٹیں کیا لگ رہا ہے میں کیا استانی سے دل مانگنے کی نیت رکھتا ہوں؟“

”تمہارا کوئی بھروسہ نہیں، یاد دل رہی ہوں“۔ بیٹا نے جتا تھا۔

”دل سے معافی مانگو خرمن سے نظرم آ کر نہیں ٹوٹیں“۔

”یہ میرے کندھے تک تو پہنچتی نہیں فیس ٹوٹیں تو بیٹے کر بات ہو سکتی ہے۔“

”میں اب چیل اٹھانے والی ہوں“۔ اس کے تسخراڑانے پر خرمن نے وارن کیا تھا۔

”بھیا! اجازت ہے“۔ گردن موڑ کر عثمان نے برہان سے پوچھا تھا۔

”ہاں بالکل کرتا ہوں اردو میں معافی مانگنا“۔ برہان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”میری اردو ابھی ٹکس ہے۔“

”ہاں، پتہ ہے افریقہ میں پیدا ہوئے تھے“۔ بیٹا فوراً بولی تھی جبکہ خرمن بس ضبط کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی R

چہرے پر سنجیدگی لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تم اس دنیا کی پہلی خاتون ہو جس سے میں کوئی انتہا بہت دل سے کر رہا ہوں۔“

”خرمن! یہ کوئی فضول بات کرے تو میری طرف سے اجازت ہے جڑوینا ایک تھپڑ“۔ اس کے تیردیکھتے ہوئے

برہان نے خرمن کو خیردار کر دیا تھا۔

”بھائی! فاران سے آتے ہوئے کیا سارے میسرز وہیں چھوڑ آئے تھے، کراس ٹاک نہیں کرتے“۔ عثمان نے بڑی

سنجیدگی سے نوکا تھا۔

”اپنی بات کر دو، میں بھی تو سنا ویسے بھی کون سے الفاظ ہیں جو تم نے خرمن کے لیے سنیا ل رکھے ہیں“۔ بیٹا نے

جلیسی کے ساتھ کہا تھا مگر عثمان تو خرمن کی ناگوار نظروں میں ہی کھویا ہوا تھا۔

”مائی ڈریم گرل! اول یو میری می؟“

”عثمان! بیٹا اس پر چٹکی تھی جو خرمن کے تیار تھپڑ سے چٹا، برہان کی گرفت سے جھکاؤی دے کر بھاگتا کرت

سے نکل گیا تھا۔

~~~~~

وسیع و عریض میرٹھ لائن روشتیوں سے جنگ کر رہا تھا، لا تعداد خوشنما چھوٹوں کا ارتعاش بہت زبردست تھا، عثمان کے

گھر والوں کے ساتھ وہ پہلے ہی پہنچ چکی تھی، فاطمہ اور احمد حسین کو یہاں ڈراپ کر کے عارض باہر ہی سے میسرزہ کو پک کرنے

چلا گیا تھا، مہمانوں کی آمد آہستہ آہستہ جاری تھی لہذا دلہا دلہن کے ساتھ گھر والوں کا فوٹو سیشن عثمان نے پہلے ہی شروع

کر دیا تھا، فاروق کی موجودگی میں جہاں وہ بہت سنجیدہ تھا وہیں بیٹا بھی بہت سنبھل کر ایک طرف ہو گئی تھی، والدین خرمن

عارض کے کمرے سے خود بھی تصویریں لینے میں مصروف تھی، عثمان قریب ہی موجود نکل کے گرد اپنے ماں باپ کے ساتھ

بیٹھے احمد حسین اور فاطمہ کو بھی بڑی التجاؤں کے بعد فوٹو سیشن کے لیے لے آیا تھا۔

”تم کہاں چڑھ گئیں، ہلو تصویر کا اسٹیج ہی خراب ہو جائے گا“۔ وہ جو عروس کے کہنے پر فاطمہ کے برابر میں بیٹھ رہی

تھی عثمان کی آواز کے ساتھ اس کی ارد گرد موجود کزنز کے ہنسنے پر کھول اٹھی تھی۔

”ہرے، خرمن! اینٹھو کہاں اس کی باتوں کو سنجیدگی سے لے رہی ہو؟“ خرمن کے چپ کراٹھ جانے پر عروس فوراً مٹانے

آگے بڑھی تھیں۔

”نہیں، میں اب بیٹا کے ساتھ ہی فوٹو ہواؤں گی“۔ عروس کو مطمئن کرتی وہ خوبصورت اسٹیج سے اترتی عثمان کو گھورتا

نہیں بھولی تھی، جوں جوں ہلانے والی سکر اٹھ چہرے پر سجائے بظاہر تصویریں لینے میں مگن تھا۔

”میں اسے یہیں سب کے سامنے کوٹ دوں گی، خواہ مخواہ ابھڑ رہا ہے“۔ بیٹا کے قریب جاتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔

”کوٹ دو تا کہ اس سے غار کھانے والوں کو بھی کچھ تسکین مل جائے“۔ بیٹا کے تختے پر وہ چوکی تھی، ایک نگاہ اس

نے فاروق پر ڈالی تھی، جو بڑے خوشگوار موڈ میں اپنے سر سے ٹوگٹکو تھے۔

”کیسا نہیں کہتے بیٹا اوہ جیسے بھی ہیں تمہارے بھائی ہیں۔“

”نہیں ہیں وہ میرے بھائی، ان کی نظروں میں میرا کردار خراب ہے، جنہیں کیا معلوم کہ وہ اس وقت میری کتنی کڑی

نگرانی کر رہے ہیں“۔ بیٹا کا چہرہ شدت منہ سے سرخ ہوا تھا۔

”تم اس وقت ان کی پرواہ مت کرو، میرے لیے خوش نظر آؤ، خیردار جو ایسا چہرہ بنایا تم نے“۔ خرمن نے ناراضی سے

اسے مگر کا تھا۔

”کتنی سیاری لگ رہی ہو اس ڈریس میں، لگتا ہے سرخ رنگ تمہارے لیے ہی بنا ہے، کہیں اس بظاہر کی نظر ہی نہ لگ

جائے تمہیں“۔ تعریف کرتے ہوئے خرمن نے دور کھڑے عثمان کو گھورا تھا اتفاق سے وہ بھی اسی وقت خرمن کی طرف متوجہ

ہونا چوٹک گیا تھا۔

”ایسا تو مت کہو، آج تو وہ دلہا سے زیادہ ڈشنگ لگ رہا ہے، مہرون ٹکری ٹرٹ کتنی بیچ رہی ہے اس پر“۔ قریب

آتے عثمان کو گھٹتی بیٹا نے تعریف میں بالکل نکل سے کام نہیں لیا تھا۔

”تم کیوں گھور رہی ہو مجھے دور دور سے، ہمت ہے تو میرے منہ پر میری برائیاں کرو، نصیحت کرنے کا بڑا شوق ہے

جنہیں“۔ وہ قریب آتے ہی خرمن پر چڑھ دیا تھا۔

”دفع ہو جاؤ، میں کیوں کرنے لگی نہیں؟“ خرمن نے بھڑک کر اسے دور بٹایا تھا۔

”وہ بھگت مت دینا، خواہ مخواہ کھانے کے یہاں ہے۔“

”ڈوب کر مر جاؤ“۔ اس کے بازو پر تھپڑ رسید کرتی خرمن اپنی ہنسی نہیں چھپا سکی تھی۔

”کچھ دیر رک جاؤ، فوٹو گرافر فارغ ہو جائے، تو تم دونوں کی تصویریں ہواؤں گا، ویسے یہ چہرے ہوتے ہیں فوٹو

ٹیک“۔ عثمان نے مگھری نظروں سے بیٹا کے سچے سنورے چہرے کو دیکھا تھا۔

”ڈرا آپے میں رہو، فاروق بھائی کی لگا ہیں یہیں گھوم رہی ہیں“۔ خرمن نے خبردار کیا تھا۔

”ندہ باز آئے والے ہیں نہ ہم شمع کے گرد منڈلانے سے، کیوں؟“ مسکراتی نظروں سے عثمان نے بیٹا سے تانیہ

پائی تھی جو دھیرے سے ہنسی تھی۔

”لو بھئی عثمان! تمہاری خاص الخاص مہمان تشریف لے آئی ہیں۔“ خرمن نے ان دونوں کو میزہ کی طرف متوجہ کیا تھا جو عارش کے ہمراہ اسی جانب آرہی تھی۔ ہاتھوں میں موجود گفٹ پیک وہ عارش کو تھماتی سرعت سے قریب آئی خرمن نے بیلا سے گلے ملتی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ عارش کی نظریں خرمن کے جھللاتے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں، تقریباً سیاسی مائل گہرے سبز رنگ کے لباس میں وہ بلیوس تھی، لمبی سی فراک کے کناروں پر خوبصورت لیس نے اس کے لباس کو مزید اسٹائلش بنادیا تھا، دائیں شانے پر دوپٹہ ڈالے چہرے کے گرد لباس کا ہم رنگ سبز اسکارف لپیٹے وہ ایک بار پھر کچھ کہتی میزہ سے گلے مل رہی تھی، نفاست سے کیے گئے میک اپ میں وہ کالج کی گڑیا ہی دکھائی دے رہی تھی، عارش کی نگاہیں اس کے چہرے سے پھسل کر اس کے ہاتھوں پر آٹھہری تھیں، جو بزر چوڑیوں اور پھولوں کے نقش سے سجے ہوئے تھے۔

”بس کرو، بلیوس کی طرح چپاؤں میاؤں کرتیں گلے لگے جا رہی ہو، عید گاہ میں کھڑی ہوتیوں؟“ عثمان نے بیزاری سے کہا تھا۔

”تم کیوں جل رہے ہو، ہم تینوں بیٹ فرینڈز ہیں، کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے ورنہ رات گئے تک فون ہی پر رابطہ رہتا ہے۔“ میزہ چپک کر بولی تھی۔

”جب ہی میں کہوں، تمہارا نمبر کیوں رات بھر بڑی رہتا ہے۔“

”عارش! تم سن رہے ہو یا نہیں؟“ میزہ نے خاموش کھڑے عارش کو گھورا تھا۔

”وہ ابھی صرف سن ہی رہا ہے، ایک ساتھ سارے جواب دے گا۔“ عثمان فوراً بولا تھا۔

”اور تمہارے لیے تو پوری لسٹ تیار ہو رہی ہے۔“ وہ خرمن کو پھر چھیڑ گیا تھا۔

”ویسے آج تو بڑے لشکارے مار رہے ہو، خوشی سے یا کسی کا ٹکس پڑ رہا ہے؟“ معنی خیز لہجہ میں عثمان سے پوچھتے ہوئے میزہ نے بیلا کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”ہمیں کسی ٹکس کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کا شکر ہے، چاہو تو ابھی مقابلے پر لے آؤ کسی کو بھی، پانی بھرتا ہی نظر آئے گا۔“ عثمان نے فخر سے کالر جھاڑے تھے۔

”اچھا، یہ بات ہے.... عارش! ذرا اس کے برابر میں آنا۔“ میزہ نے فوراً گفٹ پیک عارش سے لیتے ہوئے کہا تھا۔

”رہنے دو یا ر! یہ لڑکیاں تو خواہ مخواہ جذباتی ہو جاتی ہیں۔“ فوراً ہی نون بدلتے ہوئے عثمان نے جس طرح عارش کو قریب آنے سے روکا تھا، اس نے بے ساختہ ہستے ہوئے عثمان کے شانوں پر بازو نکاتے ہوئے قریب کر لیا تھا، بلیک جنر کے ساتھ لائٹ پنک شرٹ میں عارش کا چہندسم چہرہ بھی کچھ پینش ہو رہا تھا۔

”ایسے ہی کھڑے رہو دونوں، میں فوٹو لے رہی ہوں۔“ خرمن نے بروقت کہا تھا اور ان دونوں کی فوٹو کیمرے میں محفوظ کر لی تھی۔

”عارش! یہ اپنا کیمرہ سنبھالو اور ذرا اب ہم تینوں کی فوٹو بناؤ۔“ خرمن نے کہا تھا، عارش اور عثمان دونوں کے کیمروں میں ان تینوں کی تصویریں بھی محفوظ ہو گئی تھیں۔

”عارش! کیمرہ خرمن کو دو اور تم میرے ساتھ ایک فوٹو بناؤ۔“ میزہ کی ہدایت پر عارش نے عمل کیا تھا۔

”اب میری باری۔“ عارش کے ہنسنے پر عثمان، میزہ کی طرف آیا تھا۔

جاری ہے



# کبھی انوکھی بیوی نہ ہوتی

”خیر وارا مجھے اپنے باپ بھائیوں کو شغل دکھانی ہے، تم میرے لیے نامحرم ہو“۔ نیز وہ جس طرح بدگ کردور بنتی ہوئی تھی، خرمین اور بیلا کی ہنسی مٹان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بلند ہوتی ملی گئی تھی، ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے خرمین نے



خبردار: روڈ کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی روڈ اکو باڈا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی رائلٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

کسرہ عارض کو تنہا تھا اور اس کے بازو کا سہارا لیتی اس کی پشت کی طرف چہرہ چسپا لگی تھی، منجیدہ ہی مسکراہٹ کے ساتھ عارض نے پہلے اپنے بازو پر رکھے اس کے نازک ہاتھ کو دیکھا تھا اور پھر اسے جواب دو بارہ مٹان کی طرف متوجہ ہو رہی تھی، ہنسی روکنے کی کوشش میں اس کے دیکھتے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ دل میں عہد کر رہا تھا کہ یہ مکمل سلائی ہنسی اس کے دس بھرے ہونٹوں پر ہمیشہ کے لیے بھاڑے گا۔

☆ ☆ ☆

ڈرائنگ روم کے باہر کی دو سانس روکے اندر سے ابھرتی آوازوں کو سن رہی تھی، اسے لگ رہا تھا کہ روح اس کے



جنم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے، اندر اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔

"دیکھو برہان! جس کام کے لیے میں پہلے ہی انکار کر چکا ہوں، بار بار اس کا ذکر کر کے تم یا کوئی اور میرے لیے جبراً بدل نہیں سکتا، مگر میں شرمندہ ضرور ہوتا ہوں، بہتر ہے کہ تم سب بھی قبول کر لو کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔" فاروق کی سر آواز ابھری تھی۔

"فاروق بھائی! آپ میرے بڑے ہیں، میں آپ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا، بس آپ سے التجا ہی کر سکتا ہوں۔ بیٹا! آپ کی بہن ہے آپ کو اس کے لیے ہر فیصلہ لینے کا حق ہے، مگر وہ مجھے بھی اپنی بہن کی طرح ہی عزیز ہے، میں نے بھی آپ کی اور بیٹا کے درمیان فرق نہیں رکھا ہے، بیٹا اور عثمان دونوں سمجھدار ہیں، وہ دونوں ایک ساتھ بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں، مجھے ان دونوں پر بہت اعتماد ہے۔" برہان نے بہت سنجیدگی سے ایک بار پھر انہیں قائل کرنا چاہا تھا۔

"میں تمہیں یہی سمجھانا چاہتا ہوں کہ وہ مختلف انسان کبھی ایک اچھی متوازن زندگی نہیں گزار سکتے، ان دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے، بیٹا کا حراج جتنا ٹھنڈا ہے عثمان کا اتنا ہی گرم، قصے میں وہ تمہیں، تمہاری بہن کو خاطر میں نہیں لاتا، اپنے ماں باپ کا لالہ نہیں کرتا تو پھر میری یا میری بہن کی کیا حیثیت ہوگی اس کی نظروں میں۔" فاروق کے لہجے میں ناگواری ہی ناگواری تھی۔

"آپ کی کسی بات سے میں اختلاف نہیں کروں گا، مگر وہ دونوں بچپن سے ہی ایک دوسرے کے مزاجوں سے واقف ہیں، آپ ان کی مرضی کو بھی تو مد نظر رکھیں، یہ ان کی بھی زندگی کا فیصلہ ہے، آپ کے اندیشے اپنی جگہ ایک بار آپ صرف اور صرف بیٹا کی خوشی کے بارے میں سوچیں، عثمان کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، بیٹا کو کبھی اس سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔" برہان کا لہجہ انتہائی قہار و انتہائی کر سکتا تھا، سامنے بیٹھا شخص اس کی بہن کا شوہر ہے، اسے یاد رکھنا تھا، بھائی کی محبت میں وہ بہن کی زندگی بے ادب میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

"امریکا میں بیٹہ کرم تم کہاں تک اور کس کس کی ذمہ داری اٹھاؤ گے برہان؟ ماں باپ کا حق ہے تم پر مگر تمہارا بھائی نا بچھو بیٹھیں ہے، جس کی اگلی تم ساری زندگی تھا سہ رکھو گے، مجھے تو آج تک اس کی سرگرمیاں سمجھ نہیں آئیں، کوئی ڈھنگ کا کام اسے سونپ نہیں کرتا، ایک اکیڑی شرواع کی ہے وہ بھی عارش کے ہی کندھوں پر پہلے کی ورنہ تمہارے بھائی میں ایسے کوئی گڈ نہیں ہیں کہ یہ کام کرتا۔" فاروق کے لہجے پر برہان نے ایک نگاہ عروسہ پر ڈالی تھی، جو سب سے نظروں سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں، اس وقت وہ چاکر بھی بھائی کی طرف داری میں بیٹھیں کہہ سکتی تھیں، بھائی کے سامنے انہیں شوہر کے ہاتھوں بے عزت ہونا گوارا نہیں تھا، اور یہ بھی سچ تھا کہ برہان کی خواہش کے باوجود ان کے لیے زبان کھولنا نہ کھولنا ایک برابری تھا۔

"میری جگہ اگر تم ہوتے تو تم بھی یہی سب کہتے جو میں کہہ رہا ہوں تمہارے نزدیک تمہارا بھائی لاکھوں میں ایک ہو سکتا ہے، مگر اس کے اندر ایسی کوئی خوبی نہیں جس کی بناء پر میں اپنی عزت اس کے حوالے کر دوں اور سادی زندگی کے لیے اپنے ہاتھ پر بندھواؤں۔" یکدم رک کر انہوں نے فاران کو دیکھا تھا جو ایک جھٹکے سے اٹھتا ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا، کوئی شک نہیں تھا کہ بیٹے کو باپ کی باتیں ناگوار گزری ہیں۔

"برہان! تمہیں میری باتیں یقیناً ناگوار گزری ہوں گی، شکایت تم کر سکتے ہو، میں سنوں گا، مگر ایک بات تو طے ہے

کہ یہاں ہونا ناممکن ہے، اسی میں دونوں گھروں کی بھلائی ہے، ویسے بھی اس قسم کے اول بدل کے رشتے باقی سارے رشتوں میں بھی دراڑیں ڈال دیتے ہیں۔"

"ایسا صرف آپ کو لگتا ہے، آپ کو لگتا ہے کہ اسی فیصلے میں سب کی بھلائی ہے تو میں اب اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" برہان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"عثمان کو ذرا سمجھا دینا، وہ تو انوکھے آدمی کے لیے چاکر اپنے گھر میں اور میرے گھر میں ڈسٹر بس نہ پھیلائے، ویسے تو اسے سمجھانے کے لیے فرشتے ہی زمین پر آئیں تو وہ سمجھے۔"

"آپ بیٹا کو سمجھا سکتے ہیں؟" فاروق کے لہجے پر برہان بولے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"اس کا دماغ درست کرنے کے لیے میں کافی ہوں، ابھی اسے کیا معلوم کر اسے اپنی زندگی کے اچھے برے کے لیے سمجھنے میں چٹا چاہیے، یہ کام کرنے کے لیے ابھی میں موجود ہوں۔" فاروق کا لہجہ سخت تھا۔

"ٹھیک کہا آپ نے۔" گہری سانس لے کر برہان نے اٹھتے ہوئے ایک نگاہ ساکت بیٹھیں عروسہ کو دیکھا تھا۔

"کل کی وجوہات کا یاد ہے تمہیں؟ کل یہاں رات کے کھانے پر تم سب نے لازمی آنا ہے اور ذرا جلدی آنا، پھر پتہ نہیں کتنے عرصے بعد مل بیٹھنے کا موقع ملے۔" برہان سے مصافحہ کرتے ہوئے فاروق بولے تھے۔

"عثمان نہیں آئے گا، لہذا اسے مجبور مت کرنا، اس کا یہاں کیا کام۔" عروسہ کے سر دلچسپ پر برہان نے بغور فاروق کے بدلے تاثرات کو دیکھا تھا اور پھر خدا حافظ کہتا ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا۔

اپنے کمرے کی اوپننگ پر دی و خالی خالی نظروں سے برہان کو دیکھ رہی تھی جو اس کو دیکھتے دک گیا تھا، بیٹا کا بلدی کی طرح ڈرو چہرہ دل کو مٹھی میں جکڑ گیا تھا، برہان کے لیے بہت مشکل تھا اس سے نظر ملانا۔

"مجھے معاف کر دینا میں تمہاری امیدوں پر پورا نہیں اتر سکا، مگر بہت مت ہارو، کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔"

اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے وہ مشکل بول سکا تھا اور اگلے ہی لمبے اس کی آنسوؤں سے لبریز ہوتی آنکھوں سے نظر چراتا آگے بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک عجیب سا جوش و ولولہ ہرگز رتے لمبے کے ساتھ بوجھ رہا تھا، وہ بہت خوش تھی کیونکہ فاطمہ اور احمد حسین کے چہرے سے چھوٹی خوشی اس کے لیے سکون کا باعث تھی، عروسہ کے لیے روانگی میں اب کچھ ہی دن تو رہ گئے تھے۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہی تھی جب احمد حسین کی آمد ہو گئی تھی۔

"بابا! کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیتے؟" وارڈ روب بند کرتی وہ فوراً ان کی طرف بڑھی تھی۔

"ماں نے والے کو دینے والے کے پاس خود چل کر جانا پڑتا ہے بیٹا! پھر میں کیسے خود آنے کے بجائے تمہیں بلاتا۔"

اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بولے تھے۔

"آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟" خرمین بری طرح دنگ ہوئی تھی۔

"بیٹے کہ بات کر لیں؟" احمد حسین کے کہنے پر وہ شرمندہ سی ہوئی تھی، غلو دکشن کرسی کے قریب کرتی وہ ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گئی تھی۔



”اس طرح مت یمنو خرمن لایا بھر مجھے نیچے بیٹھو دو۔“

”نہیں آپ اوپر کرسی پر رہیں مجھے نہیں بیٹھنا ہے۔“ وہ ہنسنے لگی، اسے اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ احمد حسین بہت عجیب و غریب کی انگوٹھ کرنے والے ہیں اور اس کی چھٹی جس سے ایک انجانے خوف میں مبتلا کر رہی تھی۔

”کبھی کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے اپنی ہی اولاد سے کچھ کہنا۔“ احمد حسین مذاہب کا شکار ہوئے تھے۔

”بابا! میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ مجھے حکم دیں، ایسا بھی کیا ہے جو آپ مجھ سے مانگنا چاہتے ہیں مگر اتنا سوچ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔“ اپنی پریشانی کو چھپانے وہ کچھ ناراضی سے بولی تھی۔

”جب اولاد جوان ہو جاتی ہے تو ماں باپ کو بولنے سے پہلے تاپ تول کر تار ہی ہوتا ہے۔“ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔

”ماں باپ کے سارے خواب اور ان کی خواہشیں اولاد سے بندھ جاتی ہیں، وہ ہمیشہ اپنی اولاد کو خوش اور کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔“ تمہید باندھتے ہوئے وہ ایک چل کو خاموش ہوئے تھے اور ہلکی بل خرمن کو اضطراب میں مبتلا کر گیا تھا۔

”ہر ماں باپ کی طرح میری اور فاطمہ کی ساری خوشیاں تمہاری خوشیوں سے وابستہ ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم کامیاب زندگی گزارو، محفوظ رہو، بر آفت اور پریشانی سے، میرا یہ چاہنا فطری ہے کہ میرے بعد کوئی ہو جو تمہاری حفاظت کرے، تمہیں اس طرح سنبھال کر گھر سے بچا کر رکھے جس طرح میں رکھتا آیا ہوں، مجھے بتاؤ خرمن! کیا میرا ایسا چاہنا غلط ہے؟“ وہ اس سے پوچھ رہے تھے جو سارے نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”مجھے کبھی نہ کبھی اس بارے میں تم سے کھل کر بات کرنی تھی کیونکہ تمہاری ماں نے مجھے بتا دیا تھا کہ تم نے شادی کبھی نہ کرنے کا فیصلہ اسے سنا ہے، میں جانتا ہوں کہ اس کی وجہ کیا ہے، تم کچھ کتنی نہیں ہو مگر تمہارے دل میں جو ہے میں اس سے بے خبر نہیں ہوں، میں تمہیں دنیا کی بھڑی تمہا نہیں چھوڑ سکتا، اس وقت جب مجھے اس دنیا کو چھوڑنا ہوگا، ایک نہ ایک دن تو مجھے!“

”ایسا مت کہیں بابا! ایسا مت کہیں۔“ دہل کر انہیں روکتے ہوئے خرمن کا چہرہ سفید ہوا تھا۔

”حقیقت کو تسلیم نہیں کرنا ہوگا بابا! آج نہیں تو کل، ہمارے بعد تم تہما زندگی نہیں گزار سکتیں، اس وقت کے بارے میں سوچ کر میری کیا کیفیت ہوتی ہے میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا، تم میری اولاد ہو، میرے کچھ نہ کہنے کے باوجود تم میری کیفیت کو، میری فکر کو میری اذیت کو محسوس کر سکتی ہو۔“ اس کے بچتے آنسوؤں کو دیکھتے وہ بول رہے تھے۔

”تم رومت خرمن! میں جانتا ہوں میری باتیں تم کو تکلیف دے رہی ہیں مگر تم بھی جانتی ہو کہ تمہارے آنسو مجھے اذیت دیتے ہیں، میں نے فاطمہ کو اسی لیے ابھی اپنے ساتھ آنے سے روک دیا تھا کہ تم دونوں کے آنسو مجھے وہ سب کہنے نہیں دیں گے جو کہنا ضروری ہے۔“ احمد حسین کے مضطرب لہجہ پر اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔

”شاید اس وقت میں کچھ خود غرض ہو رہا ہوں، مگر صرف تمہارے لیے تمہاری زندگی کے لیے، میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، میں اپنی زندگی میں تمہیں ایک محفوظ اور مضبوط سائبان دینا چاہتا ہوں، میری یہ دیرینہ آرزو پوری ہوگی یا نہیں، یہ فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے۔“ جھکے جھکے لہجے میں انہوں نے خرمن کا راز بتا دیا تھا اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

”ابھی میں اللہ کے گھر حاضری لگانے جا رہا ہوں، تو مجھے تمہاری فکر چین نہیں لینے دے رہی تو پھر اس وقت کیا ہوگا

”مجھے اس دنیا سے جانا ہوگا، کیا تم چاہتی ہو کہ مجھے قبر میں بھی سکون نہ ملے؟“

”یہ سب مت کہیں۔“ بری طرح کہتے ہوئے خرمن نے سر ان کے گھٹنوں سے ٹکادیا تھا۔

”تم صرف آج دیکھ رہی ہو اور میں تمہارا کل دیکھ رہا ہوں، میں تمہیں تمہارے مستقبل کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں خرمن! اپنے لیے کوئی غلط فیصلہ لے کر تم میری ساری ریاضتوں پر پانی مت بھیرو۔“ اس کے سر پر ہاتھ رکھے وہ مزید بولے تھے۔

”ابا! کون ہے آپ کے اور اسی کے علاوہ جو مجھے میری حقیقت کے ساتھ قبول کرے گا، جو مجھے کوئی طعن نہیں دے گا؟“ بچتے آنسوؤں کے ساتھ وہ مشکل ان سے پوچھ کر کھڑی تھی۔

”ہے ایسا انسان جو ہمارے درمیان ہے، قریب ہے، جس سے کچھ چھپا نہیں ہے۔“ اس کے چہرے پر پھیلتے خوف کے سائے دیکھتے وہ بولے تھے۔

”آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟“ خرمن کی آواز گھٹ گئی تھی۔

”تم ٹھیک سوچ رہی ہو، وہ انسان عارض کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“ احمد حسین نے جیسے اس کے کانوں میں صور بھونک دیا تھا۔

”نہیں... عارض نہیں، بابا! آپ اس کے لیے ایسا نہیں سوچ سکتے۔“ وہ دہلنا پھٹی تھی۔

”اگر میں نے عارض کے لیے یہ سوچا ہے تو یہ اس کی ہی خواہش ہے۔“ احمد حسین اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

”آپ اس کی بات مت سنیں، اس نے ہمارے لیے اس گھر کے لیے کچھ کیا، بہت کچھ کرنا چاہتا ہے، وہ آپ کی محبت میں یہ سب سوچ رہا ہوگا، آپ اسے سمجھائیں، میری وجہ سے اسے بھی اپنے خاندان سے کنٹنا پڑے گا، آپ اسے روکیں!۔“ زار و قطار روتی وہ بولی تھی۔

”کس خاندان کا کن لوگوں کا خوف ہے تمہیں؟“ احمد حسین کا لہجہ کچھ سخت ہوا تھا۔

”اپنے مستقبل کو تم ان لوگوں کے خوف سے تباہ کرنا چاہتی ہو، جن لوگوں نے مجھے شہر بدر ہونے پر مجبور کر دیا تھا، ان لوگوں کی پروا کر کے تم میری ریاضت خاک میں ملا کرنا چاہتی ہو؟ تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ میرا نام تمہارے نام کے ساتھ ہے؟ میں نے ایک ایک لمحہ تمہاری شخصیت کو پروا نہ جانے میں لگا دیا کہ تمہیں کسی دوسرے انسان سے کم تر ہونے کا احساس نہ ہو لیکن تم... میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم خود کو حقیر سمجھو اور اللہ کی ناشکری کرو۔“ وہ شدید تاسف کے ساتھ بولتے اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں کو نہ رہے تھے۔

”اللہ کے سوا تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اللہ نے تمہیں اس دنیا میں بھیجا ہے، یہاں تمہارے لیے بہت کچھ چھپا رکھا ہے، جس پر تمہارا حق ہے، اس حق کو تم سے کوئی نہیں چھین سکتا، یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ عارض میرے لیے قربانی دے رہا ہے، وہ نا بچھ نہیں ہے، تم سے زیادہ دنیا کو اور لوگوں کو جانتا ہے، سمجھتا ہے، اس نے کبھی مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی، کچھ نہیں مانگا اور نا کچھ بھی تو بس تمہیں، وہ بھی اس طرح کے انکار کے لیے میرے پاس کوئی وجہ نہیں رہی تھی، لیکن میرے لیے سب سے اہم تمہاری رضا ہے، اس وقت میں تم سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی مانگنے آیا ہوں تو عارض کے لیے نہیں، میں نے صرف اپنے لیے تمہارے سامنے ہاتھ پھیلا دیا ہے اور یہ سچ ہے کہ میرے پھیلے ہاتھوں میں سب کی

خوشیاں اور بھلائی پوشیدہ ہے، عارش کی امید مجھ سے وابستہ ہے اور میری تم سے مگر میں بھی تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کروں گا، تم مجھے اب خالی ہاتھ بھی لوٹا دو گی، تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" احمد حسین بول رہے تھے تب ہی فاطمہ بہت خاموشی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔

"میری زندگی آپ کی امانت ہے بابا! آپ کو مجھ سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں، میری زندگی کے لیے ہر فیصلہ اپنے کا حق آپ کو ہے، آپ کو یہ ایک خوشی دینے کا موقع گوارا کروں گا، میں اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی، ایسا کر کے میں زندہ کیسے رہوں گی؟" احمد مسکوں کے درمیان بولتی وہ احمد حسین کو فخر و ملانیت سے سرشار کر گئی تھی۔

"تم نے آج ثابت کر دیا ہے کہ تم اللہ کی طرف سے میرے لیے انعام ہو۔" احمد حسین نے اس کے سر پر بوسہ دے کر کہا تھا۔

"تم ہماری بہت فرمانبردار بنی ہو، اللہ ہمیشہ تمہارا اچھا کرے گا، اتنا کہ تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔" فاطمہ کے غم لہجے پر غرمن نے ڈیڈ بائی نظروں سے انہیں دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ ان کے گلے سے لگی سبک اٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کی گہری تاریکی میں وہ تخت کے کنارے چھٹی کسی غیر مرئی چیز کو کھورتی جانے لگی سوچ میں گم تھی، آہٹ پر اس نے کچھ چونک کر قریب آتے سانسے کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل چہرہ دوسری سمت پھیر لیا تھا۔

"اب تک جاگ رہی ہو؟" عارش کے سوال پر اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی، چند لمحوں تک وہ غنڈھ ہاتھ بھر کر گل سے پشت لگا کر اس رخ سے کھڑا ہو گیا کہ تاریکی میں کسی حد تک اس کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا، جو سفید دھوپے میں قید تھا۔

"پریشان ہو؟" سینے پر بازو پاندھے وہ اس سے پھر سوال کر رہا تھا مگر جواب نہ مارا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔" عارش کے کہنے پر اس بار غرمن نے اسے دیکھا تھا۔

"ساری دنیا میں ایک میں ہی نظر آتی تمہیں؟" اس سپاٹ لہجے پر وہ ایک پل کے لیے خاموش رہا مگر پھر کہا تھا۔

"ہاں۔ تم ہی نظر آتی ہو۔"

"شاید اسی دن کے لیے میں خلاف قہمی تمہارے اس گھر میں قدم رکھنے پر۔" وہ بولی نہیں تھی، غرائی تھی۔

"تم جو کہنا چاہو کہہ سکتی ہو، وہ سب کچھ جو تم ماموں جان سے نہ کہہ سکتی تھیں۔" عارش کا لہجہ پر سکون تھا۔

"تمہیں ذرا سی شرم نہیں آتی؟" وہ پھر غرائی تھی۔

"ہاں، مجھے شرم آتی تھی، مگر دن تک میں خود سے بھی نظریں نہیں ملا سکتا تھا، لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ میں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا کہ شرم سے ڈوب مروں۔"

"تم کیوں ڈوب مارتے، یہ کہ تو مجھے اس وقت کرنا چاہیے تھا جب میں نے عثمان سے ہونے والی تہدائی گفتگو کی تھی۔" غرمن نے سنگ کر اس کی بات کاٹی تھی۔

"اگر اس دن مجھے اندازہ ہو جاتا کہ تمہارے دماغ کا خناس اس حد تک بڑھ جائے گا تو۔۔۔" شدید فصے میں وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

"تمہیں یہ لانا بھی نہ پڑا کہ میں غرمن تم سے بڑی ہوں؟"

"دو سال کے فرق سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، یادہ ہوتا تو بھی نہیں۔" وہ اسی سکون سے بولا تھا۔

"مجھے تمہاری تہدروی کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ بھر کر بولی تھی۔

"میں نے ابھی تمہیں سننے والی محبتوں پر رشک کیا ہے، تمہارے اندر ایسا کچھ نہیں تھا کہ میں تم سے تہدروی کرتا۔"

"میرے اندر ایسا بھی کچھ نہیں تھا کہ مجھ سے شادی کا خواب دیکھا جائے۔" وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

"ہاں تمہارے اندر ایسا کچھ نہیں تھا مگر میرے دل میں ہے، تمہاری محبت۔" عارش کے دھم لہجے پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اس کے مقابل آ کر بیٹھی۔

"اس دنیا میں اپنے ماں باپ کے علاوہ کسی انسان پر نہ مجھے مجبور ہے اور نہ اس کی محبت پر۔" وہ ذہریلے لہجے میں بولی تھی۔

"میں اللہ سے دعا کروں گا کہ اپنے ماں باپ کے بعد کسی انسان پر اور اس کی محبت پر تم مجبور نہ کرو تو وہ میں ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتا دو بولا تھا، جو پل کھا کر رہ گئی تھی۔

"کیا کی جی میزہ میں؟" اس کے سلیٹے لہجے پر عارش بس ایک پل کے لیے دنگ ہوا تھا۔

"اگر اس میں کوئی کمی ہوتی تو وہ میری بہت اچھی دوست نہ ہوتی، میری زندگی میں اس نے میری بہان کی کمی پوری کر پورا کیا ہے، کوئی مجھ سے اس کی کمی کے بارے میں سوال کرے، یہ میری غیرت گوارا نہیں کرے گی۔" عارش کے مضبوط لہجے میں کچھ تھا جو وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکتی تھی۔

"جو کچھ تم چاہتے ہو ایک دن اس پر سمجھتا دوں گے۔" چند لمحوں بعد وہ سر لہجے میں بولی تھی۔

"یہ تمہارا خیال ہو سکتا ہے، مگر مجھے یقین ہے کہ ایک دن تمہارے دل میں مجھے وہ مقام ضرور ملے گا جو مقام میرے دل میں تمہارے لیے ہے۔" اس کے پریقین لہجے پر غرمن نے تھملا کر ایک جھٹکے سے اس کے سانسے ہاتھ جوڑے تھے۔

"معاف کرو مجھے۔" غرا کر اس کے سانسے سے فنی وہ حقد مولوں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی تھی جبکہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے عارش کے لبوں پر دھم سکرا ہٹ لہر اٹھی تھی، حالانکہ وہ بہت جرأت کرنے کے بعد اس کا سامنا کر رہا تھا، لیکن کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا، احمد حسین نے واقعی اس کے لیے راستے آسان کر دیے تھے، یہ کام تو وہ ہمیشہ ہی اس کے لیے کرتے آئے تھے، اور یقیناً یہ معرکہ بھی سر کر لینے میں اس کی نیت اور چند یوں کی چالانی کا بڑا اہل و اہل تھا یہ وہ جانتا تھا۔

☆ ☆ ☆

علی آکھیں کھول کر اس نے ایک بار پھر اپنے نام کی پکار کو سنا تھا، ایک جھٹکے سے بیڈ سے اٹھی وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی تھی، اس کی حدود جو سوچی سرخ آنکھوں اور اہتر حالت نے عثمان کو اپنی جگہ ساکت کر دیا تھا، جبکہ عثمان کو دیکھتے ہی وہ منہ کے سارے بند توڑ چکی تھی۔

"تم نے مجھے کہا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا، مگر دیکھو یہ کیا ہو گیا ہے، وہ مجھے تم سے الگ نہیں کرنا چاہے، وہ مجھے ماننا چاہے ہیں۔" اس کا گریبان چھوڑتی وہ حواسوں میں نہیں تھی۔

"عثمان! مجھے یہاں سے لے چلو نا، پھر میرا گلا گھونٹ دو، تمہارے علاوہ میں کسی دوسرے شخص کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دے سکتی تمہارے علاوہ کوئی میرے نزدیک نہیں آ سکتا، میں مر جاؤں گی مگر تم سے الگ نہیں ہو سکتی، عثمان! کچھ کرو۔"



وہ نہیں خود کو ختم کر دوں گی۔

”ہوش میں آؤ ایسا امیری بات سنو۔“ اسے شانوں سے تمام کر عثمان نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

”تم میری بات سنو اب۔“ دیکھنے والے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹکے تھے۔

”میں بزدل نہیں رہی، میں تمہارے ساتھ مل کر دنیا کا سامنا کر سکتی ہوں، میرے قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے، مجھے اس زندان سے نکال دو! خدا کے لیے۔“ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتی وہ بلک اٹھی تھی، سرعت سے اس کے بڑے ہاتھ اپنے ہاتھوں سے جکڑتے ہوئے عثمان کا دل پیسے ٹھکی میں جکڑا تھا۔

”ماموں! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ ان کو لے جائیں یہاں سے، مجھ سے ان کی حالت نہیں دیکھی جاتی، آپ کی بے عزتی اور پاپا کی سنگدلی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔“ خاموش کھڑے قاتلانے سر پر چہرے کے ساتھ غصے کا اظہار کیا تھا۔

”بیٹا! خود کو سنبھالو، تم اگر اس طرح کمزور پڑ گئیں تو میں حالات کو اپنے حق میں نہیں کر سکوں گا، میں جانتا ہوں تم بزدل نہیں ہو، اگر تم میرے ساتھ ہو تو میں نے بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑنے کی قسم اٹھاتی ہے، کوئی تمہیں مجھ سے الگ نہیں کر سکتا، یہ جرات کسی انسان میں نہیں، مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ بہانہ بھائی کی بھی نہیں سنیں گے، ان حالات کے لیے میں پہلے سے تیار تھا، اپنی بہن کی وجہ سے میں جتنا جھک سکتا تھا، جھک گیا، میرے گھر کا ایک ایک فرد ان سے اٹھا کر باہر ہے، مگر اب اور نہیں، اب صرف وہی ہوگا جو میں اور تم چاہتے ہیں، مجھ پر تم بھروسہ رکھو، اگر وہ اپنے فیصلے کو نہیں بدل سکتے تو میں بھی اپنے ارادوں سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔“ اس کی بل مصل اٹھوں میں دیکھتا دیکھتے لہجے میں بولا تھا۔

”بھائی کے ساتھ ای ایو کی روٹی میں بس کچھ ہی دن ہیں، صرف میری خاطر یہ چند دن اور گزرارہاں گے بعد یہ میرا تم سے وعدہ ہے، میں تمہیں پلٹ کر یہاں واپس نہیں آنے دوں گا۔“ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑے وہ یقین دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

”جنگ ہنسائی کا جو کام سالوں پہلے احمد حسین نے کیا تھا، وہی کام اب تم کرنا چاہتے ہو، کم از کم تمہیں تو اپنے خاندان کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے، یہ احمد حسین کی غلط فہمی ہے کہ تمہارے آگے پیچھے کوئی بولنے والا نہیں تو وہ اپنا سنبھال کر رکھا ہوا گناہ تمہارے کانٹھوں پر ڈال دے گا، تم لاوارث نہیں ہو، میں ابھی زندہ ہوں تمہارے سر پر۔“ مصطفیٰ حسین شدید اشتعال میں بولے تھے۔

”ماموں! آپ نے یہ سب اس وقت کیوں نہیں کہا جب مجھے اپنے سر پر آپ کے ہاتھ کی ضرورت تھی؟“ عارش کے لہجے میں کچھ تھا جو مصطفیٰ حسین سنائے میں رو گئے تھے۔

”اس وقت آپ نے یہ حق کیوں استعمال نہیں کیا، جب میں بے سائبان تھا، جب ماموں جان اور ماما کے علاوہ سب نے میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا، آپ سمیت سب نے قدم پیچھے ہٹا لیے تھے، ہے کوئی جواب آپ کے پاس؟“ عارش نے بغور ان کے بدلے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”تمہاری ماں نے احمد کو تمہارے لیے چنا تھا۔“ مصطفیٰ حسین نظر ملائے بغیر بولے تھے۔

”یہ دلاؤ چند سال پہلے میں نے ہی آپ کو بتایا تھا، ورنہ میری اماں کیا چاہتی تھیں وہ صرف ماموں جان ہی جانتے تھے صرف اختلافاً ہر جتنے خوف سے ماموں جان نے آپ کو اور بڑے ماموں کو آگے رکھنا چاہا، مگر اس کی تو نوبت نہیں آئی تھی۔“ پہلی بار عارش کے دل میں موجود مامی کے شکوے آج کیوں تک آئی گئے تھے اور بروقت آئے تھے۔

”مارش! مامی کی باتیں اگر ہم دل کو وسیع کر کے مامی تک ہی محدود کر دیں تو آج بھی سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔“ میرا کو اپنے باپ کی خاموشی محسوس ہوئی تھی جو وہ چپ نہ رہ سکی تھی۔

”میں بھی ایسا ہی چاہتا ہوں میزوار! لیکن صرف میرے ایسا چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا، ہمارے بڑوں کو بھی اپنے دل میں بہت دیکھی پڑے گی۔“ عارش نے کہا تھا۔

”میں یہاں کوئی بحث و مباحثہ کرنے نہیں آیا، میں تو اس قسم سب کو اپنی خوشیوں میں شریک رکھنا چاہتا ہوں۔“

”کیا میں نے اپنے دل کو احمد حسین کے لیے بڑا نہیں کیا، جھک تو گیا ہوں اس کے سامنے، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اور بڑے ہی بیٹے اس کی عیادت کے لیے باہر نہ جاتے، جبکہ وہ تو میرے گھر کی پہلی خوشی میں میرے بیٹے کی شادی تک نہیں آیا تھا۔“ مصطفیٰ حسین نے فوراً جتا تھا۔

”اگر آپ شادی کا کارڈ خود انہیں دے کر گلے شکوے دور کر دیجئے تو وہ ایسا نہ کرتے، انہیں وہ عزت ہی نہیں ملی جس کی بنا پر وہ قدم آگے بڑھاتے، البتہ میں نہیں آیا تھا، اس بات کے لیے میں میزوار سے اور آپ سب سے بھی معذرت کر چکا ہوں، آپ نے اپنے بھائی کے لیے دل کو بڑا کیا تھا، تو مجھے یقین ہے کہ میری نادانیوں کو بھی نظر انداز کر دیں گے، اب اگر ماموں جان کی عیادت کے لیے گئے تھے تو میری نظر میں ہی نہیں ماموں جان اور ماما کی نظر میں بھی آپ کا قد بلند ہو گیا ہے۔“ عارش نے پوری سچائی سے کہا تھا۔

”تم نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے عارش! تم ابھی طرح میری زبان بند کر چکے ہو۔“ مصطفیٰ حسین کا لہجہ بہت کمزور تھا۔

”ماموں! مجھے غلط سمجھیں، میرا یہ فیصلہ میری پوری زندگی پر محیط ہے اور مجھے اس میں آپ کی اجازت اور آپ کی رضامندی درکار ہے ورنہ سب کچھ اور اور ہے گا۔“ عارش نے کہا تھا۔

”عارش! احمد حسین جسے اپنی اولاد کہتا ہے میرے دل میں کبھی اس کے لیے جگہ نہیں بن سکتی، وہ ہم بھائیوں کے بنوں میں بڑی دراڑ ہے، اس کے لیے تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔“ مصطفیٰ حسین قلعی لہجے میں بولے تھے۔

”ابو! ایسا مت کہیں، وہ بہت اچھی ہے، میں اس سے بالکل اپنی بہنوں جیسی محبت کرتی ہوں، آپ بھائیوں کے لئے کڑھ ہوں گے جو دروازہ بڑی گئی، خرمن اس وقت بھی معصوم تھی اور آج بھی۔“ عارش کی ناراضی کے ڈر سے نہیں، مگر اس کے عارف باپ کے جملے میزوار سے برداشت نہیں ہوئے تھے۔

”تم خاموش رہو، میرے سامنے اس کی معصومیت کے ڈنگے نہ بجاؤ، اس کی محبت اپنے تک ہی رکھو۔“ مصطفیٰ حسین نے عارف کی طرح جی کو جھڑکا تھا۔

عارش اور خرمن کے نکاح میں آپ نہیں ہوں گے تو میں کیامت دکھاؤں گی چچا جان اور چچی کو، خرمن کے لیے نہ کسی عارف کے لیے تو مان جائیں وہ خود چل کر آیا ہے۔“ میزوار غصے میں بولتی نظر بیاہو بائی ہوئی تھی۔

”عارش! خود چل کر آیا ہے تو کوئی احسان نہیں کیا اس نے، یہ کام تو احمد حسین کو کرنا چاہیے تھا مگر وہ کیوں آنے لگا





"ایسی ذہین لڑکی ہے کہ کہنے کے باوجود بلا سامیک اپ تک نہیں کیا، مگر بیٹا یہاں آ کر مہندی نہ لگانے کی تیاری کر رہی ہے۔ بوش میں نہ آتی۔" عروس مزید چٹا نہیں بھولی تھی۔

"آپلی اقلین کریں، میں تو کہہ کر کھٹک گئی، مگر یہ محترمہ تو آج سادگی کا دامن چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔"

میزو نے کہا تھا۔

"اور تو اور عثمان کو کمرے کے ساتھ اس کمرے میں آنے کی اجازت بھی نہیں ہے، محترمہ کی طرف سے۔" بیٹا نے مسکراتے ہوئے خرمن کو دیکھا تھا جو سر جھکا کر بار بار بیٹے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"مجھے اگر معلوم ہوتا تو میں وقت پر نہ آتی، دیکھتی پھر میں اس کے خمرے، یہ کوئی طریقہ ہے، خوشی کے موقع پر نہ کوئی بار نہ سنگھار نہ چہرے پر رونق، تم تو دنیا سے ہی نرالی لگیں کہ تصویریں بھی نہیں بنواؤ گی، اسے دوپٹہ ٹھیک سے پہناؤ میں دیکھوں گی کو بھاتی ہوں کہ یہ کیسے تصویریں نہیں بنواتی، ایسے یادگار موقع بار بار نہیں آتے۔" عروس شدید ناراضی سے بولتیں اندر آتے عثمان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"قسم سے میں نے آج سے پہلے کبھی ایسی انصاف دہن نہیں دیکھی، بس کر دو اب یہ روکا، دیکھا اسو عارض کے لیے کبھی چھوڑ دو، نکاح کے وقت تو اپنے کھانا کھٹک سائی کر رہی تھیں جیسے تمہاری ٹرین چھوٹ رہی تھی، اب ہمارے سامنے دروازے کر رہی ہو، ابھی باہر جا کر سب کو بتا دوں گا کہ تم ماشاء سے کتنی بڑی ہو۔"

"عثمان! میں بہت ماروں گی تمہیں۔" عروس نے ہستے ہوئے اسے گھر کھینچا۔

"تم اتنے جذباتی نہ ہو، ہمیں پتہ ہے تمہارے ذہم آج پھر سے کھل گئے ہیں۔" میزو نے کہا تھا۔

"مجھ سے اتنی بے ضروری ہو رہی ہے تو بیٹے آ جاؤ میرے ذہم۔" عثمان نے خشک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا ایک بک بند کرو، ہماری تصویریں بناؤ خرمن کے ساتھ، بلکہ عارض کو بھی بلاؤ۔" عروس نے کہا تھا۔

"اسے کہاں سے بلاؤں، اسے میں نے واپس دوڑا دیا ہے اکیڈمی، وہاں بہت کام ہیں، ویسے ہی یہاں دو گھنٹے ان کے برپا ہو گئے۔" عثمان فوراً بولا تھا۔

"تم جا کر اکیڈمی نہیں سنبھال سکتے تھے، بے شرم، آج اس کی زندگی کا اتنا اہم دن تھا اور تم نے اس بے چارے کو گھر پر لگا رکھا ہے۔" بیٹا نے حیرت و ناگواری سے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

"کا بے کا بے چارہ، بیٹھے بٹھے نکاح ہو گیا اس کا مولوی صاحب کو میں لے کر آیا، چھوڑوں گا بندوبست میں نہ کیا، ہاتھ بھی میں نے اور مجھے بدلے میں کیا ملا؟ بس ایک چھوڑو؟"

"ہائے عثمان! وہ ایک بھی مجھے دے دو، مجھے تو ایک بھی نہیں ملا تھا۔" میزو کو اچانک یاد آیا تھا۔

"انفوس وہ تو میں کھا چکا ہوں، مگر تم گلہ نہ کرو، ہم اپنے نکاح کے چھوڑے جی بھر کر کھائیں گے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میزو نے ابرو چڑھا کر اسے گھورا تھا۔

"اس کا مطلب ہے، اپنے اپنے نکاح کے چھوڑے، لیکن امیر ایہ بھائی بہت معصوم ہے، تم اس کی باتوں سے بھلائی جاؤ گا۔"

"جان چھڑا لو اس معصوم سے۔" عروس مسکراہٹ چھپا کر بولی تھیں۔

"جی ہاں، یہ تو اتنا معصوم ہے کہ میں تو لوگوں کو شورو دیتی ہوں، ابھی بھی وقت ہے، جان چھڑا لو اس معصوم سے۔"

میں نے سنی خیر نظروں سے دیکھا کو دیکھا تھا۔

لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا تو پھر تم ہی رہ جاؤ گی میرے لیے، اپنے راستے آسان نہ کرو چاہا ایک۔" عثمان نے حساب لگایا تھا۔

بڑی خوش تھی ہے۔" میزو نے ہانک پرست کبھی بٹائی تھی۔

میں رہنے دو، تمہارے امی، ابو ایسے غور غور سے مجھے دیکھ رہے تھے، مگر میں نے ان سے کہہ دیا ہے، میں گھر و اماں میں ہوں گا اپنی بیٹی کے لیے کوئی اور ڈھونڈیں۔"

"میری قوت۔ کیا کیا بول رہے ہو۔" میزو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر جیت زدہ ہوئی تھی۔

"میں باتوں میں لگا دیا ہے مجھے بھی، خرمن کے لیے کھانے کا بندوبست کرو، مجھے گھر واپس جانا ہے۔" عروس نے لبت میں کہا تھا۔

"بیٹا! عارض سے فریٹ لینی ہے، کم از کم آ کر شکریہ کھائے بغیر تو تمہیں جاؤں گی، تم اتنی جلدی مت جانا، ابھی رکو۔"

میزو یاد آنے پر بولی تھی۔

"کھا تو لیا ہے تم نے خرمن کھانا، اب کیا عارض کو کھانا کر جاؤ گی، بیٹا اپنے اماں، اماں کے ساتھ گھر جانے کی تیاری کرو۔"

عثمان ہنسی بھاتے ہوئے اسے بھگانے کے لیے تیار تھا۔

"تم اپنے نکاح پر میری ٹرین ہٹھم کر جانا کبجوں! مگر ابھی چپ کر کے بیٹھو، تمہاری جیب سے روپے نہیں جا رہے۔"

مجھے تجھوں کہہ رہی ہو، بھول گئیں وہ پونیورسٹی کے دن؟"

"خدا کا خوف کر لو، صرف ایک بار تم نے مجھے کوئلہ ڈنک خرید کر دی تھی۔" میزو پر حیرت کا دورہ پڑا تھا۔

"لو اس وقت تمہیں یاد نہیں آیا تھا کہ میں ناخرم ہوں؟" عثمان نے فوراً بدلا لیا تھا، بیٹا بے ساختہ ہنسی ہوئی بیٹے سے ملتی تھی۔

"بھائی! میں خرمن کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں، آپ اپنے سامنے اسے کھانا کھلا کر جائیے گا۔" بیٹا بولتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی گئی تھی۔

"میزو! تم تو عارض کے آنے تک روکی، وہ تمہیں گھر ڈراپ کرنے جائے گا تو بیٹا کو بھی ساتھ لے کر لگنا۔" عروس کو کتا پیر عثمان کے تاثرات بدلے تھے۔

"گھر نہ کریں، اسے ساتھ لے کر میں نہیں آؤں گا۔" اس کے ناگوار لہجے پر عروس خاموش رہی تھیں۔

"عثمان! جلدی سے تصویریں لے لو۔" بگڑتی صورت حال پر میزو ہر وقت بولی تھی۔

"استانی کو تو ٹھیک طرح بٹھاؤ، کل سبکی ہوں گی اور وہی ٹیڈی کی طرح چلتی زبان، ادھر دیکھو میری آنکھوں کی طرف، مطلب کمرے کی طرف۔"

"بتاؤں ابھی تمہیں۔ ایسے ہی تصویریں۔" عروس نے عاجز آ کر عثمان کو گھرک دیا تھا، سامن کی ڈش ٹرے میں رکھتے ہوئے اس نے سنجیدہ نظروں سے لیکن میں داخل ہوتے عثمان کو دیکھا تھا۔

"تم بہت اچھے اور کارہور پریشانی چھپا کر چہرے پر مسکراہٹ بنایا، خوب آتا ہے تمہیں۔" وہ ہنسنے لگی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"ابوں کی خوشی کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے، آج عارش کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوگئی ہے، میرے لیے اس کی خوشی ہر چیز سے بڑھ کر اہم ہے۔" مہم لکچہ میں بولتے ہوئے عثمان نے بغور اس کے مسکینہ چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

"اور تمہاری خوشیاں بھی۔" اس کی ٹھوڑی کے بخور کو شہادت کی انگلی سے چھوتا وہ دھیرے سے بولا تھا۔  
"معلوم ہے" غم آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ مسکرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

درو سے پچھتے سر کو اس نے ہاتھوں سے قلم لیا تھا، بروقتی اضطرابی کیفیت اسے کہیں بھاگ جانے پر مجبور کر رہی تھی کسی بل قرار نہ تھا۔

"میں جانتا ہوں تم اندر سے مطمئن نہیں ہو، شاید مجھ سے فضا بھی ہو، لیکن تمہیں مجھ پر اتنا یقین تو ہوگا کہ میں کبھی تمہارے لیے غلط فیصلہ نہیں لے سکتا۔" نکاح کے بعد احمد حسین نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا تھا، آنسوؤں کے سیلاب میں بہتی وہ انہیں جانتا نہیں سکتی تھی، اسے اللہ کے بعد ان پر ہی یقین اور بھروسہ تھا، وہ اگر اسے کھائی میں بھی کوئے کا حکم دیتے تو وہ کوئی سوال کیے بغیر ان کا حکم بجالاتی، وہ کتنی ہی شدید اور خود شرمی، مگر کبھی اپنے باپ کے دل کو تکلیف دینے کا گناہ نہیں کر سکتی تھی، ایک ایک کر کے کئی آنسو اس کے رخساروں پر پھسلنے چلے گئے تھے، دم گھٹ رہا تھا، سانس لینے میں وقت ہو رہی تھی مگر وہ انجان رہتا چاہتی تھی کہ اسے ان ہیکل کی ضرورت ہے۔

"اکثر وقت گزرنے کے بعد ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جو ہوا تھا وہی ہمارے حق میں بہہ رہا تھا، تمہیں بھی یہ احساس ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا، اللہ نے جو تمہارے لیے چنا، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔" ایک بار پھر احمد حسین کی بر شفتت آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی، چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالتی وہ اپنے اندر سنگتی آگ کو جیسے ٹھنڈا کر رہا تھا، چیخ چیخ کر دل ہی دل میں وہ خود کو شانت کر رہا تھا، پوری تھی کہ اس کے ماں باپ خوش ہیں، بے پناہ خوش ہیں اور وہ ان کی فرمائندہ رہے۔

کچن میں داخل ہوتی جہاں وہ ساکت ہوئی تھی، وہیں عارش بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، چند لمحوں کے لیے تو وہ خود بھی ساکت ہو گیا تھا، بکھرے بالوں، سرخ مٹوم آنکھوں نے عارش کو کئی دوسوں کا شکار کیا تھا، وہیں ایک نکل اسے دیکھ رہی تھی جو کانی کے کنگ اٹھائے اس کی سمت ہی آ رہا تھا۔ اس کے سامنے رک کر عارش نے پہلی بار بہت اشتقاقی بھری نظروں سے اس کی پیشانی پر سوگواری سے بچھے بچھے دووہیا ماہوشم کو دیکھا تھا، دل میں اسے چھو لینے کی خواہش بہت شدت سے ابھری تھی مگر..... پہلی بار عارش کو اپنے اور اس کے درمیان کوئی پردہ، کوئی حد نظر نہیں آئی تھی، یہ کیا تھا، الوٹ بندھن تھا کہ بس وہ چند ہی لمحوں میں اس کی روح تک میں سرایت کر چکی تھی، جس کے لبوں پر اپنے نام کی مسکراہٹ دیکھنا ایک خوب تھا آج وہ اپنا ہر اختیار اسے سوپ گئی تھی مگر زیادہ دیر تک وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکا تھا۔  
"تمہارے کمرے کی لائٹ آن تھی، مجھے معلوم تھا کہ تم جاگ رہی ہو، اس لیے اپنے لیے اور تمہارے لیے بھی کانی

ہے۔" اس کی جانب دیکھتے بغیر بولتے ہوئے عارش نے چائے کا گگ اس کی سمت بڑھایا تھا۔

"تم اپنے دشمن کو اس کے مہم بھڑکنے کے لیے عارش نے اسے دیکھا تھا، جس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں، ایک سی ہنسنے میں وہ چائے کا گگ اس سے لے کر فرش پر پھینک دیتی تھی اور اس کی پل اپنے اندر چھیننے پر اسے طوفان کو سزا کرتی تھیں اسے نکل گئی تھی اور وہ جو بالکل دنگ ہو گیا تھا، اب فرش پر بکھری کر چیوں پر نظر ڈالنے میں گھبرا گیا تھا، خرم کا یہ جارحانہ دھڑل اسے آسمان سے کھینچ کر زمین پر بہت اچھی طرح شیخ چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وقت کے کنارے نشی و غالی خالی نظروں سے محن میں دیکھ رہی تھی، ہر سمت عجیب سے سنائے کا راج تھا، فاطمہ اور احمد حسین کو گئے ہوئے ابھی چند گھنٹے ہی تو ہوئے تھے مگر درود یوار سے برسوں کی ویرانی ٹپک رہی تھی، ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی، ابھتی سانسوں کا گولہ سینے میں پھنسنے لگا تھا۔

"مجھے بتاؤ خرم! وہاں جا کر میں تمہارے لیے کیا مانگوں؟" جانے سے پہلے احمد حسین نے اس سے پوچھا تھا۔  
"اللہ نے مجھے ہر چیز سے تو نواز رکھا ہے، سب ہی کچھ تو ہے میرے پاس۔" لڑتے لکچہ میں بولتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں، ایسی اذیت اس کے چہرے پر بکھری تھی کہ احمد حسین کا دل تپ اٹھا تھا۔

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ مجھے تمہارے لیے کیا کچھ مانگنا ہے، تمہیں حق ہے یہ جاننے کا وہ کون ہیں جو تمہیں اس جہان میں لانے کا ذریعہ تھے۔" اسے سینے میں چھپائے احمد حسین اس کے دل میں کسی زخم کی آگ سے اس سوال کو اپنی زبان تک لے آئے تھے، اور یہ سوال تو اس کی زندگی کا ایک ایسا خلا تھا کہ جسے پر ہونے کے لیے کئی گھوڑے کی سی ضرورت تھی۔

"مجھے معاف کر دوں بابا! جانے انجانے میں میں آپ کے دل کو اذیت پہنچا دیتی ہوں مگر آپ بھی تو جانتے ہیں کہ ان کی کوئی طاقت میرے اندر پہنچ کر وہیں کو مٹا نہیں سکتی، یہ آپ کی ناکامی نہیں میرے دل کا ناسور ہیں۔" کرب سے کہتے ہوئے اس نے بے دردی سے اپنی ہنسنی آنکھوں کو گرگڑا لیا تھا۔

اپنے کمرے سے باہر نکلتے عارش نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا تھا، تیز ٹنگ ہواؤں سے وہ بالکل بے پروا تھی، حالانکہ محبت کی تاسازی کے باعث اس کے لیے یہ سرد ہواؤں میں نقصان دہ تھیں، فاطمہ اس کی طرف سے بہت پریشان تھیں، کتنی کڑواہٹ اس کے خوالے سے وہ عارش کو کر گئی تھیں، کتنا کہا تھا عرو سے کہ فاطمہ وہی تک خرم کو ان کے گھر بھیج دیں، برہان کو ان کی بیٹی نے بھی خرم کو اپنے ساتھ رکھنے کی بات کی تھی، عثمان کی والدہ نے خاص طور پر براہ راست احمد حسین سے اس سے سب سے بات کی تھی، مگر فاطمہ اور احمد حسین نے سب کو ایک ہی جواب دے کر خاموش کر دیا تھا کہ خرم اگر گھر میں نہیں ہوگی تو عارش کا خیال کون رکھے گا؟ خرم کیا سوچ رہی تھی وہ نہیں جانتا تھا، مگر اسے دل کی خوشی ہوئی تھی کہ فاطمہ اور احمد حسین واقعی اس سے زیادہ بھروسہ کرتے تھے، اس کا صحیح معنوں میں احساس عارش کو آج ہوا تھا، اور کچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ خرم کو اس سے الگ کر دے، نہ چند دنوں کے لیے نہ چند گھنٹوں کے لیے۔

(جاری ہے.....)

☆ ☆ ☆



## کبھی تو کبھی میری دل تو کبھی

کچھ پونک کرو تیزی سے اس کی سمت بڑھا تھا، جس پر کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔  
"میں تمہارے لیے پانی لاتا ہوں۔"

لوٹ رونا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رونا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس سے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

"تمہیں۔" تاہم وار کھٹی سانسوں کے درمیان وہ مشکل بولی تھی۔

"تم جانتے ہو؟"

"میری موجودگی تمہیں ناگوار گزرتی ہے؟" اس کے سپاٹ لہجے پر وہ بس خاموشی سے کھنٹوں کے گرد ہاتھ لپیٹ کر بیٹھ گئی، لمباڑ کے لیے اس نے ملل کی سفید چادر چہرے کے اوپر وجود کے گرد جوڑ لی تھی، وہ اب تک موجود تھی مگر اسے ان سرد آوازوں سے محفوظ رکھنے کے لیے نا کافی تھی۔

"تمہیں اپنے کمرے میں جانا چاہیے، میں نے مای کو یقین دلایا تھا کہ تمہارا خیال رکھوں گا۔" اس کی ناگواری کو



محسوس کرنے کے باوجود وہ بولا تھا۔

”میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں، تم جاؤ۔“ گہری سانسوں کے درمیان وہ سلگ اٹھی تھی، مگر اگلے ہی لمحوں کے محسوس ہونے پر گہری تھی، جب عارش جانے کے بجائے وہیں تخت کے کنارے بیٹھ گیا تھا۔

”مامی اور ماموں جان کے نہ ہونے سے گھر میں کتنا غنا ہو رہا ہے۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ جانے خود سے مخاطب ہوا تھا پر خرمین سے۔

”میں جانتا ہوں تم ان سے پہلی بار لگ ہوئی ہو، مگر جو سعادت وہ دونوں حاصل کرنے گئے ہیں اس کے لیے کچھ دن تک تو ان کی جدائی برداشت کرنی ہوگی۔“ عارش نے اسے دیکھا تھا جو متوجہ نہیں تھی۔

”آج میری شدید آرزو پوری ہونے جا رہی ہے، بس اب یہی دعا ہے کہ وہ خیر و عافیت سے واپس آجائیں۔“ اس کے دم لہجے پر خرمین نے اسے دیکھا تھا، ایک عجیب سی چمک اسے عارش کے چہرے پر نظر آئی تھی۔

”کل میرے ساتھ تم کو چھوٹا ہوا گانا گایا تھا، مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں پسند آئے گا، میں نے آفس سے چھٹیاں لی ہیں تاکہ گھر کو بیکوریت کرنے میں تمہاری مدد کر سکوں۔“

”میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی، میری پروا امت کرو، تمہیں جو کرنا ہے کرو۔“ سرد لہجے میں بولتی وہ تخت سے اتر گئی تھی۔

”میں تمہاری پروا نہ کروں تو پھر کس کی کروں؟“ بری طرح دنگ ہوتا وہ بھی تخت سے اٹھا تھا۔

”میں تمہیں تمہارے گھر لے جا رہا ہوں خرمین! کسی غلط جگہ نہیں۔“

”مجھ سے بحث مت کرو عارش اور نہ میں اور ضبط نہیں کروں گی۔“ وہ چاچا کر بولی تھی۔

”تم مجھ سے راہ چلتے شخص جیسا سلوک کرو گی تو میں بحث کروں گا، گھر کے بارے میں تمہیں میں پہلے ہی سب بتا چکا تھا، اب اسکی کیا نئی بات یا مطالبہ کر دیا ہے، میں نے تم سے کہ تم ضبط نہیں کر سکتیں؟“ حیرت و تاسف سے عارش نے اسے دیکھا تھا۔

”میرا گھر صرف یہ ہے، وہ گھر تمہارا ہے، اسے تم سجاؤ سنوارو، وہیں جا کر زندگی گزارو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔“ وہ فیصلے لہجے میں بولی تھی۔

”تم اتنی بڑا اور مجھ سے کہ مجھے خود سے دور جانے کا حکم دے رہی ہو؟“ اس نے یقین لہجے پر خرمین نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

”شاید تم قبول رہی ہو، میرے اور تمہارے درمیان اب ایک ایسا رشتہ ہے جو مجھے حق دیتا ہے کہ میں تمہاری پروا کروں، تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔“ تاسف لہجے میں عارش نے اسے یاد دلایا تھا۔

”تمہیں کیا کروں؟ اس رشتے کو میرے سر پر تھوپنے کے بعد اب اور کس عذاب میں دھکیلو گے مجھے؟“ وہ یکدم جس طرح چینی تھی عارش ساکت رہ گیا تھا۔

”کیا سمجھتے ہو تم، بہت عظیم ہو جاؤ گے، دنیا میں جنت کمالو گے یہ سب کر کے؟“ بکھرتی کھلتی سانسوں کے درمیان ”زہر خند لہجے میں بول رہی تھی۔

”جس کے کل کا جہیز یہ نہیں، جس کی نسل کے بارے میں تم لاعلم ہو، جس کی سانسیں بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے بند نہیں ہوتیں، اسے استعمال مت کرو، مہمان اعلیٰ بن کر دنیا سے داد وصول کرنے کے لیے، اپنی آخرت سنوارنے کے لیے، مجھے نہ تمہاری ضرورت ہے نہ تمہارے گھر کی اور نہ ہی تمہارے نام کی۔“ دھوکئی کی طرح چلتی سانسوں کے باوجود بیٹے میں اگلے اذیت ناک گولوں کے باوجود وہ اسے اپنی زبان کے تنجرے سے زخم خوردہ کر گئی تھی۔

”تمہیں کس نے مجبور کیا تھا خرمین! ماموں جان بھی تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔“ ڈھکی نظروں سے اسے دیکھا وہ پوچھ رہا تھا۔

”وہ خوش تھے، میں نے بس یہ دیکھا تھا کہ وہ دونوں خوش تھے۔“ سرد لہجے میں بولتی وہ عارش کو تنگ دلی اور بے رحمی کی حد پر توڑتی دکھائی دی تھی۔

”مجھے ابھی اور اسی وقت مر جانا چاہیے، بخدا ابھی اور اسی وقت۔“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ لرزاتے لہجے میں بولا تھا اور اگلے ہی لمحوں میں پلٹ کر تنزی سے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا، مگر چلتے وقت اس کی آنکھوں میں جو کچھ خرمین کو نظر آیا

تھا وہ سنائے میں گہری ساکت رہ گئی تھی، یکدم ہی کچھ تاسے کا ایک ریلے اس کے وجود کو ساتھ بہا لے گیا تھا اسے احساس ہوا تھا کہ وہ بہت کچھ ایسا کہہ گئی ہے جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا، ہوش میں آتی وہ سرعت سے عارش کے کمرے کی طرف گئی تھی، مگر دروازہ اس نے اندر سے لاک کیا ہوا تھا، خرمین کے اس منتشر ہو گئے تھے۔

”عارش! دروازہ کھولو، مجھے ابھی تم سے بات کرنی ہے۔“ مسلسل دروازہ دھکیلتی وہ اسے پکار رہی تھی جو شاید اس کی آواز بھی نہیں سننا چاہتا تھا، خرمین کی آواز کھٹکنے لگی تھی، کھانسی کا یہ دور وہ اس قدر شدید ہوا تھا کہ اس کی اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے

کی نیچے رہ گئی تھی، مگر دروازہ وہ مستقل بجھا رہی تھی، ابھی سانسوں کے گولے صلیق میں اگلے اس کے لاغر وجود کو بے دم کر گئے تھے، ناقابل برداشت اذیت سے وہ وہیں گر جاتی اگر بروقت دروازہ نہ کھلتا، اسے شانوں سے قہار کسرا دیتے

ہائے عارش کو اپنے ہوش اڑتے محسوس ہوئے تھے، اس کی حالت ہی اتنی نازک اور قابل رحم ہو رہی تھی، اسے سہارا دے کر وہ اسے اس کے کمرے تک لایا تھا، بیڈ پر ہی لیٹے کے پاس اہلکار عارش کو لے گیا تھا، سرعت سے اہلکار لے کر وہ خرمین کی

طرف بڑھا تھا جو اپنے دونوں ہاتھ گردن کے گرد رکھے سانس لینے کی کوشش میں سفید پڑ چکی تھی، عارش حق دق رہ گیا تھا، جب خرمین نے اس کا اہلکار والا ہاتھ پرے جھٹک دیا تھا۔

”خرمین! تمہیں اس کی ضرورت ہے۔“ اس نے ایک بار پھر ان اہلکار بڑھایا تھا مگر وہ بری طرح کھانسی پیچھے ہٹتی

دار اور بے سے جا گئی تھی، اس کی بگڑتی حالت سے زیادہ اس کے ان تیروں نے عارش کو ششدر کر دیا تھا، وہ کیا کر رہی

تھا؟ وہ اپنے ساتھ کیا کرنا چاہتی تھی؟ اس کا اندازہ ہوتے ہی عارش کے اعصاب تن گئے تھے، وقت کم تھا، سرعت سے وہ

اس کی سمت بڑھا تھا، اس بار عارش نے اس کی مزاحمت کی بالکل پروا نہیں کی تھی، چند ہی سیکنڈ میں وہ اسے ایک ہاتھ سے

ٹکائیے زبردستی اہلکار اس کے منہ سے لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا، اسی دوران عارش کے گریبان کے کتے ٹخن ٹوٹے

اسے پروا نہیں تھی، یاد تھا تو بس اتنا کہ اس کی سانسیں بند ہو رہی ہیں، جو اس کے سانس لینے کی وجہ ہیں۔



”میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔“ حلق کے بل چیختے ہوئے خرمن نے اسے دور دھکیلتا چاہا تھا مگر وہ جتنی سے اس کی کھانیاں گرفت میں لے کر بیڈ پر دکھ چکا تھا، اس کی جرأت نے خرمن کا تو جیسے دل ہی بند کر دیا تھا، پہلی پہلی آنکھوں سے وہ اس کی آنکھوں میں درآئی سرفی کو دیکھ رہی تھی، خرمن کو پہلی بار اس کی آنکھوں اور تاثرات میں شدید اشتعال نظر آیا تھا۔

”تم نے ٹھیک کہا تھا، تمہیں میری ضرورت نہیں ہے اور یہی سچ ہے کہ تمہیں ان کی بھی پروا نہیں جن کی زندگی تمہاری زندگی سے جڑی ہے، پوچھا اب خود سے، کس طرح ان کا سامنا کرو گی؟ سوچو۔۔۔۔۔ آج تم نے کیا کچھ قسم کرنے کی کوشش کی ہے؟ کس گناہ کا ارادہ کیا تم نے؟“ بچنے لہجے میں بولا وہ اس کی چھرائی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، جس کا حلق خشک تھا، سوکھے ہونٹ کپکپا اٹھے تھے، پانیوں سے لبریز ہوتی اس کی آنکھیں دل کی اذیت کو، شرمندگی، پشیمانی اور بچھڑانے کو دھچکا نہیں سکتی تھی، اس کی بند آنکھوں کے کونوں سے پھسلنے قندروں سے نگاہ جراتے ہوئے عارض کی نظر کچھ اوپر اٹھی تھی، مضطرب چادر مزاحمت کے دوران بے ترتیب ہونے کے بعد اب کھل اس کے چہرے سے دور ہو چکی تھی، عارض کی سانسیں ہی نہیں دھڑکنیں بھی غم کی تھیں، پیشانی کے وسط سے ذرا ہٹ کر وہ دودھیا کٹاؤ پہلی بار اس کی نظروں سے بہت قریب اس کی ٹھنڈی چاندنی جیسی چمک عارض کے غم و غصے کو اپنے اندر سمو گئی تھی، اس کی تاثیر کی خشک سلتی رنگوں میں اتنی شامت کر گئی تھی، روشن پیشانی کے اس دیکھنے بھینانے اسے اپنا تابع کر لیا تھا، یہ اور بات کہ وہ خود بھی اس کی دھک کی تاب نہ لاسکا تھا، نظر چراتے ہوئے اس نے فوراً ہی خرمن کی کلائیوں پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے تھے، پیچھے ہٹتے ہوئے وہ نمایاں طور پر اس کی کلائیوں پر اپنی انگلیوں کے سرخ نشانوں کو دیکھ چکا تھا، دوسری جانب وہ بند آنکھوں کے ساتھ ہی چہرہ ہاتھوں میں چھپاتی سبک اٹھی تھی، عارض کو اندازہ تھا کہ یہ عداوت کے آنسو ہیں، لہذا خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل آیا تھا، اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ آدھے میں ہی تخت پر دراز ہو گیا تھا، کہیں نہ کہیں خرمن کی اس خطرناک حرکت نے اسے خوفزدہ ضرور کر دیا تھا، بند کرل سے نظر آتے آسمان کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی، دل و دماغ تو پہلے ہی وہ اس کے پاس چھوڑ آیا تھا، جس کی وجہ سے آج اس کی زندگی ہی نہیں ایک دوپہل کے لیے قدم بھی ڈرگاہے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

نرم ہوا کے ایک تیز جھونکے کے ساتھ اپنے نام کی پکارا سے نیند سے بیدار کر گئی تھی، من کی دیواروں پر دھوپ اتر آئی تھی، سستی سے اٹھتے ہوئے عارض نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی جواب داپس بچن کی سمت جا رہی تھی۔

تھرا سے چائے لگ میں اٹھتے ہوئے خرمن نے بس ایک نگاہ بچن میں داخل ہوتے عارض پر ڈالی تھی، بہت سنجیدہ تاثرات کے ساتھ سیدھا فرائق کی سمت بڑھتے ہوئے اس نے خرمن کی جانب دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

”جلدی آ جاؤ، ناشہ خنڈا ہو رہا ہے۔“ عقب سے ابھرتی خرمن کی مدھم آواز نے اسے حیران کیا تھا، مگر پانی کا گلاس تھا وہ ناچاہتے ہوئے بھی ٹھیک لے کر آ بیٹھا تھا۔

چائے کا گلاس کے قریب کرتی وہ جانے کیوں بنو اس کے تاثرات کو دیکھنے لگی تھی، کل رات وہ اپنے ساتھ کیا کہنا چاہتی تھی، اسے خود اندازہ نہیں تھا، وہ کس طرح اس حد تک چلی گئی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا وجود وہ عظیم انسانوں کی

میں کا مرکز ہے، پھر بھی اس نے اپنی ہستی کو شمع کر ڈالنے کی کوشش کی، اگر کل رات اس نے اپنے اشتعال میں اللہ کو براہیں کرنے کی غلطی کی تھی تو اس غلطی پر اس وقت بہت شرمسار بھی تھی۔

”انی یا پاس سے میری شکایت مت کرنا۔“ اس کے شرمندہ لہجے پر عارض نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، ہلکے آسمانی رنگ کا اس کا رخ چہرے کے گرد لپیٹے وہ نظر جھکا نے نام نہاد لگ رہی تھی۔

”مگر کب تک چلنا ہے؟ میں تو تیار ہوں، تمہاری چٹیاں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی ہوں گی، اسی میں گھر سیٹ ہو جائے تو اچھا ہے، کیونکہ پھر مجھے پارا بھی جانا ہوگا۔“ رک رک کر بولتی وہ اس کے کچھ کہنے کی منتظر تھی، جو سپاٹ چہرے کے ساتھ جانے کے سبب لپٹا ٹھیک کی سطح کو گھور رہا تھا۔

”میں وہ کافون آیا تھا، تم مجھے گھر پر چھوڑ کر اسے بھی وہاں لے آنا تو اچھا ہوگا، وہ میری مدد کرے گی۔“ ابھی وہ بول ہی رہی تھی کہ کال بیل گونج اٹھی تھی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی مگر عارض اس سے پہلے ہی بچن سے نکل گیا تھا، جانتا تھا کہ اس وقت کون دروازے پر ہوگا، آج چھٹی کا دن تھا، ایکٹیوی بھی آف تھی ظاہر ہے عارض کو تو ہر صورت نازل ہونا تھا، یہ نہیں وہ اب کون سی افواہیں اڑانے آیا تھا، کم از کم عارض نہیں چاہتا تھا کہ خرمن کا سامنا عثمان سے ہو۔

”کیوں آئے ہو؟“ عارض نے پوچھا تھا۔

”کیسے نہ آتا رات کا منوں پر گزاری ہے میں نے، شکر ہے تم زندہ ہو۔“ ایک ہاتھ سے عارض کو پرے ہٹاتا اندر داخل ہو گیا تھا، پہلی نظر اس تک ہی گئی تھی جو بچن کے باہر کھڑی اسی جانب متوجہ تھی۔

”کسی اور کی دلہن نہ بن جانا۔“ اس کی جانب اشارہ کرتا وہ حلق کے بل ٹھٹھکتا تھا، جو ابانا گوار نظروں سے اسے دیکھتی وہ وہاں بچن میں چلی گئی تھی۔

”دیکھا۔۔۔ شرمگنی استانی۔“ عثمان نے فخر سے عارض کو دیکھا تھا۔

”ہاں آؤ وہ حراف نظر آ گیا تھا مجھے بھی۔“ عارض خشکی نظروں سے اسے دیکھتا آگے بڑھ گیا تھا۔ چائے کے سب لیتے ہوئے خرمن نے تا کو ان نظروں سے اسے دیکھا تھا جو عارض کے ساتھ ہی اس کے ناشے میں شریک ہو گیا تھا۔

”ایک بات میں تمہیں بتا دوں استانی امیر ادمت تھا نہیں ہے، میں اس کے ساتھ ہوں، یہ نہ ہو کہ تم اسے تنہا کچھ مادی ہو جاؤ، ورنہ یاد رکھنا آدمی رات کو بھی اس کی ایک نگاہ پر دیوار جھلاک کر آ جاؤں گا۔“ عثمان کی اس وارننگ پر عارض کا دل چاہتا تھا کہ پائس پکڑ لے جبکہ حسب توقع خرمن کے کندوں سے گئی تو سر پر جا کر بھی نہیں جھنجھی تھی۔

”شرور آؤ یاد ہو جھلاک کر میں نے بھی چار کندھوں پر داپس نہ بھیجا تو میرا نام بھی خرمن نہیں۔“ بڑی طرح بھڑک کر کھینچی وہ ایک جھٹکے سے اور عثمان کے ہنستے چہرے کو خوشنوار نظروں سے دیکھتی بچن سے نکل گئی تھی۔

”مگر وری تھی یہ کیوں کرتی؟ وہ ناشہ ادمت چھوڑ کر چلی گئی۔“ عارض نے مدھم آواز میں اسے گھر کا تھا۔

”ہاں ادمت وری تھی، اگر وہاں بیٹھی رہتی تو میرے نواسے کتنی رتی اور اس وقت ڈٹ کر ناشہ کرتا چاہتا ہوں۔“

ادمتانی سے بولتے عثمان نے یوکل انڈوں سے انصاف کرنا شروع کر دیا تھا، اس کی رفتار کو دیکھتے ہوئے عارض کو بس پائس پر ہی اکتفا کرنا تھا۔

”مجھے پہلے خرمن کو شور م لے جانا ہے، خرمن تو وہی پسند کرے گی، مگر میں چاہ رہا تھا کہ بلا بھی آ جائے تو خرمن کو



آسانی ہو جائے گی، تم ذرا آبی کو کال کرو کہ قارن کے ساتھ بیلا کو بھیج دیں یا پھر میں خرمن سے کہہ دوں؟“ عارش نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”میں نے فون کر دیا ہے بیلا کو۔“ لیکن میں آبی خرمن نے عارش کی بات سن لی تھی، سو عثمان سے پہلے ہی بول چال تھی۔

”اس نے فون کیا آبی کو بیلا کے نام پر پھر کوئی بحث شروع کر دے گا، فاروق بھائی نے من لیا تو اور شک و شبہ میں گرفتار ہو جائیں گے۔“

”فکرت کرو، اب تو کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی۔“ عثمان یکدم تلخ لہجے میں بولا تھا۔

”مجھے صرف اب اپنے گمراہوں کا یہاں سے جانے کا انتظار ہے، اس کے بعد جو مجھے کرنا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہے دوں گا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کرو گے تم؟“ دیکھ نظروں سے خرمن نے پہلے عثمان کو اور پھر عارش کو دیکھا تھا جو یکدم کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”میرا خیال ہے میں پہلے میزہ کو لے آتا ہوں، جب تک بیلا بھی پہنچ جائے گی تو ساتھ ہی ملیں گے۔“ خرمن سے کہنے ہوئے وہ عثمان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”تم چل رہے ہو میرے ساتھ؟“ عارش کے سوال پر وہ چائے کا آخری گھونٹ لیتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ خرمن ابھی نظروں سے ان دونوں کو جاتا دیکھتی رہی تھی، اسے شک نہیں عمل یقین تھا کہ وہ دونوں کوئی بات چہا رہے ہیں، مگر کیا؟ یہ سوال ذہن میں ابھرتے ہی بیلا کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

کھلے میز پر پھیلی نرم پگھلی دھوپ میں آ کر اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا، پانچویں فلور سے وہ بہت اچھی طرح دیکھتا رہتے پر پہلے سبزے کو دیکھ سکتی تھی، یہ جگہ اور یہ پارٹنٹ اسے واقعی بہت پسند آیا تھا، اندر بیلا اور میزہ ابھی تک گھر کا کوٹا گنا

دیکھ رہی تھیں اور وہ بہت خاموشی سے میز پر آ گئی تھی، یہاں پارٹنٹ کافی خوبصورت اور جدید طرز پر بنا ہوا تھا، وہ میزہ روز ڈرائنگ روم، ٹی وی لائونج ہر جگہ بہت روشن اور ہوا دار تھی، لیکن بھی بہت اسٹائلش تھا، جدید تقاضوں سے بھرپور، وہ خوش تھی مگر تشریف میں بھی جتنا تھی، قاطعہ اور احمد حسین کا رد عمل بھی یقیناً خوشی سے بھرپور ہونا تھا، جب واپسی پر انہیں اس نے

گھر کا سر پرانز عارش کی طرف سے ملے گا۔ کچھ چونک کر وہ بکلی تھی، عارش اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا تھا، وہ بہت خوش باش لگ رہا تھا، آخراں نے ایک بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔

”یہاں پارٹنٹ پسند آیا تمہیں؟“ سنجیدہ نظروں سے عارش نے اس کے سفید ریشمی اسکارف میں قید شفاف چہرے کو دیکھا تھا۔

”ظاہر ہے یہاں سب کچھ اتنا خوبصورت ہے کہ کسی کے پاس ناپسند کرنے کی وجہ نہیں۔“ وہ بھی سنجیدگی سے بولی تھی۔

”میں کسی کی نہیں، تمہاری بات کر رہا ہوں۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولا تھا جبکہ خرمن خود بھی دوسری طرف لی

توجہ ہی تھی۔

”امی کو سبزہ بہت پسند ہے، ان کو یہاں بہت اچھا لگے گا، میں روز صبح ان کے ساتھ واک پر جایا کروں گا۔“ گارڈن پہلے پہلے طویل ٹریک پر شام کی واک کے لیے موجود لوگوں کو دیکھتا ہوا تھا اور پھر خرمن کو دیکھا تھا۔

”میں نے یہ گھر تمہارے نام کیا ہے۔“ اس کے انکشاف پر خرمن کے تاثرات بدلے تھے۔

”جہیں بہت شوق ہے غلطی پر غلطی کرنے کا؟“ اس کے ناگوار لہجے پر عارش کچھ کہتے کہتے رک کر خاموش رہا تھا۔

”یہاں پارٹنٹ چند ہزار میں نہیں ملا ہوگا، کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ اتنی بھاری رقم کا بندوبست کیسے کیا تم نے؟“ چاچتی گھبراہٹ سے اسے دیکھتی وہ بولی تھی۔

”ہاں! جہیں نہیں بتاؤں گا تو پھر کسے بتاؤں گا؟“ عارش نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”جہیں یاد ہوگا کہ سرگودھا میں بڑے ماموں نے گھر اور زمینیں فروخت کی تھیں، تو امی کا حصہ مجھے دیا تھا، وہ ایک بڑی رقم تھی، کیونکہ ماموں جان نے بڑے ماموں سے کہہ دیا تھا کہ ان کا حصہ بھی امی کے حصے میں ڈال دیا جائے۔“

”اور اس کے علاوہ؟“ خرمن نے مزید کر دیا تھا۔

”میں نے بڑے ماموں سے کہہ کر اپنے مکان کو فروخت کر دیا ہے۔“

”تمہارا داغ خراب ہو گیا ہے عارش! تم نے اپنا گھر فروخت کر دیا، وہ تمہارے پاس تمہارے ماں باپ کی نشانی تھی۔“ شدید حیرت کے ساتھ خرمن کو صدمہ بھی پہنچا تھا جو وہ بگڑا گئی تھی۔

”وہ گھر نہیں تھا خرمن! وہ ایک خالی مکان تھا، گھر، جائیداد دولت جانے والوں کی نشانی نہیں ہوتے، میرے ماں باپ کی محبت ان کے ساتھ گزرا میرا وقت اور ان کی یادیں میرے پاس میرے دل میں ان کی اہم نشانات ہیں، جن کو میں میرے دل سے نہیں نکلتا ہے، چیزوں کا کیا ہے، جب انسان فنا ہو جاتا ہے تو ان مادی چیزوں کی کیا حیثیت ہے۔“

اس کے لیے انتہا سنجیدہ برادر بار لہجے پر خرمن کچھ بول نہیں سکی تھی، اس وقت وہ اسے اپنی عمر سے بھی زیادہ بڑا دکھائی دیا تھا۔

”بابا کو کیسے سمجھاؤ گے؟ وہ بہت ناراض ہوں گے۔“ چند لمحوں بعد وہ بولی تھی۔

”تم میرا ساتھ دو گی تو وہ ضرور مان جائیں گے۔“ عارش نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”مجھ سے تو یہ امید رکھنا نہیں کبھی زندگی میں بھی۔“ تلخی سے بولی وہ گارڈن امیری کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جبکہ اسے دیکھتے ہوئے یہ نہیں کیوں عارش کے لبوں پر مدہم مسکراہٹ ابھرا آئی تھی، مگر اگلے ہی لمبے عائب بھی ہو گئی تھی، جب میزہ اور بیلا کے ساتھ عثمان بھی وہاں آدھکا تھا۔

”عارش! اسے گھر کی خوشی میں مصافحہ تو ہمارا حق ہے۔“ بیلا نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

”مصافحہ ہی نہیں ذرا بھی ملے گا، کیوں عارش!“ عثمان نے دل جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ عارش کے شانوں کے گرد ہاتھ رکھ رکھا تھا۔

”کیوں نہیں ضرور... مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنے سارے سلیقے اور ہنر کی حدیں اس گھر پر ختم کرو، مطلب پہلے مشقت کھاتہ۔“ عارش نے مسکراتے لہجے میں بیلا سے کہا تھا۔

”ایسے نازک ہاتھوں سے مشقت لینے کا سوچ کر بھی جہیں شرم سے منہ چھپانا چاہیے۔“ عثمان فوراً ہی بول اٹھا تھا۔



"بواہر لگ رہا ہے، تو آپ ایسے مجھے جیسے تم اسے شہزادی بنا کر تخت پر بٹھا کر رکھو گے۔" نیزہ نے بھی فوراً کہا تھا۔  
 "نیزہ! اب تم بھی ایسی باتیں کرو گی؟ کچھ تو لحاظ کرو، میرے علاوہ کون ایسا ہے جس نے آدھے گھنٹے میں تم سے انہار محبت کیا ہو؟" عثمان کی شکایتی نظروں پر نیزہ نے شرمانے کی کوشش کی ہی تھی، مگر شائے پر گھٹنے خرمین کے کرارے ہاتھ نے اس کی کوشش کا کام کر دی تھی۔

"بھئی! اب میں کسی کے جذبات کو اور زبان کو کام تو نہیں لگا سکتی۔" شائے سہلاقی نیزہ و معصومیت سے بولی تھی۔  
 "اور تم کہاں تھیں اس وقت جب یہ غیبت لگے ہو؟" خرمین نے دیکھا تو کبھی نہیں چھوڑا تھا۔  
 "مچی بات ہے، میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔" دیکھا جس طرح بولی تھی، عارض اور نیزہ کی ہنسی ساختہ تھی۔

"میری طرف تو دیکھنا بھی نہیں، میں جس سے چاہوں انہار محبت کروں، تمہارے ٹھکانے کے بعد کہیں تو دل کاڑھا تھا۔" خرمین کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عثمان اس پر بگڑا تھا مگر اگلے ہی لمبے وہ بڑبڑا اٹھا، جب عارض نے اسے گردن سے ہار کر رینگ پر جھکا دیا تھا، دیکھا اور نیزہ کا چٹخنا فطری تھا، مگر حیرت انگیز طور پر خرمین نے بری طرح ہول کر عثمان کو رینگ سے دور ہٹایا تھا۔

"تم بھی کس کا خون اپنے سر لے رہے ہو، یہ تو سر کر بھی ہمارے لیے غدا اب بنا رہے گا۔" عارض کو گھر کے بوسے خرمین نے عثمان کو دیکھا تھا جس کی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔  
 "میں مر گیا تو تمہارا کیا ہوگا، سب جانتا ہوں، دل ہی دل میں تم فدا ہو مجھ پر۔" عثمان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی خرمین اس کی طرف جھٹی تھی، مگر وہ کہاں ہاتھ آنے والا تھا، ٹھیک کے بعد گھر کے ایک ایک کونے کو اگر خرمین نے نہیں دیکھا تھا تو عثمان کو کچھ کر کچھ کی کوشش میں اس نے ہر کونہ دیکھ لیا تھا۔



ایک ہفتے کے اندر وہ تو بالکل ٹھن پکڑ بن گئی تھی، چیزوں کی خریداری کے لیے بازاروں کے چند پتھر لگانے کے بعد اس نے یہ کام عارض اور نیزہ کے حوالے کر دیا تھا، اس میں اتنی سکت نہیں تھی، دوسری بات یہ کہ عارض اور نیزہ کی چٹائی اس سے لاکھ دسے بہتر تھی، عثمان، دیکھا اور نیزہ کی مدد نے ہر کام کو آسان کر دیا تھا لہذا بہت اچھے ماحول میں ایک دوسرے سے علاج مشورے کے ساتھ کافی حد تک گھریٹ ہو گیا تھا، احمد حسین کے کمرے کی سجاوٹ کے دوران عارض کافی پر جوش رہا تھا، اس کا بس نہیں چلا اور وہ نہ تو ان کے کمرے کو تاج محل کی شکل دے دیتا، نہ کمرے کے دروازے سے لے کر پردوں اور کارپٹ میں بھی سفید اور ہلکا ہلکا رنگ نمایاں تھا، بالکل پتیلے پتیلے خوبصورت سے فرنیچر، ڈیکوریشن پیسے اور قیمتی لائسنس نے کمرے کو پورے گھر سے الگ کر دیا تھا، ہفتے کے اختتام تک لاونج اور ڈرائنگ روم بھی مکمل ہو گیا تھا، لیکن بھی کسی حد تک مکمل تھا، جبکہ ایک کمرہ جو کہ خالی تھا، عارض نے پہلے ہی اسے لاک کر دیا تھا، وجہ اس نے یہی بیان کی تھی کہ اس بات کا کام آہستہ آہستہ مکمل ہو جائے گا، کیونکہ وقت کم ہے، عثمان کے والدین بیٹے اور بہو کے ساتھ جانے والے تھے، عارض کی اپنی چٹھیاں بھی تقریباً ختم ہو چکی تھیں اور پھر انشٹیٹیوٹ کی ڈسے داریاں خرمین کو یہی یاد تھا کہ اسے عثمان کے گھر والوں کی دعوت بھی کرنی ہے۔ عارض نے اس بارے میں اس سے مشورہ کیا تھا اور پھر اس کی ہی خواہش پر نئے گھر میں دعوت کا

ہرگز نہ کیا تھا کہ اس کی بہانے وہ سب گھر بھی دیکھ لیں۔

دعوت میں عروس بھی شامل تھیں، مگر سوائے عارض کے سب ہی تھے، وہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے معذرت کر کے خرمین نے اطمینان کی ہی سانس لی تھی، کیونکہ اسے پتہ تھا کہ اگر عارض ہوں تو نہ صرف ماحول میں نکلا ہوگا، بلکہ وہ بھی معطر سے غائب رہے گا، اور وہ یہ نہیں جانتی تھی، عثمان کے ماں باپ گھر دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے، رات کا کھانا بہت خوشگوار ماحول میں تناول کیا گیا تھا، کھانے کا سارا انتظام عارض نے باہر سے ہی کیا تھا سو باتوں کے لیے بہت جلد ہی گیا۔

دوسرے ہی دن برہان کو بیوی اور ماں باپ کے ساتھ چلے جاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ عثمان کچھ بجھا بھکا کھائی دے رہا تھا، جبکہ وہ جوگی اور اس کی چھیڑ چھاڑ نے بھی عثمان کی تنہائی پر کوئی خاص فرق نہیں ڈالا تھا، کچھ ایسا ہی حال دیکھا کا بھی تھا، سب کے درمیان وہ جس بول رہی تھی، مگر اس کا یہ مصنوعی انداز خرمین سے چھپ نہیں سکا تھا، دیکھا کا اتر ا ہوا چہرہ اور عثمان کے عجیب و غریب اثرات اسے ہی نہیں عارض کو بھی اندر سے مضطرب کر رہے تھے۔

لاڈل میں نیوی کے ساتھ عروس کے بچوں کا شور بھی مروج پر تھا، وہیں باقی سب بھی باتوں میں مصروف تھے، چائے پکارتے کے بعد وہ ٹھیکس کی طرف آ گئی تھی، جہاں برہان کے ساتھ عثمان مصروف گفتگو تھا مگر اسے دیکھ کر دیکھ کر لگا تھا کہ وہاں کے سینے سے لگی زار و قطار رو رہی تھی، بس ایک نظر اس نے عثمان اور عارض کے عجیبہ چہروں کو دیکھا تھا، اس کے بعد اسے معاملے کی تہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"نہیں جانتا ہوں کہ میں تم دونوں کی امیدوں پر پورا نہیں اترتا، مگر تم دونوں بھی یہ جانتے ہو کہ میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے اور میں نہ مایوس ہوا ہوں اور نہ ہی تم دونوں کو مایوس دیکھنا چاہتا ہوں، میں اگر جا رہا ہوں تو ناکامی قبول کر کے ہرگز نہیں اٹھتا یہاں سے جا کر بھی اپنی کوشش جاری رکھوں گا۔" دیکھا کے سر پر ہاتھ رکھے برہان خود بہت تاسف میں ہٹا تھا مگر انہار سب رہا تھا۔

"دیکھا! اس طرح مت رو، ورنہ برہان بھائی کس طرح یہاں سے جائیں گے، تمہیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔" خرمین نے اسے بڑھ کر دھکیلی ہوئی دیکھا کہ برہان سے الگ کر کے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"بھائی! اب آپ ہم دونوں کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائیں گے، اب اپنے لیے اور دیکھا کے لیے مجھے جو کچھ کرنا ہے، خود کرتا ہے، اس کے بعد انجام جو بھی ہو سب کو قبول کرنا ہوگا۔" عثمان کے لہجے میں جو عزائم تھے انہوں نے ان کی کوئی خوفزدہ کر دیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارا ضبط حدود پر پہنچ چکا ہے، مگر کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اپنی زبان اور اس کے بچوں کے سامنے ایک بار ضرور سوچ لینا۔" برہان کا لہجہ کمزور تھا۔

"آپ بھی کی طرف سے مطمئن ہو جائیں ماموں!" یکدم عقب سے ابھرتی آواز پر سب فاران کی طرف متوجہ ہوئے تھے جو سیدھا آ کر برہان کے دربار ہو گیا تھا۔

"میری ماں میری ڈسے داری ہیں، ان پر کوئی آج میں نہیں آنے دوں گا، مانی ماموں اور آپ کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہے اور پاپا ان سے یہ حق نہیں چھین سکتے، میں ان دونوں کے ساتھ ہوں۔" فاران کے مضبوط لہجے پر سب



ایک بل کے لیے دنگ ضرور ہوئے تھے۔

”میں اب واقعی مطمئن ہوں، میں کیسے بھول گیا کہ میری بہن کا بیٹا اب جوان ہو چکا ہے، ان کی فحاشی نہ ہے۔“ فاران کو گنگے سے لگاتے ہوئے برہان نے کہا تھا، اور پھر عثمان کو دیکھا تھا۔

”حالات جو بھی ہوں، میں تمہارے ساتھ ہوں، میں آخری دم تک سب کچھ سنبھالنے کی کوشش کروں گا، اور تم سے امید ہے کہ تم سب کچھ ٹھیک کر لو گے، صرف اپنے لیے ہی نہیں باقی سب کے لیے بھی۔“ برہان بول رہا تھا جبکہ اس کی ہونٹیں ہلکا ہلکا لگائے کھڑی خرمین اور عارش کے درمیان بس ایک خاموش نظر کا تبادلہ ہوا تھا، اسے عثمان سمیت یہاں سب اپنی اپنی جگہ درست لگے تھے مگر اس کی آنکھوں کے سامنے فاروق کا چہرہ محکوم رہا تھا، وہ جیسے بھی تھے یہاں ان کی محنت تھی، یہ سوچتے ہوئے اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتی میزہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا، جو زرد رنگ کی کاشن کی شرٹ اور سفید چوڑی وارپاچھا مذہب تن کیے ہوئے تھی، سفید برساتی اسکارف اس نے چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا اور اس وقت وہ دوسروں کے ساتھ ٹیل کی ٹنگ ٹنگ کرتی تھی اس دیوار کے پاس جا رہی تھی جس کے دوسری جانب عثمان کا گھر تھا۔

”عثمان! خرمین کی چنگھاڑتی آواز پر میزہ کے بھی کان بھنجنا اٹھے تھے۔

”اٹھو تو کیا ہوں، کیا دنیا سے اٹھ جاؤں اب؟“ عثمان کی جوابی دھماڑے بھی درمیانی دیوار کو لرزادیا تھا۔

”جلدی آ جاؤ ورنہ ناشتے کے نام پر تھپڑ کھاؤ گے، اماں باوا چلے گئے لاؤ لے کو ہمارے سر چھوڑ گئے۔“ اس سے پہلے کہ خرمین مزید تعلقاتی میزہ کی ہنسی نے اسے چھوڑ دیا تھا۔

”تم کب آ گئیں اور اتنی صبح؟“ خوشگوار حیرت کے ساتھ خرمین نے اسے گلے لگا لیا تھا۔

”میں تب سے یہاں ہوں جب تم اپنے محن کو ریپ ہٹائے کیٹ واک کر رہی تھیں۔“ میزہ ہنسی تھی۔

”میں تو اس وقت واقعی کھسائی ملی بنی ہوئی ہوں، کب سے تیار بیٹھی ہوں تاکہ عارش کے ساتھ ہی پارلر کے لیے لال جاؤں گی، آج سے اس کا آفس شروع ہو رہا ہے، مگر اس کی فینڈوٹ رہی ہے اور اس ننگی عثمان کی، میرا ملحق بن جائیگا، شک ہو گیا، ابھی کچھ دیر پہلے اس کے گھر کا دروازہ دھڑ دھڑا کر آئی ہوں تو اٹھا ہے اور عارش پر تو اب میں پانی کا بک اٹھ بیٹنے والی ہوں۔“ میزہ کے ساتھ برآمدے میں آتے ہوئے وہ تفصیل بتا رہی تھی۔

”حیرت ہے کہ تمہاری آواز پر بھی عارش کی فینڈوٹیں ٹوٹی۔“ میزہ نے معنی خیر لہجے میں کہا تھا۔

”ویسے تم ذمہ نہ کرو، پانی کا بک تو میں بھی اغذیل سکتی ہوں، ہے کہاں وہ؟“

”اپنے کمرے میں اور کہاں۔“ خرمین ہیزاری سے بولی تھی۔

”میں نے احتیاطاً پوچھ لیا، وہ تمہارے کمرے میں بھی دستیاب ہو سکتا ہے، پابندی تو کوئی ہے نہیں، مگر یہ عارش بالکل ہی بدحواس دھواں تک کی چیز نکلا ہے۔“ مسکراہٹ چھپائے میزہ بولی تھی۔

”جب تک امی، بابا واپس نہیں آتے تم میری جان نہیں چھوڑو گی۔“ خرمین کے گھونر نے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

”یہ تم اتنی صبح کیسے نازل ہوئیں؟ اور کس خوشی میں تم اتنی چمک رہی ہو؟“ گھر کھنکھنے والے انداز میں ہی خرمین نے

ان کا جائزہ لیا تھا۔

”تمہاری کہاں یہ قیودیشن کے ہاتھوں کا کمال ہے، بھائی کے ساتھ گئی تھی تو میں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھالیا اور بس دل چاہا کہ عارش سے ملنے کا تو بھائی کے ساتھ ہی نکل آئی وہ مجھے یہاں ڈراپ کر کے آفس چلے گئے۔“ میزہ نے تفصیل بتائی تھی۔

”ابھی ابھی اور پیچ لگ رہی ہو، بالوں کی کٹنگ بھی تمہارے چہرے پر سوٹ کر رہی ہے۔“ تعریفی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے خرمین نے اس کے اداہ کھلے سٹکی بالوں کو چمکوا دیا تھا۔

”اچھا ہوا تم آ گئیں، بیلا گھر پر میرا انتظار کر رہی ہے، ہم دونوں ساتھ چلیں گے، آخری بار ذرا تم عارش کو آواز دے دو، میں ان دونوں ست مردوں کا ناشتہ ٹیل پر لگا دیتی ہوں۔“ میزہ کو ہدایت دیتی وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”عارش! تمہیں اب ناگ بند کرنا پڑے گا کیونکہ میں آ چکی ہوں۔“ دروازے پر ناک کرتے ہوئے میزہ نے آواز لگائی تھی۔

”اس وقت تمہارا آنا ضروری تھا، موڈ خراب کر دیا۔“ اندر سے آواز ابھر رہی تھی۔

”اب آ کر پھر اچھی طرح موڈ ٹھیک کرتی ہوں تمہارا۔“ میزہ ہنستے ہوئے خود بھی کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

”میں کچھ مدد کروں تمہاری؟“ فرنیس جوس کے سب لہجے میزہ نے کہا تھا۔

”ہاں بالکل مگر صرف ناشتہ کرنے میں۔“ خرمین نے ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالی تھی۔

”منافا عارش نے ایک بار بھی ابو سے نہیں کہا کہ وہ اس کا گھر دیکھنے آئیں۔“ میزہ کی اس اچانک شکایت پر خرمین اُلٹت کھانا بھول گئی تھی۔

”میں جانتی ہوں، تم میرے علاوہ میرے گھر کے کسی فرد سے تعلق نہیں رکھنا چاہتیں اگر ایسا ہوتا تو تم عارش سے کہتیں کہ وہ میرے ماں باپ کو بھی اپنی خوشی میں یاد رکھے، عثمان کے گھر والوں سے زیادہ میرے ماں باپ کا حق تھا کہ انہیں پہلے یاد رکھا جاتا۔“ شکایتی لہجے میں بولتے ہوئے میزہ رک کر عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو یقیناً اس کی شکایت سن چکا تھا۔

”تھانک یو خرمین کے سپاٹ تاثرات پر ڈالو وہ ٹیل کے گرد کرسی بھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

”تمہیں یہ کیوں نہیں لگتا کہ تمہارے علاوہ تمہارے گھر کا کوئی دوسرا فرد خرمین سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا؟“ عارش کے لہجے پر میزہ کچھ بولی نہیں تھی، بس خرمین کو دیکھا تھا جو نظر چرائی آلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”اگر کسی کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے یاد ہے کہ مصطفیٰ ماموں مجھ پر کتنا حق رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ میں نے ایک گھر لیا ہے کیونکہ اسے خریدتے وقت میں نے ان سے بھی مشورہ لیا تھا، میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ گھر مجھے آئیں، مگر انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ماموں جان اور مامی کے واپس آنے کے بعد ان کی موجودگی میں گھر لینا کہ تاکہ ان سے ملاقات بھی ہو جائے لیکن تمہاری شکایت سننے کے بعد میں سوچ رہا ہوں کہ باقاعدہ دعوت نامہ سے تمہارے گھر آؤں۔“ خشکی نظروں سے عارش نے میزہ کے شرمندہ تاثرات دیکھے تھے۔

”کیلو بھی اب جلدی ناشتہ شروع کرو۔“ قرم ماس اٹھاے خرمین خود بھی ٹیل کے گرد آ بیٹھی تھی۔

”آئی ایم سوری خرمین! مجھے تم سے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا، مگر میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ یہاں سے ابو کو ایسی



”شرمندہ مت ہو نیزہ! تم نے جو گھڑ کیا وہ ٹھیک تھا، تمہاری جگہ میں ہوتی تو میں بھی جی بکیتی، عارض نے ہم پر ہاتھ پڑا دیا وہ پہلے کر دیتا تو جی نہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔“ خرمن نے ہلکے ہلکے انداز میں کہا تھا۔  
”مجھے پتہ ہے کہ تمہارے مقصد کے ہر پہلو میں سب کے لیے بھلائی ہوتی ہے، مگر تم کرواؤ یا با جس دن تم کو جانیں گے، اسی دن تمہارے گھر سے بھی سب وہاں انوائٹ ہوں گے، نئے گھر کے اس سر پرانہ پر با عارض سے مل کر ناراض ہونے والے ہیں، مگر تم سب کی موجودگی میں اس کی کچھ بچت ہو جائے گی۔“ قمر ماس سے چائے ٹبلک میں ڈالنے ہوئے خرمن مسکرائی تھی۔

”ویسے آج جی نہیں کیا ہوا ہے؟“ ماسٹے سے ہاتھ روک کر عارض نے نیزہ کو دیکھا تھا۔

”کیا ہوا ہے مجھے؟“ نیزہ نے جراتی سے پوچھا تھا۔

”اچھی لگ رہی ہو۔“ عارض کے تعریفی لہجے پر خرمن نے چمک کر پہلے اسے اور پھر نیزہ کو دیکھا تھا۔

”اب کون سا کام لکھانا ہے جو مکس پالش ہو رہی ہے؟“ نیزہ نے نفرت سے کہا تھا۔

”نہیں واقعی تم بہت اچھی لگ رہی ہو، صبح صبح جھوٹ بول کر مجھے اپنا سارا دن خراب نہیں کرتا۔“ عارض کے مسکراتے لہجے نے ایک بار پھر خرمن کو چوکا دیا تھا مگر وہ سر جھٹکتی کچن میں آتے عثمان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”بڑی خوش ہوئیں کھیرتے ہوئے آ رہے ہو، خیریت تو ہے؟ صبح ڈیڑھ کے تو چائیں نہیں ہو سکتے۔“ نیزہ نے ”خیر مسکراہٹ کے ساتھ عثمان کو دیکھا تھا۔

”کیوں نہیں ہو سکتے چائیں؟ تم آگئی ہو صبح۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ عثمان، عارض کے ساتھ ہی ٹیبل کے گرد بیٹھا تھا جبکہ خرمن سرعت سے جوس کا گلاس اور سینڈویچ وغیرہ عثمان کی پلیٹ میں سجا کر پیش کرنے لگی تھی۔

”پتہ نہیں سورج آج کہاں سے نکلا ہے، عثمان کی بڑی خاطر میں ہو رہی ہیں۔“ نیزہ نے جتانے والے انداز میں خرمن کو دیکھا تھا۔

”یہ ایسی ہی ہیں، پہلے خوب جوتے مارتی ہیں پھر سہلاتی بھی خود ہی ہیں۔“ عثمان کے خشمگین لہجے پر خرمن ہنس مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

”زیادہ ایشیئن میں جاب مل رہی ہے حضرت کو، پہلے مبارکباد دو گی یا ٹریٹ مانگو گی؟“ عارض نے بروقت نیزہ کو اکسایا تھا۔

”واقعی... یہ تو بہت خوشی کی بات ہے تمہاری آواز صداکاری کے لیے بیٹ ہے۔“ نیزہ ہنسی تھی۔

”صداکاری پر ابھی قیامت نہیں آئی ہے، البتہ وہاں کی مینجمنٹ کے شعبے میں یہ پہل چانے ضرور جارہے ہیں۔“ عارض نے مزید بتایا تھا۔

”مجھے کیوں نہیں بتایا تم نے؟“ خرمن نے عثمان کو گھورا تھا۔

”پہلے دل بھر کر تمہارے ہاتھوں بے عزت ہو جاؤں، اس سے فرمت ملے تو جی نہیں کچھ بتاؤں۔“ عثمان سر جھٹکے ہوئے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”تم ہی مجبور کرتے ہو، ایک آواز میں اٹھ جاؤ تو میرا دماغ خراب ہوا ہے کہ برا بھلا کہوں، اب ٹھیک طرح ناشتہ کرو۔“

”میں ہی تم نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا عرو، آجی کو جواب تو مجھے ہی دینا ہوتا ہے۔“  
”میں جا کر دیکھ لی ہوں سورج کہاں سے طلوع ہوا ہے، خرمن اتہارے لکھے سے عثمان کے لیے ماسٹک نہیں رہی  
”میں ہی ہے۔“ نیزہ حیرت سے بولی ٹھکسلائی تھی، جبکہ خرمن اس مسکراہٹ چھپائے اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

لی وی نے نظر دینا کہ اس نے قارآن کو دیکھا تھا جو اس کے قریب ہی سونے پر آ بیٹھا تھا۔

”ٹریٹ لے لی تم نے، سکون ملا؟“

”ظاہر ہے مان ماموں کو جاب ملی ہے، زبردست ڈنر لے کر ان کی جان چھوڑی ہے۔“

”وہیں تک جاتے رات میں، وہ اکیلا ہوگا۔“ بیلا نے کہا تھا۔

”میں تو رک رہا تھا مگر انہوں نے ہی بھیج دیا کہ کبھی مجھے کالج سے چھٹی کا بہانہ نہ مل جائے۔“

”ظاہر ہے ماموں بھانجے دونوں ہی بے خبری کی نیند سونے کے عادی ہیں۔“ بیلا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا جبکہ قارآن یکدم سنجیدہ ہوتا سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

”رات کے گیارہ بج کر واپس آ رہے ہو، میں فون نہ کرتا تو تم بھی ہوش میں نہ آتے۔“ فاروق کے ناگوار لہجے پر وہ سونے پر ہاتھ رکھتا جبکہ بیلا فوراً ہی جانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔

”خرمن کا گھر سیٹ ہو چکا ہے، یا ابھی بھی اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے؟“ فاروق کے سرد لہجے پر اس کے قدم کھینچے۔

”نہیں۔“ جواب دیتے ہوئے اس نے فاروق کی جانب دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر اب جی نہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ یہاں آتی ہے تو ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔“ ان کے غم پر بیلا نے ایک نظر قریب آتیں عرو سے کو دیکھا تھا اور اگلے ہی لمبے قدموں کے ساتھ لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

”پاپا! خرمن آئی ان کی دوست ہیں، آپ آپ کو ان کی طرف جانے سے کیوں روک رہے ہیں؟“ قارآن نے دھیمی آواز میں احتجاج کیا تھا۔

”تم اپنا تندر کو۔“ حسب توقع فاروق نے تفصیلی نظروں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

”کیا میں جانتا نہیں ہوں کہ وہاں کن مقاصد کو پورا کرنے کے لیے بھاگ بھاگ کر جایا جاتا ہے، خرمن کے گھر میں کون بیٹھا ہے لگا میں ڈالنے والا، ان کو تو مل گئی کھلی چھٹی۔“ ان کے شدید ناگوار لہجے پر عرو نے تنہی نظروں سے

”ان کے سنے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا اور ساتھ ہی اشارہ دیا تھا۔

”قارآن کے سامنے زیادہ کچھ کہنے سے احتراز کر لیا کریں۔“

”دو صبر رہا نہیں، میں اس کا باپ ہوں، تمہاری ان ہی باتوں کی وجہ سے تمہاری اولاد بھی ایک دن میری نافرمانیوں کا شکار ہے، ایک کا تو بڑا فرق کر چکی ہو تم۔“ عرو کی بات کا سننے وہ ہلک کر ہی اٹھ اٹھے تھے۔

”آپ اسے فرق کر رہے ہیں، آپ اسے خود سے باقی کر رہے ہیں، جس دن سے اس گھر میں آئی ہوں اس گھر کے گھر میں آپ کی بہن کے لیے میں نے اپنے آپ کو بھی بھلا دیا اور مجھے کیا حاصل ہوا ہے، الزام پر الزام... بہتان پر بہتان۔“



اگر آپ کے اصرار پر ہیں تو مجھے صبح دیکھنی نصیب نہ ہو۔ بلند آواز میں بولتے ہوئے عروسہ آنسوؤں کو ضبط نہیں کرسکتی تھیں مگر ان کے سامنے رکی بھی نہیں تھیں۔

☆ ☆ ☆

اسکارف اتارتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے آرکی تھی، اودھ کھلے بالوں سے کچھ ہٹا کر اس نے بالوں کو مکمل طور پر گردیا تھا، انورا پنے کس کو دیکھتے ہوئے اس نے پیشانی پر پکھڑتیں تراشیدہ لٹوں کو اٹھائی سے ایک طرف بنایا تھا، مگر اس کی طرح پھلتی پھر اس کی دائیں ابرو پر آنکھیں تھیں، غائب دماغی کی کیفیت میں وہ بالوں کو دھیرے دھیرے انگلیوں سے سلجھاتی اپنا جائزہ لینے لگی تھی، یہ نہیں کیوں آج میزہ کا نیاروپ دیکھنے کے بعد اسے کیوں اپنا بھی خیال آگیا، ذرا سی توجہ نے آج خود اس کے روپ کو بھی کچھ بدل دیا تھا، حالانکہ پارلر میں تمام گر سکھ لینے کے باوجود اس نے کوئی کمرنگی خود پر نہیں آزمایا تھا، مگر آج میزہ کو دیکھ کر اسے بھی خود کو پہنچ دینے کا شوق چڑھا یا اور اس شدت سے کہ آج پارلر میں اس نے اپنے آپ کو بیلا کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ اپنے تمام کمراس پر آزمائے۔

اس کی اس اچانک خواہش نے پہلے تو بیلا کو حیران کیا، اس کے بعد تو اس کی بیٹی ہی نہیں رکنے کا نام لے رہی تھی، سارا وقت وہ عارش کا نام لے کر اسے تنگ کرتی رہی تھی، جبکہ خرمن بس کوفت میں ہی جتا ہوتی تھی، کیونکہ وہ اسے عارش کی تعریف اور توجہ کی ضرورت تھی نہ ہی وہ اس کے لیے خود کو نکھارنا چاہتی تھی، یہ بالکل سچ تھا کہ علاج پیسے رشتے کے قائم ہو جانے کے باوجود عارش کے لیے اس کے دل میں کوئی انوکھے جذبہ بات و احساسات کی رقیق تک نہیں جاگتی تھی، نہ اس کے نام پر دل کی دھڑکن تیز ہوتی تھی نہ اس کی موجودگی میں دل کی دھڑکن رکتی تھی، نہ ہی اب اس سے بات کرتے ہوئے وہ ہنست تھی، نہ ہی اس کی طرف دیکھنا کوئی قیامت ہوتا تھا، کچھ بھی تو نہیں تھا، جسے محسوس کیا جاتا، جب جب وہ اپنے اور عارش کے تعلق کے بارے میں سوچتی اسے ابلائی آنے لگتی تھی، وہ عارش سے کیا خود سے ہی بیزار ہو جاتی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ اب ایک انازل زندگی گزار رہی ہے اور جانے کب تک اس انازل زندگی میں اسے سانس لینی تھی۔

کچھ چونک کر اس نے بندروازے کو دیکھا تھا اور پھر وال کلاک کو، اس وقت عارش کی پکار نے اسے حیران کیا تھا۔  
"دو منٹ رکو، آ رہی ہوں۔" آواز لگاتے ہوئے اس نے کچھ میں بالوں کو سمیٹا تھا اور وہ پٹے بیڈ سے اٹھاتی دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

برآمدے کی گڑگڑلاک کرتے ہوئے وہ قریب آتی خرمن کی طرف متوجہ ہوا تھا، ایک ہل کو وہ ٹھٹھکا ضرور تھا، برآمدے کی تیز روشنی میں کسی تبدیلی کا احساس اسے بھی ہوا تھا، دوسری جانب خرمن اس کی طرف متوجہ نہیں تھی، کیونکہ وہ اس سے بے ترتیب ہوتے تخت پرش کو ٹھیک کرنے لگی تھی، عارش دیکھ سکتا تھا کہ اس کی پشت پر نکھرے بالوں کی لمبائی میں کچھ فرق بھی آگیا ہے۔

"کیوں بلایا ہے مجھے؟" پھر سے پر آتی تراشیدہ لٹیں لا پر وہی سے کان کے پیچھے کرتی وہ اس کے مقابل آرکی تھی جبکہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے عارش کا سانس لینا مشکل ہو گیا تھا فوراً ہی وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا گیا تھا۔  
"کیا بات ہے؟" اس کی کیفیت سے بے خبر خرمن اس کی خاموشی پر الجھ گئی تھی۔

"یہ ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ ہاجمل میں ایٹھ مٹ ہو چکے ہیں۔" اس کی جانب دیکھے بغیر ہی وہ بولا تھا۔  
"اندر جم کرے، کوئی خطرے کی بات تو نہیں؟ بابا کو اطلاع دی تم نے؟" خرمن اپنی تشویش کو نہیں چھپا سکتی تھی۔

"ابنہ کا شکر ہے کہ ابھی بڑے ماموں کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی ہے، میں نے ان سے بات بھی کی ہے، ماموں جان اور بابی کو وہ بہت یاد کر رہے ہیں، مگر انہوں نے مجھے منع کیا ہے کہ میں ماموں جان تک ان کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع نہ پہنچاؤں، چند دن تو رہ گئے ہیں ماموں جان اور بابی کی واپسی میں، میں سوچ رہا ہوں کہ ماموں جان اور بابی بڑے ہسپتال کی طرف جائیں وہاں سب کے ساتھ وقت گزاریں، اور خود اپنے ساتھ بھی۔" عارش نے ایک لگاوا سے دیکھا تھا جو عجیب و غریب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ماموں جان اور بابی نے اپنی آدمی زندگی وہاں گزار دی ہے، وہاں ان کی بہت سی یادیں ہیں۔" بولتے ہوئے وہ ایک ہل کو رکھا تھا۔

"تم بیٹھو پہلے۔" بولتے ہوئے وہ اس سے پہلے ہی تخت کی طرف بڑھ گیا تھا، جبکہ ایک گہری سانس لیتی خرمن اس کی تحقیر میں تخت کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔

"ماموں جان اور بابی نے اپنا بہت وقت ہمیں دے دیا ہے، وہ ہم دونوں کے لیے ہی جیتے آئے ہیں، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنی عمر کے اس دور میں وہ اپنا بچہ سارا وقت اس زمین پر گزاریں جہاں سے ان کا خیر اٹھا ہے، جہاں ان کے اذکار و پیسے بہت سے لوگ ہوں گے جو ماضی کی تمام تکلیفوں کو بھلا کر ان دونوں کو اپنے قریب رکھنا چاہتے ہیں، قاصدوں کو جاننا چاہیے ہیں۔"

"تم مجھ سے تو یہ سب اس طرح کہہ رہے ہو جیسے امی بابا کو میں نے یہاں بانٹھ رکھا تھا۔" وہ درمیان میں ہی ترح کر بولی تھی۔

"ایسا ہرگز نہیں ہے، جن لوگوں نے فاصلے بڑھائے اگر وہ خود ان قاصدوں کو سمیٹنا چاہتے ہیں تو صرف اس لیے کہ ان سب کو احساس ہو چکا ہے، وہی اپنی بلا وجہی ان کے ہاتھوں تمام بنے تھے ان سب میں بڑے ماموں بھی شامل ہیں، اگر لیکن تمہارے دل میں ان کے خلاف کچھ ہوتا تو تم بڑے ماموں کی طبیعت کا سن کر پریشان نہ ہوتیں۔"

"کوئی اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ میں نے تمہارے رشتے داروں کے لگائے زخموں کو بھلا دیا ہے، اگر مجھے کسی کی بات ہے تو شخص اس لیے کہ بابا کے لیے اس انسان کی کیا اہمیت ہے، وہ بابا کے بھائی ہیں، انہوں نے جو بھی کیا میرے ساتھ یا میرے ماں باپ کے ساتھ، امی بابا سب بھلا دیں مگر میرے دل میں میزہ کے علاوہ ان کے کسی رشتے دار کے لیے کچھ نہیں ہے۔" وہ تا کو اگلے لمحے میں بولی تھی۔

"میں جانتا ہوں، تمہارا دل بہت اچھا ہے۔" عارش نے کہا تھا۔

"اُمی بابا جانا چاہیں تو ضرور جائیں، ان کو جانا بھی چاہیے، تم نے جو کہا ٹھیک کہا، ویسے بھی تمہیں یاد ہوگا، بابا کی خواہش ہے کہ جہاں وہ رہتے تھے اس علاقے میں وہ ایک مسجد تعمیر کروائیں۔"

(جاری ہے۔)



## کبھی تو کبھی میری دل تو کبھی

”میں اسی طرف آ رہا تھا۔ یہی بات میں بھی کہنے والا تھا۔“ خرمین کا جھکاؤ کچھ کر عارض بھی پر جوش سا ہوا تھا۔  
”اب ہمارا وقت ہے کہ ہم ماموں جان اور مامی کی خواہشوں اور خوشیوں کا خیال رکھیں، انہوں نے بہت کچھ

لنوت: ردائی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردآ کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی راست ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ ورج کروائے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

ہے ہمارے لیے اب ہمیں ان کے لیے بہت کچھ کرنا ہے، جب ماموں جان اور مامی سرگودھا جاتی رہے ہیں، تو وہاں رہ کر وہ اپنی اس خواہش کو بھی پورا کر لیں گے، اسنے اچھے کام کے لیے دیر پا اٹکل نہیں جوتی چاہیے۔“  
”ہیلان دونوں کو یہاں تو واپس آنے دو، یا انہیں ایئر پورٹ سے ہی سرگودھا روانہ کر دو گے؟“ خرمین کے خشکیں لیے پر وہ کچھ شرمندہ ہوا تھا۔ جبکہ خرمین تخت سے اٹھتی بری طرح چوگی تھی۔  
”وہیکوڈ را اس غیبت کی حرکتیں دیکھو۔“ بری طرح تھلا کر عارض کو دیوار پر گلے عثمان کی طرف متوجہ کرتی وہ گرتی۔  
کے قریب لگی تھی۔



"کیا ہو رہا ہے یہاں پر؟" یہ مت سمجھنا کہ میں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں، تم دونوں کی طرف سے، رات کے بچے کمرے سے باہر کیا کر رہی ہو تم؟" عثمان نے بڑی سختی سے باز پرس کی تھی۔

"تمہارے سوئم کی پلاننگ کر رہی ہوں، نیچے اتار دیا رہے۔" وہ مطلق کے بل چینی تھی جبکہ عمارش مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔

"خود بھی گزرتے قریب آ گیا تھا۔"

"میں دیوار پر ٹھک رہا ہوں، اسے باہر کیوں نہیں نکالتیں جسے بچہ میں لے کر بیٹھی ہو، اپنوں پر بھروسہ نہیں ہے، غیر ملکی پر اعتبار ہے۔" عمارش کی طرف اشارہ کرتا وہ ہانکی دے رہا تھا۔

"تم دیوار سے بیٹھ ہو یا نہیں؟" وہ پھر چینی تھی۔

"تا کہ تم دونوں پھر رومانس شروع کر لو؟" وہ لڑنے والے انداز سے بولتا خرم کا پارہ ہائی کر گیا تھا۔

"عمارش اگر لڑکلا لاک کھلو، اسے آج میں نے جنم رسید کیا تو میرا نام بدل دیتا۔"

"عمارش! میرے خیال میں پھلون دیوی نام ٹھیک رہے گا۔" عثمان نے آواز لگائی تھی۔

"بکو اس مت کرو، ہنود دیوار سے۔" بلا آخر خرم کے ہی ڈر سے عمارش کو بولنا پڑا تھا۔

"یہ ساری بکواس بھی تمہاری ہے۔ پری ہو رہی ہے، تم بھی ایک نمبر کے کائیاں ہو۔" غصے میں وہ عمارش پر بھی برسی گئی تھی، جسے عثمان نے خوب قہقہے لگا کر انجوائے کیا تھا۔

"انشاء اللہ ایسے ہی جیسے ہتے دیتا ہے جاؤ گے۔" خرم کا میں نہیں چاؤ نہ کر لڑ توڑنے کے بعد جا کر اس کا سر بھی توڑ دیتا۔

"ای، بابا کے آنے تک یہ اب اس گھر میں قدم نہیں رکھے گا اور اگر اس کے لیے تمہارے دل میں درد جا کا تو تم بھی گھر سے نکلنے کی تیاری کر لیتا۔" عثمان کی فنی جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی، خونخوار انداز میں عمارش کو وارننگ دیتی وہ تن فٹن کرتی کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"اب بیٹن کی بائسری بھاؤ، اتنی ضروری بات کر رہا تھا میں اس سے، کب سے لگور بہ بیٹھے تھے دیوار پر؟" عمارش نے خشکیں لہجے میں اسے گھر کا تھا۔

"بس اسی وقت جب میری چھٹی جس نے مجھے خبردار کیا کہ استانی خطرے میں ہے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا تھا۔

"ذرا سی شرم کر لو، اپنے دوست پر شک کر رہے ہو تم؟" عمارش نے ناراضی سے کہا تھا۔

"شک نہیں مجھے پورا یقین ہے، مجھے شرم دل رہے ہو، میں بھی تو تمہارا دوست ہوں، میری پہلی محبت کو مجھ سے چھیننے ہوئے تمہیں شرم نہ آتی؟"

"روتے رہو پہلی محبت کو، اور اپنے کھانے پینے کا بندہ دست اب خود کر لو تمہاری استانی ہاتھ بھاڑ گئی ہے۔"

"شرافت سے صبح میرا ناشتہ لے آنا، وہ دن ایسے ایسے اسکیٹل پھیلاؤں گا، دنیا میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔" عثمان کی وارننگ پر وہ ہنستے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عثمان کی اس چھیڑ چھاؤ کو خرم نے کسی حد تک سنجیدہ کر دیا تھا اس کا اندازہ عمارش کو صبح ہوا تھا، بیدار ہونے کے بعد دو بجت میں آفس کے لیے تیار ہوا تھا، لیکن میں خرم کو کچھ کمرے سے حیرانی ہوئی تھی، اس وقت وہ عمارش کو عروس کی طرف جانے کے لیے بالکل تیار نظر آتی تھی، پارلر کے اوقات دو چہرے سے اسٹارٹ ہوتے تھے، صبح اسے عمارش کے ساتھ اس لیے لگتا ہوتا تھا کہ وہ اس کے جانے کے بعد تنہا گھر میں کیسے رہتی اور تنہا کیسے عروس کے گھر تک جاسکتی تھی، سوائے

مارش کے ساتھ ہی صبح گھر سے نکلتا ہوتا تھا، قاطرہ یہ سارا نام ٹھیک بنا کر لگتی تھیں جبکہ احمد حسین نے بھی اسے تاکید کی تھی کہ اسے گھر میں جہاں بالکل نہیں رہنا، عمارش کو اس بارے میں کسی تاکید کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ خرم کے معاملے میں بہت محتاط رہے گی، عمارش اور اب مزید دو گیا تھا۔ قاطرہ اور احمد حسین کی غیر موجودگی میں روٹین بالکل پہنچ ہو گئی تھی، اس کے بعد عمارش گھر آنے کے بجائے اکیڈمی چلا جاتا تھا، عثمان کی وجہ سے اسے یہ سہولت ضرور مل گئی تھی کہ خرم کی وجہ سے آٹھ بجے اکیڈمی سے شری ہو کر عروس کی طرف سے خرم کو پک کر بلا جاتا تھا، اس کے بعد گھر سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، گھر کے لیے خرم کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو پارلر سے واپسی پر وہ پیغام کر لیتی تھی۔

"عثمان کا ناشتہ تیار کر دیا ہے، اسے اس کے گھر پر ہی دے آؤ۔" آلیٹ کی پلیٹ ٹھیل پر چینی دو جس طرح بولی تھی، مارش کو اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ مطلع رات سے ہی امیر آلودہ ہو چکا ہے۔

"ٹھیک ہے میں اس کا ناشتہ اس کے گھر پہنچا دیتا ہوں مگر تم اب تک تیار کیوں نہیں ہو؟ مجھے آفس پہنچنے میں کہیں دیر نہ ہو جائے۔" ٹھیل کے گرد بیٹھا وہ اس سے مخاطب تھا جو دوپٹے چہرے اور شانوں کے گرد لپٹے خطرناک تیروں میں دکھائی دے رہی تھی۔

"تم آفس چلے جاؤ، میں آج کہیں نہیں جا رہی۔" بریل پر کھنک لگتی وہ بولی تھی۔

"مگر میں تمہیں گھر میں تنہا چھوڑ کر کیسے جاسکتا ہوں؟" عمارش دنگ ہوا تھا۔

"اب یہ مجھے نہیں پتہ، میں نے کہہ دیا ہے کہ مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس کے جھڑکنے والے انداز پر عمارش کے تاثرات بدلے تھے۔

"مگر میں تمہیں اس طرح چھوڑ نہیں جاسکتا۔"

"میرا دماغ مزید خراب مت کرو تم۔" وہ اس کی بات کا قی بھرا تھی تھی۔

"سب نے مل کر مذاق بنا کر رکھ دیا ہے مجھے، میری زندگی کو، جب سے ای بابا گئے ہیں مجھے تمہارے ساتھ چھوڑ کر، عذاب بین کی ہے میری زندگی، رات کبھی گزری؟" صبح کب ہوئی؟ عمارش نے کیا کہا، میں نے کیا سنا؟ میرا دماغ چھٹ جانے لگا ان سوالوں کا سامنا کرتے کرتے مہن آنے لگی ہے مجھے خود سے۔" سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ چھٹ پڑی گئی۔

"سب کو خرم ایلا، عثمان اور سیزہ۔" یہ تیوں مجھ سے زیادہ تمہارے قریب ہیں، تمہیں چاہیے ہیں پرواہ کرتے ہیں تمہاری تنگ کرتے ہیں تمہیں تم سے اپنائیت کا ایک طریقہ، ایک اعجاز ہے یہ سب اور کچھ نہیں۔" دنگ نظروں سے اسے دیکھ کر بدستور بول رہا تھا۔

"نہیں چاہیے مجھے ایسی اپنائیت جو مجھے خود سے شرمندہ کر دے، تمہاری وجہ سے، صرف تمہاری وجہ سے میری زندگی ایک نہ ختم ہونے والا عذاب بن چکی ہے۔"

"میں جانتا ہوں میں تم پر عذاب بن کر مسلط ہو چکا ہوں، میرا نام سننا بھی تمہارے لیے شرم کا باعث ہے، تو وہ عمارش کو تمہاری زندگی سے میرا نام و نشان مٹ جائے۔" سرخ چہرے کے ساتھ وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے کرسی پیچھے ٹھیک کر اٹھتا لیکن سے لگتا چلا گیا تھا۔ کمرے میں آتے ہی اس نے عثمان کو کال کی تھی۔

"تم تو اس کا بارغ پلیٹ دیتے ہو، جھگڑنا تو مجھے پڑتا ہے، اب بتاؤ کیا کروں میں؟" وہ شدید غصے میں عثمان پر برس پڑا تھا۔

"معاف کرو دیوار از بان سے پھسل ہی جاتی ہے، فکر مت کرو، میں ابھی بلا کون کرتا ہوں، کوئی بہانہ بنا کر فاران کو بھیج دے گی خرم کو لے جانے کے لیے۔" شرمندہ ہوتے ہوئے عثمان نے معاملے کا حل نکالا تھا۔



دس منٹ میں ہی فاران گھر آ پہنچا تھا، چلائے جانے کوں سا بھانہ تیار کیا تھا کہ خرمن فراموشی جانے کے لیے ہو گئی تھی، فاران کے ساتھ اس کے جانے کے باوجود عارش کو اعصابی تکان سے چمکارا نہیں مل سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

کروٹ بدلتے ہوئے اس نے سائیز نیپل پر رکھے لیپ کو آن کر دیا تھا، تارکی کو ختم کرنے کے لیے بوس روٹھی ایک کرن ہی کافی ہوتی ہے، لیپ سے پھونتی دم خم شاموں کو وہ دیکھے گی تھی، اس کے ارد گرد موجود تارکی کو بھی بوس اس ختم ہو جاتا تھا، بہت جلد ایک من چاہے شخص کی محبت کی روشنی کا ہالاس کے گرد بننے والا تھا، ہمیشہ قائم رہنے والا تھا۔ یہ چونک کر اٹھتے ہوئے اس نے بے تابی سے سیل فون پر آئی کال کو رد کر دیا تھا۔

”میں کب سے انتظار کر رہی ہوں، اب وقت ملا ہے تمہیں میرے لیے؟“ دم خم آواز میں اس نے شکایت کی تھی۔  
”سارا وقت تمہارے لیے ہے مگر کیا کروں کہ اور بھی تم ہیں زمانے میں محبت کے سوا؟“ عثمان کے مسکراتے لہجے وہ چپ رہی تھی۔

”خرمن کے گھر ہی آ جاتیں اسی بھانے نظر پھر کر تمہیں دیکھ تو لیتا، پتہ بھی ہے کہ میں یہاں اکیلا رہ گیا ہوں“ اس کے شکایتی لہجے پر یلا کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

”کیا ہوا ہے..... کچھ تو بولو“ اس کی خاموشی پر وہ حیران ہوا تھا۔

”مان! وہ میرے گھر سے پھلتے پر بھی نظر رکھنے لگے ہیں، انہوں نے مجھے خرمن کی طرف جانے سے بھی منع کر دیا ہے۔“ وہ روتے لہجے میں بتا رہی تھی۔

”ایسا یقیناً میری بیبے سے ہوا ہے۔“ عثمان کے نگوار لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

”اور تم نے زبان بند کر کے ان کے حکم پر سر جھکا دیا، اپنے لیے احتجاج تک تم نہیں کر سکتی ہو اور پہلی روز دھمکی کا ادا ہوا فیصلہ خود سے کرنے“ وہ شدید نگواری سے بولا تھا۔

”اس فیصلے میں تم میرے ساتھ ہو گے، اس لیے میں یہ قدم اٹھانے کی جرأت رکھتی ہوں اور اس جرأت کے لیے مجھے مجبور کیا جا رہا ہے، میں ان کے لیے اپنا سر بھی کاٹ کر ان کے قدموں میں رکھ دوں تو بھی ان کے لیے قابلِ نفرت رہوں گی، تا فرماں اور بدکردار رہوں گی، ان کے سامنے زبان بند رکھ کر مجھے کس اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا، مگر تم فکر مت کرو ایک بار تو ضرور میری زبان ان کے سامنے کھلے گی اس کے بعد ہمیشہ کے لیے میری زبان بند ہو جائے پرواہ نہیں مگر ایک بار میں انہیں ضرور آئینہ دکھاؤں گی۔“

”مجھے تمہاری اذیتوں کا اندازہ ہے، یلا! میں ایک بار مجھے اختیار ملے، وہ ایک ہل کے لیے بھی تمہیں اس شخص کی نظروں میں نہیں آنے دوں گا، جس نے تمہیں بدکردار کا لقب دے کر مجھے گالی دی ہے، میں نے جس پر غلطی سے بھی غلط لگا نہیں ڈالی، اس پر کچھ اور اچھا نہ لگے گا؟“ اس شخص نے کہا ہے، اپنے صبر اور جذبہ کو مزید کچھ وقت کے لیے قائم رکھو، اس کے بعد تم دیکھنا تمہارے ایک ایک آنسو کے بدلے وہ شخص آنسو آنسو بھائے گا، جب اسے مجھ سے اپنے رشتے کا لحاظ نہیں تو اب مجھے بھی اپنے اور اس کے رشتے کی پرواہ نہیں ہے، وہ تمہاری غلط دیکھنے کے لیے بھی ترس جائے گا؟ کیونکہ میں تو اس کی نظر تمہارے سامنے پر بھی نہیں پڑنے دوں گا۔“ عثمان کے شدید مشتعل لہجے پر وہ بوس خاموشی سے آنسو بہاتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

”وہ خوش نہیں ہے، وہ کہہ چکی ہے کہ میں کسی عذاب کی طرح اس پر مسلط ہوں، اس کے نزدیک اپنے اور میرے

درمیان موجود اس مقدس رشتے کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے، اس کے لیے آج بھی میری وہی اوقات ہے جو اس دن تھی، جب میں نے پہلی بار اس کے گھر میں قدم رکھا تھا، ان سارے جگ کو قبول کرتے ہوئے اس کی نظروں کے سامنے رہنا بہت مشکل ہے، شبہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، سانس لینا ناممکن ہو جاتا ہے، اس وقت بھی اس کلی فضا میں میرا دم ٹھٹ رہا ہے۔“ خاموشی کے ساتھ عثمان اسے دیکھ رہا تھا جو شدید تا سرف سے لولا جا رہا تھا۔

”میں یہ کیا کہتا ہوں کہ اسے میرے علاوہ کوئی چہرہ دکھائی نہ دے، میرے لیے وہ سب کچھ قربان کر دینے کا دعویٰ کرے، مجھے اس سے کچھ نہیں چاہیے، محبت بھی نہیں مگر... اسے میرے جذبات کی کچھ تو قدر کرنی چاہیے، کچھ تو عزت کرنی چاہیے میرے احساسات کی، کیا میرا یہ چاہنا غلط ہے؟ کیا واقعی میں نے خود کو اس پر مسلط کر کے کچھ ناجائز کیا ہے، زیادتی کی ہے اس کے ساتھ یا میں خود غرض ہوں جو اس سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں؟ میں یہ سوال اس سے پوچھنا چاہتا ہوں مگر...! اضطرابی لہجے میں لولا وہ یکدم خاموش ہو گیا تھا۔

”مگر تمہارے اندر اس سے دو ٹوک بات کرنے کی جرأت نہیں ہے، یہی سچ ہے۔“ عثمان کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

”عارش! تم جانتے ہو کہ نہ تم خود غرض ہونے چھوٹے ہو نہ تمہیں اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنا ہے، تم اس پر مسلط نہیں ہوئے ہو، نکاح کر کے اسے اپنی زندگی میں داخل کر رہے ہو، تمہارے محل اس بات کے گواہ ہیں کہ تمہاری نیت صاف ہے تو پھر تم اس کی بے مسمی، بے بنیاد باتوں میں الجھ کر خود سے بدنام کیوں ہو رہے ہو؟ دو ٹوک جواب دیا کرو اسے اسے تاؤ کہ اس کے فرمان کس حد تک غلط ہیں اور جب تک بتاتے رہو جب تک وہ خود غلط بات اپنی زبان پر لانا بند نہ کر دے، ایک بات تو حقیقت ہے محبت اور نرمی کی زبان بجز مدد کی کچھ ہے بالآخر رہتی ہے۔“

”میں اس جیسا تصور نہیں بن سکتا، نہ ہی میں خود کو اچھا ثابت کرنے کے لیے اس کے لیے اپنی زبان میں بخنی لاسکتا ہوں، کیونکہ میں اسے کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا، اپنی ذات سے اسے کوئی دکھ نہیں پہنچانا چاہتا۔“ وہ عثمان کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

”تو پھر سنتے رہو اس کی بے لاگ جس طرح ہمیشہ سے سنتے آئے ہو سر جھکا کر، ہاتھ باندھ کر۔“ عثمان نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا جو گہری سانس لیتا دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”عارش! میں تمہاری پراہم کو سمجھ رہا ہوں، میں جانتا ہوں تم استانی کی فرمائے بھرتی زبان کو روکنے کی گستاخی نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ اسے دل کا غبار نکالنے دو، اسے کچھ وقت دو تمہارے اور اپنے رشتے کو قبول کرنے کے لیے، اور ابھی اس کے ارد گرد کچھ بدلا بھی تو نہیں ہے، ابھی وہ اپنے ہی گھر میں اسی طرح تمہارے ساتھ رہ رہی ہے جس طرح پہلے رات ہی آئی ہے، کچھ وقت گزرے گا تو اس رشتے کو بھی وہ قبول کر لے گی، ایک دن آئے گا جب وہ درخصت ہو کر تمہارے گھر جائے گی، اس گھر میں رہے گی جو تم نے اس کے لیے بنایا ہے، تمہارے جذباتوں میں سچائی ہے تو تمہیں یقین رکھنا ہوگا کہ ان جذباتوں کا اثر اس کے دل پر بھی ہوگا، پیچھے آہستہ آہستہ ہی آئے گا، تمہیں اس کی پراہم بھی سمجھنی چاہیے، اس نے بھی تمہارے لیے اس طرح سے نہیں سوچا تھا جو کباب ہو چکا ہے، پھر اب ایک دم سے وہ کس طرح اپنے خیالات کو تمہارے لیے بدل سکتی ہے، اور تم نے کون سے محبتوں کے اعتبار دن رات اس کے سامنے کیے ہیں، جو اس کا دل تمہاری جانب راغب ہوتا، میری نظر میں وہ بالکل قصور وار نہیں ہے، حق پر ہے، اتنا بھی کیا یہ حد چاہیں کہ ڈائریکٹ نکاح کی غلامت بھڑی، پہلے کچھ اموجھو تو اس پر مہیاں کیے ہوتے تاکہ اسے بھی احساس ہو جاتا، دال میں کچھ کالا ہے۔“ اس کی دہلونی کرتے کرتے عثمان نے اچانک ہی اسے گھر کا تھا۔



”میں کیا کرتا، نکاح کا فیصلہ ماموں جان نے کیا تھا۔“ عارش بولا تھا۔

”اور پھر کیا جذبات کا اظہار ضروری ہے؟ کیا اہمیت ہے پھر ایسے جذبول کی جو کسی کے دل پر اثر انداز نہ ہوں؟“ وہ مایوسی سے سر جھٹکنا مزید بولا تھا۔

”اظہار ضروری ہے اسحق انسان، اور تمہارے معاملے میں تو اور بھی زیادہ تم ایک بار کوشش کرو، مجھے یقین ہے اس پر مثبت اثر ہوگا، کم از کم تم اسے اتنا احساس تو دلا سکتے ہو کہ وہ تمہارے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔“ عثمان کے عجیبہ لہجے پر عارش نے بس ایک لگاہ اس کی مسکراتی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

”چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔“ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ اٹھنے لہجے میں بولا تھا۔

☆ ☆ ☆

برآمدے میں ہی تخت کے کنارے بیٹھی وہ بے دلی سے کتابوں کے ورق پلٹ رہی تھی، بہکھون پیلے میز وٹنے بھی اسے ٹوک دیا تھا کہ اب اس کے پیچھے ضرور شروع ہونے میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا ہے، حالانکہ عارش اسے یاد دلاتا رہا تھا مگر اس کا بالکل بھی دل نہیں چاہتا تھا کتابوں کی طرف دیکھنے کا بھی۔

نظر اٹھا کر خرمین نے اس کے عجیبہ چہرے کو دیکھا تھا جو اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہا تھا، صبح کی صبح کھائی کے بعد اگر وہ اس سے نظر ملانے سے اسے مخاطب کرنے سے گریز کر رہا تھا تو یہ حیران کن بات نہیں تھی۔

”کھانا لے آؤں تمہارے لیے؟“ بلا خرمین نے اسے مخاطب کر لیا تھا۔

”نہیں، بھوک نہیں ہے۔“ گریز بند کرتا وہ اتنا ہی بولا تھا۔

”عثمان بھی کھانے کے لیے نہیں آیا۔“ اس کی پشت کو دیکھتی وہ بولی تھی، مگر کوا لاک لگاتے ہوئے عارش نے چاہا تھا کہ اسے یاد دلانے کہ وہ خود ہی عثمان کے یہاں داخل ہونے پر پابندی عائد کر چکی ہے مگر خاموش رہا تھا۔

”اب ایسے بھی کون سے تیر چلا دیئے تھے میں نے، میری زبان کو بھی کچھ نہیں لگتا۔“ اس کی لرزئی آواز پر عارش نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا اور اس کا دل جیسے مطلق میں آ گیا تھا، وہ اپنے آنسوئیں روک سکتی تھی اور عارش اس کے قریب جانے سے۔

”اپنے لیے ایسا مت کہو، تم اپنے دل کی بات یاغیے کا اظہار میرے سامنے نہیں کرو گی تو اور کس سے کرو گی؟“ اس کی ہیکلی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرتا وہ تڑپ رہا تھا۔

”مائی باہر کھانا کھا چکا ہے اور مجھے واقعی بھوک نہیں ہے اس لیے منع کیا، ایسا کچھ بالکل نہیں جیسا تم سمجھ رہی ہو۔“ اس کے مزید نرم لہجے میں کہنے پر وہ بس خاموشی سے اپنے پیچھے آنسوئیں لگاتی رہی تھی، چہرہ لکڑی ہو گیا تھا وہ اس کی ہیکلی پلکوں اور چہرے پر پھیلنے لڑنے کو دیکھتا رہا تھا اور پھر خود بھی تخت کے کنارے کچھ قافلے پر بیٹھ گیا تھا، اس وقت وہ سب کچھ بھول گیا تھا، اس کے سرخ پٹیلے کو اور اپنے دل کی اذیت کو بھی۔

”اُمی اور بابا بہت یاد آ رہے ہیں۔“ وہ دھجرائے لہجے میں بولی تھی۔

”مجھے بھی، مگر اب بس دو دن تو ہیں درمیان میں اور پھر۔۔۔!“ اسے تسلی دیتے دور کا تھا، اس کی کھائی پر نظر پڑتے ہی وہ چٹکاتا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“

”آج کھانا بھاتے ہوئے جل گیا تھا۔“ چڑیاں اوپر بھاتے ہوئے اس نے جلا ہوا نشان واضح کر کے اس کے سامنے کیا تھا، اسی لمحے عارش کے دل کو کچھ ہوا تھا، چہرے پر ہیکلی مصدمیت اور تکلیف کے آثار سجائے وہ اپنا زخم اسے

دیکھاتی اس کی روح تک کو چھوڑ گئی تھی، وہ کیا کہہ رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، یاد رہا تو بس اتنا کہ اس کے زخم پر مرہم لگا ہے، اسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس نے کب خرمین کی کلائی کو تھام لیا تھا، جبکہ خرمین نے حیرت سے اس کے لیے حد سمجھنے وچہرے کو دیکھا تھا۔

”خرمین! تم ماموں جان اور مائی کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتی ہو، کیا صرف میری خوشی کے لیے تم میری ایک اچھا کو مان سکتی ہو؟“ اس کے دم لہجے میں اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ بس سادگت نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

”تم کبھی مجھ سے نفرت مت کرنا، مجھ سے بیزار مت ہونا، تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہ ہو مگر تم کبھی میرے دل کے اس مقام سے مت ہٹنا جہاں میرے دل نے تمہیں رکھا ہے۔ تم میری زندگی کو آباد نہ کرنا چاہو تو مت کرنا مگر میرے دل کو براہ راست کرنا، کر سکتی ہو اتنا میرے لیے؟“ اس کی سادگت نظروں میں دیکھنا وہ پوچھ رہا تھا جو گنگ تھی، اگلے ہی بل خرمین کو اپنے دل کی دھڑکن رکھی محسوس ہوئی تھی، اس کی کھائی گرفت میں لے لے وہ جیلے ہوئے نشان کو چوم رہا تھا، کبھی پیاس تھی اس کے کس میں، چھرائی نظروں سے وہ اسے دیکھنے لگی تھی جو بند آنکھوں کے ساتھ عجیب جذب کے عالم میں اس کی کھائی پر لب رکھے ہوئے تھا، مگر اس کی سامنے خرمین کی آواز کی مختصر صی، پہلی بار بلا کسی خوف اور اندیشے سے پاک رجحانات اسے میسر ہوئے تھے اور ان رجحانات کو وہ گنوا نہیں چاہتا تھا، اس کے ہونٹ کھائی سے دھیرے دھیرے ستر کرتے پھسل تک پہنچے تھے جب خرمین کا سکتا ٹوٹا تھا، سرعت سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے وہ نکال گئی تھی، ہوش میں آتے عارش نے فقی چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا جو بھانکتی ہوئی اپنے کمرے میں چابی تھی، اگلے ہی بل وہ صاف ہوتے دماغ کے ساتھ اس کے پیچھے ہی گیا تھا۔

”خرمین! دروازہ کھولو، مجھے تم سے بات کرنی ہے، صرف 2 منٹ کے لیے ہی دروازہ کھولو، خدا کے لیے۔“ دروازے پر دستک دیتے ہوئے وہ مسلسل اس سے اٹھا کر رہا تھا، مگر جواب نہ دارو۔ عارش کے حواس منتشر ہو چکے تھے جب میں گیت کسی نے دھڑ دھڑایا تھا، اس وقت عثمان کی آمد اسے نصیحت لگی تھی، سرعت سے جا کر اس نے گیت کھولا تھا۔

”کہاں ہے استانی؟“ عثمان اس سے بھی زیادہ حواس باختہ انداز میں اندر گھسا چلا آیا تھا۔

”اچھا ہوا تم یہاں آ گئے۔“ عارش گھبرا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔

”میں یہاں صرف استانی کے بلانے پر آیا ہوں۔“

”اس نے تمہیں کیوں بلایا؟“ دماغ ہلک سے اڑا تھا جبکہ عثمان نے چونک کر اس کا جائزہ لیا تھا، جس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، اس شخص سے موسم میں بھی اس کی پیشانی پر پسینے کی پوندیں چمک رہی تھیں۔

”جب گھر کے محافظ نقب زنی پر امر آئیں تو میرے جیسے فرشتے کو ہی یاد کیا جاتا ہے۔“ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے عثمان نے بتایا تھا۔

”کیا فضول بکواس کر رہے ہو؟“ عارش نے ہلک کر اس کا بازو دبوچا تھا۔

”سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، تمہارے مشورے پر عمل کر کے میں نے اس کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا اور اب وہ بھی ہے اپنے کمرے میں دروازہ لاک کر کے، میں انتہائیں کر کر کے مر رہا ہوں مگر نہ وہ باہر آ رہی ہے نہ ہی مجھے اس کی آواز سنائی دے رہی ہے، اگر اس نے فیسے میں کچھ انسداد پیدا کر لیا تو میں کیا جواب دوں گا ماموں جان کو، میں تمہیں گل کر کے خوشی کر لوں گا مگر تم نے ہی دروغ لایا تھا مجھے۔“ شدید فیسے میں عارش اس پر غراٹھا تھا۔



”ایک منٹ... یہ کیا بات کہ رہے ہو تم؟“ دنگ نظروں سے عثمان نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

”مجھے تو ابھی خرمن نے کال کی ہے اور دھمکیاں دے کر کھانے کے لیے بلایا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ کمرے میں بند ہے، ابھی تم نے کہا کہ تم نے اس سے اپنے جذبات کا اظہار کیا مگر تم نے ایسے کون سے جذبات عیاں کر دیے کہ وہ کمرے میں بند ہو گئی؟ تم نے یقیناً کوئی الٹی سیدھی حرکت کی ہے۔“

”جو اس بند کروڑ روپے منہ توڑ دواں گا، جا کر اسے کمرے سے باہر لگا دو اور تم اپنے بیروں پر واپس نہیں جاؤ گے۔“ عارض بھڑک کر اس پر غرا ہوا تھا۔

”واہ... کمال ہو گیا، قبریں تم کھودو اور مٹی میں ڈالو۔“ عثمان نے کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”تمہاری قبر بھی کھود دوں نہیں؟“ ناگوار سی بولتے ہوئے وہ ایک دم رکا تھا جبکہ عثمان خود بھی برآمدے میں آتی خرمن کی طرف متوجہ ہوتا فوراً اس کی طرف بڑھ گیا تھا، جبکہ عارض بڑی دیر بعد اب کھل کر سانس لے رہا تھا۔

”تم کھانا نہیں کھاؤ؟ تو میں کل عروس آئی لو کیا بتاؤ گی، وہ تو یہی سمجھیں گی کہ میں تمہارے کھانے پینے کا خیال نہیں رکھتی، رکوش کھانا گرم کرتی ہوں، رکھا کر جانا۔“ عثمان کو کچھ کہنے کا موقع دے بغیر وہ ٹکٹ میں بولتی فوراً ہی بچن کی طرف بڑھ گئی تھی جبکہ عثمان حیرانی کے ساتھ قریب آتے عارض کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”عارض! میرے سامنے اب زیادہ معصوم مت بننا، ضرور تم نے کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے جو اسٹانی خوف سے سفید پڑ گئی ہے۔“ عثمان کے شکوک لہجے نے اس کے تاثرات بگاڑ دیے تھے۔

”جہنم میں جاؤ تم۔“ خونخوار نظروں سے عارض نے اسے دیکھا تھا جو تہہ لگا کر ہنستا بچن کی طرف جا رہا تھا۔



شدید بے چینی کے عالم میں وہ لاڈلے میں ٹھہرتی بار بار دواں کھا ک کی سمت دیکھ رہی تھی، ایک ایک پل جیسے صدی بن کر گزر رہا تھا، جانے کب آئے گا وہ وقت جب دوا اپنے شفیق باپ کے مہربان سینے سے ٹکے گی، اپنی ماں کی پرسکون محبت سے بھرپور آغوش میں سمائے گی، یہ انتظار بہت ٹھن تھا، ان کے بغیر دن رات کس طرح گزرے یہ وہ جانتی تھی یا اس کا رب۔

اسے پروا نہیں تھی کہ احمد حسین اور فاطمہ کو ایئر پورٹ پر ریسیو کرنے مصطفیٰ حسین اور ان کی بیوی بھی عارض کے ہمراہ گئے ہیں، یقیناً وہ سب ایک ساتھ اپارٹمنٹ تک پہنچیں گے، کوئی اور وقت ہوتا تو خرمن مصطفیٰ حسین کا سامنا کرنے سے گریز کرتی، مگر اس وقت ذہن میں فاطمہ اور احمد حسین کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ بے قدموں بیچونی کی رفتار سے گزرتا وقت اس کا امتحان لیتا ڈھ سال کر چکا تھا، جب کال بیل کی گونج نے اسے ایک پل کے لیے بے یقین کیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ دوڑتی ہوئی لاڈلے سے ٹکلی ملی، ایک جھٹکے سے دروازہ چھوٹ کھوٹ لے کر اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا، ہم آنکھوں کے ساتھ احمد حسین نے اس کے پیچھے چہرے پر خوشی سے بھرپور مسکراہٹ کو دیکھا تھا اور انہیں سارے جہانوں کی خوشیاں مل گئی تھیں، جب وہ ان کے گلے کا ہار بن گئی تھی، اس کا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر دونا جلی بار فاطمہ اور احمد حسین کے لیے تکلیف کا باعث نہیں تھا، وہ ان کی اولاد تھی اور ان سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی اسے کوئی ہوش نہیں تھا کہ اگر وہ کہتے لوگ ہیں جن کی توجہ کا مرکز ہے، اسے دنوں کا صبر و ضبط آج صبح ختم ہو گیا تھا، وہ بھی فاطمہ سے لپٹ جاتی ابھی احمد حسین کے سینے میں سما جاتی محروم تھا کہ سیر سی ہو کر نہیں دے رہا تھا۔

”خرمن! بس کرو، تم نے تو اپنے ساتھ سب کو رلا دیا ہے۔“ میزبان نے اسے شانوں سے پکڑ کر زبردستی فاطمہ سے الگ کیا تھا۔

”اور انظر کرم! دھر بھی کر لو میرے اماں! اب تمہارے استقبال کے منتظر دروازے پر ہی رکے ہوئے ہیں۔“ اسے اپنے ساتھ لے گئے میزبان نے اس کے چہرے کا رخ دروازے کی طرف کیا تھا مگر اس وقت میزبان بھگتی تھی، جب وہ دروازے کی جانب دیکھے بغیر میزبان کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا کر احمد حسین کے بازو سے لگ گئی تھی۔

”خیر! بھائی! صاحب اور بھائی کو سلام کرو۔“ اسے بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے احمد حسین نے اسے مصطفیٰ حسین کے سامنے کیا تھا، میزبان کے عقب میں آتے عارض نے بغور اس کے روئے چہرے پر تذہذب کے آثار دیکھے تھے، عارض کے ساتھ شاید احمد حسین اور فاطمہ نے بھی کچھ کا سانس لیا تھا، جب خرمن نے جینگے سر کے ساتھ ہم آواز میں مصطفیٰ حسین کو سلام کیا تھا، ان کی بیوی نے بڑی خوش دلی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا جبکہ مصطفیٰ حسین نے ایک پل کو رک کر میزبان کی انتہائی نظروں میں دیکھا تھا۔

”وہیکم السلام! جتنی رہو، اپنے ماں باپ کی آنکھوں کو خنڈا کرو۔“ خرمن کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مصطفیٰ حسین بولے تھے، میزبان کا چہرہ خوشی سے کھل گیا تھا جبکہ فاطمہ اور احمد حسین نے بے یقین نظروں سے مصطفیٰ حسین کو دیکھا تھا مگر وہ دونوں سے ہی نظر جھٹکے تھے، کبھی کبھی ان کا سیاہ پردہ آنکھوں سے جھٹکنے کے بعد انھیں اس لیے بھی جھک جاتی ہیں کہ یہ احساس شدید ہوتا ہے کہ اتنا وقت کیوں لگا...؟ کیا حاصل ہوا...؟ کچھ بھی تو نہیں، اس وقت مصطفیٰ حسین نے ایک قدم اگڑ کر بھائی احمد حسین پل بھر میں برسوں کے فاصلے سیٹ کر بھائی کے گلے لگ گئے تھے، خوشی سے جھلپاتی نظروں سے میزبان نے عارض کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر خاموش کھڑی خرمن کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے چمک اٹھی تھی۔

فاطمہ اور احمد حسین کے درمیان بیٹھی وہ مستقل ان کے بازو سے لگی سر جھکانے خاموش بیٹھی تھی، مگر سب کی باتیں سن رہی تھی۔

”میں سارا راستہ تم سے پوچھتی رہی کہ تم گھر کے بجائے یہ کہاں لے جا رہے ہو، مگر تم نے کچھ نہیں بتایا، کتنی بھاگ دوڑ کرنی پڑی ہوگی جہنم، چہرے سے اسی کتنے کمزور لگ رہے ہو، تم ہمارے آنے کا انتظار کر لیتے تو میں سب بھی اتنی ہی خوش ہوتی جتنا کہ ابھی ہے۔“ محبت سے لبریز نظروں سے عارض کو دیکھتیں فاطمہ شکایت کرنے کے باوجود خوشی اور فکر میں بھی مبتلا تھیں۔

”چچی جان! اتنا جان حضرت نے کچھ نہیں کیا، اس گھر کا کون کون، چہ چہ ہم سب نے مل کر سجا یا ہے۔“ میزبان فوراً بولی تھی۔

”اس کا مطلب ہے کہ عارض تمہا نہیں ہے، اس سر پرانہ میں سب شامل ہیں؟“ احمد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”عارض! تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے تھے، تمہارے اس سر پرانہ پر سب ہی خوش ہیں کوئی ناراض نہیں۔“ مصطفیٰ حسین نے عارض سے کہا تھا۔

”بھابھی! تو سوال ہی نہیں، اس نے اتنی محنت کے بعد اپنا گھر بنایا ہے، اس کی کامیابی میری کامیابی ہے، میں تو دعا کر رہی ہوں کہ اسے کبھی ایسے ہی کامیابیاں ملتی رہیں۔“ پر شفقت لگا ہوں سے احمد حسین نے عارض کو دیکھا تھا۔

”یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہی ہے ماموں جان! مگر یہ گھر آپ کا اور ماں کا ہے، میرا بالکل بھی نہیں۔“ عارض کی بات پر وہ مسکرائے تھے۔

”ابھی آج ہی بتا دو کہ سرگودھا جانے کا ارادہ کب ہے، میں نے تو یہی سوچ رکھا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہی



بھائی صاحب کی طرف جاؤں گا، ڈاکٹر نے نہیں پائی پاس کروانے کی ڈیٹ دے دی ہے۔" مصطفیٰ حسین نے سوالیہ نظروں سے ان کے چہرے پر پھیلی تشویش کو بھی دیکھا تھا۔

"ایئر پورٹ پر ان سے بات کرنے کے بعد تو اب میں بھی جلد از جلد ان کے پاس جانا چاہتا ہوں، مگر عارض اور خرمین کی طرف سے کچھ پریشانی ہوگی، اس کی پڑھائی اور عارض کی جانب۔"

"آپ ہماری طرف سے مطمئن رہیں ماموں جان! میں اور خرمین دونوں ہی چاہتے ہیں کہ آپ اور ماما بڑے ماموں کے پاس جائیں، وہاں سب کے ساتھ وقت گزاریں اور آپ کو وہاں ایک مسجد کی تعمیر بھی تو کروانی ہے، آپ کو وہاں بھی وقت دینا ہوگا، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی یہ شدید خواہش بھی پوری ہو جائے۔" عارض نے کہا تھا۔

"مجھے اس بارے میں عارض نے بتایا تھا، میں بھی اس نیک عمل میں تمہارے ساتھ حصہ ڈالنا چاہتا ہوں، تمہاری طرح میں بھی کافی عرصے سے بھائی صاحب سے دور ہوں، ان کی صحت بہت گرہلی ہے، ہم دونوں ان کے قریب ہوں گے تو انہیں ڈھارس ملے گی۔" مصطفیٰ حسین کے کہنے پر انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی تھی۔

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ خرمین کی رخصتی کر کے سرگودھا چلو، ڈے داری پوری ہو جائے گی تو تمہیں یہاں سے اطمینان رہے گا وہاں جا کر۔" مصطفیٰ حسین کے مشورے نے جہاں عارض کو ششدر کر دیا تھا، وہیں منیر زہ نے جان بوجھ کر شرارت سے کھانستے ہوئے خرمین کو متوجہ کرنا چاہا جو سر جھکائے ساکت بیٹھی تھی جبکہ احمد حسین کو بھی اس مشورے پر غور کرنا پڑا تھا۔

"فاطمہ! ایسی ٹھیک ہے کہ رخصتی تو کرنی ہی ہے، بہتر ہے کہ جلد اس فرض سے فارغ ہو جاؤ مگر گودھا میں جانے کتنے دن لگ جائیں، اچھے مقصد سے جا رہے ہیں جن کو پورا ہونے میں ایک دو دن تو لگیں گے نہیں، باقی جو مناسب لگے ویسا کرو۔" مصطفیٰ حسین کی بڑی فاطمہ سے خطاب ہوئی تھیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی! میں اور فاطمہ کل آپ کی طرف ہی آ کر اس معاملے پر بات کرتے ہیں، بڑے بھائی صاحب کے پاس جانے میں، میں اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتا، پہلے ہی بہت وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے۔" احمد حسین کے سنجیدہ لہجے پر مصطفیٰ حسین نے انہیں دیکھا تھا مگر کچھ بول نہیں سکے تھے، دوسری جانب حق دق بیٹھے عارض نے ایک نگاہ خرمین پر ڈالی تھی جس کے چہرے کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔

"اب اسی خوشی میں، میں جانے پر زبردست اہتمام کرتی ہوں، عارض! چلو میری مدد کے لیے ساتھ آؤ۔" منیر زہ چابکتی ہوئی عارض کو اشارہ کرتی گئی تھی۔

"یہ سب کہاں سے کہاں جا رہا ہے منیر زہ! میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں، یہ سب قبل از وقت ہے، خرمین بھی وہی طور پر تیار نہیں ہوگی۔" لیکن میں آتے ہی عارض شدید جھلائے انداز میں بولا تھا۔

"بات سنو! وہ نکاح کے دن سے ہی وہی طور پر رخصتی کے لیے تیار ہوگی اور تم کیوں ڈسٹرب ہونے لگے، مجھے پتہ ہے دل میں تو جوش ہو رہا ہے تمہارے۔" منیر زہ کے معنی خیز لہجے پر وہ مزید کوفت میں مبتلا ہوا تھا۔

"ایسا بالکل نہیں ہے، میں نے اتنی جلدی ایسا کچھ نہیں سوا تھا۔"

"تو اب سوچ لو، چچا جان کو جانے سرگودھا میں کتنا عرصہ لگ جائے، جتنی بھائی ایک طویل مدت کے بعد میں گئے اور تم خود بھی تو چاہتے تھے کہ چچا جان اور چچی جان اپنے قریبی رشتوں کے ساتھ کچھ عرصہ گزاریں وہ جائیں گے تو وہاں کا کوئی ایک دن قطعاً کر کے نہیں، تو ظاہر ہے خرمین کو اور جیسے ایسے ہی تو نہیں چھوڑ کر جاسکتے۔" منیر زہ نے گھر کھینے والے انداز میں کہا تھا۔

"اہم دونوں ایسے بھی ٹھیک ہیں مگر ماموں جان تو شاید دس سال بعد بھی میری اور خرمین کی فکر میں پٹکان رہیں گے۔"

"مارشل! اسے اچھے کام ایک ساتھ ہونے جا رہے ہیں، درمیان میں کوئی رخ نہ ڈالو تو بہتر ہے، لیکن پھر بھی اعتراض ہے تو میں ابھی جا کر سب کے سامنے۔"

"اب لکھی بات نہیں۔" مارشل سرعت سے اس کے راستے میں آ گیا تھا۔

"میں نے جو کہا وہ بھول جاؤ اور اپنا کام کرو۔" منیر زہ کے گھورنے پر وہ جھٹکا یا تھا، شام ڈھلنے تک مصطفیٰ حسین جاتے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، انہیں دروازے تک رخصت کرنے وہ بھی احمد حسین کے ساتھ گیا تھا اور جب واپس پلٹا تو قریب کے عین مطابق صورت حال تھی، تیز تو خرمین کے مصطفیٰ حسین کی موجودگی میں ہی بگڑ چکے تھے، یہ اور بات کے اس کی بس زبان ہی بندھی مگر اب تو وہ جا چکے تھے خرمین کے مہر کا بیان چھلک گیا تھا۔

"وہ کون ہوئے ہیں میرے بارے میں فیصلہ کرنے والے، وہ تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ آپ کی جان مجھ سے چھوٹ جائے، کیا میں کچھ نہیں سکتی؟" آنسو بھائی وہ فاطمہ پر چڑھ رہی تھی۔

"وہ نہیں ڈر کر یا اول قول بول رہی ہے۔" فاطمہ نے پریشان ہو کر احمد حسین سے کہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، آخر ان سے ہی تو آپ کا رشتہ ہے، اب تو ان کی ہی چلے گی، ان کی ہی سنی جائے گی اس گھر میں۔" وہ پھر چبکی تھی۔

"ماموں نے صرف ایک بات کی ہے، حکم تو صادر کر کے نہیں گئے وہ۔" عارض خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

"تم اپنا بندہ بندہ رکھو، یہ ساری آگ تمہاری لگائی ہوئی ہے۔"

"خرمین اس طرح بات کر رہی ہو؟" فیصلی نظروں سے فاطمہ نے اسے دیکھا تھا، جبکہ عارض سرخ چہرے کے ساتھ جارحانہ انداز میں لاؤنج سے ہی انہیں گھر سے ہی نکل گیا تھا۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میرے زندہ ہوتے ہوئے کوئی اور تمہارے لیے فیصلہ کر سکتا ہے؟ کس کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے؟" خرمین نے اس سے پوچھ رہے تھے جو چہرہ ہاتھوں سے چھپائے سک رہی تھی۔

"تم میری بیٹی ہو، تمہارے لیے مجھے جو بہتر لگے گا میں وہ کروں گا اور مجھے پتہ ہے کہ تم میری نفی فرمانبردار اولاد ہو۔" اسے سینے سے لگاتے وہ بولے تھے۔

"میں بھی غیر ضروری باتوں کے لیے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہوں گا، مگر تم ہر بار میری تاکیدیں بھول جاتی ہو، تم تو یہ بھی پوچھنا بھول گئیں کہ میں نے اللہ سے تمہارے لیے کیا کچھ مانگا ہے۔" اس کے آنسو خشک کرتے وہ بول رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

امداد نے عثمان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہارا رونا ابھی تک ختم نہیں ہوا؟" عثمان نے شاپر زائے تھمائے تھے۔

"تو کیا کروں، سطحوں میں رو رہی ہوں، اپنے ہی ماں باپ سے بات کرنے کا وقت نہیں مل رہا مجھے، منیر زہ وغیرہ کے جانے کے بعد مرسا بی اور قارق بھائی آ گئے تھے، ابھی کچھ دیر پہلے ہی گئے ہیں۔" لیکن میں آئی وہ بتا رہی تھی۔



”وہ خود کہاں ہے، امی بابا کھانے پر تم دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔“

”پتہ نہیں، وہ مجھے ریڈیو اسٹیشن پک کرنے آیا تھا، ابھی گیت پر ڈراپ کر کے خود کہیں چلا گیا، آجائے گا کچھ دیر میں، اٹکل آنی کہاں ہیں؟ میں تو ایئر پورٹ پر ہی ملا تھا ان سے۔“

”وہ اپنا کمرہ دیکھ رہے ہیں، اب گھر دیکھنے کا وقت ملا ہے دونوں کو۔“

”خوش ہیں؟“

”ظاہر ہے، عارش کا سر پر انزگٹ ہے، یہ گھر، خوش تو ہوتا ہی ہے۔“ شاپر زخانی کرتی وہ بے دلی سے بولی تھی۔

”دینا خوش ہوگی، مگر تم خوش نہ ہونا۔“ پانی کے ٹھونٹ لیتا عثمان ٹھیل کے کنارے بیٹھ گیا تھا۔

”جانب کیسی جا رہی ہے تمہاری؟“ اس کا طنز نظر انداز کرتی وہ پوچھ رہی تھی۔

”اچھی جا رہی ہے، ویلا تو نہیں آئی ہوگی؟“ جواب دیتے ہوئے وہ سوال کر رہا تھا۔

”کیسے آئے گی؟ پابندیاں جوگی ہیں۔“ ٹھیل صاف کرتی وہ طنز ابولی تھی۔

”یہی پابندیاں رنگ لائیں گی، ذرا وقت آنے دو۔“ عثمان کے ناگوار لہجے پر وہ چمکی تھی۔

”وہ کب تک اپنی ضد پر قائم رہ سکیں گی؟ تھوڑا مہر کرو، سب کچھ تمہارے حق میں ہو جائے گا۔“

”مہر کی بات مت کرو، مہر کرتے کرتے دن، مہینے، سال پر سال گزرتے چلے گئے ہیں، کیا حاصل وصول ہوا؟“

وہ بگڑا تھا۔

”تو پھر اور کیا کر سکتے ہو تم؟“

”جب چاند چڑھے گا تو دیکھ لیں گی۔“ وہ تہی سے بولا تھا۔

”کوئی فائدہ تم اٹھانے کی کوشش مت کرنا۔“ خرمن نے تسخیر کی تھی۔

”ابھی بھی کہاں سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے، سب دکھائی تو دے رہا ہے تمہیں۔“ عثمان کے ناگوار لہجے پر وہ کچھ کہتے کہتے دیکھائی دے رہی تھی، ہاتھوں آواز ابھری تھی اور اگلے ہی لمحے عارش کے ساتھ آتی ویلا نے اسے خوشگوار اجرت میں جتا کر دیا تھا۔

”مبارک ہو امی، بابا کی واپسی۔“ ویلا ہنستے ہوئے خرمن کے گلے سے لگی تھی جبکہ عارش نے بخور عثمان کے چہرے کو دیکھا تھا، ویلا کی آمد نے اس کی آنکھوں میں بھی روشنی ابھری تھی۔

”صرف تمہارے لیے اسے یہاں تک لے کر آیا ہوں۔“ پانی کا گلاس عثمان سے لیتے ہوئے عارش جتنا نہیں بھولا تھا۔

”مان! تم کیسے ہو؟ خرمن تمہارا خیال رکھ بھی رہی ہے یا نہیں؟“ قریب آتی ویلا نے ہنستے ہوئے ایک لمحے کو اپنا چہرہ اس کے گریبان سے لٹکایا تھا اور اس کا بازو دھماکے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی جبکہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عارش نے خرمن کو دیکھا تھا، جو کڑی نظروں سے ویلا کی اس گرجبجی کو دیکھ رہی تھی۔

”زیادہ گھورنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، ابھی تو یہ تمہاری وجہ سے بہت تکلف کے ساتھ مجھ سے ملی ہے۔“ عثمان نے خشکی لہجے میں خرمن کو جتنا تھا۔

”تو یہ مان!۔“ جیت سے اس کا بازو چھوڑ کر دوڑتی ویلا شرمندہ ہوئی تھی۔

”یہ تمہارا ہم پر احسان ہے ویلا! تم نے اتنا تکلف رکھا اگر یہ بھی نہ رکھتیں تو ہم تو بے ہوتے یہاں بے ہوش۔“ عارش نے مسکراتی نظروں سے ویلا کو دیکھا تھا، جو چہرہ ہاتھوں میں چھپائی شرمائے کی کوشش کر رہی تھی۔

”تم بھی ذرا تکلف قائم رکھو ورنہ میرے محافظ کے چہرے پر اتنا تکلف پھیل جائیں گے۔“ عثمان کی دھمکی پر وہ کڑبڑا رہی

تھی۔

”پچھلا بعد میں دینا پہلے مجھے تو بتا دو اس محافظ کے بارے میں؟“ ویلا حیرانی سے بولی تھی۔

”تم کہاں اس کی بک بک شہرے رک گئیں، امی بابا سے تو ملو جا کر۔“ خرمن نے ناگوار ہی ضبط کرتے ہوئے ویلا سے کہا تھا۔

”لو، میں تو بھول ہی گئی، اٹکل آنی سے ملوانے کا بہانہ بنا کر عارش نے مجھے یہاں لانے کی اجازت بھائی سے لی تھی۔“ بول کر بولی ویلا فوراً ہی بچنے سے نکل گئی تھی۔

”وہ کچھ کہہ گئی ہے، یہی بہانہ بنا کر لائے ہو؟“ عثمان نے مشکوک نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

”نہیں۔ رات کے ایک بجے میں اسے آنسکریم کھلانے کے بہانے لے کر نکلا تھا۔“ خشکی نظروں سے اسے دیکھتا عارش جانے کے لیے پلٹ گیا تھا۔

”میں کس نہ کر دیتا تمہیں۔“ عثمان نے جیسے سے لگا رہا تھا۔

”تمہارے عزیز از جان بہنوئی نے اسے زندہ چھوڑنا تھا جو تمہاری باری آتی؟“ دسترخوان اٹھائے کچن سے نکلتی خرمن نے عثمان کو گھورا تھا۔

☆.....☆.....☆

وقت کو جیسے پر لگ گئے تھے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے کچھ جھگڑ کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا، احمد حسین اور قاطرہ کے لیے یہ خوشی کیا کم تھی کہ وہ اپنی قیمتی متاع اس کے حوالے کرنے جا رہے تھے، جو اس کا اہل تھا، جو ان کی بھتیجیوں کا محور بھی تھا، یہ وہی خوشی ان کے لیے قدرت کا انعام ہی تھی۔

رات بہت خاموشی سے گہری ہوتی جا رہی تھی، کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ حیران نہیں ہوئے تھے کہ قاطرہ ان ذوق برق کپڑوں کو ترسب دینے میں ملن تھیں جو خرمن کے لیے انہوں نے تیار کروائے تھے، احمد حسین کو ان کے پیروں پر بہت انوکھی چمک دکھائی دی تھی، مگر کیا ایک بی بی ان کی آنکھوں میں ٹی بھی چمک اٹھی تھی، سرخ زرتار دوپٹے کو ہاتھوں میں لپیٹے ہوئے وہ احمد حسین کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

”ایسا لگ رہا ہے جیسے کل کی ہی بات ہو جب آپ نے پہلی بار اس کے ننھے وجود کو میری ہانپوں میں دیا تھا، جب میں نے پہلی نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی، کیا باتوں کی یاد تھی، وہ زمین کی گردش بھی رک گئی تھی، کیا مجھڑ تھا وہ، میرے خواب سے نکل کر وہ اچانک میری ہانپوں میں آ گئی تھی۔“ قاطرہ عجیب سی کیفیت میں بولتی جا رہی تھیں۔

”میری گود میں چھپ کر کیسے کیسے طوفان اس کے ننھے وجود نے اٹھا دیئے تھے، اپنے پرانے ہو گئے، اپنا گھر، شہر سب کچھ چھوڑنا پڑا تھا ہمیں، اس نے ہماری زندگی میں آ کر ہماری آنکھیں کھول دی تھیں، ہمیں دنیا کی پہچان کرادی تھی، وہ ہمیں اپنے ساتھ کتنی الگ اور خوبصورت دنیا میں لے آئی تھی، میرے گھر، آگن کا چاند ہے وہ، جس کی چاندنی نے میری بی بی اسے کوثر قرار دیا، آپ کی آنکھوں کو شہنشاہ بنی، اس کی قلعات دیوں نے ہماری زندگی پر چھائے ستاروں کو توڑ دیا تھا، کتنی طاقت تھی اس کے چھوٹے سے وجود میں، وہ جب ہنسی تھی تو دنیا جنت بن جاتی تھی اور جب روتی تھی تو کائنات بھی اس میں ادا ہو جاتی تھی، جب پہلی بار ایک دن وہ آپ کا دامن پکڑ کر اپنے ننھے بیروں پر کھڑی ہوئی تھی تو آپ نے کتنی بار اس کے بیروں کو چوما تھا، اس کا صدقہ اتارا تھا، اسے پروان چڑھاتے ہوئے ہم ہر گم کو بھول گئے اور اب وہ اپنی زندگی کا ایک نیا سفر شروع کرنے جا رہی ہے، میں اسے دہن کے روپ میں دیکھوں گی، اس کے بعد اس۔“



دنیا میں مجھے اپنے لیے کچھ نہیں چاہیے ہوگا۔" تم لہجے میں بولتے ہوئے فاطمہ خاموش ہو گئی تھیں، خرمین کی موجودگی احساس انہیں ہو گیا تھا، وہ ان کے شانے میں چہرہ چھپائے سک اٹھی تھی، اپنی گردن میں حاصل اس کے ہاتھ کو چھو کر فاطمہ نے آواز دہرائی تھی۔

کمرے میں آتے عارض نے حیرت سے اس سوگوار منظر کو دیکھا تھا۔  
 "عارض! تمہارے منہ سے کتنے کے ہاؤ جو یہ پھر رو رہی ہیں اور میری بیٹی کو بھی رلا کر بے حال کر بیٹھی ہیں۔" علی سی مسکراہٹ کے ساتھ احمد حسین نے فاطمہ کی جیسے شکایت کی تھی۔  
 "بس کرو بیٹا!" احمد حسین نے خرمین کا سر تھپتھپایا تھا، جبکہ فاطمہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے خرمین کا سراپا گود میں رکھ لیا تھا۔

"تم کیوں اس طرح دیکھ رہے ہو، ماں ہوں میں رونا تو آئے گا۔" عارض کے خاموشی سے دیکھتے رہنے پر فاطمہ ٹھٹھ سے بولی تھیں۔  
 "رونے کی کوئی وجہ تو ہو۔" وہ ہلکا سا بولا تھا۔

"تم نہیں سمجھو گے، جب تمہاری اولاد ہوگی تب احساس ہوگا تمہیں ہمارا۔" فاطمہ بولی تھیں۔  
 "بھئی! یہ بیٹے کی خوشی کے بھی آنسو ہیں، تمہیں سمجھنا چاہیے۔" احمد حسین نے عارض سے کہا تھا۔  
 "خوشی کے نہیں یہ تم کے آنسو ہیں، میرے لیے چاند سی دہکن لانے کا خواب ماما کا پتہ پتہ ہو چکا ہے۔" عارض نے خاص طور پر اسے سنایا تھا جو فاطمہ کی گود میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔

"عارض! میں بہت ماروں گی تمہیں، کوئی کی نہیں ہے میری بیٹی میں۔" فاطمہ نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے اسے مگر کا تھا۔  
 "ہمارا بیٹا بھی کسی سے کم نہیں ہے۔" احمد حسین نے عارض کی غور میں کہا تھا۔

"ایسا جان! آپ کا یہ کچھ کسی کو قسم نہیں ہو رہا آپ کو اندازہ ہے؟" عارض کا اشارہ بقیہ خرمین کی طرف تھا، فاطمہ کی خشک نظروں پر وہ شرارت سے ہنسا تھا جبکہ اس کے روشن چہرے کو دیکھتے ہوئے فاطمہ نے آج پھر دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔

☆ ☆ ☆

گہری تاریکی میں صرف سنائی دے رہی تھی ایک چاہ، کسی کے قدموں تلے چر جاتے سوکھے چوں کی ہولناک سی آوازیں، اس تاریکی میں کون کسے تلاش کر رہا تھا؟ چر جاتے چوں کے ساتھ کسی کی گہری سانسیں جیسے کسی کا دم گھٹ رہا ہو، دھیرے دھیرے کچھ اور آوازیں بھی کہیں دور بہت دور سے ابھرنے لگی تھیں، کوئی ازیت سے کراہ رہا تھا، بین کر رہا تھا، شاید ماتم کدو وہاں موجود تھا، سانسوں کی سرسراہٹیں اور چوں کی پچھلایں بڑھتی جا رہی تھیں، جھلکتے قدم ان آوازوں کو ڈھونڈ رہے تھے جو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں، کچھ بولے تاریکی میں نمودار ہوئے تھے اور پھر روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا تھا، ایک جھلکے سے اٹھتے ہوئے اس کی نظر سامنے ڈریسنگ کے آئینے پر ساکت ہو گئی تھی۔

آئینے میں نظر آتا کس اس کے لیے ابھی تھا، اس چہرے پر وحشتیں ہی وحشتیں تھیں، سانسیں اٹھل چٹھل تھیں، ذرا جڑے میں بیٹوں اپنے ہی عکس کو وہ پچھان نہیں پا رہی تھی، مقل میں جیسے کانٹوں کو لگتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود زرد پھولوں کے گھٹن کو دیکھا تھا، آہستہ آہستہ اس کے حواس جاگنے لگے تھے، ماہن کی مہک پورے کمرے کی فضا میں پھیلی ہوئی تھی، اسے یاد آ گیا تھا، کیا وہ چکا تھا اور کیا ہونے جا رہا ہے، اس کا دل ڈوب رہا تھا، سانسیں رک رہی تھیں۔

"خرمین! قریب ہی سوئی میزہ کی سوئی ہوئی آواز نے بھی اسے متوجہ نہیں کیا تھا۔  
 "خرمین! کیا ہوا؟" "سرت سے میزہ اٹھ بیٹھی تھی۔  
 "تمہاری طبیعت تو بہتر ہے؟ ان بکرا چاہیے تمہیں؟" اس کی گہری سانسوں پر میزہ تشویش سے اندازہ لگاتی بیٹہ سے اتر جاتی تھی، مگر خرمین نے اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، بس کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔" اس کے لرزے لہجے پر میزہ نے بخور سے دیکھا تھا، دم روٹی میں بھی اس کے چہرے پر عجیب سی وحشت کے تاثرات نمایاں تھے۔  
 "کچھ پینے کے لیے آؤ، جوں یا دودھ؟ تم نے کھانا بھی تو ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔" اس کے کندھے پر پڑی زرد پھولوں میں گندمی چوٹی ٹھیک کرتے ہوئے میزہ بولی تھی۔

"نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ لرزے لہجے میں بولی تھی، چند لمحوں تک میزہ اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر مسکراتے ہوئے اس کے شانوں پر گرا زرد دودھ پشاس کے سر پر بہا دیا تھا۔  
 "بہت خوبصورت لگ رہی ہو اس روپ میں، اکاش! عارض تمہیں دیکھ سکتا۔" وہ شرارت سے مسکراتی تھی۔

"میں نے تمہاری تصویریں اپنے سیل کے کمرے سے لے کر عارض کو دکھائی تھیں کہ اسے کچھ تو حواس ملے، مگر وہ بدتمیز بھائے تعریف کرنے کے ہر تصویر کا مذاق اڑا رہا تھا، میں نے بھی خوب باتیں سنائی تھیں اسے، تم بھی بدلہ لینا مت بھولنا۔" میزہ اسے تاکید کرتی بیٹھی تھی۔

"خدا کا وہاں رہا تو رت مجھے پتہ نہ چلے گا، میں ہی دل میں تم پر واری صدمے جا رہا ہوگا۔" میزہ کے مسکراتے لہجے پر وہ بس سپاٹ چہرے کے ساتھ یک ٹک اپنے ہاتھوں کو نکدہ رہی تھی۔  
 "خرمین! تم خوش ہو؟" کچھ چونک کر میزہ نے باپجی نظروں سے اسے دیکھا تھا، جواباً خرمین نے نظر اٹھائی تھی، میزہ ادھک سے رو گئی تھی، اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے میزہ کو خدشوں سے دوچار کیا تھا۔

"خرمین! وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، میں نے اس کی آنکھوں میں تمہاری محبت کی شدت دیکھی ہے، تمہارے دل میں بھی اس کے لیے محبت ہے نا؟" میزہ کے سوال پر اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ بس اسے دیکھا تھا۔  
 "خرمین! میزہ کا دل بھی میں بکڑ گیا تھا جبکہ خرمین منہ تو ڈنی اس کے شانے پر سر رکھے گھٹ گھٹ کر رونا شروع کر چکی تھی، سناکت بیٹھی میزہ کی آنکھوں کے سامنے عارض کا چہرہ گھوم رہا تھا، وہ قبول نہیں کرے گا یہ سچ مگر میزہ جانتی تھی کہ وہ اپنی شادی کے لیے کتنا پر جوش ہو رہا ہے، کتنا بے تاب ہے وہ اپنی محبت کو پانے کے لیے، اپنا رشتہ میں خرمین کا کمرہ سجانے کے لیے عارض نے اپنے ساتھ ساتھ سب کو ہی گھن پکڑ دیا تھا، آج بھی وہ عروسہ کے ساتھ مل کر کمرے کو ڈیکورٹ کر کے عارض سے اوکے کروا کر واپس آئی تھی، رنجش سے پاؤں دن پہلے ہی عارض اسے خرمین کے پاس لے آیا تھا، خرمین کے کمرے کے سامنے گزرتا بھی عارض کے لیے میزہ نے عذاب کھایا تھا، ماما کی میچیز بھڑا پر جو خوبصورت مسکراہٹ عارض کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی اسے یاد کرتے ہوئے میزہ کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"خرمین! اگر یہ سچ ہے تو فکر مت کرو، اس کی محبت تمہارے دل میں بھی اپنی محبت کو بیدار کر دے گی۔" اس کی پشت کو دھجھ سے سہلاتے ہوئے میزہ کا لہجہ پر یقین تھا۔

☆ ☆ ☆

(جاری ہے.....)



## کبھی انوکھا نہیں دیکھا تھا

عروسہ کے ساتھ وہ بھی بڑی توجہ اور مہارت کے ساتھ خرمن کو سنوارنے میں مصروف تھی، آج عروسہ نے تمام کلائش کے لیے پارہ بند کر دیا تھا، کوئی جگہ بھی نہیں رکھی تھی، لہذا بہت اطمینان سے وہ اسے دلہن بناتی تھیں، میزہ



نوٹ: رڈز کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈز کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ ورج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

کی موجودگی میں ماحول خوشگوار بھی تھا، خرمن کو فاصلہ دینے کے لیے عروسہ کے حوالے کر کے اس نے میزہ کا میک اپ کیا تھا اور پھر عروسہ کی ہدایت پر خود بھی میکیج کرنے کے لیے اوپر چلی آئی تھی، جگت میں ہی اس نے نادیہ اور چھوٹے فائر کو تیار کیا تھا، کیونکہ خرمن کے ساتھ میزہ اور عروسہ کو پہلے لکنا تھا، دونوں بچے بھی ساتھ چارہ تھے اور ان سب کو لے کر میراج لان تک فاروق چارہ تھے، اسے تو کھر لاک کر کے آخر میں قاران کے ساتھ پہنچنا تھا، لہذا سب طرف سے اطمینان کرنے کے بعد اس نے اپنی تیاری شروع کر دی تھی، کانوں میں آویزے ڈالتی وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی، جو انتہائی سنجیدہ تاثرات کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے، کسی نئی ہدایت یا پابندی





کے لیے وہ دینی طور پر تیار تھی اور نہ ہی تیار ہونا چاہتی تھی۔

”آج عروسہ خرمین کی طرف رکے گی، مگر تم میرے ساتھ واپس آؤ گی، رکنا نہیں ہے تم نے وہاں۔“ ان کے منتہی لہجے پر وہ دنگ ہوئی تھی۔

”مگر میں نے بھائی سے کہہ دیا تھا کہ۔۔۔“

”تم نے کس سے کیا کہا، کیا نہیں یہ مجھے مت بتاؤ، جو کہا ہے اس پر عمل کرو۔“ وہ انتہائی سختی سے بولے تھے۔

”اگر میں آج رات وہاں رک گئی تو کیا ہو جائے گا؟“ اس کے سر پہلے پر فاروق کے قدم رکے تھے۔

”میں کہیں مت دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی یا آپ؟“ اس کے لرزے مگر تلخ لہجے پر فاروق کا چہرہ غصے سے

انگڑا ہوا تھا۔

”بد زبان لڑکی!“ شعلہ ہار آنکھوں سے اسے دیکھتے وہ قریب آئے تھے اگلے ہی لمبے وہ ان کے زانوے دار چہرے

سے لڑکھائی ڈرینگ کی طرف جا گری تھی۔

”ایسا وقت آنے سے پہلے میں تمہیں زمین میں اتار دوں گا۔“ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے وہ کمرے سے

کل گئے تھے، ڈرینگ کے کنارے سے پیشانی دکھائے دو سک اٹھی تھی، خون کی ایک باریک ٹیکر اس کی ناک کی

نوک تک چلی آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

روشنیوں سے منور اس خطے کی ساری خوبصورتی اس وقت ماند پڑ گئی تھی، جب عروسی لباس میں تمام ہتھیاروں

سے لیس وریڈ کار پینٹ پر نمودار ہوئی تھی، نیزہ اور عروسکی سنگت میں وہ مغلیہ شہزادی ہی لگ رہی تھی، اس کا قصیل

کرنا سراپا آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا، احمد حسین اور فاطمہ نے اسے جتنی موتی کی طرح سیپ میں چھپا کر رکھا تھا، مگر آج

اس کا روشنیوں لٹا تار و پب سب کی بساتوں کو دیک کر رہا تھا۔ اس کی مدھم لہروں کی طرح اٹھتی چال میں ایک عجیب سا

شاپانہ انداز تھا، وہ جو سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی، اس کا دل لرز رہا تھا، ایک خوف کا بالہ اس کے گرد بگڑ رہا تھا،

اور گرد بکھرے لوگوں میں ایسے کتنے لوگ ہوں گے جن کی نظروں میں مسخر ہوگا، ملے ہوگا؟ کوئی اٹھی بھی تو اس کی

طرف اٹھ سکتی ہے، ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی اس کا تماشہ لگے گا اور سب لوگ تماش بین بن کر اس کے گرد گھبراہٹ

کرویں گے، کسی کے ہاتھ میں پتھر ہوگا اور کسی کی زبان پر اس کی سیاہ حقیقت، نرم آنکھوں کے ساتھ فاطمہ سے ہی دیکھ

رہی تھیں، گہری سانس لے کر احمد حسین نے بھی ایک پر تشکر نگاہ آسمان پر ڈالنے کے بعد اس کی طرف دیکھا تھا جو

ظہم ارق کے ساتھ خوبصورت نشست پر برا بھلا ہو چکی تھی۔

”تم ٹھیک ہو؟“ اس کا عروسی سرخ و پندہ دست کرتی نیزہ نے مسکراتے ہوئے اس کی جھکی آنکھوں میں جھانکا

تھا، نظر اٹھا کر بس ایک لمبے میں ہی اس نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا تھا، مگر اسے تو کہیں بھی نفرت و تحارت نظر آئی نہ

ہی کوئی مسخر، اپنی طرف متوجہ نظروں میں اسے اشتیاق، تجسس اور تعریف و توصیف ہی نظر آئی تھی۔ احمد حسین اور فاطمہ

کے لیے سب کچھ اس وقت مکمل ہو گیا تھا، جب آف و ہاٹ لباس میں اپنے نمایاں دراز قد و قامت اور روشن چہرے

کے ساتھ وہ خرمین کے قریب نظر آیا تھا۔

فوٹویشن شروع ہو چکا تھا لہذا نیزہ، عروسہ کو خرمین کے پاس چھوڑ کر عثمان کی طرف چلی آئی تھی، جو نو ٹوکرا فرمے

ساتھ خود بھی اپنے میسرے میں خرمین اور عارض کے فوکس لے رہا تھا۔

”سب آگئے، یہ بتا کہاں رہ گئی ہے؟“

”اس کا میک اپ مکمل ہونے میں ہی دس گھنٹے لگتے ہیں، میری طرح تم بھی ممبر کا دامن تھامے رکھو۔“ وہ مسکرایا

تھا۔

”میری خیر ہے، مگر جنہیں تو اس کی آمد کے بعد بھی ممبر کرنا پڑے گا، بھائی صاحب زیادہ دور نہیں ہیں۔“ فاروق

کی طرف اشارہ کرتی وہ مکمل سلائی تھی۔

”انہیں کون کتنی میں لیتا ہے؟“ وہ سر جھٹک کر بولا تھا۔

”دہشت کا ٹیڈنس ہے مگر کچھ اور ہو رہا ہے۔“ نیزہ ہنستے ہوئے یکدم چوکی تھی۔

”لو بھئی! خوش ہو جاؤ، جس کا انتظار تھا وہ شاہکار آ گیا۔“ عثمان سے مخاطب ہوتی نیزہ خود ہی ہلا کی طرف بڑھ

گئی تھی، ایک بار پھر گردن موڑ کر عثمان نے دیکھا تھا وہ دونوں اسی طرف آ رہی تھیں، تب ہی ہلا کے چہرے کو دیکھتے

ہوئے اس کے تاثرات بدلے تھے، عثمان سے نظریں چراتے ہوئے وہ نیزہ کے ہمراہ کے بغیر خرمین کے پاس جا

گئی تھی، چند لمحوں تک وہ لب بھینچے ہلا کو دیکھتا رہا تھا، جہاں چہرہ چھپانے کی کوشش میں نیزہ اور خرمین کی طرف متوجہ

ہی ہو کر وہ عثمان سے نہ اپنا چہرہ چھپا سکتی تھی، نہ حقیقت، اشارے سے عارض سے اجازت لیتا وہ پلٹ کر فاران کی

دش میں نکل گیا تھا، مگر ایک جلتی نگاہ فاروق پر ڈالنا نہیں بھولا تھا، جو مسکراتے ہوئے احمد حسین سے کوئی بات کر رہے

تھے۔

عثمان کی پکار پر عروسہ اس کی طرف چلی تھیں اور پھر سنجیدہ ہوتے چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

”آپ جانتی ہیں کیا کیا ہے انہوں نے ہلا کے ساتھ؟“ وہ مدھم مگر بھڑکتے لہجے میں بولا تھا۔

”بتایا ہے مجھے انہوں نے، ویلانے ان کے ساتھ زبان درازی کی تھی۔“ اس سے نظر ملانے بغیر وہ کمر و کمرے میں

آئی تھیں۔

”زبان درازی کی تھی تو زبان کاٹ دیتے اس کی، گھاموٹ دیتے۔“ وہ بھڑکا تھا۔

”وہ بہن ہے ان کی، ان کو جو ٹھیک لگے گا کریں گے۔“ عروسہ نے فیصلی نظروں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا

تھا۔

”میرے سامنے دوبارہ یہ بات مت دہرائیے گا، آج کے بعد ویلا پر اگر کوئی ہاتھ اٹھا تو میں اس ہاتھ کو توڑ کر

ٹھیک دوں گا۔“ اس کے خونخوار لہجے سے زیادہ اس کے چہرے پر پھیلے اشتعال نے عروسہ کو ٹھیک کر دیا تھا ساکت

خراں سے وہ اسے دیکھ رہی تھیں جو ان کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

”وہاں وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے، جلدی جاؤ، پریشان مت ہو، میں یہاں سب سنبھال لوں گی۔“ نیزہ کے

کوششانہ لہجے پر وہ جو تذبذب میں مبتلا تھی، اثبات میں سر ہلاتی اس کی جانب بڑھ گئی تھی جہاں بالکل الگ تھلک

اور جو مصنوعی آبشار جیگا رہا تھا، آبشار کی خوبصورتی کو نمایاں رکھنے کے لیے آبشار کے ارد گرد ہی بس فیسی لائٹس

لگائی تھیں، ان کی روشنی بس آبشار تک ہی محدود تھی، اس جگہ پر چہل چاہل نہیں تھی، شاید اسی لیے عثمان نے اسے یہاں

لیا تھا، آبشار سے کچھ ہی فاصلے پر اس کے قدم رک گئے تھے، دائیں جانب درخت کے چوڑے تنے سے پشت

لگائے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، جو نظر جھکائے سامنے آئی تھی، مدھم ہوا سے اس کی پیشانی پر بکھرتے نرم تراشیدہ بال

کریچٹ کے نشان کو اس کی نظروں سے اس وقت بھی نہیں چھپا سکے تھے، روشنی یہاں بہت زیادہ نہیں تھی مگر وہ تو

پلٹ کر دیکھ کر چکا تھا کہ اس کے رخسار پر انگلیوں کے نیلے نشان چھپے ہوئے ہیں جن کو میک اپ سے چھپانے کی کوشش

کی گئی تھی۔



"مجھ سے کوئی سوال مت کرنا" لرزتے لہجے میں بولتے ہوئے ویلانے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔  
 "کوئی سوال پوچھنے کی کسر نہیں رہی ہے، میں انکاروں پر لوث رہا ہوں، تمہاری حالت دیکھ کر۔" بچپنے لہجے میں بولتے ہوئے اس نے ویلا کا ہاتھ تمام کر قریب کیا تھا۔

"مٹان..." سرعت سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ویلانے قاصد قائم رہتے دیا تھا۔  
 "کیوں؟..." اس نے جس انسان کی نفرت تم سمیٹ سکتی ہو، میری محبت نہیں۔" وہ مشتعل ہوا تھا۔  
 "مجھے ابھی وہ حق حاصل نہیں ہوا۔" اس سے نظر چرائی وہ دم لہجے میں بولی تھی۔  
 "تو پھر ٹھیک ہے۔" فیصلہ کن لہجے میں بولتے ہوئے مٹان نے دھیرے سے اس کے دیکھے رخسار پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کل کا سورج تمہیں سارے حق دے کر ہی غروب ہوگا۔" اس کی ہینگی آنکھوں میں دیکھتے وہ قطعی انداز میں بولا تھا۔



پھولوں کی مسودہ کن جھبک نے اس غلوت کو کچھ ایسا جاو بخش دیا تھا کہ جس کا تو نہیں تھا، اس کے ارد گرد جابجا نگاہوں کے دلکش رنگ پھیلے تھے، ایک ایک پتھری سرست تھی، خوش کن لمبوں کے نشے میں ڈوبی تھی، ماحول کی ساری دلکشی سارے رنگ اس کے وجود سے منسوب تھے، جس کا ہوش اڑاتا رنگ روپ پھولوں کو بھی مات دے رہا تھا، چاندنی اس کی آنکھوں میں اتری ہوئی تھی، ان پھول کا کج جیسا وجود جھبک یو میں جیسے ڈوب کر ابھرا تھا، اور اس کی سانسیں تک روک گیا تھا، جو بچہ نہیں کتنے لمبوں تک بس ساکت نظروں سے اس کے جھلکتے حسن کی رعنائیوں کو دیکھتا رہا تھا، خرم کو ایک بار پھر اپنا دم مٹھنا محسوس ہوا تھا، بس ایک لمب کو اس نے اپنی بھاری ٹانگیں اٹھائی تھیں، اس کے بعد یہ کام کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔

اس کے چہرے سے نظر ہٹائے بغیر وہ اس کے قریب ہوا تھا، اس کی پیشانی پر نمایاں ہوتا دو دھیا نشان لگا ہوں کو مرعوب کرنے کے لیے کافی تھا، مگر آج اس کا دہ بے عارض کو ذریعہ بر کرنے والا نہیں تھا، یہ سچ تھا کہ اس کی دو دھیا روشنی آنکھیں چند حیا رہی تھی، اسے حد میں رہنے کی تنبیہ کر رہی تھی مگر اب ایسا ممکن نہیں تھا، کیونکہ ہر حد توڑنے کا اختیار اب وہ رکھتا تھا، دل اور نظر پر لگے ہزاروں پہرے آج ایک ایک کر کے پٹنے والے تھے، پہلی بار حیا بتوانی شدت سے بے اختیار ہو کر مگر پورے استحقاق کے ساتھ اس نے دیکھے ہوئے باغیم کو اپنے ہونٹوں میں جذب کر لیا تھا، یہ کیفیت یہ کس پر کیف تھا وہ اپنے آپ کو بھولنے لگا تھا، اس ماہ نیم کی چاندنی وہ آہستہ آہستہ اپنے دل میں اترتی محسوس کر رہا تھا، دل کے کونے کونے میں جذب ہوتی چاندنی اسے سرشار کر رہی تھی، ایک عجیب سا سرور عارض کی شمار زدہ آنکھوں میں اتر آتا تھا، مگر اس کی جھلکی پیشانی کو بھی شاید یہ گستاخی برداشت نہیں ہوتی تھی، جب ہی تو اس پر پڑتی بار یک شائیں عارض کی لگا ہوں سے چھپی نہیں رہی تھی، خرم کا چہرہ بے تاثر تھا، مگر گسترے کی قاشوں جیسے اس کے لب لرز اٹھے تھے اس بھر پور کس پر، وہ کہاں واقف ہوئی تھی، قریب موجود شخص کی شدتوں سے جس کی سنگینی سانس اس کی پیشانی کو جھلسا گئی تھیں، جس کی پریش گہری لگا ہیں اس کے چہرے کو دہکا رہی تھیں، اگر یہ عارضہ بھی تو وہ اس عارض کو نہیں جانتی تھی، یہ تو کوئی اور تھا جو اسے اپنے وجود میں سمٹ جانے پر مجبور کر رہا تھا، جس کی نگاہیں اسے کہیں چھپ جانے پر اکسار رہی تھیں، دھڑکتے دل کے ساتھ وہ نظر جھکا اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں موجود اپنے لرزتے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی، ایک جھلکی رنگ وہ اس کی انگلی میں پھنسا رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ وقت تمہارے لیے بہت کشمکش ہے، مجھے کوئی شکایت نہیں اس سچ پر کہ میری محبت کی کوئی روتہ تمہارے دل میں نہیں ہے، مگر مجھے یقین ہے کہ تم میری محبت کا خیر مقدم کرو گی، میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ ماحول جان کی خوشی کے لیے ہی سب کچھ کر رہا ہے، میری زندگی میں شامل ہو کر تم نے مجھ پر احسان کیا ہے، مجھے بامیوں میں گھرنے سے بچایا ہے، میں نے تو صرف اپنے جذبے تمہارے لیے وقف کیے ہیں مگر تم نے اپنا سب کچھ میرے اختیار میں دے دیا ہے، اپنے نام کے ساتھ میرے نام کو جوڑ کر تم نے مجھے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے، اب اگر بدلے میں تمہارے لیے میں اپنے وجود کے ٹکڑے کر کے تمہارے قدموں میں ڈال دوں، تو اس کی بھی کوئی ہمت نہیں ہوگی۔" اس کی لرزتی پٹلیوں پر نظر پڑنے وہ کہوے عجیبہ لہجے میں بولا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا سچا سہرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تمام کر اپنی طرف ڈراٹھا تھا، اس کے قیامت خیز نقوش اپنی آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے عارض کے دل کی دنیا درہم برہم ہوتی تھی، جبکہ آنکھیں بند کیے بیٹھی خرم کا دل بھی بند ہونے لگا تھا۔  
 "میں جانتا ہوں، تم میری آنکھوں میں دیکھو، اس محبت کو دیکھو جو تمہارے لیے میری آنکھوں میں سمٹ آئی ہے۔" دم گھیرا واز کے ساتھ خرم کو اپنی پیشانی پر ہینگی سنگینی سانسیں بھرتی محسوس ہو رہی تھیں۔



رات گئے تک احمد حسین اور فاطمہ، مٹان کے والدین اور برابان سے فون پر مصروف گفتگو رہے اس کے بعد کہیں باکرشت برخواست ہوئی تھی، عروسہ بھی میزبہ کے ساتھ جاری تھیں مگر ایک ہی مٹان نے انہیں رکنے کے لیے کہا تھا، اس کی تنہائی اور معاملے کی نوعیت سے میزبہ واقف تھی مگر اسے یہی بہتر لگا تھا کہ دونوں بہن بھائی تمہاری میں ہی بات کریں تو اچھا ہے، لہذا وہ خند کا پھانٹ کرتی میسر سے چلی گئی تھی، خاموش نظروں سے عروسہ نے اسے دیکھا تھا، جو اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"آئی امیں ہمیشہ سے آپ کے قریب رہا ہوں، اپنی ہر ضد ہر خواہش کے لیے میں آپ کی طرف دیکھتا رہا ہوں، کیونکہ گھر میں ایک آپ ہی ہیں، جن کے نزدیک میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی بھی بہت اہمیت ہے، امی، ابو کے نزدیک میں جیسا بھی ہوں مگر آپ کے لیے میں برابان بھائی سے بھی زیادہ اچھا ہوں، میرے لیے آپ ان کو بھی غور انداز کر سکتی ہیں، بچپن سے لے کر آج تک میری ہر مشکل کا حل آپ کے پاس رہا ہے، کیوں مجھے مجبور کیا جا رہا ہے کہ میں اس سے دستبردار ہو جاؤں؟ میری مشکل آسان کرنے کے بجائے کیوں مجھے عذاب میں دھکیلا جا رہا ہے؟ آپ کہہ دیں مجھ سے کہ میں آپ سب کی زندگی سے دور چلا جاؤں، میں آپ کی بات مان لوں گا، جاتے ہوئے یہ مٹی بھول جاؤں گا کہ ویلا زندہ بھی رہے گی یا نہیں۔"

"مت کرو ایسی باتیں" عروسہ نے دل کرا سے دیکھا تھا۔  
 "اگر میرے منظر سے غائب ہونے پر آپ کے گھر کی خوشیاں سلامت رہتی ہیں، تو میں بے وفائی کا مرتکب ہو جاؤں گا، ویلا سے کیا ہر وعدہ توڑ کر میں اپنا سیاہ چہرہ اس کے سامنے بھی نہیں لاؤں گا، امی، ابو کو لگتا ہے کہ میں خود غرض ہو کر اپنی ہی بہن کا گھر توڑنے کا گناہ کر رہا ہوں، کیا آپ کو بھی ایسا لگتا ہے؟" اس کے دزدیدہ لہجے نے عروسہ کے دل میں جیسے پتھر اتارا تھا۔

"وہ غلط کہتے ہیں، فاروقی کی وجہ سے وہ جہیں باز رکھنے کے لیے ایسا کہتے ہیں، ورنہ مجھ سے بڑھ کر یہ کون جانتا ہے کہ تمہیں اپنی بہن کی، اس کے گھر کی خوشیوں کی کتنی پرواہ ہے۔" عروسہ تڑپ کر بولی تھیں۔  
 "میرا بس چلے تو تمہاری خوشیوں کے لیے اپنی جان تک قربان کر دوں مگر ویلا کے معاملے میں، میں بے بس



ہونگی ہوں، تمہارے لیے اور بیلا کے لیے میں نے ان کی باتیں تک کر لی ہیں، میرے پاس کوئی راستہ نہیں بچا ہے، میں تم سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ تم یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ، اس لیے نہیں کہ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی، بلکہ اس لیے کہ میں بیلا کو زندہ لاش بننے نہیں دیکھ سکتی، تم دونوں سے میں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت کی ہے، تم دونوں کی اذیت میرے لیے موت کی اذیت جیسی ہے۔“ شدید بے بسی سے بولتے ہوئے عروسہ کی آنکھیں جھجک مٹی تھیں۔

”تو پھر آپ کی اذیت وہ کیوں محسوس نہیں کرتے؟ اتنے سالوں سے آپ ان کے ساتھ ہیں، آپ کی اچھائیوں کی کچھ پرچھائی بھی ان کو مجھ میں نظر نہیں آتی، میں آپ کا ہی تو عکس ہوں آپ کی! آپ نے ہی تو مجھے اچھے برے کی تمیز سکھائی ہے۔“ شدید اضطراب میں بیلا وہ ان کے سامنے ٹھنوں کے بل بیٹھا تھا۔

”بیلا کے زخمی چہرے نے مجھے جذباتی کر دیا تھا، میں سب کچھ بھلا کر ایک بہت بھاری عہد اس کے سامنے لے چکا ہوں، اور کیا کرتا میں؟ طویل عرصے سے خود پر جبر کرتے کرتے تھک گیا تھا، میرے پاس اب وقت بہت کم ہے، میں بیلا کی نفرت برداشت نہیں کر سکتا، آپ ان سے ایک بار اور بات کریں، انہیں سمجھائیں۔“ ساکت نظروں سے عروسہ اسے دیکھ رہی تھیں جو اچھا کرنا بیلا کی طرف ان کے ہاتھوں میں تھا۔

”آپ ان سے کہیں کہ عثمان ساری دنیا کے لیے برا ہو سکتا ہے مگر بیلا کے لیے نہیں، میں ان کے سامنے آپ کے سر کی قسم اٹھانے کے لیے بھی تیار ہوں، میں اسے بہت خوش رکھوں گا، اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے دوں گا، اس پر قصہ بھی نہیں کروں گا، اسے سخت ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا، اس کی خوشیوں کے لیے میں اپنے آپ کو فروخت کر دوں گا، ان سے کہیں کہ وہ ایک بار مجھ پر اعتبار کر لیں اپنی اجازت سے وہ بیلا کو میرے حوالے کر دیں، میں ساری زندگی ان کے سامنے سر نہیں اٹھاؤں گا، بس ایک بار میرے لیے اپنے دل کو نرم کر لیں، بس ایک بار۔۔۔“ اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے عروسہ نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا جو ان کی گود میں سر رکھے بالکل ساکت تھا، بس چند لمبے لمبے تھے عروسہ کو خود کو سنبھالنے کے لیے، آخر وہ کس طرح اسے نونہا بکھرتا دیکھ سکتی تھیں۔

”میرے لیے تم نے جتنا صبر کرنا تھا کر لیا، جتنا جبر خود پر کر سکتے تھے کر لیا، یہ تمہاری زندگی ہے اور اپنی زندگی کی خوشیاں اب تمہیں خود حاصل کرنی ہیں، کسی سے بھیک نہ اب تم ہاتھو گے نہ میں تمہیں یہ کام کرنے دوں گی، میں نہیں جانتی کہ تم نے کون سے عہد لیے ہیں، کتنے وعدے کیے ہیں، میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں تمہیں اور بیلا کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، تمہیں بڑوں کی طرح منہ چپا کر بھانسنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے عہد اور وعدے کو نبھانا، مت فکر کرو میری ٹیکنگ اگر اب بھی میں تمہاری کمزوری بنی رہی، تو میرے لیے اس سے زیادہ شرم کا مقام اور کوئی نہیں ہوگا، میں اپنے آپ کو اس لیے نہیں کوسنا چاہتی کہ میں تمہاری بہن ہوں، اگر حالات تمہارے خلاف ہوتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ آگے جا کر تمہارے حق میں ہو جائیں گے، میں تمہارے قریب رہوں یا نہ رہوں مگر مجھے تمہارے کسی عمل پر تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، جاؤ۔۔۔ اپنی زندگی کو اپنے ڈھنگ سے گزارو، اپنے حصے کی خوشیاں حاصل کرو، میں نے تمہیں اجازت دی۔“ لرزتے لہجے میں وہ بول رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

یہ جلتے ہوئے، یہ نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھیں مجھے سوئے نہیں دیتیں تمہاری ادھ مٹی آنکھیں

مدم خواب تاک رہی میں وہ اس کے خوابیدہ چہرے کے پرسوں نقش کو بغیر ہلک جھپکے تک رہا تھا، مدم ہوا سے

کی یہ چٹائی پر بیٹھی بال بکھرتے سینے جا رہے تھے، آنکھوں کو خیر و کرنا و شوم تھا، خفا سا لگ رہا تھا، اس کی گھٹی لانی جیسے آج میں جڑی ہوئی تھیں، اس کی سانپوں کے زہر و نیم نیند میں ڈوب جانے کا پتہ دے رہے تھے، دہکتے ہزاروں پر آنسوؤں کے نشانات واضح تھے، یکدم عارش کو اپنے دل پر ایک بوجھ سا گرنا محسوس ہوا تھا، دھیرے سے اس کے حجابی ہاتھ کو چھوتے ہوئے وہ شاید اپنے قریب اس کی موجودگی پر یقین کر رہا تھا، جب اس کی بند پٹلیوں میں جنس ہوتی تھی، وہ بھی تو چاہتا تھا، ابھی وہ اس پر اپنی محبت کی شدت واضح ہی کہاں کر چاہتا تھا، مگر محبت کو میاں کرنے کے لیے یہ رات بھی تو بہت مختصر تھی، اس کی چٹائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے عارش نے اس کی مکمل واہوتی سرخ آنکھوں کو دیکھا تھا، مگر وہ فوراً ہی آنکھیں بند کر تی چہرہ دوسری سمت پھیر گئی تھی، عارش کی بھیجی آنکھیں اس کی گردن تک اٹھ رہی تھیں، دھڑک پر واضح دو حیا نشان بھی اتنا ہی سرد مہذب دکھائی دیا تھا جتنا کہ وہ دشمن جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

دوسرے دن گھر میں ہی ویسے کا اہتمام بہت سادگی سے رکھا گیا تھا، جس میں مصطفیٰ حسین اور عروسہ کی فیملی کے علاوہ عارش کے چند دوست مدعو تھے، رات میں ہی احمد حسین اور فاطمہ کو مصطفیٰ حسین کے ہمراہ سرگودھا کے لیے روانہ ہو جانا تھا، ان ہی تیاریوں میں آدھا دن گزر گیا تھا۔

کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے خود کو تامل رکھنے کی کوشش کی تھی، لاؤنج میں موجود عروسہ کے دونوں بچے بیوی پر کارٹون دیکھنے میں مصروف تھے، اس وقت وہ عروسہ کا سامنا ہی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ان کی نظریں تو اس کے چہرے کو بھی اچھی طرح پڑھ لیتی تھیں، وہ بے قدموں کے ساتھ وہ چکن کی طرف بڑھی تھی اسی وقت نیزہ خود ہی چکن سے برآمد ہو گئی تھی۔

”اب فرصت ملی ہے تمہیں، کہاں تھیں اب تک میری کال بھی ریسیڈ نہیں کی تم نے؟“ شکایت کرتے ہوئے نیزہ اس کا ہاتھ پکڑے چکن میں چلی گئی تھی۔

”کیا ہوا اتنی خاموش کیوں ہو؟“ نیزہ کو یکدم ہی کچھ عجیب سا لگا تھا۔

”بس ایسے ہی، تمہیں تو سب پتہ ہے۔“ اس نے نظر ملانے بغیر بیلا نے کہا تھا۔

”جو ہوا اسے بھول جاؤ، محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے، یہ سب کچھ موافق کر دیتی ہے۔“ اس کے شانے کو چھیپاتے ہوئے نیزہ نے جیسے بہت بڑھائی تھی۔

”تم کس کے ساتھ آئی ہو؟“ نیزہ کے سوال پر وہ ایک لمبی کوکڑ بولی تھی۔

”فادان کے ساتھ آ رہی تھی تو راستے میں عارش اور عثمان مل گئے، وہ مجھے یہاں ڈراپ کر گئے ہیں۔“

”کیا۔۔۔ وہ دونوں تمہیں یہاں چھوڑ کر پھر کہیں چلے گئے؟“ نیزہ دنگ ہوئی تھی۔

”تمہیں بتاؤں عارش کی حرکت۔۔۔ صبح سے یہ وقت ہو گیا ہے، اپنی نئی ٹوبلی دہن کو چھوڑ کر وہ ایسا بھاگا ہے کہ پلٹ کر اس بے چاری کی خبر تک نہیں لی ہے، عارش کے ساتھ عثمان بھی غائب ہے، مجھے معلوم ہوتا کہ وہ دونوں تمہیں کیٹ بڈا کر اپنے گھر آ رہے ہیں تو وہیں پہنچ کر طبیعت صاف کر دیتی دونوں کی۔“

”خبریں کہاں ہے؟“ بیلا نے پوچھا تھا۔

”اپنے کمرے میں، ٹیبلٹ پر ہے اسے، سوری ہے، تم ڈرا جا کر اسے بیدار کرو، اس نے دوپہر میں کھانا نہیں کھایا تھا، میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں، کچھ کھا کر ٹیبلٹ لے لی تو طبیعت بہتر ہوگی، شام کو پھر سب جمع ہوں گے ویسے کی دکان کو کہیں۔“ نیزہ کے مسکراتے لہجے پر وہ خود بھی مسکراتی چکن سے نکل گئی تھی۔



ہلکی دھڑک کے ساتھ بیلانے کمرے میں پہلے جھانکا تھا اور پھر کمرے میں داخل ہو گئی تھی، کمزریوں کے رشتی پر دوسوں سے چھن چھن کر ڈھلتی دو پہر کی نرم دھوپ کمرے کو کسی حد تک روشنی کر رہی تھی، پھولوں کی خوش کن مہک نے کمرے کے ماحول کو مزید پر اسرار اور دھندلا کر رکھا تھا، چند لمحوں تک وہ مہجوت سی کمزری نفاست سے بچے کمرے میں نگاہوں کی سچاوت کو دیکھتی رہی تھی، تنگ سائز بینڈ کے گرد موجود گلاب کی بے شمار لڑیوں کوئی الحال ایک طرف بنا دیا گیا تھا، بیلانے کو ایک ایک پھول تروتازہ اور شبنم میں ہیکھا دکھائی دیا تھا، دیر سے دیر سے نرم کارپٹ پر چلتی بینڈ کے قریب گئی تھی، گلابی خوبصورت سے لباس میں خرمین دوسری جانب کروٹ لیے یقیناً سو رہی تھی، اس کے شانے پر بھی چوٹی میں موتیا کی سفید کلیاں پر دی ہوئی تھیں، چوڑی وارنگ پاجامے میں اس کے بازو کی مہندی کچھ اور زیادہ گھبرائی تھی، بیلانے کو اس پر رشک آ رہا تھا، کتنے اعزاز کے ساتھ تکی جھٹوں اور دعاؤں کے دھار میں وہ عارض کی زندگی میں داخل ہوئی تھی، دل میں اٹھتی میٹوں کو مضایا کرتے ہوئے اس نے دیر سے خرمین کے ہاتھ کو ہلا کر پکارا بھی تھا، نیند سے گلابی ہوتی خنار آلود آنکھوں سے اس نے بیلانے کو دیکھا تھا اور اگلے پل ہی کچھ جھینپے انداز میں اٹھ بیٹھی تھی۔

”اب وقت ملا ہے تمہیں؟“ حسب عادت وہ پتہ پٹانی سے گرائی وہ دم دم آواز میں شکارت کر رہی تھی۔  
 ”اب پچھتا رہی ہوں کہ جلدی کیوں نہیں آ سکی، تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لیتی۔“ مسکراتی لگا ہوں سے بیلانے اسے دیکھا تھا جو خاموشی سے اپنے شانے سے گری آتی چوٹی کو ٹھیک کر رہی تھی، بیلانے کی نظریں اس کے چہرے پر نہیں ٹھہر رہی تھیں، دل چاہ رہا تھا کہ اس کے حسین روپ کو بس دیکھے ہی جائے، کتنا فرق تھا قل اور آج میں، کل کی نازک کلی آج کھلے ہوئے گلاب کی طرح شاداب نظر آ رہی تھی، ایک شخص کی محبت نے اس کے روم روم کو نکھار دیا تھا، آج تو اس کے وجود سے اٹھتی سمجھ کر مہک بھی بدلی اور انوکھی تھی۔

”خرمین! کہیں میری نظریں نہ لگ جائے تمہیں۔“ محبت سے مغلوب ہو کر بیلانے اسے گلے سے لگایا تھا۔  
 ”تم میری دوست نہیں، بہن بھی ہو، تمہاری نظریں کیسے لگ سکتی ہے مجھے۔“ دم دم آواز میں خرمین نے اسے گھر کا تھا۔  
 ”پتہ ہے، تمہیں دیکھ کر مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی ہے، اندازہ ہو رہا ہے کہ عارض تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔“ بیلانے مسکراتے معنی خیز لہجے پر خرمین کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا مگر اس کے رخسار دھک اٹھے تھے۔  
 ”میزو خواخو او بے چارے عارض کی گمشدگی پر غصہ ہو رہی ہے، قصور تو اس کی دلہن کا ہے، جس کے قیامت خیز جلوے اس بے چارے کو بچ ہی صبح گھر سے بھاگنے پر مجبور کر گئے۔“ بیلانے شرارتی لہجے میں بولتی ہوئی تھی۔  
 ”چپ رہو۔“ خرمین نے خشکی سے اسے دیکھا تھا۔

”اچھا یہ بتاؤ تمہاری طبیعت کو کیا ہو گیا؟“  
 ”مجھے نہیں پتہ۔“  
 ”پھر کسے پتہ ہے، عارض کو؟“ بیلانے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔  
 ”گھور کیوں رہی ہو، جلدی سے بتاؤ کیا پیش کیا حضرت نے تمہاری خدمت میں؟“ بیلانے کے ڈپٹے پر اس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا تھا۔

”زبردست۔۔۔ عارض کی چوٹس کو داد دینی پڑے گی۔“ توصیفی نظروں سے بیلانے کی رنگ کا جائزہ لے رہی تھی جب یکدم خرمین نے اس کا وہی ہاتھ تھام لیا تھا۔  
 ”تمہارے ہاتھ میں یہ کیسی رنگ؟ تم تو رنگ پہنتی نہیں ہو۔“ خرمین نے حیرت سے پوچھا تھا۔

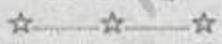
”پہلے یہ بتاؤ، کیسی لگ رہی ہے؟“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بیلانے پوچھا تھا۔  
 ”بہت پیاری لگ رہی ہے، تمہارے ہاتھ میں بہت جگ رہی ہے، مجھے یاد آ رہا ہے ایک بار تم نے کہا تھا کہ اگر تم نے بھی رنگ پہنتی تو وہ رنگ وہی ہوگی جو ملتان تمہیں دے گا۔“ خرمین نے جا بجا نظروں سے اس کے بدلے حشرات دیکھے تھے۔

”اسی نے یہ رنگ مجھے پہنائی ہے۔“ بیلانے کی آواز بہت مدھم تھی۔  
 ”سب؟“ خرمین حیران تھی۔  
 ”یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے۔“  
 ”کیا مطلب؟“ خرمین انجھی تھی۔

”اس وقت کوئی سوال نہ کرنا خرمین! میں جواب نہیں دے سکوں گی۔“ بیلانے کے لرزے لہجے پر خرمین کو کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ کمرے میں میزرو کی آمد ہو گئی تھی۔

”چلو بھی دہن! کھانا تناول کرو، ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔“ کھانے کی ٹرے سائید بھیل پر رکھ کر میزرو، خرمین کے قریب ہی آ بیٹھی تھی مگر خرمین پھر بیلانے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”یہ چوٹ کیسی ہے تمہارے چہرے پر؟“ خرمین کے سوال پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔  
 ”تقریباً کرو، قاروق بھائی ایک نایک دن تمہیں گے تمہارے جذبات کو۔“  
 ”چھوڑو اس ذکر کو، اب ان کے کچھ مجھے یا نہ مجھے سے؟“ خرمین نے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ بیلانے کے تلخ لہجے سے زیادہ اس کے بیلنے پر خرمین کو چھوڑ دیا تھا مگر وہ مزید کچھ نہیں بولی تھی۔



پتہ نہیں کتنا وقت ہو چکا تھا مگر وہ اب تک میسر پر کمزری دور اس آہنی گیت کو دیکھ رہی تھی، جس کا ہر ایک وقتا فوقتا آنے جانے والی گازیوں کے لیے اندھ رہا تھا، فاطمہ اور احمد حسین چاچکے تھے اسے بہت ساری تیلیں اور دعاؤں کے ہمارے چھوڑ کر، ان کے جانے کے بعد بھی اس کے آتشوں میں رکے تھے، ان دونوں کے بغیر یہاں کچھ بھی تو باقی نہیں رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا سب کچھ ختم ہو گیا ہے، دل کے اندر بھی اور باہر بھی، اپنے ارد گرد تنہائی کا احساس مزید اسے وحشت میں مبتلا کر رہا تھا، میزرو اور عارض ان تینوں کو آف کرنے گئے تھے، خرمین کو ساتھ آنے سے احمد حسین نے روک دیا تھا، عمرہ کے لیے جاتے وقت بھی انہوں نے اسے ایئر پورٹ ساتھ جانے سے روک دیا تھا، ظاہر ہے اس لیے کہ اس کے آسودہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، اپنے آسودہ صاف کرتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر کارڈن ایریا میں ڈالی تھی، جہاں لائٹس آن تھیں، کافی رات ہونے کی وجہ سے وہاں چہل پہل بہت کم تھی، میسر کی باؤظری سے دور پہنچے ہوئے وہ انہیں جانب اونچے چوڑے بنجرے کی طرف آ گئی تھی، جن دنوں وہ سب مل کر پارٹمنٹ میں بیٹ کر رہے تھے، ان ہی دنوں میں عارض نے سب سے پہلے میسر پر یہ بنجرہ تیار کروا لیا تھا اور پہلی فرصت میں مارے کیوٹر یہاں منتقل کر لیے تھے، بنجرے کے دونوں پورٹوں میں سفید براق اور چمکبرے کیوٹر بہت شانیت پیٹھے دم دم آواز میں نکال رہے تھے، جہاں یوں میں انگلیاں چھسائی وہ اس نظروں سے ان سب کو دیکھتی رہی تھی۔

کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا، تیز قدموں کے ساتھ وہ میسر سے نکل گئی تھی، دروازہ کھول کر ایک نظر بھی اس کے چہرے پر ڈالے بغیر وہ اپنی پلٹی میسر کی سمت بڑھ گئی تھی، اس کے چہرے کو ایک نظر دیکھتے ہی عارض انگوٹھ میں جٹا ہو چکا تھا، میسر پر آتے ہوئے ایک پل رک کر عارض نے اس کی پشت کو دیکھا تھا جو بنجرے کے



پاس ہی ساکت کھڑی تھی، آگے بڑھ کر اس نے دیر سے اس کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا تھا کہ وہ سرعت سے اس کے ہاتھ الگ ہٹاتی اس کی طرف رخ خود ہی کر لیتی تھی، وہ چونکا ضرور تھا، بڑا فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا، بس خاموشی سے اس کے تاثرات کا پتہ لگا رہا تھا جو بالکل سپاٹ تھے اس کی بجلی آنکھوں سے بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کتنا زیادہ روٹی ہے مگر یہ کچھ تھا کہ اس کا رویہ یا چہرہ بھی دل میں اترا رہا تھا، گہرے سبز رنگ کے لباس میں اس کا سراپا سبز بناؤ کا شاخ چسپا ہی دکھائی دے رہا تھا، اس کا رخ اس نے نہیں لیا تھا مگر کچھ نظر سے گزرا تو وہ پشیمان نے چہرے کے گرد لپٹ رکھا تھا، کوشش کے باوجود عارض کی نظروں سے چھپنے میں بھیجے اس کے دو دھیاں تھیں ایک نہیں پہنچ سکی تھیں، سارا دن گزرنے کے بعد وہ اب اسے نظر بھر کر دیکھ رہا تھا اور یہ اس تھی کہ بدبختی ہی جاری تھی۔

”تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟“ اس کی جھکی پلکوں کو دیکھا وہ پوچھ رہا تھا۔  
 ”ٹھیک ہے۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جواب دے گئی تھی۔  
 ”کتنی ٹھیک؟“ اس کے عقب میں پتھر کی جالیوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ قدرے اس کی جانب جھکا تھا۔  
 ”میں نے پوچھا ہے، کتنی ٹھیک ہے؟“ مسکراتی نظروں سے عارض نے اس کے چہرے پر بھینکتی ناگواری کو دیکھا تھا جو نظر بھی نہیں اٹھا پارہی تھی، عارض نے کبھی اسے اس طرح نظر نہ آتے یا خود میں سمجھنے نہیں دیکھا تھا، لہذا اب یہ سب اسے بہت دلچسپ بھی لگ رہا تھا۔  
 ”میں تمہارے جواب سے مطمئن نہیں ہوں، میں خود چیک کروں گا۔“ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عارض نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا کہ وہ کرنٹ لگا کر ہاتھ چھڑاتی اس کے برابر سے نکلی چلی گئی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر عارض نے مشتاقی نظروں اور گردو زانی تھیں، مگر وہ شاید مکن کی طرف تھی، پہنچ کے بعد جب وہ واش روم سے نکلا تو حیران ہوا تھا، کمرے کی لائٹس آف تھیں، مدھم روشنی میں وہ اسے دیکھ کھٹکا تھا، جو بیڈ کے کنارے پر دوسری طرف کروٹ لیے سوئے کے لیے لیٹ چکی تھی، نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اسے اپنے سر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا، جیسے کی تیز ہوا بھی اسے بری لگ رہی تھی، پہنچ اس نے نہیں کیا تھا اور اس لباس میں اسے شہد محسوس ہو رہی تھی، اٹھ کر کمرے کی ہت نہیں تھی جو بیروں کے پاس ہی تھا، آنکھیں پٹی سے بند کیے دوپٹے کے اندر ہی بازوؤں کو اپنے گرد لپیٹے وہ سوئے کی کوشش کر رہی تھی، جب اس نے چونک کر ذرا آنکھیں کھولی تھیں، جیسے کی اسپینڈم ہوتے ہوتے بہت معمولی سی رہ گئی تھی، شاید عارض کو بھی تیز ہوا بری لگ رہی تھی یا پھر اسے دیکھ کر عارض نے اندازہ لگا لیا تھا تھا۔ گہری خاموشی میں وہ اپنے دل کی دھڑکن اپنے ہی کانوں میں سن رہی تھی۔  
 ”خزمن! اچھے اب موقع ملا ہے، تم سے باتیں کرنے کا، میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں، میری یا اپنی نہیں مگر تم ماموں جان اور ماما کے بارے میں تو مجھ سے کوئی بات کر سکتی ہو۔“ بہت قریب سے ہی عارض کی آواز اسے سنائی دی تھی، اس کی آنکھوں میں سر جھپکی تھی۔

”میں جانتا ہوں، ایسے وقت میں ان کی جدائی تمہارے لیے کرب کا باعث ہے، تم مجھ سے بات کر کے اس کرب کو کم کر سکتی ہو، ہماری خوشیاں اور غم اب الگ الگ نہیں ہیں۔“  
 ”کیا بات کروں اب ان کے بارے میں تم سے، تم جو چاہتے تھے وہ ہو گیا ہے، میں ہی تو کاٹنا تھی، سب نے مل کر مجھے الگ کر دیا ان سے۔“ اس کے لرزے لہجے کی اذیت نے عارض کو اتنا شدید دھچکا پہنچایا تھا کہ وہ سرعت سے اس کا رخ اپنی طرف کر گیا تھا۔  
 ”ایسا مت کہو، وہ تم سے الگ نہیں ہوئے ہیں۔“ دنگ نظروں سے عارض نے اس کی جھل تھل آنکھوں کو دیکھا

نہ، مدھم سرخ روشنی میں اس کے چہرے پر اذیت ہی اذیت پھیلی تھی۔

”دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ان سے الگ نہیں کر سکتی، تم ان کی اولاد ہو، وہ تم سے قریب ہوں یا دور ان سے تمہارا حلقہ اٹوٹ ہے۔“ اس کے آنسو پوروں میں سینا تو نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

”تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم چاہتی ہو کہ ماموں جان اپنے بھائیوں سے ملیں، ان کے تعلقات اپنے بھائیوں سے بہتر ہو جائیں، اور میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہاری اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔“ وہ اسے یاد دلایا رہا تھا جو کتنی ٹھنی سسکیاں بھر رہی تھی۔

”تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کتنی اچھی نیت اور نیک مقصد کے لیے گئے ہیں، وہ صرف تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے، ان کی زندگی پر تھوڑا بہت حق ان کا بھی تو ہے، ہم اس بارے میں پہلے بھی بات کر چکے ہیں تم ہی تمہیں متفق تھیں تو پھر اب یہ سب یقینی اور اندیشہ کیوں؟“ سوالیہ نظروں سے وہ چند لمحوں تک اس کی بند پلکوں سے جھپٹے نظروں کو دیکھتا رہا تھا اور پھر بے اختیار ہی ان چشمی نظروں کو اپنے ہونٹوں میں جذب کرنا شروع کر دیا تھا جبکہ خزمن کا وجود اس دیکھتے لمس سے جھپٹنے لگا تھا۔

”اب میرے سامنے ان موتیوں کو منانے کرنے سے پہلے تم ہزار بار سوچو گی، مجھے یقین ہے۔“ گہرے مسکراتے لہجے میں بولتے ہوئے عارض نے اس کی کھلی آنکھوں کو دیکھا تھا جس کے دل کی دھڑکن اب تک رکی ہوئی تھی۔  
 ”کیسے بھول سکتے ہو تم میری حقیقت؟ گناہ تو روح کو بھی پاک نہیں رہنے دیتے، غلامت سے گن کھائی جاتی ہے، اس سے بچنا تاکہ اسے پھر تم کی طرح میرے قریب۔“ اس سے پہلے کہ وہ لرزے لہجے میں مزید کچھ کتنی عارض نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”میرے لیے صرف تم اہم ہو، مجھے کسی حقیقت، کسی سچائی سے نہ پہلے تمہیں حق نہ بھی آگے ہوگی، میرے لیے تمہارا درد جتنا بڑا کیڑہ اور مقدس ہے کہ میں تمہیں چھوئے سے ڈرتا ہوں، مگر دور بھی نہیں رہ سکتا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔“ مدھم گھیر لہجے میں وہ بولا تھا اور اس کی پیشانی سے دوپٹہ ڈرا سر کا دیا تھا، دھمکتے ماہنم کی حرالکیز روشنی نے اسے بے خود ہی تو کر دیا تھا، کچھ بھی یاد نہ رہا تھا، سوائے محبت کے، خزمن کا وجود برف کی طرح سرد اور منجمد ہونے لگا تھا، آج پھر قیامت کا سامنا تھا، اس کی سانسیں رک رہی تھیں، ٹھگ ہوتے مضبوط حصار کو توڑ کر وہ فرار ہو جانا چاہتی تھی، جبکہ اس کی کیفیت سے بے خبر عارض اس کی جلیوں کی گرتی چلمن کو شرم و حیا پر محمول کرنا فریفت ہونے لگا تھا، ماموں کی قنارت میں، پھولوں سا بدن جیسے اک تھان سارنیم کا جو کھٹا چلا جائے، محبوب سے چہرے پر، موتی وہ پسینے کے ہونٹوں سے کوئی جن کو بس چھتا چلا جائے۔

☆ ☆ ☆

کھڑکی سے ڈرامہ کے پردے سے راستہ بناتی دھوپ خوابیدہ چہرے تک آ پہنچی تھی، ادھ کھلی آنکھوں کو دھوپ سے بچاتے ہوئے اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کی نیند غائب ہو گئی تھی، سرعت سے اٹھتے ہوئے اسے خزمن کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تھا اور یہ بھی کہ وہ اتنے دن چڑھے تک سے خبری کی نیند سوتا رہا ہے۔  
 کیلے بالوں پر ٹاول پھیرتا وہ سائینڈ ٹیبل پر چھینٹے سیل فون کی طرف بڑھا تھا اور عثمان کی کال ریسیو کر لی تھی۔

”تم زندہ ہو؟“ عثمان شدید حیران تھا۔  
 ”الحمد للہ!“  
 ”مگر ایک گھنٹے پہلے جب میں نے کال کی تھی تو تمہاری بیگم صاحبہ نے ریسیو کی انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ



تم فوت ہو چکے ہو۔" عثمان کا لہجہ خشکیاں تھا۔

"اس نے بالکل ٹھیک کہا، میں تو ہر دن اس پر مرتا ہوں۔"

"میری بلا سے، تم تڑپ تڑپ کر اس پر مرو، مگر شرافت سے اکیڑی پہنچ جاؤ، مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے۔"

"میرے دوست، میرے بھائی! کچھ خدا کا خوف کرو، نکل دیر ہو ہے میرا۔" اس کے حکم پر عارش دنگ ہوتا یاد دار رہا تھا۔

"کل گزر گیا وہ ماضی کا حصہ بن گیا، کچھ دیر کے لیے استانی کے قدموں سے اٹھ جاؤ ورنہ میں آج پھر تمہارا دلیر منعقد کروادوں گا۔" عثمان نے دھمکی دی تھی۔

"میرے پاس بس یہ آج کا ہی دن ہے، کل سے مجھے آفس بھی جوائن کرنا ہے، اب تو پورا سال میں اپنے پاس سے سامنے پھٹی کا نام نہیں لے سکتا، کم از کم آج کے دن تو مجھے بخش دو، خرمن کیا سوچے گی۔" وہ ہنستا تھا۔

"اس کے پاس دماغ کہاں ہے جو سوچے گی، بس ایک زبان ہے جسے ہر صورت چلانا ہے۔"

"کیومت، زبان تمہاری چلتی ہے بلکہ فرانے بھرتی ہے، اس مصوم کی زبان سے تو پھول جھڑتے ہیں۔"

ڈریک کے سامنے بالوں میں برش پھیرتا وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اتنی سفاک غلط بیانی کے بعد تم ہرگز بھی رعایت کے لائق نہیں رہے، شام سے پہلے اکیڑی پہنچ جانا کیونکہ میں یہاں سے بھاگ رہا ہوں ہر صورت۔"

"مانی...! پلیز یارا" عارش اٹھتا کرتا رہ گیا تھا مگر عثمان ان کی لائن ڈسکلیٹ کر چکا تھا۔

کچن میں تیزی سے داخل ہوتے عارش نے رک کر اس کی پشت پر پھیلے ادھ کھلے نم بالوں کو دیکھا تھا اور پھر شرمندہ ہوتا اس کے قریب گیا تھا۔

"تم یہ کیا کر رہی ہو، چھوڑو سب، میں ناشتہ بناؤں گا۔" عارش نے اسے شانوں سے تمام کر ایک طرف بنانا چاہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ، ناشتہ تیار ہو چکا ہے۔" اس کی جانب دیکھے بغیر آلیٹ پلیٹ میں نکالتی وہ اسے مزید شرمندہ کر گئی تھی۔

"مامی سے بات ہوئی تمہاری؟" فرحت سے پانی کی بائل نکالتے ہوئے عارش نے ایک گہری نظر اس کے سراپے پر ڈالی تھی۔

"ہاں، امی اور بابا سے بات ہوئی ہے، ناشتے کے بعد کال کر لینا، دونوں تمہارا پوچھ رہے تھے۔" نیبل پر تھرماں رکھتے ہوئے خرمن نے اس سے کہا تھا، جو کرسی پر بیٹھ رہا تھا، خاموشی کے ساتھ وہ پلٹ کر جاری تھی، جب عارش نے یکدم اس کا ہاتھ تمام کر دوک لیا تھا۔

"تم ناشتہ نہیں کرو گی؟"

"وہ صبح کر چکی ہوں، یہ وہ پہلا وقت ہے۔" اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتی وہ بولی تھی۔

"ہاں! میں بھول گیا تھا کہ میرے ناشتہ کرنے تک تم یہاں بیٹھ تو سکتی ہو۔" منجیدہ نظروں سے عارش نے اس کے سپاٹ پیئر سے کود دیکھا تھا، چونہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"میں بہت برا انسان ہوں، میری وجہ سے تمہیں اتنی جلدی لیکن میں آنا پڑا ہے، ویسے مہندی والے ہاتھوں سے

لٹایا گیا یہ ناشتہ بہت لذیذ ہے۔" مسکراتی نظروں سے عارش نے اس کی چمکتی پیشانی پر گری لٹوں کو دیکھا تھا، جبکہ اس کی پریشانی ہوں پر بیزاری محسوس کرتے ہوئے خرمن نے نامحسوس انداز میں دوپٹے سر پر ڈال کر پیشانی تک گرا ہی لیا تھا، اس کی حرکت پر وہ بد مزہ ہوا تھا، مگر توجہ ناشتے کی طرف مرکوز رہی تھی۔

"مانی کی کال ریسرو کی تھی تم نے؟" خاموشی توڑنے کے لیے عارش نے پوچھ لیا تھا۔

"تو کیا ہو گیا، تم سو رہے تھے تو میں نے اس کی کال ریسرو کر لی، کوئی اعتراض ہوا ہے تو بتا دو؟" یکدم خرمن کے ہاتھ لپکے ان سے حق ووق کر دیا تھا۔

"میں نے ویسے ہی پوچھ لیا تھا، مجھے کوئی اعتراض کیوں ہوگا۔" عارش کے دنگ لپکے پر وہ ناگواری سے دوسری طرف ہی متوجہ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں، کیا مجھ سے کوئی لفظی ہوئی ہے؟" وہ پوچھتے بغیر نہ روکا تھا۔

"مرد سدا آبی کا صبح سے دو بار فون آچکا ہے، تم مجھے ان کی طرف ڈراپ کر دینا۔" اس کا سوال نظر انداز کیے وہ بولی تھی۔

"مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"کل تمہارے سامنے ہی تو انہوں نے کہا تھا کہ میں آج سارا دن ان کی طرف رہوں گی، رات کو کھانے پر تم بھی انوائٹ ہو۔" ناگوار لہجے میں خرمن نے یاد دلایا تھا۔

"مگر میں آج سارا وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔" عارش کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"میں تیار ہونے جا رہی ہوں، تم ڈرا جلدی ناشتے سے فارغ ہو جاؤ۔" کوفت سے بولتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ایک نگاہ بھی اس پر نہیں ڈالی تھی، جو شکایتی نظروں سے اسے بچن سے نکلنے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

دوسرے سے گھٹ گھولتے ہوئے بیلا کا چہرہ فق تھا، یوگلا کر اس نے عثمان کو باہر ہی رد کا تھا، جو اطمینان سے اندر داخل ہوتا چاہ رہا تھا۔

"رات کے ختم بجے تم یہاں آ گئے، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" بیلا نے ہول کر اسے گھر کا تھا۔

"کیوں... تم نہیں جانتیں؟" مسکراتی نظروں سے عثمان نے اس کے گھبرائے تاثرات کو دیکھا تھا۔

"مان! اخذ اس کے لیے گھر جاؤ، مجھے اپنی نہیں تمہاری پروا ہے۔"

"اور مجھے کسی کی پروا نہیں، بات نہیں کرنی تو ویسے ہی کہہ دو۔" وہ ناراضی سے بات کاٹ گیا تھا۔

"بات تو میں روز تم سے کرتی ہوں، یہ کیوں سوچا تم نے؟"

"فون پر بات پہلے بھی ہوتی تھی مگر اب سب کچھ پہلے جیسا نہیں رہا ہے، تم جانتی ہو، تمہیں دیکھے بغیر اب میں نہیں رو سکتا۔" اس کے گھر سے لپکے پر وہ نظر چرائی تھی۔

"تو پھر آ جاؤ مجھے ساتھ لے جانے۔"

"میں کچھ مہلت دو کہ میں تمہارے گھر کو تمہارے قابل ہالوں، اس کے بعد میں پلٹ کر تمہیں اس گھر کی طرف لے کر بھی نہیں دوں گا۔"

"میں اس گھر میں جانا چاہتی تھی، جہاں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب میں نے دیکھا تھا۔" وہ نیچے لپکتی بولی تھی۔

”وہ گھر میرے باپ کا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے، اسے وہ اتنی آسانی سے قبول نہیں کریں گے، اور میری غیرت یہ گوارا نہیں کرے گی کہ میں تمہیں ان کے گھر میں رکھوں۔“

”اگلے، آنٹی سب جانتے ہیں، جو اوقات گئے گا مگر جب ان کا خدشہ کم ہوگا، تو وہ ہمارے رشتے کو قبول کر لیں گے اور پھر رہاں بھائی بھی تو ہیں ان دونوں کو سنبھالنے کے لیے۔“ بیلا کا لہجہ پرامید تھا۔

”اپنے باپ کو میں جانتا ہوں، ان کے لیے بیٹی داماد زیادہ اہم ہیں، تم میرے ساتھ اس گھر میں جاؤ گی جو ہمارا ہوگا، رہ گئے بھائی، تو ابھی ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ یہاں کیا ہو چکا ہے، فوری طور پر وہ اچانک سب کچھ نہیں سنبھال سکیں گے، اب میں خود بھی انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا، بہت کچھ کیا ہے انہوں نے میرے لیے، مگر اب جو کرتا ہے مجھے خود کرتا ہے۔“ وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ بیلا نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”آج خرمن اور عارش کھانے پر انوا نکلے تھے، مجھے تمہاری ہی بہت محسوس ہوئی، تم نے کھانا کھایا ہے؟“

”ہاں اریہ یوا شیشن پر آج ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گید رہی تھی، ذرا خرمن ہونے تک اتنا وقت ہو گیا، راستے میں سوچا کہ تم سے ملتا ہوں۔“

”مجھ سے ملنا تھا سول پینک اپ یہاں سے بھی چلتے ہو۔“ وہ غوث سے بولی تھی۔

”سوچ لو، میں تو چلا جاؤں گا مگر تمہیں میرے پاس ہی آنا ہے۔“ اس کے دھمکانے پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

”بس... تمہارا سبکی ہوتا ہوا چہرہ دیکھنے آیا تھا، اب چلا ہوں۔“

”بانیک تیز رفت چلا تا۔“ بیلا نے تاکید کی تھی۔

”اچھا میری سرپرست۔“ عثمان کے خشکیں لہجے پر وہ مسکراتی ہوئی بانیک اشارت کرتا دیکھتی رہی تھی۔

اعتیاد سے گیٹ لاک کرتی وہ جانے کے لیے پلٹی مگر اگلے ہی لمبے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین اگل گئی تھی، بیڑھیوں کے قریب رکے ہوئے کوہ پچھان سکتی تھی، بیلا کی سانس رک ہو گئی تھی جب وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھ رہے تھے، دوسرے ہی لمحے وہ اس کا بازو پکڑے کھینچنے ہوئے اوپر لے جا رہے تھے، سفید پڑتے چہرے کے ساتھ عروسانہ کو کچھ رہی تھیں، جو بیلا کو ایک جھٹکے سے ان کی سمت دھکیل پکے تھے۔

”پوچھو اس سے اور اتنی بار یہ رات کی سیاہی میں اپنا منہ کالا کرتی رہی ہے، میری ناک کے نیچے میری ہی عزت کے جنازے کا قلعہ رکھی رہی ہے۔“ فاروق کی کرجی بلند آواز نے لاؤنچ کی دیواروں کو لرزادیا تھا، بمشکل عروسائے دلکچہ سکتی تھیں، جس کے چہرے پر کوئی خوف نہیں تھا، اس کے تیور فاروق کے اشتعال سے کسی طور کم خطرناک نہیں تھے۔

”اچھی عزت، اپنی میں، اپنی اولاد، ان سب کے علاوہ کچھ نظر ہی کہاں آتا ہے آپ کو، جن کی پرواہ کرتے ہیں ان سے عزت کی توقع رکھیں، مجھ سے نہیں۔“ وہ حلق کے بل چیختی حریفہ فاروق کو بھڑکانے لگی تھی، فاروان نے سرعت سے درمیان میں آکر انہیں روکا تھا۔

”مت روکو مجھے، آج میں اس کی زبان کاٹ دوں گا اور اسے بھی دیکھتا ہوں جس نے اس کو یہ زبان دی ہے، بے غیرت لڑکی، میری آنکھوں کے سامنے منہ کالا کرنے کے بعد بھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے چیخ رہی ہے، جانے کب سے میری آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے یہ۔“

”کوئی دھول نہیں جھونکی، سب جانتے ہیں، کچھ چھپا نہیں ہے آپ سے، آپ نے جو پردے اپنی عقل پر خود ڈال رکھے تھے، آج میں نے وہ ہٹا دیا تو برداشت نہیں ہو رہا؟“

”میری عقل سے پردے ہٹاؤ گی تم؟“ ایک جھٹکے سے فاروان کو الگ ہٹاتے وہ بھر کر بیلا کی طرف بڑھ رہے تھے، سانس روکے عروسہ پھرائی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں، فاروق کو انہوں نے پہلے بھی ایسے ہی ایک اشتعال میں نہیں دیکھا تھا، ان کے ہاتھ بیلا کے چہرے پر لگا کر برس رہے تھے، اسے پچھاتے ہوئے فاروان بھی ان کے ہماری ہاتھوں کی زد میں آ رہا تھا۔

”یہاں کیا کرنے آیا تھا وہ ذلیل انسان؟ کب سے یہ کہتا ہے چل رہے ہیں اس گھر میں؟“

”ملنے آیا تھا مجھ سے، میں نے بلایا تھا اسے، نہیں روکتی اس کے بغیر، مگر جاؤں گی اس کے بغیر۔“ وہ جنونی انداز میں چیختی تھی۔

”بے شرم، بد ذات، بوجھ، میں جان سے مار دوں گا تمہیں۔“ شدید حال میں وہ ایک بار پھر اس پر ہاتھ اٹھا گئے تھے۔

”بس کر میں پاپا! کیا جان سے مار دیں گے؟“ فاروان، بمشکل ان کا ہاتھ روک کر تکی اٹھا تھا۔

”ہاں اماردوں کا اسے، اسی ذلیل انسان کے ساتھ اسے قبر میں اتاروں گا، اسے قید اہوتی ہی مر جانا چاہیے تھا۔“

”مار دیں مجھے، پوری کر لیں اپنی خواہش، میرا وجود آپ کے لیے نفرت ہی نفرت ہے، آج تک آپ سے مجھے نفرت اور عداوت کے سوا ملایا گیا ہے، آپ نے کبھی مجھے انسان بھی نہیں سمجھا، کیا حیثیت دی ہے آپ نے مجھے اپنے گھر میں، کرنے میں پڑے ایک کوڑے دان کی اہیت بھی مجھ سے زیادہ ہے، شرم آتی ہے مجھے آپ کو اپنا بھائی کہتے ہوئے، میرے لیے آپ کی زبان پر زہر کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، کسی بہن کو آپ جیسا بھائی نہیں ملنا چاہیے، میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے، محرم ہیں آپ میرے لیے۔“ وہ ہڈیالی انداز میں چیختی فاروق کے ٹھٹھے کو آسمان تک پہنچاتی تھی۔

”تم اسی قابل تھیں کہ تم سے نفرت کی جائے، بے حیثیت رکھا جائے، وہ محرم ہے جسے رات کے اندھیرے میں غارت کے لیے بلایا تھا؟“

”ہاں! وہ محرم ہے، وہی مجھ پر سارے حق رکھتا ہے، یہ حق میں نے اسے دیا ہے، رات کی تاریکی میں ہی نہیں اسے دن کے اجالے میں بھی میرے پاس آنے سے کوئی نہیں روک سکتا، آپ بھی نہیں۔“ بے خوفی سے چیختی وہ جیسے دھاکے کر چکی تھی۔

”کیا کر چکی ہو تم؟“ فاروق کا چہرہ دلال بمسوکا دکھتا تھا۔

”وہ میرا شو بہرے اور کیا کچھ جانا چاہتے ہیں؟“ بیلا کی گونجی آواز عروسہ کے وجود سے جان نکال گئی تھی۔

”جو آپ نے شروع کیا تھا، وہ میں نے ختم کر دیا ہے۔“ وہ غرائی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس کی گردن فاروق کے ہاتھوں کے قبضے میں پکڑ گئی تھی، اسے اپنا دم گھٹنا محسوس ہو رہا تھا۔

”ابھی آپ کے پاس وقت ہے، مار ڈالیں مجھے، میں بھی دیکھتی ہوں، کیا منہ دکھائیں گے آپ میرے ماں باپ کو جو مجھے آپ کے سہارے چھوڑ گئے تھے، ان کو بھی مجھ پر رحم نہیں آیا تھا، کاش وہ مجھے اس دنیا میں نہ لاتے، لے آتے تھے تو آپ جیسے بے حس انسان کا پھانچ بنا کر نہ چھوڑ جاتے، آپ کے سینے میں کچھ نہیں ہے سوائے پتھروں کے امیر کے۔“ تنک ہوئی گرفت کی اذیت کے باوجود وہ گھٹنے لہجے میں بولی تھی، قہر آلود نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے فاروق نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑ دی تھی۔

”آج سے تم میرے لیے اور میں تمہارے لیے مر چکا ہوں۔“ فاروق کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

☆.....☆.....☆

(جاری ہے.....)



## سلسلے وار ناول

نوٹ: چند ضروری وجوہات کی بناء پر اس ناول کا نام تبدیل کیا جا رہا ہے۔

## ہر عاشق نہیں ہستی کو عشق دہلی ہمارے

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ دودھواں شیش پھلانگتا اور پہنچا تھا، پہلی نظر اس پر ہی پڑی تھی جو دیوار کے ساتھ بازوؤں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی، دوسری نگاہ اس نے عروس کے سفید چہرے پر ڈالی تھی جواب تک ہنر کا



نوٹ: روڈ کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی روڈ کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی رامنٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

بت بنی ہوئی تھیں، عثمان دوبارہ ان کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکا تھا۔

”ماموں! پاپا جو کچھ کہیں، آپ خاموشی سے سن کر آپ کو ساتھ لے جائے ورنہ آپ اور کچھ برداشت نہیں کر سکیں گی۔“ فاران کے اسی لہجے پر وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو بے شکل اپنے نڈھال وجود کو چھپتی چروں پر اٹھی تھی، عثمان پہلی نظر میں اسے پہچان نہیں سکا تھا، اس کے چہرے پر گزرنے والے طوفان کی تمام تباہ کاریاں واضح تھیں، عثمان کو اپنے دل پر کوئی تیز دھاری چیز کرتی محسوس ہوئی تھی، روج جیسے تپ اٹھی تھی۔





تھوکر کر پھینکا جا رہا ہے، جس کے ہاتھوں میں مہندی نہیں بلکہ ذلت کے نوکرے سجائے گئے ہیں، جس کے چہرے کو ٹھنڈوں اور گالیوں سے سجایا گیا ہے؟ "لرزتے لہجے میں وہ اس سے پوچھ رہی تھی جو قریب آ رہا تھا۔

"اس گھر سے تمہیں کبھی کچھ مل سکتا تھا، میں ان تمام اعزازوں کے ساتھ تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔"

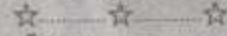
شدت منبط سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ ہنسنے لگے میں بولا تھا۔

"لے چلو مجھے یہاں سے، کسی کو نہیں میں بھی دھکیل دو گے تو حکایت نہیں کروں گی، مگر یہاں میری قبر مت بنے دینا۔" اس کے بازو سے سر لگائی وہ زار و قطار رونا شروع کر چکی تھی، جبکہ عثمان کی سرخ ہوئی آنکھیں ان پر جم گئی تھیں جو غصہ ناک چہرے کے ساتھ وہاں آ گئے تھے۔

"اس کے ناپاک وجود کو لے کر نکل جاؤ میرے گھر سے، کبھی غلطی سے بھی اس گھر کی چوکھٹ پر قدم نہ رکھنا، ورنہ کرویا ہے میں نے تم دونوں سے ہر تعلق کو، اگر تم اپنی بہن کو اس گھر میں دیکھنا چاہتے ہو تو رات چلتے ہوئے بھی اسے پہچاننے کی کوشش مت کرنا، مرچکی ہے وہ تمہارے لیے، اس پر فاقہ پڑھنے کا حق بھی میں تم سے چھین چکا ہوں، یہ بہت کم ہے اس سے جو کچھ تم نے مجھ سے چھینا ہے۔" ان کی گرجدار آواز دہراؤں سے لگتی تھی۔

عثمان نے ایک نگاہ عروسہ پر ڈالی تھی، جو بالکل زرد ہو چکی تھیں، نگاہی پل وہ بیلا کا ہاتھ پکڑے اس کے منہ محال وجود کو ساتھ نہیں لانا تو اس نے نکل گیا تھا۔ عروسہ کا دل جیسے پھٹ گیا تھا ایک عجیب سی طاقت نے انہیں عثمان کے پیچھے جانے پر مجبور کیا تھا۔

"عروسہ..." فاروق کی کرخت آواز بران کے قدم جہاں رکے تھے وہیں فاران نے انہیں اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا، نگلے ہی پل وہ ان کے روتے سہکتے وجود کو سنبھال کر کے کی طرف بڑھ گیا تھا۔



پھولی سانپوں کے ساتھ وہ تیز قدموں سے سڑھیاں طے کرتی عارش کے پیچھے ہی کا ریڈر تک آئی تھی، گیت عثمان نے ہی کھولا تھا، خاموشی سے ایک طرف ہٹ کر اس نے ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

"بیلا کہاں ہے؟" غلطی نظروں سے خرمین نے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا مگر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ گئی تھی، کمرے کی دہلیز پر رکستے ہوئے اسے دیکھا کسایک، خالی کمرے میں واحد ایک میسٹریں بچھا ہوا تھا، جس پر بیلا بے سدھ پڑی تھی، سرعت سے وہ اس کی جانب پوچی تھی جس کا چہرہ دیکھتے ہی خرمین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، جگہ جگہ نیلے پڑتے نشان اور بے انتہا سوئی آنکھوں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا خرمین نے اسے چھو تو وجود اس کا انگارہ ہو رہا تھا، نیم وا آنکھوں سے خرمین کو دیکھتے ہی وہ جس طرح روتے ہوئے اس کے گلے سے لپٹ گئی تھی، خرمین کے اسے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔

"بس کرو بیلا! تمہاری یہ حالت دیکھ کر عثمان اور پریشان ہوگا، فکر مت کرو، تم دونوں کے ساتھ میں ہوں، عارش ہے، ہم تین تم دونوں کو سنبھالنے کے لیے" یہ بہت محنت سے وہ اسے تسلی دے رہی تھی، جس کی پہچان بندھ گئی تھیں۔ کمرے سے باہر نکلنے ہی وہ بری طرح کھٹکی تھی، عثمان نے شدید پیش میں اپنا سیل فون دیا اور پر دے مارا تھا۔

"کوئی مجھے سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے، اس آدمی نے میرے ماں باپ کو بھی میرے خلاف کر دیا ہے، سچی آسانی سے انہوں نے مجھ سے تعلق توڑ دیا ہے، میں بھی ان کی شکل نہیں دیکھوں گا، مگر مجھے جس سب میرے..."

شدید اشتعال میں چیتا وہ کسی بھی طور عارش کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا جو اسے ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کر رہا

تھا، خرمین چند لمحوں تک اس کی دھاڑوں کو سنتی رہی تھی، مگر پھر عثمان کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے اس کا رخ اپنی طرف ایک جھٹکے سے کیا تھا اور انگلی ہی پل اس کے زوردار ٹھنڈے عثمان کی آواز بند کر دی تھی، جبکہ عارش حق وقی رو گیا تھا۔

"اپنے ماں باپ کے خلاف ایک لفظ بھی اب زبان سے نکالنا تو مت توڑ دوں گی تمہارا، اتنا ابال اٹھ رہا ہے تو ماں باپ کو مارنے کے بجائے خود کو کیوں نہیں مارتے، اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے، تو اب سامنا کرنے کا موصلا بھی رکھو، دماغ کی ساری گری نکال دوں گی، اگر اب تمہارے حلق سے آواز نکلتی، تمہاری جی پکار مزید بیلا کی حالت بگاڑ رہی ہے، سب کچھ جہنم میں بھیج دو اور اسے ہاسٹل لے کر چلو۔" انتہائی سختی سے ہدایت کرتی وہ وہاں کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، جبکہ عارش نے ایک نظر عثمان کو دیکھا تھا جو سنانے میں گھرا تھا۔ ہاسٹل کے کا ریڈر میں اس وقت عثمان کے ساتھ ہی تھا جب اس کے سیل فون پر برہان کی کال آئی تھی۔

"عارش! اسے سنبھالو، میں جانتا ہوں وہ ذہنی طور پر کس قدر ڈسٹرب ہوگا، ابو کے ساتھ میرے لیے بھی یہ بہت بڑا شاک ہے، لیکن آج یا کل ایسا کچھ تو ہونا ہی تھا، میں یہاں سب کچھ سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر اس کے لیے وقت چاہیے۔"

"آپ پریشان مت ہوں، عثمان کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جائیں، مگر آپ آہنی سے عثمان کی بات کرادیں، کم از کم اسے یہ تسلی تو ہوگی کہ..."

"کسی سے بات نہیں کرنی مجھے، وہ تو وہی کریں گی جو ان کے شوہر کہیں گے۔" عثمان درمیان میں ہی عارش کو روک گیا تھا، برہان تک بخوبی اس کی آواز پہنچ گئی تھی۔

"عارش! اس سے میری بات کرواؤ۔"

"بات کرو۔" عارش نے زبردستی اس کے ہاتھ میں سیل چھایا تھا، روم سے باہر آتی خرمین نے ایک نظر عثمان کے تھے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا جو عارش کے فون پر بات کرتا کچھ قاصطے پر چلا گیا تھا۔

"برہان بھائی کی کال ہے۔" اس کی سوالیہ نظروں پر عارش نے بتایا تھا۔

"بیلا کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"کچھ بہتر ہے، اس کی ڈرپ ختم ہو جائے تو پھر میں بیلا کو ساتھ لے جاؤں گی، جب تک وہ ٹھیک نہیں ہو جاتی، وہ میرے ساتھ رہے گی، اسے بھی بتا دینا۔" بولتے ہوئے خرمین نے ایک نظر عثمان پر بھی ڈالی تھی۔

"تم نے کچھ زیادہ ہی کرویا اس کے ساتھ، کم از کم ہاتھ تو نہ اٹھا تیں، وہ اب تمہارا شاگرد نہیں ہے۔" عارش کو موقع مل ہی گیا تھا اسے سمجھانے کا۔

"میرا ہاتھ اٹھا تھا تو اس کا جنون ختم ہوا تھا، اب ہوش و ہوا میں تو ہے، غلطی انجانے میں ہو یا مجبوری میں سرزد ہو، کہلائی وہ غلطی ہی ہے، بیلا کے ساتھ اس کی زندگی چاہے جتنی بھی خوش حال ہو مگر اس کا آغاز غلطی سے ہوا ہے، یہ بات میں دس سال بعد بھی اس کے سامنے کہہ سکتی ہوں۔" وہ ناگوار سے بولی تھی۔

"ان دونوں نے کورٹ میریج کب کی؟" اس کے ناگوار لہجے پر عارش خاموش رہا تھا۔

"ویسے کے دن جب بیلا میرے پاس آئی تھی تو میں اسی دن ہی چونک گئی تھی، عثمان تمہیں اپنے کسی راز میں شامل نہ کرے ایسا تو ممکن نہیں ہے، تم ان دونوں کے ساتھ ہی تھے، پتہ ہے مجھے۔" خرمین کی کڑی نظروں پر وہ بلس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔



ایک نظر دوائیوں کے زیر اثر سوئی ہوئی بیلا پر ڈال کر وہ بندروں سے نکل آئی تھی، میرس پر آتے ہوئے اس نے بنور عثمان کو دیکھا تھا جو بالکل خاموش تھا، وہ خود بھی کرسی پر بیٹھی عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”یہ نہیں مان رہا، بیلا کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔“ بالآخر عارش کو ہانا بڑا تھا۔  
”کیا کرے گی وہ اس خالی فلیٹ میں جا کر، وہ دیواروں سے سرنگرائے گی؟“ خرمن نے ناگواری سے عثمان کو دیکھا تھا۔

”وہ اس کا گھر ہے، اسے بیلا نے ہی سنوارنا ہے، مگر پہلے اسے تو وہاں جانے دو۔“ انتہائی خفت زدہ لہجے میں عثمان نے کہا تھا، تھپڑ کھانے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جس میں براہ راست وہ خرمن سے مخاطب ہوا تھا۔

”اسے تمہارے ساتھ ہی جانا ہے، مگر ابھی اس کی طبیعت بہتر نہیں ہے، وہ ٹھیک ہوگی تو اپنے گھر کو سنوارے گی، تم فکر مت کرو، میں اسے تن دن میں بھلا چنگا کر دوں گی، یہ میری ذمہ داری ہے۔“ خرمن نے نرم لہجے میں سمجھایا تھا۔

”یہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے، بیلا کو اس وقت تم سے زیادہ خرمن کی ضرورت ہے، اس کی صحت کے لیے ہی نہیں بلکہ اموشنی سپورٹ کے لیے بھی خرمن کا اس کے قریب ہونا ضروری ہے۔“ عارش نے بھی خرمن کی تائید میں کہا تھا۔

”اب غصہ کرنے اور جھلنے کڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اب تمہیں اپنی اور بیلا کی بہتر زندگی کے لیے جدوجہد کرنی ہے، ان سب کو غلط ثابت کرنا ہے جن کا خیال تھا کہ تم بیلا کے لیے مناسب نہیں تھے، سب کو وقت دو کہ وہ حقیقت کو تسلیم کریں، ایک دم سے سب کچھ سنور نہیں سکتا، تمہیں بہت ہمت اور ضبط سے کام لینا ہوگا، جو تمہارے ہیں وہ زیادہ دن تک تم سے جدا نہیں رہ سکتے۔“ عثمان کی خاموشی پر عارش نے بھی اسے سمجھایا تھا۔

”مجھے کسی بات کا غم نہیں ہے، مگر اس شخص نے میرے لیے میری بہن کو مار دیا ہے، ایک ہی تو بہن ہے میری، میری زندگی قید ہے اس میں، اس کی گود میں سر رکھ کر میں اپنی ہر تکلیف بھول جاتا ہوں، مگر اس سنگدل انسان نے مجھ سے وہ گود بھی چھین لی ہے۔“ عثمان کے ٹوٹے لہجے اور آنکھوں کی نمی نے خرمن کے دل کو پکھلا دیا تھا، اس نے بھی عثمان کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔

”کسی کے چاہنے سے خون کے رشتے الگ نہیں ہو سکتے عثمان افاروق بھائی جیسے بھی ہیں مگر عروسہ آبی کی بہت پرواہ کرتے ہیں، ان کو اپنے بیوی بچوں سے بہت محبت ہے، اتنا تو میں بھی ان کو جانتی ہوں، ابھی معاملہ گرم ہے، مجھے یقین ہے کہ زیادہ عرصے تک وہ تمہارے اور آبی کے درمیان جدیں برقرار نہیں رکھ سکیں گے اور پھر وہ خود بھی کہاں رہ سکتی ہیں تمہارے اور بیلا کے بغیر، کچھ دیر پہلے انہوں نے مجھے کال کی تھی، تمہارے اور بیلا کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔“

”اپنے شوہر سے چھپ کر؟“ تلخ لہجے میں عثمان نے خرمن کی بات کاٹی تھی۔

”اب یہ مجھے نہیں پتہ، ہم بس بیلا کی فکر رکھو۔“ خرمن نے اسے گھر کا تھا۔

”تم کہتی ہو تو میں بیلا کو ساتھ نہیں لے جاتا، مگر مجھے اچھا نہیں لگ رہا، ہماری وجہ سے تم دونوں کی زندگی

ڈسٹرب ہوئی یہ نہیں چاہتا تھا۔“

”خاموش رہو۔“ عارش نے ناراضی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

”ہم دونوں کی زندگی تم دونوں کی زندگی سے الگ نہیں ہے، براہمان بھائی اگر مجھے تاکید نہ بھی کرتے تو بھی میں اور خرمن تم دونوں کے ساتھ ہوتے۔“

”تم بھی کہیں نہیں جا رہے، وہاں اسکی کیا کرو گے، اس وقت ویسے ہی تمہارا دماغ پلٹا ہوا ہے، کہیں کوئی گڑبڑ ہی نہ کرو، لہذا آج تو تمہیں نہیں رکنا ہوگا۔“ خرمن قلعی لہجے میں بولی تھی۔

”اب ایسا بھی نہیں ہے، میں نہیں رکوں گا۔“ عثمان نے فوراً انکار کیا تھا۔

”میں کھانا گرم کرنے جا رہی ہوں، تم اسے اپنی زبان میں سمجھا دو، یہ نہیں رکے گا۔“ عثمان سے بحث کرنے کے بجائے وہ عارش کو تاکید کرتی کرسی سے اٹھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے میز پر نے خشکی نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا اور ر کے بغیر عارش کو پکارتی لاؤنج کی طرف بڑھی تھی۔

”کیا ہوا، خیریت تو ہے؟“ خرمن حیران ہوتی اس کے پیچھے آئی تھی۔

”تمہاری شکایت کرنی ہے اس سے، کہاں ہے وہ؟“ اس کے گھر کے پر خرمن مسکرائی تھی۔

”کیا خطا ہوئی ہے مجھ سے؟“

”مجھ سے کچھ پوچھنے کے بجائے جا کر آئینہ دیکھو، راہنہ ایسا لگ رہا ہے جیسے شادی ہوئے دس سال گزر چکے ہیں۔“ میز پر برسی تھی۔

”اتنی غصے تو لگ رہے ہیں میرے کپڑے اور کیا ہوا ہے میرے حلیے کو؟“ وہ خفت سے بولی تھی۔

”بس رہنے دو، منہ نہ کھلاؤ میرا، گھر کے اندر کون سے طے لگے ہیں، کم از کم یہ خلاف تو اتار دو۔“ جل کر میز پر اس کے چہرے کے گرد موجو اس کا رخ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”اچھا تم بیٹھو، کرو چامیری شکایت، عارش کو آف سے تو آنے دو۔“

”کیا... عارش آفس میں ہے؟“ میز پر حیرت و صدمے سے جیتی تھی اور اگلے ہی لمحوں میں اس نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

”تم دونوں مجھے پاگل کر دو گے، شادی کو ابھی پانچ دن بھی نہیں ہوئے، ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے کے بجائے تم دونوں یہ کیوں لڑکاؤ چاہ رہے ہو؟“ میز پر جی ہی تو اٹھی تھی۔

”آہستہ بولو، ورنہ تمہاری آواز بیلا کو ڈسٹرب کر دے گی، وہ کچھ دیر پہلے سوئی ہے۔“ خرمن نے ہول کر اسے روکا تھا۔

”بیلا آئی ہوئی ہے، کہاں ہے وہ؟“ میز پر نے چونک کر پوچھا تھا۔

”امی کے کمرے میں ہے، آرام کر رہی ہے۔ اچھا ہوا تم آگے، ایک ٹری بیڈی ہو گئی ہے، بکن میں چلو،

سب بتاتی ہوں۔“ خرمن اسے ساتھ لیتی لاؤنج سے نکل گئی تھی۔ خرمن سے سب کچھ جاننے کے بعد میز پر حیرت و

دنگ ہوئی تھی۔

”یہ تو بہت برا ہوا، بس ایک ہی چیز اچھی ہے کہ عثمان اور بیلا ہمیش کے لیے ایک ہو گئے ہیں، تھوڑا افسوس ہے مگر خوشی زیادہ ہے۔“ بیلا بیچدی سے بولی تھی۔

”صبح فاران آیا تھا، آبی نے بیلا کا سارا سامان سوٹ کیس میں یہاں بھیج دیا ہے۔“ گہری سانس لے کر



خرمن نے مزید کہا تھا تب ہی کال بیل کی آواز پر وہ چونک کر اٹھی لیکن سے نکل گئی تھی۔

”عثمان! مجھے آسروں میں رکھ کر تم نے بہت شدید دھوکہ دیا ہے۔“ میزوارہ اسے دیکھتے ہی خفت سے بولی تھی۔  
”میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا، استانی کی بے وفائی کا بدلہ تم سے لیا ہے۔“ وہ بولتے ہوئے دھیرے سے  
بننا تھا۔

”شکر ہے تمہارے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر آئی مجھے۔“ خرمن نے خشکیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔  
”کہاں سے آ رہے ہو؟“

”گھر گیا تھا اپنا سامان لینے، یہ گھر کی چابیاں سبھا اور اطلاع پہنچا دینا کہ میں اس گھر میں اب قدم نہیں  
رکھوں گا۔“ سنی سے بولتے ہوئے اس نے چابیاں خرمن کے حوالے کی تھیں۔  
”بیلا کہاں ہے؟“ عثمان نے پوچھا تھا۔

”وہ سو رہی ہے اور تم اسے ڈسٹرب نہیں کرو گے۔“ خرمن نے فوراً اسے گھورا تھا۔  
”تم نے کہہ دیا اور میں نے عمل کر لیا۔“ عثمان خشکیں نظروں سے اسے دیکھتا لیکن سے نکلا تھا۔

”عثمان! خبردار جو تم کمرے میں گئے۔“ خرمن اس کے پیچھے ہی جاری تھی جب میزوارہ نے سرعت سے اسے  
روکا تھا۔

”جانے بھی دو، کیوں ظالم سماج بن کر دو پیار کرنے والوں کے درمیان آ رہی ہو؟“ میزوارہ نے ہنسنے ہوئے کہا  
تھا۔ دروازے پر ہوتی آہٹ نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا، عثمان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی  
آنکھوں میں غمی اترنے لگی تھی۔

”کہاں تھے تم؟“ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“ بھرائے لہجے میں وہ حکایت کر رہی تھی، جواباً وہ جو  
سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتا سامنے بیٹھا تھا، دھیرے سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے اس کی چونچوں کا بازو لینے  
لگا تھا، اس کا داہنا جڑوہ سوجا ہوا اور نیلا ہو رہا تھا، آنکھ کے نیچے بھی کچھ ایسا ہی نشان موجود تھا، زیریں لب پھٹنے کی  
وجہ سے گہرا نشان نمایاں تھا۔

”تمہارے چہرے پر یہ نشان مندمل ہوں یا نہ ہوں، مگر میں کسی صورت اس شخص کو معاف نہیں کروں گا جس  
نے تمہارے ساتھ یہ سہمانہ سلوک کیا ہے، اپنی تذلیل کرنے والے انسان کو میں بخش سکتا ہوں، مگر اسے نہیں  
معاف کر سکتا جس نے مجھیں چوٹ پہنچائی ہے۔“ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ بولا تھا جبکہ بیلا نے آنسو  
چھپانے کے لیے چہرہ جھکا لیا تھا۔

”میں تمہاری طبیعت کے بارے میں پوچھنا بھول گیا، اب کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو تم؟“

”ہاں! میری طبیعت بہتر ہے، تم میرے لیے پریشان مت ہو۔“ مدھم آواز میں بول کر اس نے نظر اٹھائی  
تھی۔

”ہم اپنے گھر کب جا سکیں گے؟“

”خرمن! بعد ہے کہ پہلے گھر کو رہنے کے قابل تو بننا پڑے گا، وہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے، ضرورت کی کوئی چیز بھی تو  
نہیں ہے وہاں تمہاری طبیعت ٹھیک ہو تو۔“

”میں ٹھیک ہوں، مجھے بس اپنے گھر کو سنانا ہے، میں آج ہی خرمن کے ساتھ مل کر سامان کی لسٹ بنواؤں؟  
دونوں میں ہی سارا کام مکمل ہو جائے گا۔“ وہ بے تاب سے بولی گئی۔

”ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں، مگر سوچ لو، وہاں میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہوگا، ڈرو کی تو نہیں؟“  
مسکراتی نظروں سے اس نے بیلا کو دیکھا تھا۔

”جی نہیں، میں نہیں ڈرتی کسی سے، تم ڈر جاؤ گے مجھ سے۔“ وہ خفت سے بولی تھی۔

”واقعی.....؟ مگر تم ایسا بھی کیا کرو گی کہ میں تم سے ڈر جاؤں گا۔“ عثمان کی معنی خیز نظروں پر بری طرح جھینپتے  
ہوئے اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈرائنگ کے سامنے بالوں میں برش پھیرتا وہ رک کر خرمن کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کمرے میں داخل ہو رہی  
تھی۔

”یہاں بیلا کی دو انیاں رکھی تھیں؟“ قریب آتے ہوئے اس نے ستلاشی نگاہیں ڈرائنگ پر دوڑائی تھیں،  
اور پھر عارض کو دیکھا تھا جو اپنی سنجیدہ نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹاتا ڈرائنگ کی دروازے سے ٹیبلٹس کے پیکٹ  
نکال رہا تھا۔

”تم کھانا کھاؤ، عثمان کو ریڈ ہو سے گھر آنے میں کافی ٹائم لگے گا۔“ پیکٹ اس سے لیتے ہوئے وہ بولی تھی۔  
”نہیں، میں اس کا انتظار کر لیتا ہوں، ابھی بھوک بھی نہیں ہے۔“ ہلکے نیلے سینے دوپٹے میں قید اس کے  
چہرے کو دیکھتا وہ اسی سنجیدگی سے بولا تھا۔

”جب تک چائے یا کافی بنا دوں تمہارے لیے؟“ خرمن کے مزید نرم لہجے پر عارض کے دل میں چھپے شکوے  
خود بخود ختم ہو گئے تھے۔

”اگر وقت ہو تو ایک گلاس پانی مل سکتا ہے تمہارے ہاتھوں سے؟“ مسکراتی نظروں سے عارض نے اسے  
دیکھا تھا۔

”میرے ہاتھوں کا تذکرہ تو اس طرح کر رہے ہو کہ جیسے میں نے پانی لا کر نہیں دیا تو تم ساری زندگی پیاسے  
رہو گے۔“ طنز سے لہجے میں بولی تو وہ جانے کے لیے چلی تھی کہ عارض نے عقب سے بازو اس کی گردن میں حاصل  
کرتے ہوئے اتنا قریب کیا تھا کہ اس کا سر عارض کے سینے سے مس ہوا تھا، دوسری طرف خرمن کی سانسیں رک  
گئی تھیں۔

”یہ کیا حرکت ہے، چھوڑو مجھے۔“ اس کا بازو اپنی گردن سے نکالنے کی کوشش کرتی وہ بری طرح جھنجھلائی  
تھی۔

”تم نے کب مجھے یہاں نہیں رکھا خرمن؟“ اس کے شانے پر جھکا وہ پرحدت لہجے میں پوچھتا اس کے غصے  
میں اضافہ کر رہا تھا۔

”بیلا میرا انتظار کر رہی ہے تم۔“

”میں بھی چاہتا ہوں کہ تم بیلا پر توجہ دو، مگر مجھے نظر انداز تو نہ کرو، کل سے میں ضبط کر رہا ہوں، تم کسی کے لیے  
مجھے کیسے بھول سکتی ہو؟ اور جانتی ہو اس کمرے میں تمہارے آج بھی خند نہیں آئے گی۔“ اس کی مدھم آنکھ دیتی  
سرکشیوں نے خرمن کا ضبط ختم کر دیا تھا، ایک جھلکے سے وہ اس کی گرفت سے نکلتی اسے بری طرح چونکا گئی تھی۔

”واپس لگتا ہے مجھے یہ سب، آئندہ میرے ساتھ اس قسم کی زبردستی مت کرنا سمجھو تم؟“ اس کے غصیلے  
لہجے پر عارض کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔



بغیر توجہ دہانوں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

کچن کا طائرانہ جائزہ لیتی وہ پلٹ کر عثمان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"یہاں کا سوچ بچار ڈچک کرلو، ایک ہی لائٹ آن ہو رہی ہے اور مجھے یہاں تیز روشنی چاہیے۔"

"وقت ذرا دیکھ لو کیا ہو رہا ہے، کل بھی آئے گی، ہو جائے گا سب، تم بہت تھک چکی ہو۔ اندازہ تمہارے چہرے سے ہی ہو رہا ہے، تم جانتی تھی ہو کہ تمہیں آرام کی کمی ضرورت ہے۔ اس کا ہاتھ تمام کمرچن سے لے جاتے ہوئے وہ چونکا تھا۔

"بیلا! تم جمل رہی ہو بخیر میں، تم نے دو اوقات پر لی بھی تھی یا نہیں؟" عثمان نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔  
"میں بھول گئی تھی، اتنا مصروف دن گزارا، مگر میں ابھی تک ٹیکس لیتی ہوں، صبح تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ شرمندہ ہوئی بولی تھی۔

"میرے لیے کمرے سے زیادہ اہم تمہاری صحت ہے، میں اب نظر رکھوں گا، ذرا سی بھی بے احتیاطی کی اجازت نہیں ہے، میں دودھ گرم کر کے لاتا ہوں، تم میرے سامنے بیٹھ کر کھاؤ گی۔"

"میں پانی سے کھاؤں گی، مجھے دودھ سے الرجی ہے۔" بیلا کو دودھ کے نام سے ہی الٹا پانی آتی تھی۔  
"خاموشی سے جاؤ، میں آ رہا ہوں۔" عثمان کے فوراً ہی گھر کئے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی، مسکراہٹ چھپائے وہ اسے دیکھ رہا تھا، جس نے ناک چٹکی میں پکڑ کر بند کی تھی اور ایک ہی سانس میں دودھ کا گلاس خالی کر دیا تھا۔

"زہر لگ رہے ہو تم مجھے۔" گلاس سائینڈیکل پر رکھتی وہ ناراضی سے بولی تھی۔  
"تمہیں ایسا لگنا بھی چاہیے مگر مجھے کچھ مہلت دو، میں بھی تمہیں اپنی طرف سے مایوس نہیں کرنا چاہتا۔" عثمان نے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

"تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟" وہ ابھی تھی۔  
"یہ کمرہ ہمارے شایان شان نہیں ہے، میں بہت جلد تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا، کسی بہت اچھے گھر میں اور اس کام کے لیے میں کسی کی مدد نہیں لینا چاہتا، میں اپنے زور بازو پر اسٹینڈیکل ہونا چاہتا ہوں، تب تک تمہیں میرے ساتھ یہاں کچھ عرصہ گزارنا ہوگا۔"

"ایسا تم سوچو، وقت دو گھنٹے ہے جو تمہارے بغیر مجھے گزارنا پڑے اور مجھے یقین ہے کہ اب وہ وقت نہیں آئے گا، میرے لیے بس یہ کافی ہے کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے قریب ہوں، یہ گھر میرے لیے کسی محل سے کم نہیں ہے، یہاں کی ایک ایک چیز سے مجھے محبت ہو گئی ہے، میں اپنی ساری زندگی یہاں گزارنا پسند کروں گی، تم نے مجھے مایوس نہیں کیا ہے، میری بھی یہی خواہش ہے کہ تم زندگی میں بہت ساری کامیابیاں حاصل کرو، حالات جیسے بھی ہوں، تم مجھے اپنے قریب پاؤ گے۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتی اسے مطمئن کر رہی تھی۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی، میں جانتا ہوں، تم نے جو کہا وہ کر دکھایا، تم ساتھ نہ ہوتیں تو میں کبھی اپنے اور تمہارے لیے اتنا بڑا فیصلہ نہ کر پاتا، تم مجھ سے زیادہ بہادر ثابت ہوئی ہو، میرے لیے تم نے جو کچھ محاشات کیا وہ شاید میں کبھی اس کا زائل نہ کر سکوں۔" اس کے مدغم لہجے پر وہ مسکرائی تھی چند لمحوں تک وہ اس کے زور چہرے پر کھلی روشن مسکراہٹ کو دیکھتا رہا تھا اور پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں قلم لیا تھا۔

"ایسی کون سی وہاں حرکت کی ہے میں نے؟ میرا تو قریب آنا ہی تمہیں وہاں تک لگتا ہے، کیا بار بار دہرائے پڑے گا کہ تم میری بیوی ہو؟ میں اپنے دل کی بات تک تم سے نہیں کر سکتا کیا؟ دو لمحوں میرے پاس رکنا نہیں زبردستی کا کام لگ رہا ہے؟" شدید دھچکے کے باعث وہ خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

"تمہاری اس بیوی، بیوی کی ریت نے تو میری جان عذاب میں ڈال رکھی ہے۔" مدغم آواز میں قرآنی وہ پلٹ کر تجزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو لائٹ آف تھی اور عارضی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے بیڈ پر راز تھا، پانی کا گلاس سائینڈیکل پر رکھتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"پانی رکھا ہے لی لیتا۔" خرمن کی آواز پر نہ اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تھا اور نہ ہی کچھ کہا تھا، جبکہ وہ بھی ناگواری سے سر جھٹکتی کمرے سے نکل گئی تھی، عثمان کی آمد کے بعد اس نے نارمل ہو جانا تھا، خرمن کو معلوم تھا، لہذا خرمنے اٹھانے کا نہ اس کے پاس وقت تھا اور ارادہ تو وہ ہرگز بھی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

خرمن کی کوشش تھی کہ فلیٹ کو سیٹ کرنے میں عثمان کو انوائونڈ کرے کیونکہ اس کے پاس نام کی بہت کمی تھی۔ صبح سے شام تک اسٹینڈیکل اور شام سے رات کے تک ریڈیو اسٹیشن، جاب شروع ہوئے زیادہ دن بھی نہیں ہوئے تھے، لہذا آخر صبح کے علاوہ کچھ دوسری چیزوں کی خریداری اور فلیٹ میں کچھ کے علاوہ خرمن نے اس پر کوئی بار نہیں ڈالا تھا، ویسے بھی خرمن کو معلوم تھا کہ ان معاملات میں وہ کتنا لا پرواہ ہے، اپنے آپارٹمنٹ کو سیٹ کرنے کے دوران اسے اندازہ ہو چکا تھا، بیلا کی طبیعت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے میزبہ سے مدد مانگی تھی اور ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ خرمن کو انکار کرتی، چھوٹا سا فلیٹ تھا اس لیے لگا تا محنت سے دودن میں ہی سب کچھ سیٹ ہو گیا تھا، یہ اور بات کہ دوسرے دن رات کے گئے تک اسے بیلا کی طرف رکنا پڑا تھا، جب ہر طرف سے مطمئن ہو گئی تو فلیٹ سے عثمان کے ہمراہ نکلے نکلے تقریباً دو بج چکے تھے، عارضی اسے گیت تک لینے آ گیا تھا، تاکہ عثمان کو وہاں جانے میں مزید دیر نہ ہو۔

"تم سو جاتے، میرے پاس دوسری چابی تھی، خود آ سکتی تھی۔" فلیٹ میں اس نے عارضی سے کہنا ضروری سمجھا تھا، مگر اس کے خاموش رہنے پر وہ کوفت میں ہی جلا ہوئی تھی، اگر عارضی اپنی سنجیدگی اور خاموشی سے یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ اب تک ناراض ہے تو خرمن کو اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

لاؤنج میں رک کر اس نے ہول کر سینٹرل ٹیبل پر کھڑی اپنی کتابوں کو دیکھا تھا جو کل رات سے یہیں رکھی تھیں، اسے پھر یاد آ گیا تھا کہ پچھلے دن کی ڈیٹ بالکل سر پر آ چکی ہے، کتابیں اٹھاتے وہ بیڈ روم میں داخل ہوئی تو پہلی نظر اس پر پڑی تھی جو بیک کراؤن سے پشت لگائے اپنا سیل فون چیک کرنے میں مصروف تھا، کتابیں کیمپور ٹرائی پر رکھنے کے بعد وہ اس کا ف اتار لی ڈریسنگ کے سامنے آ گئی تھی۔

"تمہارے پیپر شروع ہو رہے ہیں، ان کی تیاری کے لیے تمہیں زیادہ وقت چاہیے، تم مای کے کمرے میں زیادہ یکسوئی سے پڑھ سکتی ہو۔" عارضی کے سنجیدہ لہجے پر وہ پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"یہاں میری وجہ سے تم ڈسٹرب ہو گی، لائٹ آن ہوئی تو میں سو نہیں سکوں گا، جبکہ تمہیں زیادہ دیر تک جاگ کر پڑھنا ہوگا، بہتر ہے کہ تم پیپر ختم ہونے تک مای کے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔" سر دلیجے میں وہ اس سے مخاطب تھا مگر نظریں اپنے سیل فون پر ہی جمائے ہوئے تھا، ایک نظر بھی اس نے خرمن کے بڑتے تاثرات دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا جو کچھ بھی کہے بغیر وہاں ٹرائی تک گئی تھی، اپنی کتابیں اٹھائی تھیں اور کسی بھی جانب ایسے



”میری پہلی کاپیائی، تمہاری صورت میں مجھے حاصل ہوگئی ہے، تمہارے لیے اب میں جتنی بھی کامیاب زندگی میں حاصل کروں اس ایک کامیابی کے سامنے سب کچھ بہت چھوٹا ہے میری نظر میں۔“

”مگر پھر بھی تمہیں کامیابیاں حاصل کرنی ہیں، بہت آگے جانا ہے۔“ بیلا نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹی تھی۔

”میں کوشش کروں گا کہ تمہاری امیدوں پر پورا اتروں۔“ گہری سانس لے کر عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

”ایک جوائنٹ پروڈیکٹ کے لیے میں نے آفر قبول کر لی ہے، وہ دو بڑا سٹراٹجی پیش کرنا ہے جس میں پہلا شوٹ ہے، بالکل وقت نہیں ملے گا مجھے جب تک یہ پروڈیکٹ مکمل نہیں ہو جاتا، مارش اسٹینیوٹ میں کوآپریٹ کر کے کام کرنا پڑے گا اور پھر سارا وقت تو دینا ہی ہوگا۔“

”مان! ان ساری مصروفیات میں تو تمہیں بالکل وقت نہیں ملے گا۔“ بیلا کو تشویش ہوئی تھی۔

”مجھے بہت سارا کام حاصل کرنا ہے، اس کے لیے محنت تو کرنی ہوگی، مگر تم فکر مت کرو، مجھے اپنے لیے وقت ملے یا نہ ملے مگر تمہاری ایک بیکار میں ہر کام چھوڑ کر دوڑ آؤں گا، کام اور پیرسہ تم سے بڑھ کر نہیں ہے۔“ بیلا نے اس کے نتیجے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”اگر کوئی مسئلہ ہے تو بتا دو مجھے، میرے لیے تمہارا اطمینان اور بھرپور ضروری ہے۔“ اس کی خاموشی پر عثمان نے کہا تھا۔

”تمہیں کوئی مسئلہ نہیں، آخر تم یہ سب کچھ میرے لیے ہی تو کر رہے ہو۔“ وہ دم لینے میں بولی تھی۔

”تم اب آرام کرو، صبح میں تمہیں خرمن کی طرف چھوڑتا جاؤں گا، اس نے تاکید کی تھی مجھے۔“ اس کا ہاتھ ذہنی سے تھپتھپا کر چھوڑتا وہ اٹھ گیا تھا۔

بیلا نے سوچا تھا کہ اسے روکے، بیڈ تو ایک ہی تھا، دوسرا کمرہ ڈرننگ روم، لاؤنج ہی کھلا سکا تھا، اور تیسرا کمرہ کوئی تھا ہی نہیں، یہ فلیٹ دو کمروں اور بیڈروم پر مشتمل تھا، دونوں کمرے نہ بہت زیادہ بڑے تھے نہ بہت چھوٹے، ٹیبلر بھی کافی کھلا ہوا تھا، وہ ابھی تازہ میز ب میں ہی تھی کہ عثمان شب بخیر کہتا لائٹ آف کرنا کمرے سے نکل گیا تھا، نیچے پر سر رکھے وہ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ دروازے پر ہونی آجٹ پر چونک کر اٹھ بیٹھی تھی۔

”میٹرس کہاں رکھا ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”وہ خرمن نے اسٹور میں رکھ دیا تھا، تم کہاں سو رہے ہو؟“ بیلا کے سوال پر وہ جانتے جانتے رکھا تھا، مدھم نیلگوں روشنی میں تہا یا اس کا معصوم چہرہ عثمان کو عجیب امتحان میں ڈال گیا تھا۔

”میں اس لیے پوچھ رہی تھی کہ یہاں پہلی رات ہے، اگر مجھے ڈر لگا تو؟“ بیلا کی آواز مطلق میں پھنس گئی تھی جب وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا بیڈ کے نزدیک آیا تھا۔

”میں ایک کام بھول گیا تھا۔“ سنجیدہ لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی لمبے جھک کر اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے تھے۔ بیلا کے جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا تھا، اس کے چلنے رخسار سے ہاتھ ہٹا تا وہ چیخے بہت گیا تھا۔

”میں کمرے کا دروازہ کھل کھول جاؤں گا، اور ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، میں دروازے کے قریب ہی میٹرس لگا لوں گا، اطمینان سے سو جاؤ۔“ نرم لہجے میں تاکید کرتا وہ جانے کے لیے پلٹ گیا تھا، کھلے دروازے کو دیکھتی وہ اپنی رکی سانس بحال کرتی نیچے پر سر رکھ بیٹھی تھی، بند آنکھوں کے ساتھ پتہ نہیں کب تک وہ اپنی پیشانی

پہلے جس کو محسوس کرتی رہی تھی۔



رات کی گہری خاموشی میں گہری کی سوتیلوں کی ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ ہوتے جاتے کوتاہ وقت گزر گیا تھا، عروسہ حقیقتاً زمین و آسمان کے درمیان معلق تھیں، گزرے دنوں کا ایک ایک لمبے لمبے بھاری رہا تھا، وہ وہی طور پر تیار تھیں ہر اہم کام سے ہٹنے کے لیے، ہر چیز کا ذمے دار خود کو گرداننے کے لیے مگر... فاروق نے ایسا کچھ ہونے نہیں دیا تھا، شاید نہیں جانتے تھے ان کے اشتعال کی زد میں آئیں، کچھ بھی تو نہیں کہا تھا فاروق نے انہیں، وہ بالکل خاموش تھے، شاید ان کے سارے الفاظ اسی دن ختم ہو گئے تھے جس دن اس کمرہ کو بیلا نے چھوڑا تھا، گلیسر چپ کے خول میں وہ قید ہو گئے تھے، ان کی اس چپ نے عروسہ کے اعصاب بٹکا دیئے تھے، انہیں کسی لمبے عین نصیب نہیں ہو رہا تھا، اس اذیت سے تو بہتر تھا کہ وہ جی چلا کر ان پر الزامات مائدہ کرتے، عثمان نے جو کچھ کیا اس کی سزا انہیں دیتے، وہ خود کو مجرم مانتی تھیں، چہیتے بھائی کی محبت نے انہیں ہڈ پانی طور پر بہت کمزور کر دیا تھا، وہ بھول گئی تھیں کہ دنیا کے سامنے شوہر کا جھکا سر وہ کیسے برداشت کر سکیں گی، مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی، اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکا تھا، وہ کب تک دو کشتیوں میں سوار رہ سکتی تھیں، شوہر کی عزت ان کا نام مقام عروسہ کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھا، مگر بھائی کے آنسوؤں کے سامنے وہ ہار گئی تھیں اور شوہر کی لافلتی نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔

کمرے سے باہر آ کر انہوں نے دیکھا تھا، لاؤنج کی نیم تاریکی میں وہ بیٹھے سوچوں کی اتحاد گہرائیوں میں تھے، گزرے دنوں میں عروسہ خود میں اتنی جرأت پیدا نہیں کر سکی تھیں کہ ان سے نظر بھی ملا سکتیں مگر آخر کب تک؟ کب تک وہ انہیں تباہ آگ میں جلتا دیکھ سکتی تھیں۔

”فاروق...! ان کی لارڈی پر کسی کھائی سے ابھری تھی، فاروق نے ایک نظر انہیں دیکھا تھا اور اگلے ہی لمبے واٹس جگہ سے اٹھنے وہاں سے چلے جانا چاہتے تھے۔

”اس سے تو بہتر تھا کہ آپ مجھے بھی اس کمرے، اپنی زندگی سے نکال دیئے۔“ ان کا راستہ روکتیں وہ ضبط نہیں کر سکی تھیں۔

”میں نے ہر پابندی سے اس گھر کے ہر فرد کو آزاد کر دیا ہے، یہاں رہنے کے لیے یہاں سے جانے کے لیے کسی کو میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے، کوئی مقام نہیں ہے میرا اس گھر میں، نہ تم سب کی نظروں میں اور اب تو اس دنیا میں بھی نہیں۔“ سمجھنے لہجے میں بولنے وہ عروسہ کی جانب نہیں دیکھ رہے تھے۔

”میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ میرا وجود میری زندگی سب کچھ آپ سے جڑا ہے، میں اگر ہوں تو آپ کی وجہ سے۔“ عروسہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔

”پہلے مجھے بھی یہی لگتا تھا، تمہاری وفاداریوں کی صداقت پر میں آنکھیں بند کر کے یقین رکھتا رہا مگر تم نے وفاداریوں کے پردے میں رو کر جو کھیل کھیلایا ہے، اس نے ہر چیز سے اعتبار اٹھا دیا ہے، اپنے بھائی کی محبت میں تم میری آستین کا سانپ بن چکی ہو۔“ ان کے سسٹے لہجے پر وہ بس ساکت نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں، نیم تاریکی میں بھی وہ ان کے چہرے پر اپنے لیے نفرت دیکھ سکتی تھیں۔

”اپنے بھائی کے ساتھ مل کر میری عزت کا جو قہار تم نے بنایا ہے، تمہاری جگہ اگر میرا کوئی دشمن ہوتا تو ایک بار ضرور سوچتا مگر تم... اب اگر تم اپنے ہاتھوں پر انکار سے رکھ کر بھی میری وفاداریوں کا دم بھرو گی، تو بھی میں تم



جیسی بے اعتبار عورت پر بھروسہ نہیں کروں گا، اگر تم اس وقت اس گھر میں موجود ہو تو صرف میرے بچوں کی وجہ سے، ورنہ میرے دل میں اب تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔" انتہائی بے رحمی کے ساتھ وہ ان کے پرستے اڑاتے لاؤنج سے نکل گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

لفٹ سے باہر آتے ہوئے عارض نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو بیڑیاں چڑھتی اور پرانی تھی، اور کسی بھی جانب دیکھے بغیر بیک سے چائیاں نکالتی اپنے ایئر کنڈیشنر کی طرف بڑھ گئی تھی، عارض حیران ہوتا اس کے پیچھے آیا تھا، اسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ خرمن اس وقت کہاں گئی تھی، شام کے اس وقت 8 بج رہے تھے، آج وہ آفس سے کچھ لیٹ ہو گیا تھا، عثمان کی طرف وہ تنہا نہیں جاسکتی تھی اور کم از کم شام کے وقت وہ تنہا وہاں سے نہیں آ سکتی تھی۔ لاک کھولنے ہوئے خرمن کو اس کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا، اسے مخاطب کیے بغیر وہ گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟" دروازہ بند کرتے ہوئے وہ اس سے پوچھ رہا تھا، جوان سی کیے آگے بڑھ گئی تھی، عارض اس کے پیچھے ہی لاؤنج میں آیا تھا۔  
"خرمن! میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے، کہاں گئی تھیں تم؟" ناگواری ضبط کیے وہ اس سے پوچھ رہا تھا جو صوفے پر بیٹھی سینڈلز کے انچر پیس کھول رہی تھی۔  
"میں تمہارے ہر سوال جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔"  
"مگر مجھے جواب چاہیے، مجھے لگ رہے کہ تم اچانک کہاں گئی تھیں اور اب واپس آ رہی ہو۔" وہ بمشکل ضبط کرتا بولا تھا۔

"تم میری فکر چھوڑ کر اپنے کام سے کام رکھو۔" ایک جھٹکے سے اس کے مقابل اٹھتی وہ غصیلے لہجے میں بولی تھی، اس سے پہلے کہ وہ سامنے سے جتنی عارض واپس اسے اپنے مقابل کر گیا تھا۔  
"مجھے بتا کر جاؤ تم کہاں گئی تھیں؟" وہ سرد لہجے میں پھر پوچھ رہا تھا۔  
"کیوں میری جان کے پیچھے بڑھ چکے ہو تم؟" اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑاتی وہ چیختی تھی۔  
"میں اپنے گھر گئی تھی۔ کسی کے ساتھ وقت گزارنے نہیں۔"  
"خرمن! ام۔۔۔" سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ ضبط کرتا ایک پل کور کا تھا۔  
"بولنے سے پہلے ایک بار سوچ لیا کرو کہ کس کے سامنے کیا کہنے جا رہی ہو۔"  
"نہیں سوچنا مجھے کچھ بھی، تم نے مجھے گھر کے اندر کیوں آنے دیا، دروازے پر ہی اپنے سوالات کا پرچہ تھا دیتے مجھے، میں بھول گئی تھی کہ اپنی مرضی سے میں کچھ نہیں کر سکتی، کیونکہ اب میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔" وہ بری طرح ہمزک کر بولی چلی گئی تھی۔

"تم بھی اس سے آگے نہیں سوچ سکتیں، اگر میں نے سوال کیا ہے تو اس لیے کہ میں تمہارے لیے پریشان ہوا تھا۔" وہ شدید تاسف سے اسے دیکھتا بولا تھا۔  
"تو کس نے کہا ہے تم یہ پریشان ہونے کے لیے؟ مت ہوا کرو پریشان، کوئی ہوتی ہے مجھے۔" وہ عاجز آ جانے والے انداز میں بولی تھی۔  
"ہاں، میں جانتا ہوں تمہارے نزدیک میرا ہر جذبہ بے وقعت ہے، میں تمہاری فکر کروں، تمہارے لیے

پریشان ہوں یا تمہاری پرواہ کروں تو یہ سب کچھ تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے، تمہارے لیے تو میرے وجود کا ہونا ہی کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے۔" سرخ چہرے کے ساتھ بولا وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا جو سبک پٹریوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

لاؤنج میں آتے ہوئے اس نے ایک نظر سینٹرل ٹیبل پر ڈالی تھی جہاں ناشتے کے لوازمات تیار تھے، صوفے پر براجمان ہوتا وہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ چائے کالگ اس کے سامنے رکھتی خرمن ٹیبل کے قریب ہی فلور پر بیٹھ گئی تھی، ناشتے کے دوران عارض نے ایک نظر بھی اسے نہیں دیکھا تھا، جو کن نگھیوں سے اس کے گہرے سنجیدہ تاثرات کو نوٹ کر رہی تھی۔  
"مجھے معاف کرو۔" ابھرتی مدھم آواز نے عارض کو بری طرح چونکا دیا تھا۔

"کیا کیا تم نے؟" عارض کو اپنی ساتھیوں پر شک ہوا تھا۔  
"مجھے معاف کرو، کل گھر کی بہت یاد آ رہی تھی، اس لیے رہا نہیں گیا تو چلی گئی، میری غلطی ہے کہ تمہیں بتانے بغیر چلی گئی، پتہ نہیں کل میں امی بابا کے دور ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ڈسٹرب کیوں تھی، غصے میں تمہیں بھی جانے کیا کچھ کہہ دیا۔" سر جھکائے وہ بول رہی تھی جبکہ عارض ابھی تک دنگ تھا، اسے بالکل یہ توقع نہیں تھی کہ خرمن اپنے رویے پر معذرت بھی کر سکتی ہے مگر وہ کر رہی تھی۔

"تم مجھے کال کرتی تھیں میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا، تمہیں تنہا وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔" عارض نے کہا تھا۔  
"آئندہ خیال رکھوں گی۔" مدھم لہجے میں بولی وہ ٹی وی کی سمت متوجہ ہوئی تھی، جبکہ اس کی اتنی فرمانبرداری پر عارض اپنی نظریں اس کے چہرے سے نہیں ہٹا سکا تھا، لاپرواہی سے وہ پتہ ایک شانے پر ڈالے چائے کے سب لے رہی تھی، رہتی بایلوں کو اس نے سختی سے اونچی سی پونی ٹیل میں باندھ رکھا تھا، مگر اس کی پیشانی پر آزاد ہو کر بکھرتیس باریک ٹیس دو دو حیا نشان کو چھپا گئی تھی، شاید اس کی جائزہ لیتی نظروں کا ہی اثر تھا کہ وہ چونک کر عارض کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"تمہارے پیچھے زخم ہونے میں اتنا وقت کیوں لگ رہا ہے؟" نظریں چرائے بغیر وہ سوال کر گیا تھا۔  
"پتہ نہیں۔" اس کی گہری نظروں سے خائف ہوتی وہ اتنا ہی بولی تھی۔  
"تو پتہ کرو، یہ طویل ہوتا انتظار میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔" کچھ تھا اس کے لہجے میں جس نے خرمن کا چہرہ سرخ کر دیا تھا، اس کی شدید رنگ مسکراتی نظروں میں وہ دیکھ نہیں سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہی ساری جھکن اور اعصابی تناؤ سے جیسے چھٹکارا مل گیا تھا، مگر یہ بھی سچ تھا کہ اس کا اثر اچرہ عثمان کی نظروں سے چھپا نہیں تھا۔  
"آج کا دن کیسا گزرا تمہارا؟ یقیناً بوریٹ محسوس کی ہوگی تم نے۔" اسے ساتھ لگائے وہ بیکن میں آیا تھا۔  
"ہاں، اکیلے سارا دن گھر میں گزارتے ہوئے کچھ بوریٹ ہوتی ہے مگر پھر بھی دن اچھا گزرا، تمہارے انتظار میں۔" ایک پل کو رک کر وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔  
"اچھا۔۔۔ مگر مجھے تو بالکل ایسا نہیں لگا کہ تم میرا انتظار کر رہی تھیں۔"  
"ایسا تو مت کہو، صبح کی روشنی میں گھر سے نکلتے ہو تو رات کی تاریکی میں مجھے تمہارا چہرہ نظر آتا ہے، اتنی



شدت سے تمہاری واپسی کا انتظار کرتی ہوں۔" بیلا نے ناراضی سے اسے بتایا تھا۔  
 "میں کیسے یقین کروں؟ اس شدت کا تم عملی مظاہرہ تو کرتی نہیں ہو۔" اسے اپنے سامنے کرتا وہ معنی خیز لہجے میں بولا تھا۔

"میں جنہیں پانی دینا تو بھول ہی گئی۔" بڑبڑا کر بیلا نے نظر چرائی تھی۔

"صرف پانی پرست ترخاؤ یا رامیں بھوک سے مر رہا ہوں۔" وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

"میں کھانا گرم کر رہی ہوں تم جلدی سے پہنچ کر کے آؤ۔" بیلا نے ہستے ہوئے اس کے لگے چہرے کو دیکھا تھا۔

کھانے کے دوران آج پھر وہ نوٹ کر رہا تھا کہ بیلا ٹھیک طرح کھانا نہیں کھا رہی ہے، جو کھا رہی ہے وہ بھی بے دلی سے۔

"بیلا! میرے انتظار میں تمہارے کھانے کا وقت نکل جاتا ہے اور بھوک ختم ہو جاتی ہے، کل سے تم وقت پر کھانا کھاؤ گی، میرا انتظار مت کرتا۔" وہ تاکید کر رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں تمہاری یہ بات نہیں مانوں گی۔"

"ٹھیک ہے مگر تم ٹھیک طرح کھانا کھاؤ میرے سامنے، پہلے ہی تم اتنی کمزور ہو چکی ہو، میں جنہیں مکمل صحت یاب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا، یہ بتاؤ کھانا کیسے بنا ہے؟" بیلا نے موضوع بدلا تھا۔

"یہ سچی کوئی پوچھنے کی بات ہے، تمہارے بنائے گئے لذیذ کھانوں پر تو عارش بھی فدا ہے، وہ مانے کا نہیں مگر یہ تو اسے بھی پتہ ہے کہ اساتلی سے زیادہ ذائقہ تمہارے ہاتھوں میں ہے۔"

"تم بھی میرے ہی سامنے قبول کر رہے ہو، ورنہ خرمن کے سامنے یہ سب کہنے کی جرات تمہارے اندر بھی نہیں ہے۔" بیلا ہستے ہوئے بولی تھی۔

"مان! میں سوچ رہی تھی کہ عارش اور خرمن ہم دونوں کی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہوئے ہیں، پھر خرمن کے پیچھے زچہ شروع ہو گئے، وہ دونوں اپنی شادی کو ٹھیک طرح سے انجوائے بھی نہیں کر پائے کیوں تاں ہم ان دونوں کو ڈرنا تو اٹھ کریں، اور تم بھی تو پہلے ان دونوں کی شادی کی خوشی میں ڈرنے والے تھے۔"

"ہاں، مجھے یاد ہے مگر پہلے محترمہ کے پیچھے زچہ ختم ہوں۔"

"نکل اس کا آخری پیچہ ہے۔" بیلا فوراً بولی تھی۔

"کیا... کل پیچہ ہے اس کا؟" عثمان نے ہنسی سے پوچھا تھا۔

"کیا مطلب ہم بھول گئے؟" بیلا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"کل وقت پر اسے یونیورسٹی ڈراپ کر دینا اور پک کر کے نہیں لے آنا، میں نے اسے کہہ دیا تھا۔"

"یہ ایک اور ڈیوٹی لگا دی ہے میری، شادی اس کی عارش سے ہوئی ہے پھنس میں گیا ہوں بلا وجہ۔"

"اس طرح مت بولو، عارش وقت نہیں نکال پارہا تھا، تم اپنے دوست کی مدد کر رہے ہو اور پھر تمہاری ڈیوٹی نہیں فرض ہے، خرمن نے قرآن پاک پڑھایا ہے تمہیں، اس کی جی حضوری کرنا تم پر ایک اور فرض ہے۔"

"یہ تم نہیں بول رہیں، تمہاری دوسری بول رہی ہے، جسے یہ بھی نظر نہیں آ رہا کہ میرے پاس زہر کھانے کا بھی

ہم نہیں ہے۔" عثمان نے خشکیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔  
 "بس کل کا دن ہی تو ہے، سچ کر لو، پھر کب انوائٹ کریں ان دونوں کو؟" بیلا بھرتا پک پر آئی تھی۔  
 "میں نے سوچا تھا کہ یہ آئے والا پھنسی کا دن میں مکمل تمہارے ساتھ گزاروں گا، اکیلی آف ہوگی، ریہہ بڑا بھی کوئی جھنجھٹ نہیں ہوگا۔"

"پھر تو ان دونوں کو پھنسی کے دن ہی انوائٹ کر لیتے ہیں، ڈن ہو گیا۔" بیلا نے سرفت سے اس کی بات کاٹی تھی، مگر اگلے ہی پل اس کی خشکیں نظروں پر مسکراہٹ نہیں چھپا سکی تھی۔

تراشیدہ ہال سمیٹ کر دائیں شانے پر لاتے ہوئے اس نے آئینے میں اپنے بکھرے سر اے کا تعذیری جائزہ لیا تھا اور پھر شیون کا گھرے کاٹنی رنگ کا ہلکی انیمزری سے سجاؤ پڑے شانوں پر سیٹ کرنا شروع کر دیا تھا، مسکارے کا مزید ایک کوڈ پلکوں کو دے کر اس نے غلٹ میں ہی لب اسٹک استعمال کی تھی۔

اپنی شرٹ پر پس کرتے ہوئے عارش ایک پل کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"میں پرپس کرنے آ رہی تھی۔" خرمن کچھ شرمندہ ہوئی تھی۔

"کوئی بات نہیں، مجھے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولا تھا جبکہ خرمن خاموشی سے ڈرینگ کی جانب بڑھ گئی تھی، عارش نے بس ایک نگاہ سے دیکھا تھا جو ڈرینگ کے سامنے بالکل لا اعلق بیٹھی چوڑیاں پہننے میں مگن تھی، عارش نے جب سے اسے پیچہ زکی پیچہ سے فاطمہ کے کمرے میں جانے کے لیے کہا تھا، تب سے وہ آج عارش کی موجودگی میں اپنے بیڈروم میں آئی تھی وہ بھی صرف اس لیے کہ اس کی جیولری وغیرہ یہاں تھی۔

ہلکی سی کراہ پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"چوڑیاں پہننے میں اور کبوتر کے بیروں میں پھلے چڑھانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" عارش کے سنجیدہ لہجے پر خرمن نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا، جواب ڈرینگ کے کنارے بیٹھ رہا تھا۔

"میں پہنا دیتا ہوں۔" خرمن کی مرضی جانے بغیر وہ اس کا ہاتھ تمام چکا تھا، خاموشی سے بس وہ اسے دیکھ رہی تھی، جو بہت نرمی اور احتیاط سے چوڑیاں پہنا رہا تھا۔

"بس، اتنی کافی ہیں۔" خرمن نے ہاتھ اس کی گرفت سے نکالا تھا۔

"دوسرے ہاتھ میں بھی پہنو، کیونکہ مجھے اچھا لگے گا۔" اس کے سنجیدہ اور استحقاق سے بھرپور لہجے پر وہ کوہت سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" چوڑیوں کی ٹھکنے ہٹوں کے درمیان خرمن کو اس کی آواز سنائی دی تھی۔

"ایسی کون سی چیز ہے دنیا میں جو تمہیں مجھ سے زیادہ بری لگتی ہے؟" اس کے سوال پر خرمن نے ناگوار نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل جانے کے لیے اٹھ کھڑی تھی مگر عارش کی گرفت اس کی کلائی پر مضبوط ہوئی تھی۔

(جاری ہے۔)



## ہر وقت میں ہر لمحہ میں

”مطلب، ایسی کوئی چیز نہیں جو تمہارے نزدیک مجھ سے زیادہ بری ہو؟“ سپاٹ نظروں سے عارش نے اس کے گزرتے تاثرات کو دیکھا تھا۔



”تم کوئی بحث شروع کرنا چاہتے ہو؟“ خرمین کا لہجہ سرد تھا۔

”میں جاننے کا حق رکھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میری محبت کی کوئی رشتہ بیدار ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟“ اس کے

سہمے لہجے پر خرمین کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔  
 ”بیٹا اور عثمان انتظار کر رہے ہوں گے، جلدی آ جاؤ باہر۔“ بمشکل ضبط کیے وہ بولی تھی اور اس کی کمرور پڑتی گرفت سے ہاتھ چھڑاتی دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔ رستہ واضح پہنچتے ہوئے وہ کمرے سے نکلا تھا، لاؤنج میں خرمین اس کے ہی انتظار میں بیٹھی تھی، عارش کی نظروں سے اس کے گزرتے تاثرات چھپ نہیں سکے تھے جو بیک شائے پڑا تھی جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”تم اس طرح جاؤ گی؟“ عارش نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”کیوں اب کیا ہوا ہے؟“ وہ تڑخ کر بولی تھی۔

”اس کا راز کہاں ہے تمہارا؟ جلدی پہن کر آؤ۔“ ناگوار سی ضبط کیے وہ بولا تھا۔



”میں اسی طرح جاؤں گی۔“  
 ”مگر میں اس طرح تمہیں لے کر نہیں جاؤں گا، جو کہا ہے وہ کرو۔“ خرمن کی بات کا ثناء و سخت لہجہ میں بولا تھا۔  
 ”مجھے حکم دینے کی ضرورت نہیں ہے مجھے تم؟“ خرمن تھلائی تو گئی تھی، مگر اگلے ہی لمبے وہ دنگ ہوئی تھی جب عارش تنے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی طرف آیا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے بیڈروم کی سمت بڑھ گیا تھا۔  
 ”پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس، اسکارف کے ساتھ باہر آنا۔“ سر و نظروں سے اس کے حق و حق تاثرات دیکھتا وہ بولا تھا اور چار حاندہ قدموں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔  
 خرمن واقعی پانچ منٹ میں آگئی تھی، سیاہیٹ کا اسکارف چہرے کے گرد غماست سے لپیٹے، عارش نے بس ایک نگاہ اس کے سیاٹ چہرے پر ڈالی تھی جواب ہر آرائش سے پاک تھا، اسکارف سینے سے پہلے اس نے بہت اچھی طرح چہرہ واش کر کے میک اپ کے ہر نشان کو مٹا ڈالا تھا، یہ اس کے غصے یا ناراضی کا شدید ترین اشارہ تھا، جسے عارش خاطر میں نہیں لایا تھا۔

☆.....☆.....☆

بش آن چہرے پر لگاتے ہوئے اس نے چونک کر عثمان کو دیکھا تھا اور بھٹ کر اس کے ہاتھ سے ہنجر برش لیا تھا۔  
 ”آدھا گھنٹہ لگا گیا ہے میں نے تمہارے ہنجر اسٹائل پر، کیوں خراب کرنے پر تلے ہو؟“ بیلا جھلائی تھی۔  
 ”تم جب تک آئینے کے سامنے سے نہیں ہٹو گی، میں تمہیں ایسے ہی نگہ کرتا رہوں گا۔“ ڈھٹائی سے بولا وہ جو توں سمیت بیڈ پر نیم دراز ہوا تھا۔  
 ”میں نے ابھی تو میک اپ کرنا شروع کیا ہے، چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔“  
 ”خدا کا خوف کرو، میں ایک گھنٹے سے تیار کھوم رہا ہوں، تمہارے میک اپ ٹیم ہونے کے انتظار میں، اچھا خاصا چہرہ لگاؤے جا رہی ہو، کیا ملتا ہے تم خواتین کو ان مصنوعی چیزوں سے؟“  
 ”جا کر ان خواتین سے پوچھو، مجھے تیار ہونے دو۔“  
 ”بس کرو بیلا!“ بیلا کے توجہ نہ دینے پر وہ جھنجھلا اٹھا تھا، جبکہ بیلا بے ساختہ ہنسی مچاتی۔  
 ”بالکل اسی طرح بھائی، بھابی پر جھلاتے تھے جب وہ بھی!“ یکدم خاموش ہو کر بیلا نے اسے دیکھا تھا جو بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا، عثمان کو اس کے چہرے پر لہراتے تاریک سائے واضح نظر آئے تھے، کچھ دیر پہلے تک جو چہرہ کھلا ہوا تھا اب برسوں کا بیمار دکھائی دے رہا تھا، عثمان سے نظر چراتے ہوئے اس نے ایئر رگٹر پہننے شروع کر دیئے تھے، اس کے قریب آ کر عثمان نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔  
 ”کیا ہوا ہے؟“ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر عثمان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا جو شدت ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔  
 ”نظر سے مجھے اس شخص سے، جو ہماری زندگی میں نہ ہونے کے باوجود تمہاری تکلیف کا سبب بنتا ہے۔“  
 ”بہت کوشش کرتی ہوں مگر کچھ ذہن سے لٹکتی نہیں، مجھے معاف کر دو، میں تمہیں بھی!“  
 ”تمہیں اپنی کوشش میں کامیاب ہونا ہوگا، ہماری آگے کی زندگی کے لیے۔“ اس کی ہنسی آنکھوں میں دیکھتا وہ بولا تھا، بمشکل اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ اس کے مہربان کشادہ سینے سے لگ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”عارش کی سفارش پر میں نے تمہیں بھی ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔“ عثمان نے میزہ کو جتنا تھا جو ٹیبل کے دوسری جانب عارش کے ساتھ ہی براہمان تھی۔  
 ”یہ انسلٹ تم ڈنر کے بعد بھی کر سکتے تھے۔“ میزہ نے خشکیں نظروں سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔  
 ”یہ غلط بیانی کر رہا ہے، سوچ سنجیدہ مت ہو۔“ بیلا نے مسکراتے ہوئے میزہ کو کھانا طلب کیا تھا۔  
 ”تمہیں کیا ہوا ہے، اسی سنجیدہ کیوں نظر آ رہی ہو؟ غصے میں رہا کرو، بس مجھے تم اسی موڈ میں اچھی لگتی ہو۔“ عثمان کا رخ پھر خرمن کی طرف ہو گیا تھا۔  
 ”تمہارا ایک پروجیکٹ تو مکمل ہو گیا ہے اب آگے کیا کرنا ہے؟“ عارش نے فوراً عثمان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔  
 ”آفرز کافی آ رہی ہیں، براڈ لیمیٹڈ ر کے لیے، چند ایک آفر مجھے پرکشش لگ رہی ہیں کیونکہ ان کی براڈ زکی پلننگ پرنٹ اور الیکٹرانک دونوں میڈیا میں ہوگی۔“  
 ”عثمان! سوچ سمجھ کر قدم آگے بڑھانا، اس فیلڈ میں زیادہ آگے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ خرمن کی تاکید پر عثمان خاموش رہا تھا مگر میزہ بول اٹھی تھی۔  
 ”بالکل آگے بڑھنا، دولت اور شہرت کے پسند نہیں ہوتی۔“  
 ”بیدوؤں چیزیں بھی اچھے بھلے انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہیں۔“ خرمن نے کہا تھا۔  
 ”تمہارا کیا خیال ہے بیلا؟“ عارش نے پوچھا تھا۔  
 ”مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے، یہ جو بھی قدم اٹھائے گا سوچ سمجھ کر ہی اٹھائے گا، اور پھر اسے بہتر مشورے دینے کے لیے تم بھی تو ساتھ ہو گے۔“ بیلا نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ عارش کو دیکھا تھا۔  
 ”عثمان! تمہاری قسمت بہت شاندار ہے ورنہ معاف کرنا تمہاری حرکتیں ایسی بالکل نہیں تھیں کہ ایسی فرمانبردار بیوی تمہیں ملتی۔“ میزہ وخت سے بولی تھی۔  
 ”اللہ کا شکر اسی لیے تو میں ادا کرتا ہوں ورنہ تمہارے جیسی ہی ملتی۔“ عثمان فوراً ہی بولا تھا۔  
 ”عارش! کم از کم تم ہی میری ٹیور میں زبان کھول لو۔“ سب کے مسکراتے پر میزہ نے چپ کر کہا تھا۔  
 ”تمہیں میرا کتنا خیال ہے جو میں تمہاری ٹیور میں ہوں؟ کب سے التجا میں کر رہا ہوں انشٹیٹیوٹ جو ان کرلو، مجھے وہاں ضرورت ہے تمہاری۔“ عارش کو موقع مل گیا تھا۔  
 ”مجھے نہیں کرنی تمہاری خشک جاب۔“ میزہ ویزاری سے بولی تھی۔  
 ”ٹھیک ہے پھر آج ہی تمہارے ابا حضور کو فون کھڑکا تا ہوں، ڈھونڈ لیں گے وہیں سرگودھا میں کسی احق کو تمہارے لیے۔“ عارش نے ہنسی دی تھی۔  
 ”خرمن! ادیکھو یہ کیا بولے جا رہا ہے۔“ میزہ جھلا کر بولی تھی۔  
 ”تمہیں جو بہتر لگتا ہے وہ کرو، کیونکہ یہاں تو سب ہی اپنی مرضی دوسروں کے سر پر تھوپنے پر تلے رہے ہیں۔“  
 خرمن کے تا کو اگلے ہی عارش نے ایک سنجیدہ نگاہ اس پر ڈالی تھی۔  
 ”اب تو میں میزہ کو اس کے گھر سے اٹھا کر انشٹیٹیوٹ لے جاؤں گا۔“ عثمان فوراً بولا تھا۔  
 ”اور میں میزہ کے تعاقب میں ہی انشٹیٹیوٹ کا بیچوں گی، خرمن کے ساتھ۔“ بیلا نے کہا تھا۔  
 ”ایسا مت کرنا، ورنہ عثمان کا تو سارا دھیان تمہاری طرف لگ جائے گا، میں کیا کیا سنبھالوں گا۔“ عارش کی



مسکراتی نظروں پر بیلاہری طرح جھپٹ گئی تھی۔  
 "میں نے تم سے جو کہا تھا، اس سلسلے میں بات کی تھی تم نے عارش سے؟" عثمان یکدم خرمن سے مخاطب ہوا  
 تھا جبکہ عارش چونک کر سوالیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا تھا۔  
 "نہیں، مجھے موقع نہیں ملا تھا۔" پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے وہ عثمان سے بولی تھی۔  
 "عارش! ریلوے پر آؤ شیئر شروع ہونے والے ہیں کچھ دن بعد، میں نے خرمن سے کہا تھا کہ اسے اچھائی کرنا  
 چاہیے، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو خرمن راضی ہے آڈیشن دینے کے لیے۔" عثمان کی اطلاع پر عارش نے ایک  
 حیران لگا خرمن کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی تھی۔  
 "زبردست... خرمن کی آواز تو ویسے بھی بہت خوبصورت ہے، عثمان! پلیز اسے ریلوے پر بڑھتا ہی دو۔" میز پر  
 خوشگوار لہجے میں چبکی تھی۔  
 "اسی لیے تو میں نے بھی خرمن کی توجہ اس جانب دلائی ہے، اس کی آواز مائیک کے لیے پرفیکٹ ہے اور ماشاء  
 اللہ سے زبان نا انشاپ چلتی بھی ہے، تم تو پہلے سے اس کے بہترین سامع ہو، کیا رائے ہے تمہاری؟" عثمان نے  
 مسکراتے ہوئے عارش کو دیکھا تھا۔  
 "میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، اگر یہ آڈیشن دینا چاہتی ہے تو یہ اس کی مرضی ہے، میں کیونکر اعتراض  
 کر سکتا ہوں۔" ایک نظر خرمن کے جھکے چہرے پر ڈالنا وہ سنجیدگی سے بولا تھا، جبکہ خرمن کو اس کا اس طرح ٹیڑھل ہوجانا  
 بہت عجیب سا لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک بار پھر خرمن نے اسے دیکھا تھا جو بہت خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی توجہ ڈرائیونگ پر رکھے ہوئے تھے،  
 پہلے میز پر کواور پھر عثمان اور بیلا کو ان کے گھر پر ڈراپ کر کے وہ دونوں بھی اب گھر کی ہی سمت جا رہے تھے، عثمان اور  
 بیلا کو ڈراپ کرنے تک عارش کا موز بہت خوشگوار رہا تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی ان دونوں کے درمیان موجود سرد  
 مہری پر چونک نہیں سکا تھا۔  
 "عثمان نے تمہیں جو بتایا وہ تمہیں برا لگا ہے تو ہٹا دو مجھے۔" خرمن زیادہ دیر تک بیٹھ نہیں کر سکی تھی۔  
 "میں تم سے بات کر رہی ہوں۔" اس کے متوجہ نہ ہونے پر وہ ناگوار سے بولی تھی۔  
 "میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے سوال کا جواب کیا دوں۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔  
 "اچھا، برا لگنے کی بات وہاں کی جاتی ہے جہاں کسی انیسیت کا رشتہ ہو مگر شاید میں بھول رہا ہوں کہ جہاں محبت نہ  
 ہو وہاں انیسیت کی توقع ہی بیکار ہے۔" عارش کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔  
 "فضول باتیں سخت ناپسند ہیں مجھے۔" وہ ناگوار لہجے میں بولی تھی۔  
 "ہاں، مجھے پتہ ہے تمہیں میری ہر بات فضول لگتی ہے بلکہ تمہیں تو میری شکل بھی ناپسند ہے۔"  
 "تم اس طرح کیوں بات کر رہے ہو؟"  
 "میں بس صبر کر رہا ہوں۔" وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔  
 "تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ تم کس چیز کے لیے صبر کر رہے ہو؟"  
 "تم انجینیئر طرح جانتی ہو۔"  
 "عارش! مجھے بار بار یہ احساس مت دلاؤ کہ میں وہ عورت نہیں ہوں جسے تمہاری زندگی میں ہونا چاہیے تھا۔"

اس کے تیز لہجے پر عارش نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا جو بے چینیے باہر دوڑتے مناظر کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔  
 ☆.....☆.....☆  
 کمرے میں داخل ہو کر عارش نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی جو جاہ نماز پر دعا مانگتے میں مصروف تھی، مہری سانس  
 لینا وہ قدر آدم سانس کی وطرہ کی جانب بڑھ گیا تھا۔  
 "نماز سے زیادہ طویل تمہاری دعائیں ہوتی ہیں، آخر اللہ سے کیا کچھ مانگتی ہو؟" جاہ نماز تہہ کرتے ہوئے اسے  
 عارش کی آواز سنائی دی تھی۔  
 "میں دعا مانگتی ہوں کہ تمہاری محبت کی دقت میرے دل میں وہ پیدا کر دے یا پھر مجھے تم سے ہی نجات دے  
 ڈالے۔" بگڑے تیروں کے ساتھ بولتی وہ بیک کراؤن سے پشت لگا کر بیٹھ گئی تھی جبکہ عارش بمشکل مسکراہٹ چھپا سکا  
 تھا۔  
 "مجھے اس وقت شدید نیند آ رہی ہے، چائے، کافی کی فرمائش مت کرنا، جاؤ یہاں سے اب۔" کڑی نظروں سے  
 اسے دیکھتی وہ بولی تھی جو ان کی کیے سامنے برا بھلا ہو گیا تھا۔  
 "تمہیں یہ کیوں لگتا ہے کہ میں رات کے اس وقت صرف چائے، کافی کی طلب میں ہی تمہارے پاس آ سکتا  
 ہوں؟" اس کے سنجیدہ لہجے پر خرمن نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا، جہاں شرارتی مسکراہٹ چمکی ہوئی تھی۔  
 "اندازہ لگانے کی کوشش کرو، مجھ پر کتنا ظلم کرتی ہو تم، میں نے صرف تمہارے پیچہ زکی وجہ سے تمہیں اس کمرے  
 میں آنے کا کہا تھا مگر تم نے تو مستقل یہاں قیام کا ارادہ کر لیا۔"  
 "تم نے کہا اور میں نے عمل کر لیا تھا، اب جب میرا دل چاہے گا تب ہی اس کمرے سے نکلوں گی۔" وہ کھس کر  
 بولی تھی۔  
 "اور میرے دل کا کیا ہوگا، میں کب تک انتظار کروں تمہارا؟" وہ بے چارگی سے بولا تھا۔  
 "مجھے یہاں بیٹھتے وقت یہ سوچنا تھا تم نے؟"  
 "میں اور کیا کرتا... میں جانتا ہوں تمہیں بڑھنے کے لیے تمہائی کی نہیں بیکوئی کی ضرورت ہے، مگر مجھے خود پر  
 بھروسہ نہیں تھا۔" وہ مصومیت سے بولا مسکرایا بھی تھا۔  
 "مجھے بالکل پسند نہیں آیا تھا وہ جواب جو تم نے عثمان کو دیا تھا، وہ سب کیا سوچ رہے ہوں گے کہ تمہیں میرے  
 معاملات سے کوئی غرض ہی نہیں ہے۔" وہ ناگوار لہجے میں بولتی اسے سنجیدہ کر گئی تھی۔  
 "میں ہر الزام اپنے سر لے کر تم سے معافی مانگتا ہوں، مگر مجھے صرف یہ بات بری لگی کہ تم اپنے لیے کوئی فیصلہ کرو  
 اور اس کی خبر مجھے کسی اور سے ملے، تم نے مجھے اپنے فیصلے میں شامل نہیں کیا تو کوئی بات نہیں لیکن میری فطرتی ہے کہ میں  
 تم سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر چکا ہوں۔" عارش کے سنجیدہ لہجے پر خرمن نے بغور اس کے نیچے تاثرات کو دیکھا  
 تھا۔  
 "میں نے اب تک نہ کوئی فیصلہ کیا ہے نہ ہی اس بارے میں ابھی سوچنے کا وقت ملا ہے، اگر تمہیں یقین نہیں تو تم  
 عثمان سے پوچھ لو، جب اس نے مجھ سے آڈیشن کی بات کی تھی تو میں نے اسے یہی جواب دیا تھا کہ میں عارش سے  
 بات کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گی، تمہاری ماں یا تاں میرے لیے اہمیت رکھتی ہے، تمہاری مرضی کے بغیر میں  
 کس طرح یہ کام کر سکتی ہوں؟ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہیں یہ سب ناگوار گزرو گے گا تو میں پہلے ہی عثمان کو تم سے بات  
 کرنے سے روک دیتی۔" اس کے بغیر وہ سنجیدگی سے بولتی عارش کو پہلے حیران اور پھر پریشان کر گئی تھی۔



”خرمن اتم جانتی ہو کہ تمہارا آگے بڑھنا مجھے کبھی ناگوار نہیں گزر سکتا، مجھے جو برا لگا وہ میں نے تمہیں بتا دیا، اب تمہاری باتیں سننے کے بعد مجھے لگ رہا ہے کہ میں نے خواہ مخواہ ایشو بنایا ہے مگر یہ نہیں کیوں مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معاملے میں حد سے زیادہ پوزیٹو ہوتا جا رہا ہوں۔“ عارش کا لہجہ بالکل بے بس سا تھا۔

”میں بس تمہیں یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ تم ہی ہو جسے میری زندگی میں داخل ہونا تھا، مگر مجھے تمہارے یقین کی ضرورت ہے کہ میں ہی وہ مرد ہوں جسے تمہاری زندگی میں موجود ہونا چاہیے تھا۔“ اس کے سوالیہ لہجے پر خرمن نے حیرت سے اسے دیکھا تھا مگر کچھ بولی نہیں تھی۔

”مجھے معلوم ہے تمہارے پاس کوئی جواب نہیں مگر مجھے بھی کوئی جلدی نہیں ہے، اب چلیں؟“

”مجھے آج نہیں سونا ہے، تم جاؤ۔“ وہ بلی کی تو کٹی تھی۔

”ٹھیک ہے، پھر میں بھی نہیں جاؤں گا۔“

”کیوں پریشان کر رہے ہو؟“ وہ جھلائی تھی۔

”نیکم سوال میں تم سے کروں تو کیا جواب دوں گی؟“ عارش نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو فیصلی نظروں سے اسے دیکھتی بیٹھ سے اٹھ گئی تھی۔

”تم سے اپنی بات سنوانے کے لیے بندے کو کافی ڈھیٹ ہونا چاہیے۔“ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اسے عارش کی آواز سنائی دی تھی، اگلے ہی لمحوں میں اس نے عارش کے دروازے تک آنے سے پہلے ہی دروازہ بند کر کے باہر سے لاک کر دیا تھا۔

”خرمن ایہ کیا کیا ہے تم نے؟“ عارش کی حیران آواز اسے سنائی دی تھی۔

”تمہیں کیا لگ رہا ہے؟“

”خرمن! دروازہ کھولو، تم نے مجھے اندر لاک کر دیا ہے۔“ اس کے جھلائے انداز پر وہ ہنسی تھی۔

”تم مجھے آڈیشن دینے کی اجازت دے رہے ہو یا نہیں؟“

”میں جرات کر سکتا ہوں تمہیں روکنے کی؟ اب دروازہ کھولو۔“

”نہیں، میں سکون سے رہنا چاہتی ہوں، اب یہ دروازہ صبح ہی کھلے گا۔“

”خرمن! آخری بار کہہ رہا ہوں، دروازہ کھولو، دور نہ شش و پنجو کے گلاس تو ذکر باہر آنے والا ہوں۔“

”خبردار! جو تم نے کوئی نقصان کیا، میں سر توڑ دوں گی۔“ وہ ل کر خرمن نے دروازہ کھول دیا تھا۔

”بس یہی کسر ہو گئی تھی، تمہارا بس چلے تو تم مجھے بوتل میں بند کر کے کسی کوٹے میں پھینک دو۔“ شدید ناراضی سے وہ بولا تھا۔

”ٹھٹھی ہو گئی، مجھے واقعی کمرے کے بجائے تمہیں بوتل میں بند کرنا چاہیے۔“ وہ غصے سے بولی تھی اور اگلے ہی لمحوں میں عارش کی چشمیں نظروں پر بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کے گریبان سے چھو لگا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کمرے کی لائٹ آف کرنے سے پہلے وہ دروازے تک آئی تھی اور اگلے ہی لمحوں میں چوٹی کی کھٹک سے کہیں نظر نہیں آیا تھا، کمرے کے بغیر وہ کمرے کی سمت چلی آئی تھی، ایک لمحوں کو وہ اپنی جگہ تک پہنچ گئی تھی، باؤنڈری پر بازو دھکا دے وہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔

”مان! اتم یہاں کیوں آئے ہو، تمہیں تو اب تک سو جانا چاہیے تھا، صبح جلدی جو اٹھنا ہے۔“ بچکے بچکے لہجے میں

بولتی وہ اس کے قریب آئی تھی دوسری جانب عثمان بس خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہوا ہے، پریشان ہو؟“ بیلا کے سوال پر وہ لمبی لمبی سر ہلاتا دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”انکل! اور آئی کے بارے میں سوچ رہے ہو؟“ بیلا نے بغور اسے دیکھا تھا جو خاموش ہی تھا۔

”تم انکل سے بات کرنے کی کوشش۔۔۔۔۔“

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے کوشش نہیں کی ہوگی؟“ عثمان نے جھکی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

”وہ دونوں خوش ہیں اپنے بیٹے کے پاس، بہت بھینک گناہ کر چکا ہوں میں، اس لیے میں ان کے لیے مریچکا ہوں، انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں ان کے لیے تڑپ رہا ہوں یا نہیں۔“ اس کے سگتے لہجے پر بیلا کچھ بول نہیں سکی تھی، یکدم اسے اپنا آپ بھرم سا لگنے لگا تھا۔

”قادران سے بات ہوئی تمہاری؟“ چند لمحوں بعد عثمان نے خاموشی توڑ دی تھی۔

”شاید وہ کل یہاں آئے، آج صبح کال تو کی تھی اس نے۔“ وہ دم لہجے میں بولی تھی۔

”آئی کے بارے میں پوچھا تھا اس سے؟“ وہ مزید بولا تھا۔

”وہ تو ہر بار یہی کہتا ہے کہ گھر میں سب ٹھیک ہے، اور یہ بھی کہ بھابی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر مجھ سے یا تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گی۔“ اس کی جانب دیکھتے بغیر وہ بولی تھی۔

”وہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے، کیا میں جانتا نہیں ہوں اس آدمی کو؟ اگر میری بہن کو اس شخص کی وجہ سے کوئی بھی نقصان پہنچا تو زمین آسمان ایک کر دوں گا۔“ اس کے بڑکتے لہجے پر بیلا کو سانس ہو گئے تھا۔

”اور تم غور سے سن لو، آئی کا فون آف ہے، ان کی یا بچوں کی محبت میں تم ہرگز بھی گھر کے نمبر پر فون نہیں کرو گی، میں یہ برداشت کر ہی نہیں سکتا کہ وہ شخص انجانے میں بھی تمہاری آواز سنے۔“ اس کے لہجے میں بڑھتے اشتعال نے بیلا کی سانسیں روک دی تھیں۔

”غصہ مت کرو مان! اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اندر چلو، بہت رات ہو چکی ہے۔“ کچھ سببے انداز میں اسے شانت رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بیلا نے اس کا بازو تھام لیا تھا، جبکہ عثمان خاموشی سے اس کی تھلید میں آگے بڑھ گیا تھا۔ میٹرس پر تکیہ درست کرتے ہوئے بیلا نے اسے دیکھا تھا، جو میٹرس کا دروازہ بند کر رہا تھا۔

”اگر ہو سکے تو کچھ دیر رک جاؤ، مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی۔“ عثمان کی آواز پر وہ رک گئی اور پھر اس کے بے حد عجیبہ چہرے سے نظر ہٹائی میٹرس کے کنارے آ بیٹھی تھی۔

”مجھے ہلاک خود سونے کی تیاری کر رہے ہو؟“ کچھ جھجکتے ہوئے بیلا نے اسے مخاطب کیا تھا جو اس کی گود میں سر رکھ کر دروازہ ہو گیا تھا۔

”خود کو پریشان مت کرو مان! اتم سے ہی تو مجھے ہمت ملتی ہے۔“ بو بھل ہوتے دل کے ساتھ بیلا نے اس کے بالوں کو چھوا تھا۔

”انکل، آئی تم سے زیادہ عرصے تک ناراض نہیں رہ سکیں گے، تم اس طرح ڈسٹرب ہو گے تو میں خود سے نظر نہیں لاسکوں گی۔“ بیلا کا لہجہ نرم ہوا تھا۔

”ایسا مت سوچو، میں دوبارہ یہ سب تم سے نہ سنوں۔“ تنہی لہجے میں عثمان نے کہا تھا اور پھر اس کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

”تم اسی طرح میرے بالوں سے کھینچ رہی ہو، مجھے بہت سکون مل رہا ہے۔“ اس کا ہاتھ وہاں اپنے سر تک لے جاتا



وہ بولا تھا۔

”پھر تو تم سو جاؤ گے میری گود میں سر رکھے، میں کیا کروں گی؟“ اس کے بالوں میں نرم انگلیاں پھیرتی وہ مسکراتی تھی۔

”تمہارے لیے اس وقت یہی بہتر ہے کہ تم مجھے سلا کر خود سونے جاؤ، ورنہ میرا جانا آج تمہیں بہت تنگ کر سکتا ہے۔“ اس کے غم خیزہ لہجے پر بھلا ایک پل کو دنگ ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل ہی شکل مسکراہٹ کوئی خاموش ہی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

گیت کھول کر ایک طرف پھٹے ہوئے اس نے وہاٹ سوک کو اندر آتے دیکھا تھا اور پھر ریٹ واپس میں وقت وہ آج بھی گھر لیٹ آئے تھے، پورج سے باہر آتے ہوئے فاروق نے اسے دیکھا تھا جو چہرے پر شدید ناراضی کے تاثرات سجائے ان سے پہلے ہی میڑھیال چڑھتا چلا گیا تھا۔

لاؤنج کی ابتر حالت نے انہیں حیران نہیں کیا تھا، قاریہ اپنی کتابیں پھیلانے ہوم ورک کرنے میں مصروف تھی جبکہ فائزر دھڑلے مار مار کر روتا کارپٹ پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“ فائزر کو اٹھاتے ہوئے انہوں نے بیٹی سے پوچھا تھا۔

”اسے بھائی نے مارا ہے اور مجھے بھی مارا تھا۔“ قاریہ نے فوراً شکایت کی تھی۔

”اچھا بند کرو تم۔“ فاران نے فیصلی نظروں سے بہن کو دیکھا تھا۔

”پاپا! اس نے میری گود بھی رالیا ہے، یہ ان پر چیخ رہا تھا، اس نے کھانا بھی پیچک دیا تھا۔“ قاریہ نے مزید شکایت کی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟“ فاروق سے ناگوار لہجے پر فاران نے انہیں دیکھا تھا۔

”میں تنگ آ گیا ہوں سب کچھ سنبھالتے سنبھالتے، میری طبیعت آج بہت خراب ہے، وہ بیڑے اٹھ بھی نہیں سکتیں، نہ وہ کچھ کھاتی ہیں نہ ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے راضی ہوتی ہیں، اوپر سے ان دونوں نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا، میں آپ کو کال کرتا رہا مگر آپ نے میری کال ریسیو نہیں کی، اگر میری کچھ ہو جاتا تو۔۔۔۔۔“

”کچھ نہیں ہوا ہے، اسے صرف اپنے بھائی کا غم لگا ہے۔“ فاروق نے ناگوار سی اس کی بات کالی تھی۔

”میری آپ کی وجہ سے بیمار ہوئی ہیں، آپ چاہتے ہیں کہ وہ گھٹ گھٹ کر مر جائیں۔“

”کیوں مت کرو، درج ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔“ عیش بھری نظروں سے فاروق نے اسے دیکھا تھا جو تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے جا رہا تھا۔

فائزر کا روتا بند کروانے کے لیے انہیں کچھ دیر تک اسے بہلانا پڑا تھا، اس کے بعد وہ کمرے کی سمت چلے گئے تھے۔

بیڑ پر عروسہ بے سہارے ہی نظر آئی تھیں، گم صم اور پیار وہ پہلے سے تھیں مگر اس وقت ان کے لہجے کی مانند سفید چہرے نے فاروق کو پہلی بار تشویش میں مبتلا کیا تھا، اس رات انہوں نے جو کچھ عروسہ سے کہا تھا اس کے لیے وہ خود کو حق بجانب سمجھتے تھے، اگر وہ عروسہ سے بات چیت بند کر چکے تھے یا ان سے ہر تعلق ختم کر چکے تھے، تو فاروق ان کو اس سب کا سختی سمجھتے تھے، وہ نوٹ چکے تھے اس کا ذمے دار وہ عروسہ کو ٹھہرا چکے تھے، اس کا رد عمل بھی وہ اب دیکھ رہے تھے، فاروق کے قطع تعلق کے باوجود عروسہ نے گھر کی ڈسے داریوں سے باقاروق کی ضرورتوں سے ہاتھ نہیں کھینچا تھا، وہ پہلے کی طرح ہی سارے کام سرانجام دے رہی تھیں، مگر پار کو انہوں نے منتقل کر دیا تھا، وہ بالکل خاموش ہوئی

تھیں، ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ فاروق کے سامنے وہ موجود نہ ہوں، ان کی دن بھر کی محنت سے فاروق انہیں نہیں دیکھتا تھا، مگر کسی بھی طرح وہ اپنا دل ان کے لیے نرم نہیں کر سکتے تھے، انہیں یہ بتا نہیں چلا کہ کب گھر کی حالت اور نظام بگڑتا چلا گیا اور عروسہ بیڑ کی ہو کر وہ گئیں، فاروق کو کمرے میں ان کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوتا تھا، یا پھر جیسے تھا کہ وہ ان کے وجود سے ہی غافل ہو گئے تھے۔

عروسہ اور ان کے درمیان موجود تناؤ اور بے تعلقی نے بچوں پر بھی برا اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا، وہ دیکھ رہے تھے فاران سمجھدار تھا، عروسہ کے لیے بہت زیادہ حساس تھا، فاروق سے زیادہ وہ ان کے قریب تھا، صورت حال جو بھی ہو فاران نے ہمیشہ ماں کا ہی ساتھ دینا تھا، شروع سے ہی بچوں کے معاملات میں عروسہ ہی انوالور ہی تھیں، گھر کے بھی سارے انتظامات بخوبی وہی سنبھالتی آرہی تھیں، فاروق پر انہوں نے گھر کی ڈسے داریوں کا بوجھ نہیں ڈالا تھا، مگر اب سارے نظام جیسے بگڑ گئے تھے، سب سے زیادہ ڈسٹرب فاران، ہو رہا تھا، اب نظر بھی آنے لگا تھا۔

بیچج کرنے کے بعد جب وہ واش روم سے باہر آئے تو عروسہ بیڑ پر موجود نہیں تھیں، لاؤنج میں دونوں بیچے بھی نہیں تھے، لاؤنج صبور کرتے وہ ہال میں آئے تھے، جہاں ڈاکنگ ٹیبل کے گرد بیچے موجود تھے، ایک نظر انہوں نے بچوں سے ٹکلتیں عروسہ کو دیکھا تھا جن کے چہرے سے نفایت ٹپک رہی تھی، وہ بہت کمزور اور لاغر دکھائی دے رہی تھیں، فاروق کو اس وقت بالکل بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی، مگر دونوں بچوں کو کھانے پر اپنا منتظر دیکھ کر وہ واپس نہیں پلٹ سکے تھے۔

”قاریہ! بھائی کو بلایا تھا کھانے کے لیے؟“ پانی کا جگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے عروسہ نے مدھم آواز میں بیٹی سے پوچھا تھا۔

”اسے بھوک نہیں ہے، وہ نہیں آ رہا۔“ قاریہ نے لا پرواہی سے کہا تھا جبکہ خاموشی سے اس کی پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے عروسہ نے انہیں دیکھا تھا، جو فائزر کو کھانا کھانے میں مدد دے رہے تھے، عروسہ کی نہیں تھیں، شدید کمزوری کے باعث ان کے لیے بیٹھنا بھی محال تھا، سو وہ کمرے میں جا کر بیس لیٹ جانا چاہتی تھیں۔

کھانے سے فاروق ہو کر فاروق نے خود ہی ٹیبل پر سے سب کچھ سمیٹا تھا اور پھر کچھ سوچ کر فاران کے کمرے کی طرف چلے گئے تھے، کمرے میں داخل ہو کر وہ بری طرح چپکے تھے، فاران اٹھ کر بیٹھ چکا تھا، اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ رو رہا ہے۔

”تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں تمہاری ماں کی جان کا دشمن ہوں، تمہیں یہ نظر نہیں آتا کہ تمہارا باپ دنیا کو مت دکھانے کے لائق نہیں رہا ہے، تمہیں اس کا درد محسوس نہیں ہوتا؟“ بیڑ کے قریب رکتے ہوئے انہوں نے سرد لہجے میں کہا تھا جبکہ فاران سر جھکائے آستین سے آنکھیں خشک کرتا رہا تھا۔

”کیا ہوا تھا آج؟“ گہری سانس لیتے وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے تھے۔

”میں گھر میں قید ہو کر رہ گیا ہوں، ٹھیک سے پڑھ بھی نہیں سکتا، فائزر اور قاریہ کے کام بھی سمجھنے پر تڑپتے ہیں کیونکہ میری طبیعت خراب سے خراب ہوئی جا رہی ہے، آج بھی اگر میں نہ ہوتا تو وہ بچن میں گر جاتیں، میں ان سے کہہ کہہ کر تھک گیا ہوں مگر وہ ایک فیصلی تک نہیں سمجھتیں، انہوں نے نکل سے کچھ نہیں کھایا، آج بھی میں نے ان کو کھانا کھانے کی کوشش کی تو انہوں نے منع کر دیا، خیسے میں، میں نے پلیٹ پھینک دی اور انہوں نے رونا شروع کر دیا، میں تنگ آ گیا ہوں ماموں اور نانو سے جھوٹ بولتے بولتے کہ یہاں سب ٹھیک ہے اور می بھی۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔“

دلہائے لہجے میں فاران پھٹ پڑا تھا۔



”پاپا! مجھے آپ کی تکلیف کا احساس ہے مگر میں اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے، آپ ماں ماموں اور آپنی رشتہ جی کو مت دیں، میں آپ کو اور میری کو اس طرح نہیں دیکھ سکتا، آپ ان سے بات نہیں کرتے، ان کی پروا بھی نہیں کرتے، ایسا کرنے سے سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو جائے گا، جن کو جانا تھا وہ تو چلے گئے، وہ خوش بھی ہیں پھر ہم سر کو کیوں عذاب میں ڈالا جا رہا ہے؟“

”یہ سوال تم اپنی ماں سے پوچھو، تم نے ٹھیک کہا، واقعی سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا، نہ ہی تمہاری ماں کا وہ دور جو پہلے میری نظر میں تھا۔“ فاروق نے غصیلے لہجے میں اس کی بات کاٹی گی۔

”ٹھیک ہے، جب آپ میری ماں کو کوئی درجہ نہیں دے سکتے تو میں ان کو اپنے ساتھ لے کر تانوکے گھر چلا جاؤں ہوں اور میں ایسا ہی کروں گا، آپ کو ان کی ضرورت نہیں رہی ہے، اس گھر کو سنبھالنے کے لیے آپ دوسری شادی کر لیں۔“ فاروق کے بڑے لہجے سے زیادہ اس کی باتوں نے فاروق کو دوکھ کیا تھا۔

”دماغ درست ہے تمہارا؟ کیا اول فول بک رہے ہو، اپنے باپ کو دوسری شادی کا مشورہ دے رہے ہو؟“ غصیلے لہجے میں فاروق اس پر رے تھے۔

”تو پھر میں ایسا ہی تانوکے گھر میں شفٹ ہو جاتا ہوں، ورنہ یہاں میرا دم گھٹ جائے گا، میں اب اور آپ کے گھر اور بیوی بچوں کو نہیں سنبھال سکتا۔“ ان کی جانب دیکھے بغیر وہ ٹیلی انداز میں بولتا بیڈ سے اتر اٹھا اور اس روم میں جا کر بند ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرس پر دم ہوا کے جھوکوں کے ساتھ کبوتروں کی غمزغوں کرتی آوازیں بھی کسی موسیقی کی طرح سنائی دے رہی تھیں، وہ سب کے سب بہت شانت تھے اور اپنا دانہ پانی پینے میں مگن تھے، چاند کی تیز روشنی رات کی تاریکی کو پرے ہٹا چکی تھی، اس پرسکون ماحول میں وہ بھی میرس کے خشکے سے پٹ لگائے خشکے پختے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی، گرفت میں موجود ایک کبوتر کے پروں کو سہلاتی وہ بالکل بھی اس کی موجودگی سے واقف نہیں ہو سکی تھی، جو اس کے سفید راتھ دوپٹے میں قید پاکیزہ چہرے پر پھیل خوں صورت دلکش مسکراہٹ کو دیکھتا تھا، ٹھیک کر اپنی جگہ رک گیا تھا، اتنے پرسکون اور محرک ماحول میں یکدم پلٹ پڑتے پروں نے ارتعاش پیدا کر دیا تھا، غمزغوں کی طرح چمکی گئی تھی اور اگلے ہی لمحے دل کی گرجی مارش کی سمت بھاگی تھی، جس کے چہرے پر کبوتر نے حملہ کر دیا تھا۔

”زیادہ تو نہیں لگا؟ دکھا دیجئے۔“ گھبرا کر اس کا ہاتھ الگ کرتے ہوئے غمزغوں نے اس کی آنکھ کا جائزہ لیا تھا، جس پر کبوتر کا پر لگ کر تکلیف پہنچا گیا تھا۔

”اس جنگی کے تو پر ہی اکھڑا لوں گی اب۔“ دوپٹے سے اس کی آنکھ سہلاتے ہوئے غمزغوں نے غصیلی نظروں سے اس کبوتر کو دیکھا تھا، جو حملے کے بعد اب بچنے کے اوپر مڑلا رہا تھا۔

”تمہارے کبوتر بھی تمہاری طرح ہیں، مجھے قریب برداشت کر ہی نہیں سکتے۔“ ناراضی سے عارش نے اس کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا دیا تھا، جبکہ غمزغوں بمشکل مسکراہٹ چھپا رہی تھی۔

”آئی دیر تک کیا بات کر رہے تھی؟ ضرور میری شکایتیں کر رہے ہو گے۔“ وہ غصت سے بولی تھی۔

”اتنا تنگ کرتی ہو تم مجھے اور چاہتی ہو کہ میں کسی سے شکایت بھی نہ کروں۔“ وہ بولا تھا اور اگلے ہی لمحے اس کا ناگوار نظروں پر مسکرایا تھا۔

”کیا غلط کہہ رہا ہوں میں، سارا دن گزرنے کے بعد یہ وقت مجھے ملتا ہے تمہارے ساتھ رہنے کا، مگر تم اس سے

بھی کبوتروں کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو، یہ میرے قریب بنے جا رہے ہیں۔“

”عارش! تم وقت پر سو جایا کرو، زیادہ دیر جاگنے کے بعد تم ایسی ہی بنکی بنکی باتیں کرتے ہو۔“ غصیلی نظروں سے غمزغوں نے اسے دیکھا تھا۔

”تم پاگل ٹھیک کہہ رہی ہو، ان کبوتروں سے رخصت لے کر تم آؤ جلدی، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

”کیا بات کرنی ہے؟“ بچھے کا دروازہ کھلتی وہ چمکی گئی تھی۔

”وہ میں یہاں نہیں کر سکتا تم ذرا جلدی آ جاؤ۔“ اس کی مشکوک نظروں پر وہ مسکراہٹ چھپائے جاتے جاتے رکھا تھا۔

”اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟ مجھے واقعی تم سے بات کرنی ہے اگر میں کوئی غلط بیانی کر رہا ہوں تو کل اچانک خام تھپیل ہو جائے اور میں گھر میں سارا وقت تمہارے زیر سایہ رہوں۔“ بولنے ہوئے وہ دھیرے سے ہنستا میرس سے نکل گیا تھا، غمزغوں بس اسے دیکھ کر رو گئی تھی۔

”غمزغوں سے نظر ہٹا کر وہ غمزغوں کی طرف متوجہ ہوا تھا، جو ایک نگاہ اس پر ڈالتی ڈیر تک کی سمت چلی گئی تھی۔ بننے پر بازو لیے وہ بڑے صبر سے فیندے سے بوجھل ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا شکر تھا، جو اپنے سیاہ چمکتے بالوں میں برش بچھ رہی تھی۔

”غمزغوں شاید مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی؟“ وہ زچ ہو کر پلا خر بول اٹھا تھا۔

”بولو! میں سن رہی ہوں۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھی۔

”میری آنکھ میں اب تک تکلیف ہو رہی ہے، ذرا دیکھو۔“ اپنی آنکھ کو سہلاتے ہوئے وہ جس طرح بولا تھا غمزغوں کو اس کی طرف جانا پڑا تھا۔

”کچھ نہیں ہوا تمہاری آنکھ کو، فیندے سے سرخ ہو رہی ہیں، سو جاؤ!“ ڈپٹے والے انداز میں بولتی وہ اٹھ رہی تھی کہ عارش نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام کر روکا تھا۔

”پرکاش کر اڑنے کی اجازت دیتی ہو، سو جانے کے لیے مجھے فیندے سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے، کیا تم نہیں جانتیں؟“ گھیس لہجے میں بولتا وہ اس کے قریب ہوا تھا۔

”کیا بات کرنی تھی تمہیں؟“ اس کی گہری نگاہوں سے نظر چاتی وہ گڑبڑائے انداز میں بولی تھی۔

”پہلے مجھ سے وعدہ کرو کہ میری بات سن کر غصہ نہیں کروں گی، خشکے دل و دماغ سے پہلے اس بارے میں سوچو گی۔“ اس کے سنجیدہ لہجے پر غمزغوں نے الجھ کر اسے دیکھا تھا جو اس کی پیشانی پر دم ہوا سے غمڑتے تراشیدہ بالوں کو دھیرے سے سینٹا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”غمزغوں! تمہیں اپنے گھر کھانے پر انوائٹ کرنا چاہتی ہے، اور صرف وہی نہیں، ماما کی بھی یہی خواہش ہے، مصطفیٰ ماموں نے بھی ان کو فون پر یہ تاکید کی تھی کہ وہ تمہیں اور مجھے گھر پر انوائٹ کریں۔“ سبیل کر بولتا وہ بغور اس کے تاثرات بھی نوٹ کر رہا تھا جو کہ سپاٹ ہی تھے۔

”میں تمہیں کبھی اپنے خاندان کے کسی فرد کے سامنے جھکانے کا ارادہ نہیں رکھتا، ایسا ہو بھی نہیں سکتا، مگر جو لوگ ہمیں محبت اور عزت سے دیکھتے ہیں ان کا دل توڑنا تو جائز نہیں ہے، تم اس گھر میں صرف میری بیوی کی حیثیت سے نہیں جاؤ گی بلکہ اس اعزاز کے ساتھ بھی کہ تم ماموں جان کی اولاد ہو، جی ہواں کی۔“

”مگر ان سب نے صرف تمہارے لیے، صرف تمہاری بیوی کی حیثیت سے مجھے قبول کیا ہے، بابا سے کسی تعلق کی



ہا پر نہیں۔ وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

”مصطفیٰ ماموں اور ان کے گھر کا ہر فرد جنہیں ماموں جان کے حوالے سے پہلے ہی قبول کر چکا ہے خرمن اور اقرار نہیں کرتے تو اس سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔“ عارش کے نرم لہجے پر وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

”میں جانتا ہوں تمہارے لیے بہت کچھ ہے اس گھر میں قدم رکھنا مگر وہاں نیزہ ہے، جودل و جان سے خنہ ہے تمہاری، صرف ایک بار نیزہ کی خاطر اس کی خوشی کے لیے یہ ناخوشی قبول کرلو، میں تمہیں وہاں جانے کے لیے مجبور بالکل نہیں کروں گا، مگر میں چاہوں گا کہ تم اس بارے میں سوچو اور پھر فیصلہ کرو۔“ عارش کے سنجیدہ لہجے پر خرمن نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”نیزہ نے تم سے کب بات کی تھی؟“

”آج ہی کال کی تھی اس نے، وہ جاوہری تھی کہ پہلے میں تم سے بات کروں، براہ راست وہ اس سلسلے میں تم سے بات کرنے سے ہٹ چکا رہی تھی، اگر تم انکار کرو گی تو وہ مافی کو روک دے گی، وہ تمہیں ہل کر لے گیا ہو سکتا ہے، دعوت دینے نیزہ کے ساتھ یہاں آ جائیں۔“

”اب اسنے تکلف کی ضرورت بھی نہیں ہے، وہ بڑی ہو کر مجھے دعوت دینے چل کر آئیں گی، نیزہ نے تمہیں کہہ دیا کافی ہے، تم اب اس سے کچھ مت کہنا، میں خود صبح اسے کال کر لوں گی، یہ بھی پوچھ لوں گی کب جا کر حاضری دینے ہے۔“ اس کے خفت زدہ لہجے پر عارش ایک ہل کو بے یقین ہوا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ تمہارا شکر کیسے ادا کروں؟ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تمہارا دل کتنا خوبصورت ہے۔“

تفکر آمیز نظروں سے عارش نے اسے دیکھا تھا جو اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال کر اٹھ کر رہی تھی۔

”اگر آج تم اپنے بالوں کو زیادہ وقت نہیں دو گی تو ان کی خوبصورتی میں فرق نہیں آئے گا۔“ کروٹ بدلتے ہوئے عارش نے زنجیر ہو کر اسے دیکھا تھا جو پھر آئینے کے سامنے بالوں میں برش پھیرنے میں مگن تھی۔

”لائٹ آن رہے گی تو میں ڈسٹرب ہوتا رہوں گا، اس لیے اٹھا کی تھی۔“ خرمن کے بکڑے تپوروں کے ساتھ متوجہ ہوئے پر وہ فوراً بولا تھا۔

”آٹھ گھنٹوں پر تکبیر رکھو اور سو جاؤ، صبح جنہیں آوازیں دے دے کر میری آواز بیٹھ جاتی ہے۔“ خرمن کے اکڑے لہجے پر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

”تم ایسا کرو مجھے نیند کی گولیاں کھلا کر ایک ہی بار جان چھڑالو، میں سو سو کر پاگل ہو گیا ہوں۔“ شدید ناراضی سے بولتا وہ نکلیہ چہرے پر رکھ چکا تھا جبکہ خرمن حیرت سے اسے دیکھتی دھیرے سے بولی تھی۔

☆ ☆ ☆

ٹی وی اسکرین پر آتے جاتے مناظر پر نظر نہایت ہی موزوں تھا، کبھی سوچ کا رخ عروس کی طرف ہو جاتا، کبھی قطع تعلقی کر دینے والی عزیز ترین ہستیوں کی جانب... بے شک اسے برہان کی مکمل سپورٹ حاصل تھی تسلی اور تسکین کے ساتھ وہ اسے مال باپ کی طرف سے بھی مطمئن رہنے کی تلقین کرتا رہتا تھا، مگر وہ عروس کے ساتھ ساتھ بیلا کی طرف سے بھی بالکل مطمئن نہیں تھا، اگر عروس اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر بیلا سے بھی رابطہ نہیں کرنا چاہتیں تو کوئی معمولی بات نہیں تھی، وہ جانتا تھا کہ قماران اسے ”سب ٹھیک ہے“ کہہ کر نال رہا ہے مگر وہ بے خبر نہیں تھا، اس نے ٹی وی بار سوچا کہ قماران سے کہے کہ کبھی کبھی قاریہ اور فائز کو بیلا کے پاس لے آیا کرے، قاریہ سے کہے

کر ہی سہی مگر وہ ایسا نہیں کر سکا تھا، وہ مزید عروس کے لیے اپنی ہجر سے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا، اسے احساس تھا کہ وہ اور بیلا بہت کوشش کے باوجود ناول زندگی نہیں گزار پا رہے، کہیں نہ کہیں کی رہ گئی تھی، مگر کہاں؟ یہ سوچتے پر وہ مجبور ہو جاتا تھا، بیلا کبھی کبھی نہیں تھی مگر وہ جانتا تھا کہ اس کے لیے ایلہ جیٹ کرنا دشوار تھا، وہ عروس سے اور بچوں سے بہت اچھڑ رہی تھی، اس کی کیفیت اندر سے کیا ہوگی اس کا اندازہ بھی کبھی بیلا کے چہرے سے ہی ہو جاتا تھا، اگر عروس نے صرف بیلا سے ہی کوئی رابطہ رکھا ہوتا تو شاید ان سب سے الگ ہونے کے بعد خوش رہتا، اتنا مشکل نہ ہوتا، وہ بھی قبول کرنا تھا کہ اس گھر میں بیلا کو لانے کے بعد وہ اسے زیادہ وقت نہیں دے پارہا مگر اپنے لیے اور بیلا کے لیے ایک بہتر زندگی حاصل کرنے کے لیے اسے جدوجہد کرنی ہی تھی، وہ سب کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ تنہا اپنے زور بازو پر بیلا کو ایک اچھی زندگی دے سکتا ہے، اس معاملے میں وہ برہان کی سپورٹ لینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

ٹی وی آف کرنے کے ارادے سے اس نے ریوٹ اٹھایا تب اس کی نظر بیلا تک گئی تھی جو اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے باہر آ رہی تھی۔

”بیلا! کیا ہوا ہے، کچھ چاہیے تمہیں؟“ سوال کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا مگر وہ بالکل متوجہ نہیں ہوئی تھی، حیرانی کے ساتھ لائٹ آن کرتے ہوئے عثمان نے پھر اسے پکارا تھا، جو بہت دھیمی رفتار کے ساتھ چل رہی تھی، بری طرح چوتکتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا تھا جو بری نہیں تھی، اس کے خوابیدہ چہرے اور ادھ کلی آنکھوں نے عثمان کو بری طرح دنگ کر دیا تھا، اس کے ساتھ ہی چلتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو دیکھتا عجیب کیفیت میں جھلا ہو رہا تھا، اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ نیند میں چل رہی ہے، اپنے شاک میں وہ اسے روکنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا، جو بہت گہری نیند میں دکھائی دے رہی تھی، اس کے ساتھ وہ کبھی بیرونی دروازے تک جا پہنچا تھا، وہ اس کی تمام حرکات کو دیکھ رہا تھا جو بند دروازے پر اس طرح ہاتھ پھیر رہی تھی جیسے اسے کونسا جانتی ہو، اس دوران وہ کچھ زیر لب بول بھی رہی تھی مگر اتنی مدد آؤ تھی کہ عثمان کوشش کے باوجود اس کے الفاظ سمجھ نہیں سکا تھا۔

”بیلا! تم کیا کر رہی ہو؟“ اس کی شیم وا آنکھوں پر نظر جمائے وہ پوچھ رہا تھا۔

”دروازہ کھول رہی ہوں۔“ بیلا کی آواز بہت مدھم مدھم تھی مگر وہ بخوبی سن سکتا تھا۔

”کیوں؟“ عثمان نے ذرا بلند آواز میں پوچھا تھا مگر جواب نہ مارا۔

”بیلا! کس کے لیے دروازہ کھول رہی ہو؟ مجھے بتاؤ کون آیا ہے؟“ چند لمحوں کے توقف کے بعد عثمان نے مزید پوچھا تھا۔

”بھائی آئے ہیں۔“ اس کی مدھم آواز نے عثمان کو ساکت کر دیا تھا۔

”وہ کیوں آئے ہیں؟“ وہ بد شکل بول سکا تھا۔

”مجھ سے ملنے۔“ گہری سانس کے ساتھ ایک سسکی اس کے لبوں سے نکلی تھی، ساکت نظروں سے وہ اس کی شیم وا آنکھوں سے پھٹکے وقت نظروں کو دیکھ رہا تھا۔

”وہ مجھے لینے آئے... میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔“ دروازے پر ہاتھ پھیرتی وہ سسکی آواز میں بیڑا رہی تھی۔

”صبح آئیں گے یہاں، میں دروازہ کھول دوں گی، تم آؤ میرے ساتھ۔“ اس کا ہاتھ تھا جتے ہوئے عثمان دروازے سے دور ہوا تھا، اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولی تھی، کسی ڈی کی طرح وہ ٹپکے پر سر رکھے شیم وا آنکھوں کے



ساتھ اب بھی گہری نیند میں تھی، اس پر چادر پھیلاتے ہوئے عثمان کے اعصاب منتشر تھے، وہ کھل سناٹے میں کمر باندھا تھا۔

☆ ☆ ☆

جلتی پیشانی پر محسوس ہونے لگیں اس کے ساتھ اپنے نام کی پکار نے انہیں آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا، خود پر پڑنے چہرے نے ان کو وہم میں مبتلا کیا تھا، وہ تو ان کے لیے گھر میں پڑی ایک بیکار چیز بن چکی تھیں، ان کی ایک نگاہ کوئی قابل نہیں رہی تھیں، پھر وہ کسی طرح ان کی جانب دیکھ رہے تھے ان کو قاطب کر رہے تھے۔

”تھوڑی سی ہمت کر لو، میں تمہیں ہاسٹل لے جاؤں گا۔“ ان سے نظر ملانے بغیر فاروق نے ان کے منہ چاٹنے کے باوجود انہیں شانوں سے تمام کراٹھ کر بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ عروس کی آواز کرب سے گھٹ گئی تھی۔

”تم ٹھیک نہیں ہو، تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔“

”آپ کی نظروں میں بے اختیار ہونے کے بعد مجھے اب کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، مجھ پر ترس مت کھا کیجیے، مجھے وہ سب سزا نہیں دیں جن کی میں حق دار ہوں۔“ ان کے شانے سے سر نکالے وہ سسک اٹھی تھیں، ایک نظر فاروق نے دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں فاران گم صم کھڑا ہوا تھا۔

”گاڑی باہر نکالو، میں اسے لے کر آ رہا ہوں۔“ ان کی ہدایت پر فاران پھرتی سے ڈرائیونگ سے گاڑی کی چابی اٹھاتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ سے اترتے ہوئے فاران کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوتا ٹھٹھک گیا تھا، چادر میں چھپیں عروس کے شانوں سے تھا۔ وہ بیڑیاں اترتے ہی بچے آ رہے تھے۔

”مئی امیر اخیال ہے کہ اب آپ کو کسی ڈاکٹری ضرورت نہیں۔“ فاران نے مسکراتی نظروں سے باپ کو دیکھا تھا مگر اس کے ہی پل ان کی کڑی نظروں پر اس کی ساری شوخی ہوا ہو گئی تھی۔

”گھر سے باہر مت نکلتا، فائزر اور فار یہ سوچ چکے ہیں، خیال رکھنا۔“ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے فاروق نے اسے ہدایت کی تھی، جس پر اس نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی، اس کے لیے یہ بڑی خوشی تھی کہ اس کے ماں باپ کے تعلقات بہتری کی طرف جا رہے ہیں، یقیناً اب عروس صحت یاب جلد ہو سکیں گی۔

جانتا تھا کہ یہ سب کچھ بہتر اسی لیے نہیں ہو رہا کہ اس نے فاروق کو کچھ دھمکیاں دی تھیں، بلکہ ایسا صرف اس لیے ہے کہ اس کے ماں باپ کے درمیان محبت کا ایک مضبوط رشتہ بھی ہے، جس سے وہ دونوں ہی غافل نہیں رہ سکتے تھے، وہ مطمئن ہو چکا تھا کہ اب اسے عثمان سے مزید جھوٹ نہیں یوں پڑے گا، یہاں حقیقتاً سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

تیز لائٹس میں سب سے زیادہ نمایاں اس کا وجود تھا، یکے فیروزی رنگ کی سلور لیمر اینڈری سے لیس شیفلون کی ساڑھی میں اس کا سراپا جگمگا رہا تھا، بہت نفاست سے اس نے ساڑھی کی قال کو شانے پر سیٹ رکھا تھا، میزہ نے فون پر بہت اصرار کے ساتھ اسے یہ ساڑھی زیب تن کرنے کی ہدایت کی تھی۔

میچنگ چوڑیاں پہننے کے بعد اس نے بے دلی سے جیولری پہننی شروع کر دی تھی۔ ڈرائیونگ کے قریب آتے ہوئے عارش نے ایک گہری نظر اس کے سچے سنورے چہرے پر ڈالی تھی، وہ جانتا تھا کہ یہ اہتمام صرف میزہ کے لیے

ہو رہا ہے، خرمن نے اب تک خاص اس کے لیے کبھی خود کو نہیں ستوراء، وہ اس وقت اس کی تعریف کرتا چاہتا تھا، اسے جانتا چاہتا تھا کہ وہ روز اسے اسی طرح، ایسی ہی جگہ سے بھر پور دیکھنا چاہتا ہے، لیکن خرمن کے سنجیدہ تاثرات اور غیر معمولی خاموشی نے اسے روکا ہوا تھا، چونکہ خرمن نے اسے دیکھا تھا، جو ٹھیکس اس کے ہاتھ سے لیتا مزید قریب ہوا تھا۔

”میری مدد لینے میں کوئی حرج نہیں۔“ اس کے محبت سے لبریز لہجے پر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی، مگر ایک ہاتھ سے بال سمیٹ لیے تھے تاکہ وہ آسانی سے ٹھیکس کا لاک لگا دے تب ہی اس نے آہستہ میں عارش کو اپنے شانے پر چڑھنے دیکھا تھا، اس کی سانس رک گئی تھی، جب انگاروں کی طرح دہکتا لہجہ اس کی شاد رنگ پر آشکار ہوا تھا، عقب سے اسے بازوؤں کے مضبوط حصار میں بھرتے ہوئے عارش کی لو دیتیں گرم لگا ہیں خرمن کے عکس پر غم نہیں رہی تھیں، جو سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اس کے حصار سے بس نکل جاتا چاہتی تھی۔

”چہرے، اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں سب کچھ بھول کر بس تمہیں دیکھتا رہوں، ساری دنیا سے غفلت توڑ کر بس تمہارے ساتھ تمہارے قریب رہوں۔“ اس کی جذبات سے مغلوب سرگوشی خرمن کے کان کی لو کھلانے لگی تھی۔

”مگر میرے ایسا چاہنے سے کیا ہوتا ہے، یہ سب تو یکطرفہ ہے اور جانے کب تک رہے گا۔“ گہری سانس بھرتے ہوئے عارش نے اس کے وجود کی محسوس کن مہک کو اپنے دل میں اتارا تھا اور پھر اس کا رخ اپنی جانب کر لیا تھا۔

”کسی کے لیے خود پر جبر مت کرو، اگر تمہارا دل نہیں مانتا تو مت جاؤ، میں میزہ کو سمجھا دوں گا۔“ بغور عارش نے اس کی مسکراہٹ سے مزید غمی ہو جانے والی پکوں کو دیکھا تھا۔

”دیئے آپس کی بات ہے، اس وقت میرا دل بھی نہیں مان رہا کہ تمہیں خود سے دور کروں۔“ اس کے پرشوش لہجے پر خرمن کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

”عارش! میں نے میزہ سے وعدہ کیا ہے کہ آج اسکا رف نہیں لوں گی۔“ نظر اٹھائے بغیر وہ تذبذب کے ساتھ بولی تھی۔

”یہ وعدہ تم نے مجھ سے پوچھ کر نہیں کیا تھا، تم جانتی ہو کہ جو میرا ہے اسے میرے علاوہ کسی کو دیکھنے کا حق نہیں۔“

اس کا چہرہ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لیتا وہ باور کروا رہا تھا، جواباً وہ بس خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دھمکی رہی تھی۔

”اب جبکہ تم نے وعدہ کر ہی لیا ہے تو میں تمہیں وعدہ خلافی پر مجبور نہیں کروں گا۔“ عارش کی سنجیدہ نظریں اس کی پیشانی تک گئی تھیں جہاں تراشیدہ رنگی بالوں کے پردے نے اسے غرور ماہ شہ کو بہت حد تک چھپا رکھا تھا، جس میں عارش کی جان بسی ہوئی تھی۔

”مگر صرف آج کے لیے میں برداشت کروں گا، اس کے بعد نہیں۔“ بہت سنجیدگی سے اس نے تاکید کی تھی، اور پھر خرمن کے تا کوار تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے رنگینی پر دے کے عقب میں چھپی دو دھیا جھلماہٹوں کو چوم لیا تھا۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆ ☆ ☆



سلسلے وار ناول

# ہر عیش میں بیگم و عیش ملی بہانی

شدید حیرانی سے اسے دیکھتی وہ شرٹ پر لیس کرنا بھول گئی تھی، اور پھر بے ساختہ ہنسی تھی۔  
”کیوں مذاق کر رہے ہو مان! میں تو اتنی کامل ہوں کہ دس منٹ کی داک بھی ہوش و ہواس میں نہیں



سرسختی اور تم سلیپ واک کی بات کر رہے ہو۔“ ایک بار پھر اس پر ہنستی وہ دوبارہ شرٹ پر لیس کرنے لگی تھی۔  
”جتنے جتن فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا، اس رات کے بعد آنے والی دو راتوں میں وہ بالکل چوکنار ہا تھا یا  
اس کی نظروں میں آئے بغیر اس کی نگرانی کرتا رہا تھا، مگر وہ دوبارہ اسے نیند میں چھٹی دکھائی نہیں دی تھی، آج  
وہ بیلا سے چھپا نہیں سکا تھا، صرف یہ جاننے کے لیے کہ کیا پہلے بھی اسے یہ پرابلم رہی ہے؟ مگر وہ تو بالکل بھی  
اس بات کو سمجھدی سے نہیں لے رہی تھی۔

”یہ تو تمہاری شرٹ، جلدی تیار ہو جاؤ ورنہ ریڈیو اسٹیشن سے فون آنے شروع ہو جائیں گے۔“ شرٹ  
اسے تھمائی وہ بولی تھی۔

”بیلا! میں نے تم سے مذاق نہیں کیا ہے، حقیقت بتائی ہے، تم نیند میں چل رہی تھیں۔“ عثمان نے اس بار  
پہلے سے زیادہ سمجھدی سے کہا تھا۔

”تمہاری سوئی ابھی تک وہیں انگی ہے۔“ وہ زچ ہوئی تھی۔





”میں رات میں پانی پینے کے لیے بھی تو کچن تک چلی جاتی ہوں، آدمی خند سے اٹھ کر، تمہیں دیکھتا ہوں۔“

”مجھے وہم نہیں ہوا تھا، میں اس وقت جاگ رہا تھا اور...“ یکدم عثمان نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اسے تفصیل بتانا نہیں چاہتا تھا۔

”ٹھیک ہے، میں مان لیتی ہوں کہ میں خند میں چل رہی تھی، اس میں سنجیدہ ہونے والی کیا بات ہے؟“

”بیلا! یہ بات معمولی نہیں ہے میرے لیے، کیا تمہیں پہلے بھی ایسی عادت رہی ہے؟“

”ہرگز نہیں، اب تم اتنے پریشان مت ہو، جب خند کی حالت میں، میں تم پر چھری لے کر حملہ کروں تو پریشان ہوتا۔“ اس کے کوفت زدہ لہجے پر عثمان مزید کچھ نہیں بول سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

”مت روئیں آبی اور نہ آپ کی طبیعت مزید خراب ہو جائے گی، ان دونوں کی طرف سے آپ مطمئن ہو جائیں، وہ ٹھیک ہیں۔“ عروس کے آنسو صاف کرتی وہ تسلی دیتے ہوئے خود بھی منہمک ہو چکی تھی، اس نے پہلے اس نے بھی عروس کو اس طرح ٹوٹا بکھرتا نہیں دیکھا تھا، وہ بالکل غم سے غرق حال ہو رہی تھیں۔

”کیسے مطمئن ہو جاؤں خرمین! ان دونوں سے تعلق تو ذکر میں کس طرح زندہ رہوں گی، ابونے بھی بڑی سختی سے منع کر دیا ہے کہ میں عثمان سے کوئی تعلق نہ رکھوں کیونکہ انہوں نے فاروق کو زبان دی ہے کہ وہ عروس ان کے ساتھ ہیں، وہ اور کیا کر سکتے ہیں، فاروق نے فون پر وہاں سب کو بے لاگ سنائی ہیں، سب عثمان مجرم ٹھہرانے پر مجبور ہیں، جب تک فاروق اسے معاف نہیں کریں گے، ابونے بھی اس کا چہرہ تک نہیں دیکھا ہے، انہوں نے اسی کو بھی روک دیا ہے، وہ عثمان سے بات بھی نہیں کر سکتیں، فاروق بھی ان دونوں کو معاف نہیں کریں گے، کبھی نہیں۔“ بچتے آنسوؤں کے ساتھ عروس شدید مایوسی سے بولی تھیں۔

”آپ کی مایوسی ان حالات کی وجہ سے ہے، اور حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے، وقت کے ساتھ ساتھ جب انسان بدل سکتے ہیں تو حالات کیوں نہیں بدل سکتے، آپ کو صبر اور ہمت سے کام لیتے ہوئے ان حالات کو قبول کرنا ہی ہوگا، اچھے وقت کے انتظار میں۔“ عارش نے سنجیدگی سے انہیں سمجھایا تھا۔

”انکل اور فاروق بھائی کا جو رد عمل ہے وہ حق پر مبنی ہے، ان کی عزت کا سوال ہے یہ... میں خود کو فاروق بھائی کی جگہ پر رکھ کر سوچوں تو میرا رد عمل اس سے بھی زیادہ شدید ہوتا، آپ کو ہر صورت فاروق بھائی کا ساتھ دینا چاہیے، مایوسی بھول کر آپ ان پر، خود پر اور اپنے گھر پر توجہ دیں، ہر بھائی بھائی صرف انکل کا دل عثمان کے لیے نرم کر سکتے ہیں، مگر فاروق کو آپ کے علاوہ کوئی نہیں سنبھال سکتا، آپ کو اس طرح دیکھ کر یقیناً ان کے دل میں عثمان کے لیے نفرت پیدا ہوئی ہوگی، آپ اس کی فکر چھوڑ دیں کہ وہ دونوں آپ سب کی سرپرستی سے الگ کس طرح زندگی گزار رہے ہوں گے، وہ دونوں بھیدار ہیں، چند بات میں آ کر ان دونوں نے جو کچھ کر لیا، ان کو بھی یا احساس ہونے دیں کہ رشتوں کی کیا اہمیت ہوتی ہے، ان کی موجودگی زندگی میں کتنی ضروری ہے۔“ ایک پل کے لیے خرمین خاموش ہوئی تھی جب ڈرائنگ روم میں فاروق داخل ہوئے تھے، ان نے مصافحہ کرتے ہوئے صبح منٹوں میں عارش کا سارا اعتماد کھم ہوا تھا۔

”میں تو سمجھا تھا کہ تم دونوں اب میرے گھر میں نہیں آؤ گے۔“ صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے عثمان نے خرمین کو بھی دیکھا تھا۔

”جس دن آپ منع کر دیں گے، ہم نہیں آئیں گے۔“ خرمین نے کہا تھا۔

”میں کیوں منع کروں گا تم دونوں کو اپنے گھر آنے سے؟“ فاروق نے سنجیدہ سوالیہ نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

”خرمین کو ایسا لگتا ہے کہ آپ ہم دونوں سے ناراض ہوں گے کیونکہ ہماری وجہ سے بھی آپ کو تکلیف پہنچی ہے۔“ عارش کے سنجیدہ لہجے پر خرمین نے حیرت سے اسے دیکھا تھا، سچ تو یہ تھا کہ عارش بالکل بھی فاروق کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، آج خرمین زبردستی اسے یہاں تک لائی تھی۔

”جو تکلیف مجھے مل چکی ہے اس کے بعد اب کسی تکلیف کی اہمیت نہیں ہے۔“ سرد لہجے میں بولتے ہوئے فاروق نے نظر عروس کے جھکے چہرے پر ڈالی تھی۔

”میں تو تم دونوں سے یہ شکایت کرنے والا تھا کہ اتنے دن بعد اب فرصت ملی ہے یہاں آنے کی۔“

”فاروق بھائی! اگر آپ ہم سے ناراض ہیں بھی تو حق پر ہیں، مگر میرا یقین کریں سب ہاتھ سے نکلنے کے بعد مجھے خبر ہوئی تھی، اگر میں آپ کے سامنے بات کرنے کی جرأت کر رہی ہوں تو صرف اس لیے کہ میں نے آپ کی یا آپ کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی ہے۔“ خرمین نے کہا تھا۔

”تمہیں بھی مجھ سے کچھ کہنا ہے؟“ فاروق خاموش بیٹھے عارش کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

”آپ میرے بڑے ہیں، میں چاہوں گا کہ آپ مجھے جتنا برا بھلا کہنا چاہیں، کہہ دیں، میں سر جھکا کر سنوں گا، مگر یہ سچ ہے کہ میں جتنا روکنے کی کوشش کر سکتا تھا میں نے کی تھی، میں خرمین کو بھی یہ کہتا رہا آپ سے بھی کہتا ہوں کہ میں ان دونوں کے فیصلے میں ایک حد تک مداخلت کر سکتا تھا، اس سے زیادہ نہیں۔“ ان سے غم لائے بغیر وہ بولا تھا۔

”تم دونوں اپنی صفائی میں جو کہنا چاہتے تھے کہہ چکے ہو، میرے دل میں تم دونوں کی طرف سے اگر کوئی شکایت تھی بھی تو تم دونوں نے میرے گھر آ کر ہر شکایت کو دور کر دیا ہے، تم دونوں کے آنے سے مجھے خوشی ہوئی، مگر جو باتیں آج ہوئی ہیں وہ دوبارہ ہمارے درمیان نہ ہوں تو بہتر ہے، جن کے نام تک میں نے اپنی زندگی سے کھرچ ڈالے ہیں، میں ان کے حوالے سے کوئی ذکر بھی نہیں سننا چاہوں گا۔“ ان کا لہجہ سنجیدہ اور قطعی تھا۔

”احمد انکل سے فون پر بات ہوئی تھی کل تمہارے ماموں کا بانی پاس ہونے والا تھا جو کہ ابھی ڈاکٹر نے روک دیا ہے۔“ یکدم موضوع بدلتے ہوئے فاروق نے عارش کو مخاطب کیا تھا، وہ فاروق کو تفصیل بتانے لگا تھا، جبکہ خرمین، عروس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

درواہ کھولتے ہوئے اس نے عثمان کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

”بیلا! چانک تم اتنی خوبصورت کیسے ہو گئیں؟“ مسکراتی نظروں سے اس نے خرمین کو دیکھا تھا اور اگلے لمحوں اس کے چہرے سے پچھتاہٹے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

”شریت تو ہے؟“ عارش کا شانہ چھپتا ہے ہوئے وہ صوفے پر براجمان ہوا تھا۔

”اس وقت تو تمہاری آدمی خند ہو چکی ہوتی ہے، یہاں دھاوا کیسے بول دیا؟“

”مسکرم حاکم۔“ عارش کے خشکی نظروں کے اشارے پر اس نے خرمین کو دیکھا تھا جو کیک ٹیبل پر رکھ



رہی تھی۔  
 ”کس کا پتہ پتا ہوتا ہے یہاں؟“ عثمان نے حیرت سے ہٹا کو دیکھا تھا جو کافی کنگ فرے میں  
 سجائے وہاں آئی تھی۔  
 ”کسی کا پتہ پتا نہیں ہے، یہ ایک عارض میرے لیے لایا ہے، تمہیں تو اب تک توفیق نہیں ہوئی میرے  
 لیے کچھ لانے کی۔“ ہٹا نے ناراضی سے بتایا تھا۔  
 ”یہ تمہارے لیے بھی کچھ لانے کا بھی نہیں، اس سے کھانا پڑتا ہے۔“ عارض نے کہا تھا۔  
 ”اور بات سنو! یہ اگر ذرا بھی تمہیں پریشان کرے، تم مجھے بس ایک کال کر دینا۔“ کافی کنگ ہٹا سے  
 لینے ہوئے عارض نے اسے تاکید کی تھی۔  
 ”اس کے لیے ایک لاکر اب تم مجھے ڈی گرینڈ کرو۔“ عثمان نے عینکس نظروں سے اسے دیکھا تھا۔  
 ”تم دونوں کے لیے ایک انٹی کالوں یا کافی کے بعد؟“ خرمن نے سوال کیا تھا۔  
 ”نہیں، ابھی نہیں۔“ دونوں کا ایک ہی جواب تھا سو خرمن نے ہٹا کے لیے ایک کالنا شروع کر دیا تھا۔  
 ”عثمان! آج میں اور عارض، آبی اور فاروق بھائی سے ملنے گئے تھے۔“ جان بوجھ کر خرمن نے فاروق کا  
 نام لینے ہوئے اسے چونکا دیا تھا۔

”اچھا!...“ عثمان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔  
 ”وہاں جا کر عارض نے ان کے ذہنوں کو پھر تازہ کر دیا ہوگا، بہت حسرت سے اس آدمی نے عارض کو  
 دیکھا ہوگا۔“ عثمان نے غمی سے بولتے ہوئے ایک نظر عارض کو بھی دیکھا تھا۔  
 ”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ عارض نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔  
 ”سب جانتے ہو، مینٹلی کی انتہامت کرو میرے سامنے۔“  
 ”اس طرح تو نہ بولو۔“ عارض کا چہرہ اتر گیا تھا جبکہ خرمن کے چہرے کے تاثرات بگڑے تھے۔  
 ”ٹھیک کہا تم نے سب جانتا ہے، وہ مگر اس بات کا طعنہ اس وقت دینے کی ضرورت کیوں محسوس کی  
 نے؟ صاف کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں ہمارا وہاں جانا برداشت نہیں ہو رہا ہے۔“ شدید فیسے میں خرمن اپنی جگہ  
 سے اٹھتی کافی کنگ ٹھیکل پر قہقہہ ہنسی۔  
 ”چیتو مت مجھ پر، تمہیں ضرورت سے زیادہ بیٹھا بننے کا شوق ہے تو ہزار بار جا کر وہاں حاضری لگاؤ مگر  
 عارض کو وہاں کیوں ساتھ لے گئیں؟“ عثمان بھڑکتے ہوئے جس طرح اٹھا تھا، عارض کے ساتھ ہٹا بھی  
 صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔  
 ”تم عارض کے باپ نہیں ہو کہ وہ تمہاری اجازت سے وہاں جاتا، اپنے ساتھ ساتھ جو کالک تم نے ان  
 کے منہ پر ٹھوپی تھی اسے صاف کرنے یہ وہاں گیا تھا۔“ خرمن چلائی تھی جبکہ عارض سرعت سے اس کی طرف  
 تھا۔

”خرمن! آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔“  
 ”نہیں بیٹھنا مجھے۔“ خرمن نے شدید طیش میں اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔  
 ”تمہارے منہ پر تمہیں گالی دے رہا ہے یہ احسان فراموش، خود غرض انسان، اسے صرف اپنی خوشیوں کا  
 پرواہ ہے، باقی دنیا جائے جہنم میں۔“ اس کے باپ نے اس کی ماں نے فون کر کے مجھے مورد الزام ٹھہرا

میرے باپ کو فون کھڑکا دیا، مجھ پر ہم پر شک کیا جاتا رہا ہے، میں بابا کو صفائیاں دیتے دیتے تھک گئی، فاروق  
 بھائی نے میرے بارے میں، تمہارے بارے میں کیا کچھ نہیں کہا ہوگا، کتنے الزامات نہیں لگائے ہوں گے،  
 پھر بھی میں ان کا سامنا کرنے لگی، اگر وہ ہم دونوں کو دھمکے دے کر اپنے گھر سے نکال دیتے، ہمیں گالیوں سے  
 نوازتے تو میری اس کا کیا جاتا، یہ تو بیٹھ چکا ہے اپنی ڈیڑھ عینک کی مسجد بنا کر، کسی کا منہ کالا ہو، کسی پر الزام لگتا  
 ہے تو گئے، اس کو کیا فرق پڑتا ہے، اس کو تو جو کرنا تھا یہ کر چکا ہے۔“ شدید اشتعال میں وہ بولتی جا رہی تھی جبکہ  
 عثمان کے ساتھ ساتھ سب کوئی سانس نہ لے رہا تھا۔

”میں اگر اس وقت بھی تمہارے گھر میں موجود ہوں تو صرف ہٹا کی وجہ سے ورنہ تم اس قابل نہیں ہو کہ  
 تمہاری شکل بھی دیکھی جائے۔“ عینکس نظروں سے عثمان کو دیکھتے ہوئے اس نے بیک اٹھا لیا تھا۔  
 ”تمہیں یہاں بیٹھ کر مزید گالیاں سننی ہیں تو شوق سے روکو، مگر میں یہاں نہیں رک سکتی۔“ پھولی سانسوں  
 کے درمیان عارض کو مخاطب کرتی وہ کی نہیں تھی، ایک نظر عارض نے ہٹا کے روہانے تاثرات کو دیکھا تھا اور  
 پھر عثمان کو جو نظر جھکا، تمہم تھا، تیز قدموں کے ساتھ عارض کو خرمن کے پیچھے جانا پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

جاہ نماز تہہ کرتے ہوئے خرمن نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو سر سے پیر تک کبل میں چھپا پتہ نہیں سو رہا تھا  
 یا جاگ رہا تھا، لائٹ آف کرنے کے بعد وہ بینہ کے قریب آئی تھی اور لیپ آن کرتے ہوئے بینہ کے  
 کنارے کنگ گئی تھی۔

”عارض! سو گئے؟“ دم آواز میں بولتے ہوئے خرمن نے کبل اس کے چہرے سے ہٹا لیا تھا۔  
 ”نیند کا کاغذ گزر گیا ہے، اس لیے اب کوشش ہی کر رہا ہوں۔“ گہری سانس لیتا وہ اٹھ بیٹھا تھا۔  
 ”بہت ڈپریشن ہو رہا ہے مجھے، کتنا رو رہی تھی عروسہ آبی اور فاروق بھائی! ان کے دل پر کیا گز رہی  
 ہوگی، اپنے اصل سے ہٹ کر، اپنی جڑوں سے کٹ کر انسان کیسے زندگی گزار سکتا ہے، عثمان اور ہٹا کو دیکھ کر  
 دل کتنا ہے میرا، جس کرب سے میں ہمیشہ کے لیے جڑ چکی ہوں، اس کرب میں، میں کسی کو جھٹلا ہوتے ہوئے  
 نہیں دیکھ سکتی، وہ دونوں کیا کر چکے ہیں اپنے ساتھ، اس نقصان کا ازالہ کس طرح ہو سکے گا؟“  
 ”تمہارے آنسو نہیں، تمہاری دعا نہیں ضرور ان دونوں کے لیے سب کچھ ٹھیک کر سکتی ہیں۔“ اس کے  
 آنسو صاف کرتا وہ بولا تھا۔

”تم اپنے کرب میں تنہا نہیں ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں اور ہم دونوں مل کر کوشش کریں گے کہ ایسے  
 کرب کا سامنا مان اور ہٹا کو نہ کرنا پڑے۔“  
 ”اس کم ظرف انسان نے تمہارے لیے برے لفظ استعمال کیسے کیے؟ میں اسے معاف نہیں کروں گی۔“  
 خرمن کو پھر فضا نے لگا تھا۔

”تم جانتی ہو وہ مجھ سے کتنا کھڑ ہے، اس سے یہ کبھی برداشت نہیں ہو سکتا کہ فاروق بھائی نے ہٹا کے  
 لیے مجھے سوچا تھا۔“

”تمہیں یہ بات کیسے پتہ چلی، یلا کبھی تمہیں اور عثمان کو یہ سب نہیں بتا سکتی تھی۔“ خرمن نے کرید لیا تھا۔  
 ”مجھے یہ بات مان سے ہی پتہ چلی تھی، اسے اندازہ ہو چکا تھا فاروق بھائی کے ارادوں کا۔“ عارض کی  
 بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کال بیل نے ان دونوں کو چونکا دیا تھا، اس وقت رات کے 3 بج رہے تھے، حیران



ہوتا وہ کمرے سے باہر نکلتا تھا، دروازہ کھولتے ہوئے اس نے عثمان کو دیکھا تھا جو اندر آتے ہی اس کے سے لگ گیا تھا، جبکہ بیلا تیزی سے خرمن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

”آئی ایم سوری... مجھے تم دونوں سے اتنے غلط طریقے سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ عثمان نے شرمندگی سے بولا تھا۔

”یہ سب تم کل بھی کہہ سکتے تھے، اتنی رات میں تم بیلا کو لے کر گھر سے کیوں نکلے؟“ عارش نے اسے کہا تھا۔

”اس نے دروازہ پر اپنا حشری بکاڑ لیا تھا، اگر میں اس وقت یہاں نہ آتا۔“ عثمان کے بتانے پر وہ خاموش رہا۔ اس کا بازو پکڑے خرمن کی طرف بڑھ گیا تھا جو شدید خونخوار نظروں سے عثمان کو دیکھ رہی تھی۔

”تم یہ نیک اٹھا کر یہاں کیوں لے آئی ہو؟“ عارش نے حیرت سے بیلا کو دیکھا تھا۔

”میں اسے تمہاری جگہ پر کھڑی کر سکتی ہوں، جب تک خرمن نہیں کھائے گی یہ ایک ایسے ہی رہے گا۔“ وہ بیوی کی اور ایک باتوں میں پکڑے پکڑے چن کی سمت چلی گئی تھی۔

”پہلی فرصت میں دفع ہو جاؤ یہاں سے، بیلا کے سامنے میں مزید تمہاری اوقات نہیں بتا سکتی۔“ خرمن بھڑکی تھی۔

”معاف کر دو آخری بار، اب ایسی کوئی بکواس آئندہ نہیں کروں گا، میرے فرشتوں کی توبہ، یہ دیکھو۔“ عثمان نے اپنے کان بھی پکڑ لیے ہیں۔ عثمان نے کان پکڑتے ہوئے انتہائی نظروں سے دیکھا تھا۔

”اسے معاف کر دو خرمن! اتنی رات میں تو یہ بھی تہجد کے لیے بھی نہیں اٹھا ہوگا۔“ عارش نے مسکراتے چھپاتے ہوئے سفارش کی تھی۔

”یہ بھی بیہودے ہے تمہاری طرح۔“ خرمن کے غرانے پر عثمان کی ہنسی نہیں رک سکی تھی۔

”تم یہاں سے جاتے ہو یا نہیں؟“ آنکھیں نکال کر اس نے عثمان کو دیکھا تھا جو عارش کے پیچھے ہٹا تھا۔

”میں ایک لے آئی ہوئی مان اتم سب سے پہلے خرمن کو کھلاؤ۔“ بیلا نے قریب آتے ہی پلیٹ کے سامنے کر دی تھی، اس نے بھی فوراً ایک کافی بڑا پیس اٹھا لیا تھا۔

”میں اس کے ہاتھوں سے ذرا بھی نہیں کھاؤں گی عثمان! خبردار جو تم قریب آئے۔“ وہور ہنستے ہوئے وارننگ دے رہی تھی مگر عثمان ڈھٹائی کی حد میں توڑتا مسلسل اس کا راستہ روک رہا تھا جو دور بھاگ جاتا موقع ڈھونڈ رہی تھی۔

”مان! ایک کھلائے بغیر واپس مت آنا۔“ بیلا نے ہنستے ہوئے آواز لگائی تھی۔

”کم آن لے بی کم آن...!“ بازو پھیلانے وہ جس طرح اس کا راستہ روک رہا تھا فیسے کے باوجود وہ ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

”تم اسے ایک کھلانے کی کوشش کر رہے ہو یا کبڑی کھیل رہے ہو؟“ عارش نے کنفیوژن دور کرنے کے لیے پوچھا تھا۔

”عارش! میں تمہارا سر توڑ دوں گی، مجھے بھلا اس سنگی سے۔“ ہنسی کے درمیان وہ جیتی بھی تھی۔

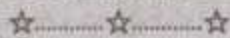
”عارش! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے آ جاؤ۔“ عثمان کی پکار پر وہ فوراً آگے بڑھا تھا۔

”تم تو ہاتھ بھی مت لگانا مجھے، دور ہو جاؤ۔“ عارش کو پرے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ حلق کے بل جاتی تھی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا، عارش نے اس کے ہاتھ گرفت میں لے کر اسے بالکل بے بس کر دیا تھا، اسی فائدہ عثمان نے بروقت اٹھا کر پورا ایک پیس نہ صرف اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا بلکہ آدھا تو اس کے پرے پر بھی مل دیا تھا۔

”جلدی بھاگ جاؤ، پلٹ کر مت دیکھنا۔“ خرمن کو چھوڑے بغیر عارش نے عثمان کو ہدایت دی تھی، عثمان نے بھی فوراً عمل کیا تھا، فیس فیس کر دوہری ہوتی بیلا کا ہاتھ پکڑے دروازے کی سمت دوڑتا چلا گیا تھا، ان دونوں کے بھاگتے ہی عارش کزنٹ کھا کر اس سے دور ہوا تھا جو عمل پیرا تھی۔

”تمہاری تو جان لے لوں گی آج۔“ غصے میں بھڑکتی وہ یکدم ہر کی بھی جبکہ عارش ایک پل کو دنگ ہوا تھا۔

”آ جاؤ۔۔۔ موت روکو۔۔۔ سارے بدلے لے ڈالو آج۔“ عارش نے جس شہیدگی سے دعوت دی تھی وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی، شدید ناراضی سے اسے دیکھتا وہ گیٹ بند کرنے گیا تھا۔



وارڈروب بند کرتی وہ ڈریسنگ پر رکھے اپنے سیل فون تک آئی تھی اور میزہ کی کال ریسیو کر لی تھی۔

”کہاں ہو تم، انشٹیٹیوٹ جوائن کرنے کے بعد بہت مصروف ہو گئی ہو۔“ خرمن نے چھوٹے ہی شکایت کی

”یہ بات تم اپنے شوہر کو جتاؤ جو زبردستی مجھے انشٹیٹیوٹ بھیج کر لے گیا تھا، اور مجھے تم یہ بتاؤ کیا تمہیں بڑے گھر کے کسی فرد سے شکایت ہے یا کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟ کہاں کی رہ گئی تھی، مجھے بتاؤ؟“ اس کے ناراض لہجے پر خرمن دنگ ہوئی تھی۔

”یہ کیوں سوچا تم نے تمہارے گھر میں مجھے سب سے اتنی محبت اور عزت ملی ہے کہ میں خود شرمندہ ہو گئی تھی، امی اور بابا بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئے تھے کہ میں تمہارے گھر جا رہی ہوں اور اب تم مجھ سے یہ اوٹ

لگاتے سوالات کر رہی ہو۔“ خرمن نے اسے گھر کا تھا جبکہ وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

”دراصل میں تمہاری رائے جاننا چاہ رہی تھی، اپنے گھر والوں کے بارے میں، یہ اوٹ پنا گنگ سوالات نہیں تنگ کرنے کے لیے تھے۔“

”بہت بدتمیز ہو، میں پریشان ہو گئی تھی، جانتی بھی ہو کہ اس وقت میں کتنی ڈپرےڈ ہوں۔“ خرمن نے ناراضی سے کہا تھا۔

”ہاں مجھے پتہ ہے، کل تم آڈیشن دینے جا رہی ہو، مگر اسے سر پر طاری تو مت کرو، عثمان نے تمہیں تیار کر لیا ہے آڈیشن کے لیے، تم بس اپنا اعتماد قائم رکھو۔“ میزہ نے اسے سمجھایا تھا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر فرض کرو اگر میں ٹھیک طرح آڈیشن نہ دے گی تو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی، عثمان بہت پر جوش ہے، مجھے اپنے سے زیادہ اس کی فکر ہونے لگی ہے۔“ وہ روہانے لہجے میں بولتی مکرے میں اسے عارش کی طرف ایک پل کو متوجہ ہوئی تھی۔

”جو ہوتا ہوگا ہو جائے گا، یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے، تمہیں خود پر اور اپنی آواز پر سب سے پہلے

اعتماد رکھنا چاہیے، وہاں عثمان ہوگا تمہیں گاؤں کرنے کے لیے اور اگر کوئی کمی رہ بھی گئی، تو ٹریننگ کے دوران بھی دور ہو جائے گی، پہلے ہی دن تمہیں مانگ پر نہیں بٹھایا جائے گا، اور مجھے یقین ہے کہ تم آڈیشن میں



کامیاب ہو جائیگی، ویسے ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی ایسا بندہ موجود ہو جو تمہاری شکل پر ہی فدا ہو جائے، مگر ہوا  
 ہوگا کہ تمہیں بغیر آڈیشن کے ہی سلیکٹ کر لیا جائے۔  
 ”بکومت۔“ بری طرح جھپٹتے ہوئے خرمن نے ایک نگاہ عارش پر ڈالی تھی جو گلاس ونڈو کے پاس موہ  
 اپنا سیل فون چیک کر رہا تھا۔  
 ”لگتا ہے تمہارے بچن ارد گرد ہی موجود ہیں۔“ مزید ہنسی تھی۔  
 ”تمہیں اس سے بات کرنی ہے تو میرا دماغ مت کھاؤ۔“ خرمن نے خشکی سے لہجے میں کہا تھا۔  
 ”اسے فون مت دینا، آج میں نے اسٹینٹیوٹ سے چٹھی کر لی تھی، وہ کال کر رہا تھا مگر میں نے ریسیو نہیں  
 کی، اسے مت بتانا میرا فون ہے، ورنہ بہت بھڑکے گا مجھ پر، کل اسٹینٹیوٹ میں ہی عزت افزائی کروالوں گی  
 اوکے خدا حافظ!“ مزید غلجٹ میں بولتی لائن کاٹ گئی تھی اور اس کے بعد فوراً عثمان کی کال آگئی تھی جسے ریسیو  
 کیے بغیر وہ عارش کی طرف گئی تھی۔  
 ”دیکھو یہ بار بار مجھے فون پر بولائے جا رہا ہے، پہلے ہی میرا خون خشک ہو چکا ہے۔“ اس کے روہانے  
 لہجے پر عارش نے مسکراتے ہوئے عثمان کی کال ریسیو کر لی تھی۔  
 ”لگتا ہے تمہیں اپنی زندگی پیاری نہیں ہے، کیوں میری محسوس، بے زبان بیوی کو پریشان کیے جا رہے  
 ہو؟“ مسکراتی نظروں سے اس کے پریشان چہرے کو دیکھا تھا وہ عثمان کو گھر ک رہا تھا۔  
 ”ہاں ایسی بے زبان کہ جس کی زبان کی دھار سو تلواریں کی دھار سے کم نہیں۔“ عثمان فوراً ہی بولا تھا۔  
 ”اور بات سنو! اپنا بہت وقت لگایا ہے میں نے اسے ٹرین کرنے پر، اگر کل وہ آڈیشن کے لیے نہیں آئی  
 اتنا یاد رکھنا گھر میں گھر کسب سے پہلے تم پر ہاتھ صاف کروں گا۔“ عثمان دھمکا رہا تھا۔  
 ”ایسا تو مت کہو مانی! یعنی تمہیں بھی پورا یقین ہے کہ خرمن کل کے آڈیشن میں رجسٹرکٹ ہو جائے گی؟“  
 سنجیدگی سے بولتے ہوئے عارش نے خرمن کے فتنے چہرے کو دیکھا تھا۔  
 ”عثمان! میرے سامنے آ کر یہ بکواس کرو ذرا تم۔“ خرمن کی چٹختی آواز عثمان تک پہنچی تھی۔  
 ”عارش! استانی کس جوس دن پتہ چل گیا کہ تمہارے سامنے مکار لومڑی بھی زیرو ہے، تمہارا حشر دیکھنے  
 ہوگا۔“ عثمان جل کر بولا تھا۔  
 ”مجھے تم پر بھروسہ نہیں ہے کل میں خود اسے ساتھ لے جانے آؤں گا۔“ عثمان نے فیصلہ سناتے ہوئے  
 لائن ڈسکونیکٹ کر دی تھی۔  
 ”خرمن! اکل کیا ہوگا تمہارا؟“ گہری سانس لیتے ہوئے عارش نے اسے ہر اسال کیا تھا۔  
 ”تم بھی میری جان نکالے جا رہے ہو۔“ اس کے روہانے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔  
 ”مت بتایا کرو ایسا پیاری پیاری سی شکلیں۔“ اس نے خرمن کی ناک چٹکی میں پکڑ کے ہلاتی تھی۔  
 ”کل زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ بس تھوڑی سی شرمندگی اٹھانی ہوگی، مان کے بہت سارے طعنے  
 ہوں گے اور ذرا سارے آنسو بہانے ہوں گے، بس اتنا ہی تو ہوگا، پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟“  
 اطمینان سے بولا تھا۔  
 ”میں کوئی آڈیشن نہیں دوں گی، مجھے یہ کام کرنا ہی نہیں ہے۔“ وہ تجھے سے اکٹھڑی فیصلہ کر گئی تھی۔  
 ”مذاق کر رہا ہوں، کچھ نہیں ہوگا، تم ضرور کامیاب ہوگی۔“ اس کے تاثرات پر بے ساختہ ہنستے ہوئے

عارش نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ابھی کچھ دیر پہلے ہی خرمن ریڈیو اسٹیشن کی بلند بالا عمارت میں عثمان کے ہمراہ جا چکی تھی جبکہ اسے خرمن  
 کی تاکید پر اس کی واپسی تک پارکنگ لائٹ میں ہی رکنا تھا، طویل و عریض پارکنگ لائٹ میں گاڑیوں کے  
 علاوہ کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا، ڈرائیونگ سیٹ سے اترتے ہوئے اس نے ارد گرد ایک طائرانہ  
 نظر ڈالی تھی اور پھر ریست واپس میں وقت دیکھا تھا، اپنے سیل فون کو چیک کرتا وہ دو قدم ہی آگے بڑھا تو  
 جب کوئی چیز اس کی پشت میں چبکی تھی، وہ یلکھت ساکت ہوا تھا۔  
 ”کوئی حرکت مت کرنا، پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کی تو...!“ عقب سے وہ ایک ہنسی آواز سن رہا تھا  
 عارش کو اندازہ لگانے میں وقت نہیں ہوتی تھی کہ حملہ آور کوئی ٹین ایجنٹ تھپ کی تھلوق ہے۔  
 ”اپنا موبائل میرے حوالے کرو فوراً“ غراتی آواز پر عارش نے اپنا سیل اس کے حوالے کرنا چاہا تھا  
 بڑھتے ہاتھ کو اچانک ہی گرفت میں لے کر اس نے اپنے سامنے کیا تھا اور پلک جھپکتے ہی وہ اس کی گردن ہاتھ  
 میں جکڑے اسے گاڑی کے پونٹ پر پھینک چکا تھا۔  
 ”ویٹ... ویٹ... ویٹ!“ بھاری کسے سے چہرے کو بچانے کی کوشش کرتا وہ لڑکا چیخا تھا، دوسری  
 جانب اس لڑکے کے چہرے پر نظر پڑتے ہی عارش کا ہاتھ ہوا میں جہاں تھا وہیں ساکت رہ گیا تھا، اس لڑکے  
 کی پچھلی آنکھوں اور گہرائے چہرے نے عارش کی آنکھیں بھی ساکت کر دی تھیں۔  
 ”میں تو صرف مستی کر رہا تھا، میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں، یہ جانی ہے۔“ گردن پر عارش کی مضبوط  
 گرفت کے باعث اس لڑکے نے ہنسی چھٹی آواز میں ثبوت کے طور پر کی ٹھن اس کی آنکھوں کے سامنے  
 لہرائی تھی۔  
 ”میں معافی چاہتا ہوں، میں صرف ناظم پاس کر رہا تھا، پلیز میری گردن چھوڑ دیں۔“ لڑکے کی التجا سے  
 زیادہ اس کے کھانسنے پر وہ جیسے کسی ٹرائس سے باہر نکلا تھا، لڑکے کی گردن چھوڑتے ہوئے عارش نے اس کا  
 ہاتھ پکڑ کر پونٹ سے اٹھنے میں مدد دی تھی جبکہ وہ لڑکا اپنی گردن سہلانا مزید کھانا تھا۔  
 ”آپ کا ہاتھ بہت بھاری ہے، آپ کے قریب تو کوئی مجھ بھڑکا کر مل بھی نہیں پکے گا۔“ وہ لڑکا کسی بھی  
 شرمندگی کے بغیر ڈھٹائی سے بولا تھا جبکہ اس دوران عارش ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس کے چہرے سے نگاہ  
 نہیں ہٹا سکا تھا، وہ لڑکا بشکل اٹھارہ یا انیس سال کا ہوگا، چند لکھوں پہلے ہونے والی اٹھانچ کے باعث اس کی  
 گندمی رنگت سرخی مائل ہو چکی تھی، اس کی گہری سیاہ آنکھیں عارش کو عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر رہی تھیں  
 جسے وہ بالکل نہیں سمجھ پا رہا تھا۔  
 ”آپ مجھے اب اور شکوک نظروں سے مت دیکھیں، مجھے اس وقت فون کی شدید ضرورت ہے، اگر میں  
 اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤں تو ایک کال کر کے آپ کا سیل فون واپس بھی کر دیتا۔“ پونٹ پر اطمینان  
 سے چڑھ کر بیٹھا وہ صفائی دے رہا تھا۔  
 ”اگر تمہیں ضرورت تھی تو تم سیدھے طریقے سے بھی مجھ سے سیل فون مانگ سکتے تھے۔“ گہری سانس  
 لے کر عارش نے کہا تھا۔  
 ”اگر میں ایسا کرتا تو آپ کے WWF کے داؤڈا نیو کیسے دیکھتا؟“ اس کے شرارتی سے لہجے پر عارش کو



یاد آیا تھا کہ وہ کس طرح اسے شیخ چکا تھا۔

”آئی ایم سوری... تمہیں زیادہ زور سے تو نہیں لگا تھا؟“

”یہ سوال آپ کو اپنی گاڑی کے اس بونٹ سے پوچھنا چاہیے جس پر میں بیٹھا ہوا ہوں۔“ اس کے فوراً ہی کہنے پر عارش مسکرایا تھا۔

”میں تو یہاں اپنے بھائی کا انتظار کر رہا ہوں، آپ شاید ان کے نام سے واقف ہوں، اگر ریڈیو سننے کا شوق رکھتے ہیں تو۔“

”وہ ریڈیو پر بیٹریز ہیں؟“ عارش نے پوچھا تھا۔

”جی ہاں۔۔۔ ہارون قریشی۔“

”واقعی...؟“ عارش نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”میں صرف ڈرائیو کے دوران ریڈیو سنتا ہوں، ہارون بہت اچھا بولتے ہیں، مگر وقت کی کمی کے باعث میں انہیں بہت زیادہ نہیں سن پاتا، آج بھی شو ہے ان کا؟“

”نہیں وہ صرف سنڈے کو مارننگ شو ہوسٹ کرتے ہیں، آج تو وہ آڈیشن لینے آئے ہوئے ہیں، کیا آپ بھی آڈیشن دینے آئے ہیں؟“

”ہرگز نہیں۔“ عارش نے کہا تھا۔

”کیوں نہیں، آپ کی آواز بہت اچھی ہے، آپ جاہل تو ثرائی کر سکتے ہیں، میں بھائی سے آپ کی سفارش کروں گا۔“

”تمہاری آفر کا بہت شکریہ مگر یہ میرے بس کا کام نہیں ہے، میں یہاں اپنے ایک فریڈ کا انتظار کر رہا ہوں۔“ عارش نے مختصر اپنی وہاں موجودگی کی وجہ بتائی تھی۔

”میں نے آپ کا نام تو پوچھا نہیں اب تک؟“ لڑکے کو اچانک یاد آیا تھا۔

”میں عارش اور تم؟“

”ایک نام ہے میرا، اور آپ سے مل کر مجھے خوشی ہوئی۔“ یکدم گرجبوشی سے اس نے جس طرح عارش سے ہاتھ ملایا تھا وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔

”عارش! مجھے لگ رہا ہے جیسے میں نے آپ کو نہیں دیکھ رکھا ہے۔“ وہ اچانک بولا تھا۔

”تمہیں دیکھ کر مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔“ عارش نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”آپ نے کبھی کسی میگزین کے لیے ماڈلنگ کی ہے؟“ ایک نے کچھ سوچتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”بالکل نہیں۔“

”حالانکہ آپ کو کرنا چاہیے، اتنی زبردست ہانٹ ہے، پیڈلیم ہیں، ڈسٹنگ پرسنلٹی ہے، یہ سب کیش کیوں نہیں کروا دیتے؟“ ایک کے نان اسٹاپ بولنے پر عارش حیرت سے اسے دیکھتا مگر باہمی تھا۔

”میں جانتا ہوں، تمہیں میرا فون چاہیے تاکہ تم کال کر سکو، مگر اس کے لیے تمہیں ضرورت نہیں ہے کہ مجھے آسمان پر چڑھاؤ۔“ عارش نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”میں نے سیریلی آپ کی تعریف کی ہے جو کہ بالکل غلط نہیں ہے۔“ ایک نے فوراً کہا تھا۔

”آپ کو دیکھ کر میں سوچ رہا ہوں کہ روزانہ جم جایا کروں۔“

”تمہیں اس کے بغیر بھی ماڈلنگ کی آفر مل سکتی ہیں۔“ عارش نے کہا تھا۔

”اگر مجزائی طور پر ایسا ہو بھی گیا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پاپا بھی مجھے اس کام کی اجازت نہیں دیں گے کم از کم اس وقت تک تو ہرگز نہیں جب تک میری اسٹڈیز مکمل نہ ہو جائیں اور ابھی تو میرا بی۔بی۔اے بھی مکمل نہیں ہوا۔“ وہ مایوسی سے بولا تھا۔

”یہ اچھی بات ہے، تمہیں اپنا سارا فوکس اسٹڈیز پر ہی رکھنا چاہیے۔“ عارش نے کہا تھا۔

”آپ کی تاکید میرے لیے نئی نہیں ہے، بھائی اکثر مجھے ایسی تاکید کرتے ہی رہتے ہیں، مجھ سے عمر میں کافی بڑے ہونے کا رعب جتنا وہ نہیں بھولتے، میرا سیل فون ان کی وجہ سے ہی پاپا کے قبضے میں ہے۔“ وہ

کوفت سے بتا رہا تھا۔

”وجہ...؟“ عارش نے پوچھا تھا۔

”کوئی ایک وجہ ہو تو بتاؤں، میرے باپ بھائی میرے معاملے میں بہت ہی ظالم ہیں، کہیں آپ کے ساتھ بھی تو ایسا نہیں؟“

”نہیں، میرے بچپن کی بہت پہلے ڈیڑھ ہو چکی ہے اور میں ان کی ایک ہی اولاد ہوں۔“

”اوہ...! ایک نے کچھ تاسف سے سر ہلایا تھا۔

”آج بہت گرمی ہے، مجھے بھوک کے ساتھ اب پیاس بھی لگنے لگی ہے، پیہ نہیں بھائی کب تک واٹر آ نہیں گئے۔“

”میرے پاس بوتل ہے، پانی پی کر تم میرے فون پر ان سے رابطہ کر کے پوچھ لو۔“ عارش نے اسے قلمی دی تھی اور پھر فرنٹ ڈور کھول کر ڈرائیو پر بھی منرل واٹر کی بوتل نکال لی تھی۔

”میں تو اس گرمی سے ہی مر جاؤں گا۔“ ایک کی آواز پر وہ اس کی طرف آتے ہوئے بری طرح ٹھٹھکیا تھا، ایک نے گریبان کھولتے ہوئے شرٹ کے کنارے گردن سے پرے ہٹا دیا تھا، وہ کچھ بول بھی رہا تھا، مگر

عارش کو بالکل اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، اس کی نظریں ایک کی کارلر بون پر ساکت تھیں، جہاں موجود پچھلے پچھلے سے ایک نشان نے حقیقتاً اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا اسے پیہ ہی نہیں چلا کہ کب ایک نے خود ہی اس کے ہاتھ سے بوتل لے لی تھی۔

”ایک ایسا کیا نشان ہے؟“ وہ بالکل پوچھ رہا تھا، پانی کے گھونٹ لیتے ایک نے دک کر پہلے عارش کو اور پھر نظر جھکا کر اپنی کارلر بون کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

”یہ نشان ہم بھائیوں کو پاپا سے ورثے میں ملا ہے، دراصل یہ ہمارا خاندانی ٹیگ ہے۔“ لاپرواہی سے بتاتا وہ مسخرے ہنسا تھا جبکہ ایک بار پھر عارش کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی۔

”کیا اب آپ فون دے سکتے ہیں؟“ ایک کی آواز اسے واپس دنیا میں لائی تھی، خاموشی سے اس نے اپنا فون ایک کے حوالے کر دیا تھا وہ اس وقت بھی بالکل سناٹے میں تھا جب ایک فون پر بات کر رہا تھا۔

”مجھے کچھ نہیں پتہ، ایک تمہنے سے میں یہاں آپ کے انتظار میں پاگل ہو رہا ہوں۔“ شدید ناراضی سے چیخ اٹھا تھا۔

”ایک تو وہ واضح میں مجھے اندر نہیں جانے دے رہا، اتنی گرمی ہے یہاں، میں بتا رہا ہوں زبردستی اندر گھر جاؤں گا، بہت شرمندگی اٹھانی پڑے گی آپ کو۔“ دوسری جانب سے کچھ سننے کے بعد وہ مزید جھلایا تھا۔



”کیا ہوا، وہ آرہے ہیں؟“ سیل فون اس سے لیتے ہوئے عارش نے پوچھا تھا۔

”5 منٹ مزید انتظار کرنا پڑے گا۔“ وہ میزاری سے بتا رہا تھا۔

”تجہیں ان کے ساتھ کہیں جانا ہے؟“

”جی ہاں، انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آج ہی مجھے شوروم سے نئی بائیک خرید کر دیں گے مگر مین وقت پر ریڈیو سے انہیں کال آگئی، اب اگر پاپا نے ان کو کال کر لی تو میری بائیک تو گئی، وہ آفس سے اس وقت میری وجہ سے ہی لٹے تھے اور بھائی کے بغیر پاپا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔“

”کوئی بزنس کرتے ہیں تمہارے قادر؟“

”ان کی لیڈر گڈز کی ایک فیکٹری ہے، بھائی ان کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔“ وہ بتا رہا تھا۔

”کیا نام ہے تمہارے قادر کا؟“

”ہشام گزلباش، آپ جانتے ہیں ضرور ہماری فیکٹری کے دورے پر آئے گا، پاپا میرے سارے دوستوں کو ناپسند کرتے ہیں مگر آپ کو دیکھ کر تو بہت خوش ہو جائیں گے، کچھ میری ویڈیو بھی بڑھ جائے گی۔“ ایک نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”مگر ایسا تب ہوگا جب میرا تمہارا دوبارہ کبھی رابطہ ہوگا۔“ عارش نے کہا تھا۔

”آپ رابطے کی بات کر رہے ہیں، میں تو آپ کے گھر آنے کے لیے بھی تیار ہوں، آپ مجھے اپنا نمبر دیں اور میرا نمبر بھی لیں، بلکہ آپ مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بھی لکھوادیں۔“ ایک نے سرعت سے اپنے فون سے بیک سے پین اور نوٹ بک نکال لی تھی، عارش نے اسے ایڈریس بتانا شروع کیا تھا۔

”کمال ہے، میرا گھر آپ کے اپارٹمنٹ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے بلکہ میں تو اس طرف اکثر کرکٹ کھیلنے جاتا ہوں، میرے زیادہ تر دوست ان ہی اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں۔“ خوشگوار لہجے میں بولتا وہ اب عارش کو اپنے گھر کی لوکیشن بتانے لگا تھا۔

”کون کون ہے تمہاری فیکٹری میں؟“ چند سوالوں کے بعد مزید عارش نے اسے کرید اٹھا۔

”بہت چھوٹی سی فیکٹری ہے ہماری، ماما، پاپا اور ہم دو بھائی... یقین کریں، کبھی کبھی تو میں گھر میں بہت پور ہو جاتا ہوں، گھر میں بہت سارے بہن بھائی ہونے چاہئیں لڑنے جھگڑنے کے لیے مگر... بھائی کی اپنی مصروفیات ہیں، ان کا گھر میں ہونا نہ ہونا برابر ہے، بہت کم بات کرتے ہیں کیونکہ ساری باتیں تو وہ یہاں ریڈیو پر اپنے سسرز سے کر لیتے ہیں، پاپا کا زیادہ وقت آفس میں اور اس کے بعد کتابوں کے ساتھ گھر میں گزرتا ہے، وہ انگلیں ماما تو ان کو گھر کے کاموں اور نمازوں سے ہی فرصت نہیں ملتی مگر جتنی بھی ملتی ہے وہ ساری مجھے ڈانٹنے اور روک ٹوک میں گزرتی ہے، بھائی عیش میں ہیں، ان پر کوئی روک ٹوک نہیں، وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔“ ایک بولتے ہوئے یکدم رک گیا تھا جبکہ اس کی نظروں کے تعاقب میں عارش نے بھی پلٹ کر دیکھا تھا۔ تیز قدموں کے ساتھ اسی جانب آتا شخص کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا، اس کی چال و حال پر وقار پرستہ پرکشش تھی، اس کی سنہری رنگت سونے جیسی تھی، قریب آتے ہوئے اس نے ایک نظر عارش کو دیکھا تھا جبکہ بغور اسے ہی دیکھتے عارش کو اس کی سیاہ آنکھیں بہت مانوس لگی تھیں۔

”بھائی! یہ عارش ہیں، میرے دوست، ان کی وجہ سے ہی میں یہاں آپ کے انتظار میں زندہ بچا ہوا ہوں۔“ ایک کے تعارف کروانے پر اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ عارش سے ہاتھ ملایا تھا۔

”یہ تو زندہ ہے آپ کی وجہ سے مگر اس کے ساتھ وقت گزار کر آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“ ہارون نے جھانکا تھا۔

”بھائی! یہ میرے بہت کھڑ فریڈ بن چکے ہیں، ان کے سامنے میں اپنی انسلٹ برداشت نہیں کروں۔“ ایک کچھ ناراضی سے وارن کر رہا تھا۔

”ایک بہت اچھی باتیں کرتا ہے، اس کے ساتھ وقت گزار کر میں بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں۔“ عارش نے خوش دلی سے کہا تھا۔

”یہ ہماری فیکٹری کا اسٹریٹس نوز میٹل ہے اور مجھے یقین ہے کہ بول بول کر اس نے آپ کے سر میں درد کر دیا۔“ جواباً ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”مگر بیان ٹھیک کرو اور بچے اترو۔“ ہارون کی تضحیک نظروں پر ایک گریبان ٹھیک کرنا یونٹ سے اتر آیا تھا۔

”آپ یہاں کسی کا انتظار کر رہے ہیں؟“

”جی اپنے ایک دوست کا، وہ آپ کے ہی اسٹیشن پر ہوتے ہیں۔“ عارش نے بتایا تھا۔

”نام پوچھ سکتا ہوں ان کا؟“ ہارون کے سوال پر اس نے عثمان کے بارے میں بتایا تھا۔

”عثمان تو ہمارے اسٹیشن کی بہت مقبول شخصیت ہیں، ٹائٹل شوز میں ہمارا ساتھ دیتا ہے۔“ ہارون نے جھانکا تھا۔

”عارش! میں آج ہی پاپا کے قبضے سے اپنا سیل نکال کر آپ کو کال کروں گا۔“ ایک نے کہا تھا۔

”آپ کے پاس ایک شراٹم بہت ہو تو ضرور اس کی کال ریسو کیجیے گا کیونکہ یہ بالکل فارغ ہی رہتا ہے، بے آپ کیا کرتے ہیں؟“ ایک بار پھر ایک کو شرمندہ کرتے ہوئے وہ عارش سے پوچھ رہا تھا، جواباً عارش نے اسے اپنی جانب کے بارے میں مختصر اُبتادیا تھا۔

”آپ سے پھر ملاقات ہوگی عارش! انی الوقت اجازت۔“

”بالکل... کیوں نہیں۔“ اس سے مصافحہ کرتے ہوئے وہ ایک کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”میں آپ کے انشٹیوٹ کا وزٹ کرنے کب آؤں؟“ ایک نے رک پر پوچھا تھا۔

”جب تم چاہو بلکہ تم میرے ساتھ ہی چلتا۔“ عارش کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا ہارون کے پیچھے ہی گسے سوک کی طرف چلا گیا تھا، ان کے جاتے ہی عارش کو ایک بار پھر اپنی رگوں میں خون تیزی سے گردش کرتا محسوس ہو رہا تھا، اس کے لیے اپنی بے چینی پر قابو پانا اور مزید مضطرب کرنا مشکل تھا مگر اسے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہی تھا، چند ہی لمحے گزرے تھے جب وہ اپنی اچھتی سوچوں سے چونک کر باہر آ عثمان کی طرف متوجہ ہوا تھا جو خرمن کے ہمراہ اس کی جانب آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

”مجھے وہ شخص قطعی پسند نہیں آیا ہے، میں صاف کہہ رہی ہوں۔“ ناگواری سے بولتی وہ کچن میں داخل ہوئی جہاں عارش، بیٹا سے کوئی ڈش بناتی دیکھ رہا تھا۔

”آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟“ عثمان جھلائے انداز میں بولتا خرمن کے پیچھے ہی آیا تھا۔

”وہ صرف تمہاری اصلاح کر رہا تھا، تمہاری بھتری کے لیے تمہیں اس نے جو پوائنٹس بتائے ہیں ان پر



غور کرو۔

”مجھے غور نہیں کرنا۔“ خرمن نے جھلا کر بات کاٹی تھی۔

”اس شخص نے میری ایک ایک لائن میں کیڑے نکالے تھے، میں آڈیشن دینے گئی تھی، اس کے پیچھے نہیں۔“

”میرے خدا!۔“ عثمان نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

”عارش! میں قسم اٹھانے کے لیے تیار ہوں، تم جتنی آدی ہو۔“ عثمان نے جس طرح کہا تھا، ویلا اٹھکھا۔

”جتنی عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو چمن کے پیس بنانے میں ملن تھا۔“

”ہاں، ایک وہ ہے جتنی اور ایک تم ہو۔“ خرمن نے تڑخ کر کہا تھا۔

”تم نے دیکھا نہیں، وہ کس طرح بات کر رہا تھا۔“

”کیا بات کی تھی اس نے؟“ عارش نے درمیان میں پوچھا تھا۔

”آپ ریلوے پر حکومت کرنے نہیں آتی ہیں، سننے والوں کے دل میں اپنی آواز کے ذریعے جگہ بنا لیتی ہیں، اپنے لہجے میں پلک، نرمی، لہجے لے کر آئیں، اور بھی پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہا تھا۔“ وہ بگڑے لہجے میں بتا رہی تھی۔

”تو کیا فلفل کہہ رہا تھا، اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو صاف کوئی سے کہتا کہ بی بی اپنے لہجے سے سمجھنا آتا۔“

”پچھلے دو، زبان میں ششاس لے آؤ۔“ عثمان ہل کر بولا تھا۔

”یہ فلفل بیانی ہے، خرمن کی آواز اور زبان دونوں میں ششاس ہے۔“ فرانی بین میں آکل ڈالتے ہوئے بولا۔

”میرا یقین نہیں تو عارش کی گواہی لے لو۔“

”مجھے درمیان میں مت لاؤ، مجھے واپس گھر بھی جانا ہے۔“ عارش نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”اگر مجھے دوبارہ اس شخص کا سامنا کرنا ہوگا تو میں باز آئی اس پروفیشن سے۔“ خرمن نے کوفت سے کہا۔

تھا۔

”کتنا تاج چر کرتی ہو، کتنا دکھ دیتی ہو تم یارا۔“ عثمان زنج ہوا تھا۔

”یارا! کسے کہہ رہا ہے، بدترین بدترین۔“ خرمن کا بھڑکنا لازمی تھا تب ہی ایک چھٹانکے سے کچھ بولیں

تینوں ہی چونک کر عارش کی طرف متوجہ ہوئے تھے جو تاسف سے فرش پر پکھڑے کالج کے کھڑوں کو دیکھ رہا تھا۔

”شاباش!۔۔۔ میرے دوست تمہارے بچے جنس۔“ عثمان کے شکستیں لہجے پر اس نے نجل زدہ نظروں سے دیکھا تھا جو قریب آگئی تھی۔

”میں یہ صاف کر دیتی ہوں، تم فرانی بین میں میکرونی بھی ڈال دو مگر احتیاط سے۔“ ہنسی روکنے سے بولا۔

”تم بھی ذرا احتیاط سے کالج بٹانا، ورنہ کالج تمہارے ہاتھ میں نہیں میرے دل میں چبے گا۔“

موقع مل گیا تھا ڈانٹا لگ مارنے کا۔

”زیادہ اور ہونے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھے۔“ خرمن نے اس کے مسکراتے چہرے کو کھوڑا تھا۔

”تم بھی اوورری ایکٹ نہ کرو دوباروں نے دس سال دینے ہیں صدا کا رتی کو، مجربہ کار ہے، سینئر۔“

”عثمان بول رہا تھا جبکہ عارش بری طرح چونک اٹھا تھا۔

”اس کے لسنرز میں ٹین اینکڑ سے لے کر 70 سال کے بزرگ بھی شامل ہیں، اس کے شوز میں ہر

سری کال خواتین کی ہوتی ہے، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اسے سینئر بندے نے تمہیں گائیڈ کیا ہے، اس

کے شوروں پر عمل کر کے تم آگے تک جاؤ گی۔“ عثمان نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ اس نے مجھے اتنا وقت اور توجہ دی کیوں؟ حالانکہ وہ تو چہرے سے ہی بہت

ڈوڈی لگ رہا تھا عثمان آج بتاؤں۔۔۔! ایک پل کو رک کر خرمن نے عارش کو دیکھا تھا جو بیلا سے کوئی بات کر

رہا، اور پھر کئی آواز میں وہ دوبارہ عثمان سے مخاطب ہوئی تھی۔

”پتہ ہے، وہ مجھے بہت عجیب عجیب سی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔“ اس کے جھپکتے مدغم لہجے پر حیرت

عثمان کی آنکھیں پھیلی تھیں اور اگلے ہی پل وہ دوبارہ اپنا سر پکڑتا اس کے سامنے ٹھہرا ہی نہیں تھا، خرمن بس

تکرار نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کھانے کے بعد عثمان کی چائے کی فرمائش پوری کرنے وہ کچن میں آئی تو بیلا بھی اس کے پیچھے آگئی

”مجھے معلوم ہے کہ تمہارے کچن میں کون سی چیز کس جگہ رکھی ہے لہذا تم جا کر آرام سے بیٹھو۔“ خرمن نے

فرماتے ہوئے کہا تھا۔

”اب میں ان دودو دستوں کے درمیان بیٹھ کر کیا کروں گی، مجھے نہیں رہنے دو۔“ بیلا نے کہا تھا۔

”خرمن! مان بہت سیریس ہے تمہیں ریڈیو تک لے جانے میں اگر تم میری سیریس ہو تو کچھ ناپسندیدہ

دول کو نظر انداز کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، تم اپنے کام اپنی ذمہ داریوں پر توجہ رکھ کر کامیابی حاصل

دو گی، اس خیال پر نہیں کہ کون تمہاری نظر میں اچھا ہے اور کون برا۔“ بیلا کے سنجیدہ لہجے پر وہ جو حیرت سے

دیکھ رہی تھی، اس کے خاموش ہونے پر مسکرائی تھی۔

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، مجھے تمہاری باتوں سے کوئی اختلاف نہیں ہے، کامیابی حاصل کرنے کے

لیا جتنے بڑے دونوں ہی حالات سے گزرنا پڑتا ہے، عثمان کی وجہ سے ہی مجھے وہاں کوئی ان سیکج رنی نہیں

ہے مگر پہلے میں سلیکٹ ہو تو جاؤں، آڈیشن جیسا گیا ہے اس کے بعد سے میں بہت ڈسٹرب ہوں۔“ خرمن

نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”مجھے پورا یقین ہے کہ تم ضرور سلیکٹ ہو جاؤ گی، یہ بھی تو دیکھو کہ ابھی تمہارے ہاتھ میں ڈگری بھی نہیں

لی ہے اور تم آڈیشن تک پہنچ گئیں۔“

”ہاں، یہ تو ہے۔“ خرمن ہل کر مسکرائی تھی اور چو لہجے کی آج ویسی کرتی دوبارہ بیلا کی طرف متوجہ ہوئی تھی

”اگر سے لیک لگائے کھڑی تھی۔“

”سنو عثمان کی طرف سے کوئی شکایت یا مسئلہ تو نہیں ہے تمہیں؟“ خرمن کے کریدنے والے لہجے اور

نہیں نظروں پر بیلا کا چہرہ اترا گیا تھا، لہجی میں سر بلاتی وہ خرمن کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی۔

”جی ہاں، مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں؟“ خرمن نے مٹھلک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆



سلسلے وار ناول

ہر عشق میں بیسی بیسی روئے عشق ملی جہاں

”میں کیا چھپاؤں گی، اور مجھے اس سے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟ اس کے پاس تو وقت ہی نہیں ہوتا، صبح اسٹیٹیوٹ کے لیے نکلتا ہے تو شام تک آتا ہے، کچھ دیر کی ہی نیند لے پاتا ہے اس کے بعد جگت میں ہی ریٹیر



اسٹیشن جانے کی تیاری شروع ہو جاتی ہے، رات گئے جب واپس آتا ہے تو اتنا تھک چکا ہوتا ہے کہ کھانے کے درمیان ہی ہم کچھ باتیں کر لیتے ہیں، اس کے بعد تو وہ عکسے پر سر رکھتے ہی سو جاتا ہے، خرمن! مجھے بہت تکلیف دیتا ہے یہ سب، ایسا لگتا ہے کہ میری وجہ سے اس کی زندگی بہت مشکل اور دشوار ہو گئی ہے، وہ وہ جاہز کی ذمہ داریوں کے درمیان جب میگزین کے لیے اس کے فوٹو شوٹ کی ڈیٹ آ جاتی ہے تو وہ مزید گمن چکر بن جاتا ہے، وہ مجھے بالکل ایک مشین کی طرح دکھائی دینے لگا ہے اور میں اسے اس طرح نہیں دیکھ سکتی۔ شدید تاسف کے ساتھ بولتے ہوئے یہاں نے نظر اس لیے جھکائے رکھی تاکہ خرمن اس کی آنکھوں میں چھپتی نمی نہ دیکھ سکے۔

”یہ سوچنا چھوڑ دو کہ تہبہاری وجہ سے اس کے ساتھ یہ ہوا یا وہ ہو رہا ہے، اگر وہ محنت کر رہا ہے تو اپنا مستقبل ہی سنوار رہا ہے، کیا دنیا کے اور مرد محنت نہیں کرتے؟ عمارش بھی تو اپنی جاب کے ساتھ ساتھ اسٹیٹیوٹ کو سنبھال رہا ہے، کبھی کبھی تو وہ شام کو بھی گھر نہیں آتا، آفس سے سیدھا اسٹیٹیوٹ روانہ ہو جاتا ہے، ہر ذمہ دار مرد تھک محنت کرتا ہے نہ صرف اپنے لیے بلکہ ان کے لیے بھی جو اس پر انحصار کرتے ہیں، عثمان اپنے لیے اور تمہیں





”بالکل نہیں مگر میں کال کرنے کا سبب جانتا جا رہا ہوں۔“  
 ”کیا بغیر کسی سبب کے میں تمہیں فون نہیں کر سکتی؟“ خرمن کے لہجے میں ناگواری درآئی تھی۔  
 ”کیوں نہیں، بالکل کر سکتی ہو مگر کرتی نہیں ہو۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو تم؟“

”میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، بس تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ کبھی تم نے کسی ضرورت کے لیے بھی مجھے اس طرح اچانک کال نہیں کی ہے۔“ عارش کے گہرے سنجیدہ لہجے میں کچھ تھا جو اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا تھا۔  
 ”اس لیے آفس میں جہلی بار تمہاری کال ریسیو کرتے ہوئے میں پریشان ہوا تھا کہ یقیناً کوئی پرابلم ہے ورنہ تمہارے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے کہ میری آواز سننے کے لیے ہی مجھے فون کرو۔“ اس کے سر د لہجے میں جو کچھ تھا وہ خرمن کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا مگر اس نے بشکل اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔  
 ”میں نے اس وقت بھی تمہاری آواز سننے کے لیے فون نہیں کیا ہے، ابھی عثمان کی کال آئی تھی اس کے بارے میں ہی تمہیں بتانا چاہتی تھی۔“ جی سے بولتے ہوئے اس نے مختصر آرڈیو میں اپنے سلیکشن کی نیوڈا سے دی تھی اور اسے کچھ کہنے کا موقع دے بغیر لائن ڈسکنکٹ کر ڈالی تھی۔ عارش نے فوراً ہی کال بیک کی تھی جسے نظر انداز کرتی وہ بیڈروم سے نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈرائنگ کے سامنے چہرے کے گرد اسکارف کو ٹھیک کرتی وہ چونک کر وال کلاک کی طرف متوجہ ہوئی تھی، شام کے 6 بج چکے تھے، گہری سانس لے کر شانے پر دوپٹہ درست کرتی وہ کمرے سے نکلی گئی، گیٹ کھول کر پلٹے ہوئے اس نے ایک لگاؤ بھی عارش کو نہیں دیکھا تھا، مگر عارش نے ایک لگاؤ میں ہی اس کے تیروں کو مہیاں لیا تھا، سو وہر کے بغیر ہی اس کے پیچھے بچن میں آیا تھا، سینڈویچ میکس کھولتے ہوئے خرمن نے رک کر اپنی آنکھوں کے سامنے لہراتے سرخ گلابوں کو دیکھا تھا۔

”جہلی کامیابی کی مبارکباد وصول نہیں کرو گی؟“ اس کے شانے پر جھکاؤ مسکراتے لہجے میں بولا تھا، جواباً خرمن نے نہ اپنا رخ اس کی جانب موڑا تھا اور نہ ہی اسے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔  
 ”شکریہ؟“ بے دلی کے ساتھ خرمن نے فلاورڈ اس سے لے کر کاؤنٹر پر ڈال دیئے تھے اگلے ہی لمب وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی جب عارش نے اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے اسے شانوں سے تمام لیا تھا۔

”کس بات کا شکریہ؟ ہمارے درمیان یہ فارمیٹی کب سے آگئی؟“ اس کے سوال پر خرمن نے بس تیز لگا ہوں سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”تم غصے میں اور بھی زیادہ قیامت خیز لگتی ہو۔“ پر شوش لگا ہوں سے اس کے تاثرات دیکھتے عارش نے اس کے چہرے کو چھوا تھا، مگر اگلے ہی لمب وہ دنگ رہ گیا تھا جب خرمن نے ایک منگھلے سے اس کا ہاتھ الگ ہٹایا تھا۔  
 ”سانپ کی طرح کینٹیل پر لانا تو کوئی تم سے کھئے، میری آنکھوں کے سامنے محبت کے راک ختم نہیں ہوتے تمہارے اور جب آنکھ سے اوصل ہوتے ہو تو مجھ سے زیادہ برا کوئی نہیں ہوتا تمہارے لیے۔“ اس کے ذہر خند لہجے پر عارش کے تاثرات بدلے تھے۔

”ہاں، سچ کہا تم نے، ابھی بھی تو واقعی مجھے بھی یہ لگتا ہے کہ تم سے زیادہ برا کوئی نہیں کیونکہ ایک تم ہی ہو جو

سپورٹ کرنے کے لیے دن رات ایک کر رہا ہے، تو یہ اس کا فرض ہے، اسے اپنے بیز زمین پر مضبوطی سے بٹانے کے لیے اس محنت کی ضرورت ہے، اسے خود کو تھکاتھک کرنا ہے اور تم بھی ہمدردی میں اس حد تک مت جانا کہ اس کے ارادے کمزور کر دو، 9 سے 5 کی جاب کے بعد تمہارے قدموں میں وقت گزار کر اسے کچھ حاصل نہیں ہونے والا، ابھی اسے تمہارے لیے ایک ڈائی گھر بنانا ہے، اپنی اور تمہاری زندگی کو بہتر سے بہتر بنانا ہے، کل اس کی ڈسے داریوں میں مزید اضافہ بھی ہوگا، مگر بہتر یہی ہے کہ ابھی وہ خود کو کسی قابل بنائے، خود کو تیار کرے آگے آنے والی ڈسے داریوں کے لیے، اس سبب میں تم نے ہی اس کا ساتھ دینا ہے، لہذا جب تک اس سے اپنے تعلقات کو تم اسی طرح محدود رکھو جس طرح رکھے ہوئے ہو۔“ خرمن کے جتنی لہجے میں کچھ تھا کہ جیلا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

”مجھے امید ہے تم میری بات اور اس کے مقصد کو سمجھ چکی ہو گی، ابھی تم دونوں کے لیے یہی بہتر ہے۔“ خرمن نے سنجیدگی سے بولتے ہوئے کچھ چونک کر جیلا کے بدلتے تاثرات کو دیکھا تھا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن موڑ کر عثمان کو جو یہ نہیں کس وقت وہاں آیا تھا۔  
 ”کتنا وقت لگے گا؟ عارش گھر جانے کا کہہ رہا ہے۔“ گہرے سنجیدہ لہجے میں وہ خرمن سے مخاطب تھا۔  
 ”بس چائے تیار ہے، 2 منٹ لگیں گے۔“ خرمن کے جواب پر اس نے واپس پلٹنے سے پہلے بس ایک نگاہ جیلا کے سرخ ہو جانے والے چہرے پر ڈالی تھی، جو نظر جھکائے ساکت کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈرائنگ روم کی ڈسٹنگ سے ابھی وہ فارغ ہوئی تھی جب اس کے فون نے چنگھاڑا شروع کر دیا تھا، تیزی سے بیڈروم میں آکر اس نے سائیکل ٹیبل سے فون اٹھایا تھا، اس وقت عثمان کی کال نے اسے حیران کیا تھا، اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی عثمان نے فر فر جو خبر سنا لی تھی وہ اسے پہلے دنگ اور پھر خوشی سے اچھلنے پر مجبور کر گئی تھی۔

”عثمان! مجھے تو یقین ہی نہیں ہو رہا تم نے ابھی طرح کنفرم کیا ہے؟“  
 ”ظاہر ہے دعائیں دو اس بندے کو جسے پتہ ہی نہیں ہوگا کہ تم اس کی کتنی مٹی پلیہ کر چکی ہو۔“ عثمان نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

”اب میری خوشی غارت مت کرو تم۔“ وہ جھلائی تھی۔  
 ”عارش تک بھی یہ خبر پہنچا دو پہلے، جیلا اور منیزہ چیل کو پہلے فون کرنے کھڑی نہ ہو جانا۔“ عثمان کے گھر کھنے والے انداز پر وہ کھلکھلائی تھی، مگر اس نے عثمان کی ہدایت پر عمل ضرور کیا تھا۔  
 ”خرمن! کیا ہوا ہے سب خیریت تو ہے؟“ خرمن کی کال ریسیو کرتے ہی وہ جس طرح پریشان انداز میں بولا تھا خرمن حیران ہو گئی تھی۔

”سب خیریت ہی ہے، اتنا پریشان کیوں ہو گئے؟“ اس کے سوال پر وہ ایک لمب کے لیے خاموش ہوا تھا۔  
 ”سب خیریت ہے تو پھر کال کرنے کی وجہ؟“  
 ”خیریت نہ ہونے پر ہی میں تمہیں کال کر سکتی ہوں کیا؟“ خرمن کو اس کا سوال ناگوار گزارا تھا۔  
 ”یہ تم زیادہ بہتر جانتی ہو، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ پتہ نہیں عارش کا لہجہ واقعی سرد تھا یا اسے ہی محسوس ہوا تھا۔  
 ”کیا میری کال نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا ہے؟“



مکمل مجھے اپنے بس میں کر چکی ہو، میرے سارے اختیارات اپنی مرضی میں لے چکی ہوں، مجھ سے راضی ہوتی ہو تو اس طرح کہ سانس لینا مشکل کر دیتی ہو اور ناراض ہوتی ہو تو اس طرح کہ جینا دو بھر کر دیتی ہو۔ مجھے لہجے میں بولنا وہ شکایتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جس کے تیر مزید بگڑ رہے تھے۔

”تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہو کر بھی میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ اس وقت تمہارے سامنے ہوں، میں تمہارے قریب رہوں یا دور مگر میرے دل میں تمہاری محبت کا سمندر کبھی خشک نہیں ہو سکتا اور اسے تمہاری محبت کی باتوں کی منتائی بھی نہیں ہے مگر چاہت ضرور ہے۔“

”میں اب تمہارے راگ نہیں سننے والی، فون پر جس لہجے میں تم نے مجھ سے بات کی تھی اس کے بعد تم مزید میری آنکھوں میں مٹی ڈالنے کی کوشش مت کرو، میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری محبت پر، کیا ہے یہ محبت، بس چند ٹھنڈی یادوں کا خبط اس کے بعد دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے سب۔“

”ایک لفظ اور مت کہنا تم۔“ سرخ چہرے کے ساتھ عارش نے اس کی بات کافی تھی۔  
”جس چند بے تم عاری ہو، انجان ہواں کے بارے میں اتنی بے ہودہ بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے تمہیں، میں کبھی بارگاہوں میں سے، مجھے محبت کے قابل تم نہ سمجھو مگر میری محبت کی بے قدری مت کیا کرو، مت شک کیا کرو میری نیت پر میرے جذباتوں پر مگر تم مجھ پر تم نہیں کر سکتیں کیونکہ تمہارے پاس احساس نام کی کوئی چیز کم از کم میرے لیے نہیں ہے۔“

”جب سب کچھ جانتے ہو تو کیوں میرے سر پر مسلط ہو، کیوں قبول نہیں کر لیتے کہ مجھے اپنا کر اب تم بچھتا رہے ہو؟ تم قبول نہ کرو مگر تمہارا لہجہ سب کچھ عیاں کر رہا ہے مجھ پر۔“ خرمن نے شدید ٹیٹس میں اس کی بات کافی تھی۔

”تم پر بس وہی کچھ عیاں ہو سکتا ہے جو تم دیکھنا چاہتی ہو، میرے لہجے کا تو صرف یہاں نہ ہے ورنہ کچ تو یہ ہے کہ تم مجھ سے دور جانا چاہتی ہو، مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہو۔“ اس کی بلند آواز پر خرمن دنگ نظروں سے اس کے بھڑکتے چہرے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

”کبھی اپنے لہجے پر غور کیا ہے تم نے، کس طرح تم ایک سیکنڈ میں اپنے اور میرے درمیان دیوار کھڑی کر لیتی ہو، کس طرح تمہارا انجینی لیج، رویہ برداشت کرنا پڑتا ہے مجھے، کیا مجھے اتنا حق بھی نہیں ہے کہ میں تم سے شکایت کروں، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم نے بھی فون کر کے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ گھر سے نکلنے کے بعد میں زندہ بھی ہوں یا کسی حادثے کی نظر ہو گیا ہوں، کبھی تم نے فون کر کے یہ تک نہیں پوچھا کہ میں نے سچ کیا ہے یا نہیں، مگر سے نکلنے کے بعد میں کب واپس آؤں گا تمہیں اس سے بھی کوئی سروکار نہیں ہوتا، تم نے غلطی سے بھی کبھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ میں گھر دیر سے کیوں آیا ہوں کیونکہ تمہیں میری پروا نہیں ہے اور یہ تم مجھے بہت پہلے ہی بتا چکی ہو، میں ہی اپنی حیثیت بھول کر تم سے شکایت کر جاتا ہوں، تمہارے پاس میرے لیے وقت ہی کہاں ہوتا ہے، گھر میں بہت سارے جمیلوں کے درمیان تمہیں چھوڑ کر نہیں جاتا مگر پھر بھی مجھے سوچنے کے لیے بھی تمہارے پاس وقت نہیں ہوتا، تم سے بات کرنے کے لیے مجھے پہلے تمہارے حزان کو جانچنا پڑتا ہے، تمہارے سامنے کو چھوٹنے کے لیے بھی مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، ایک گلاس پانی کے لیے بھی تمہیں کہنا پڑتا ہے۔“ سانس روک دے اسے دیکھ اور سن رہی تھی جو گزرے دنوں کا سارا غبار آج نکالنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

”تم نے مجھے پہلے یہ حیثیت کیوں نہیں بتائی کہ میں سانپ کی طرح کھینچی بدلتا ہوں، میری ایک شکایت

برداشت نہیں ہوئی تم سے، مگر میں اس وقت بھی اپنی محبت کی حقیر برداشت کرنے پر مجبور ہوں، وہ محبت جو تمہارے نزدیک صرف چند ٹھنڈوں اور دنوں کی عیاشی ہے، مگر میرے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے، میں تمہارا بوائے فرینڈ نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ اس گھر کو، پتہ کو اور بیڈ کو مشترک کر رہا ہوں، اپنے اور میرے رشتے کو تم نہیں پہچانا چاہتیں تو مت پہچانو، مگر خدا کے لیے میرے جذبات کی حقیر مت کیا کرو، میری عزت نفس کی دھجیاں مت اڑا کر دو۔“ ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو انگاروں کی طرح دھکتے چہرے کے ساتھ اپنی شکایتی نظروں اس پر سے ہٹاتا جا رہا تھا قدموں سے جگن سے نکل گیا تھا، دھماکے سے بند ہوتے مین گیٹ کی آواز نے اطلاع دے دی تھی کہ وہ گھر سے بھی نکل چکا ہے۔

☆ ☆ ☆

”کہاں رہ گئے تھے، میری کال بھی ریسیو نہیں کی تم نے، میں عارش کو کال کرنے والی تھی۔“ اسے اندر آنے کا راستہ دیتی وہ شدید پریشان لہجے میں بولی تھی، جواہر عثمان نے خاموشی سے گیٹ لاک کیا تھا اور اس کی جانب دیکھے بغیر سیدھا کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا، اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بیلا کی آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا تھا، گزرے تین دنوں سے عثمان کی خاموشی اور لاپرواہی کو وہ محسوس کر رہی تھی، وہ اسے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ گھر میں داخل ہوتا تھا کہ بیلا کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی وہ جانے کی، تین دن پہلے تک ایسا بالکل نہیں تھا۔

ہر صبح وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اسے خدا حافظ کہہ کر نکلتا تھا، اور واپس آنے پر بھی اس کا موڈ خوشگوار ہی ہوتا، سارا دن کی مصروفیات کی کوئی حکمت بیلا کو اس کے چہرے پر نظر نہیں آتی تھی مگر اب ایسا نہیں تھا، بیلا کے لیے تو یہ بھی برداشت کرنا مشکل تھا کہ وہ اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہا ہے، مخاطب بھی نہیں کر رہا ہے، اس کے گھر سے جانے کے بعد بیلا کو ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی کہ اسے کال کرے وہ خود ہی ہر ایک یاد دہشتے بعد اسے کال کر کے اس کی خیریت دریافت کرتا تھا، یہ کافر چند منٹ کی ہوتی تھیں مگر ان دنوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر رکھتی تھیں، بیلا کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ کس وقت کہاں ہے بالکل اسی طرح عثمان کو بھی معلوم ہوتا تھا کہ بیلا گھر میں کس وقت کیا کر رہی ہوگی، دوپہر کے ایک مخصوص وقت میں وہ گھر پر کال اس لیے نہیں کرتا تھا کہ اسے پتہ ہوتا تھا کہ بیلا اس وقت سو رہی ہوگی، مگر اب اتنے گہرے غفلت کی موجودگی میں عثمان کا یہاں بیلا کو شدید اضطراب میں مبتلا کر گیا تھا، گزرے تین دنوں میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ بیلا نے خود اسے کال کی، یہ نہیں کس خوف کے باعث وہ سوال نہیں کر سکتی تھی کہ کیوں وہ اسے کال کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکا، مگر اس کی نوبت بھی نہیں آتی تھی کہ عثمان نے خود ہی بتا دیا تھا کہ مصروفیات کے باعث وہ اسے فون نہیں کر سکا، اس کا یہ بھی انداز بیلا کی زبان عمل بند کر گیا تھا، مگر یہ سوال اس کے دل و دماغ کو مسلسل ایڈیٹ پہنچا رہا تھا کہ عثمان کے لیے باہر کی مصروفیات اس سے زیادہ اہم کیسے اور کب ہوگی؟ آج تو حد ہو گئی تھی، رات کے 2 بجے وہ واپس آیا تھا، نہ فون پر اسے وجہ بتانے کی زحمت کی نہ اس کی کال ریسیو کی، اور اب کسی بھی بات کا جواب دینا اس نے ضروری نہیں سمجھا تھا، ایسا کون سا گناہ سرزد ہو چکا تھا اس سے کہ وہ ایک حجت کے نیچے بھی اس کے لیے انجینی بن گیا تھا، اس کا غلط ٹوٹنے لگا تھا، وہ اس پر چڑھنا چاہتی تھی، اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ کس قدر اسے پریشان کر چکا ہے مگر... اس وقت وہ صرف یہی چاہتی تھی کہ کھانے پر کوئی بد مزگی نہ ہو۔ یہ ایک وقت کا کھانا ہی ان دونوں کو ساتھ کھانے کا موقع ملا تھا، کل بھی عثمان نے ٹھیک طرح کھانا نہیں کھایا تھا لہذا آج خاص طور پر بیلا نے کھانے میں اس کی پسند کا خیال رکھا تھا۔



نہیں پر کھانا لگا کر وہ بچن سے غلطی کرے تک آئی تھی مگر اگلے ہی بل وہ بری طرح دنگ ہوئی تھی، اسے تو یہی لگا تھا کہ عثمان ہاتھ لے چکا ہوگا، مگر وہ تو جوتوں سمیت بیڈ پر دراز تھا، آہٹ پر بھی اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر بیٹا کو نہیں دیکھا۔

”مان! کیا ہوا ہے، تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ تشویش ناک نظروں سے اسے دیکھتی وہ قریب گئی تھی مگر عثمان نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

”میں نے کھانا لگا دیا ہے، کھانے کے بعد سو جانا۔“ بیٹا کے مزید کہنے پر اس بار عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے، تم کھانا کھاؤ۔“ سرد لہجے میں بولتا وہ اٹھ بیٹھا تھا اور خاموشی سے اپنے جوتے اتارنے شروع کر دیئے تھے۔

”تم نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا، تم مجھے بتا دو کہ مجھ سے غلطی کیا ہوئی ہے مگر اس طرح مگر میں کھانا چٹا چھوڑ کر مجھے اذیت مت دو۔“ اس کے لرزے لہجے پر عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

”کیا صرف تم ہی اذیت میں ہو؟“ ایک جھٹکے سے اٹھتا وہ اس کے مقابل آیا تھا۔

”انسان اپنے گھر میں کیا صرف کھانے پینے کے لیے آتا ہے، اگر ایسا ہے تو یہ گھر بھی گھر نہیں، میرے لیے ایک سرانے ہے، کھانے اور سونے کے لیے میں اس گھر میں آتا ہوں، کیا یہی ضرورتیں ہیں میری؟ اگر یہ سچ ہے تو غلط بھی نہیں ہے، اس گھر میں اور رکھا ہی کیا ہے میرے لیے جس کے لیے میں لوٹ کر یہاں واپس آؤں؟“ اس کے یکدم ہی بھڑک اٹھنے پر بیٹا کی آنکھیں ہی نہیں چہرہ بھی دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

”ٹھیک کہا تم نے، اس گھر میں رکھا ہی کیا ہے تمہارے لیے جس کے لیے تم یہاں آنا چاہو گے۔“ دھندلائی نظروں سے اسے دیکھتی وہ واپس جانے کے لیے چلی تھی جب عثمان نے سرعت سے اس کا بازو پکڑ کر دوبارہ اپنے سامنے کیا تھا۔

”اپنے آنسو اس کو دکھاؤ جس کے پڑھائے گئے سبق تمہیں از یاد ہو چکے ہیں، جس کی پڑھائی گئی پٹیاں تم آنکھوں پر چڑھا کر میرے ساتھ زندگی گزار رہی ہو اور انہیں اپنی آنکھوں پر باندھ کر ان پر عمل بھی کر رہی ہو۔“ غصیلی نظروں سے اسے دیکھتا وہ بولا تھا۔

”اگر تمہیں خرمن کی بات اتنی ہی بری لگی تھی تو تم نے پہلے مجھ سے اس بارے میں بات کیوں نہیں کی؟ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے مجھے دوسروں کے بتائے گئے مشوروں پر عمل کرنے کا شوق ہے؟“ بیٹا نے شدید صدمے سے اسے دیکھا تھا۔

”مجھے ایسا سوچنے پر تم نے مجبور کیا ہے، تم خاموشی سے اس کی ہدایتیں سن رہی تھیں۔“ اس بار عثمان کا لہجہ بلند نہیں تھا مگر اس میں شکوے ضرور تھے۔

”اگر میں خاموشی تھی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں اس کی ہر بات سے متفق تھی، یہ میں اور تم جانتے ہیں کہ خرمن ہمارے ساتھ غلط ہے، اس کے مشورے صرف ہماری بھلائی کے لیے ہوتے ہیں۔“

”کتنا اچھا مشورہ دیا تھا اس نے، وہ کون ہوتی ہے میرے اور تمہارے درمیان حدیں لگانے والی؟“ عثمان کے لہجے میں ناگوارگی تھی۔

”اس نے ایسی کوئی حد نہیں لگائی ہے، اسے میری نہیں تمہاری فکر ہے، وہ چاہتی ہے کہ تم اپنی ساری توجہ اپنا کیرئیر بنانے پر رکھو، اسے خدشہ ہے کہ کل مجھ پر کوئی یہ الزام عائد نہ کرے کہ میری وجہ سے تمہارا مستقبل تباہ ہوا

ہے یا تم پر یہ الزام نہ لگے کہ تم مجھے بہتر زندگی نہیں دے سکے، اگر تمہیں اس کی کوئی بات ناگوار گزری ہے تو پہلے اس بات کے مقصد پر غور تو کرو، کیوں تم اس کی غلطی پر شک کر رہے ہو، اسے میرے اور تمہارے لیے جو بہتر لگتا ہے وہ کہتی ہے مگر اس نے یہ نہیں کہا کہ ہم وہی کریں جو اسے ٹھیک لگتا ہے، وہ بے وقوف نہیں ہے، جانتی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان کیا رشتہ ہے، وہ یا کوئی اور ہمارے درمیان حد نہیں لگا سکتا۔“ شدید تاسف سے اسے دیکھتی وہ بولی تھی۔

”میں جانتا ہوں کہ خرمن اور عارش سب سے زیادہ ہم سے غلط ہیں، میں ان دونوں کا احسان مند ہوں مگر میں کسی کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ وہ مجھے اور تمہیں حدوں تک محدود رکھنے کی بات بھی کریں۔“ اس کے غلطی لہجے پر بیٹا نے اسے دیکھا تھا۔

”اس گھر کے اندر تمہارے ساتھ ایک حد کے اندر اگر میں زندگی گزار رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں یہ بھولنے پر مجبور ہوں کہ تم میری بیوی ہو۔“ اس کے سنجیدہ لہجے پر بیٹا اس کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی۔

”میں جانتا ہوں کہ تمہیں کس قسمی اذیت سے گزر کر مجھ تک آنا پڑا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد اس اذیت سے نجات حاصل کرو، صرف اپنے اور میرے بارے میں سوچو، اس گھر میں اس نئی زندگی میں ایڈجسٹ ہونے کے لیے تمہیں وقت چاہیے جو کہ میں تمہیں دے رہا ہوں، میں خوش نہیں ہوں، ایک انسان ہوں، میں تمہارے ساتھ اپنی نازل زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ تم ہر طرح سے نازل ہو جاؤ اور صرف میرے بارے میں سوچو، جو کہ اس وقت تو تم نہیں سوچتیں۔“ بغور اس کے چہرے پر لہراتے سائے دیکھتا وہ بولا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے کہ میں نازل نہیں ہوں؟“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ پوچھ رہی تھی۔

”مجھے معاف کر دو، اپنی ناراضی میں، میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے، آئندہ مجھ سے یہ غلطی نہیں ہوگی۔“ اس کا سوال نظر انداز کر تا وہ شرمندہ لہجے میں بولا تھا۔

”آئندہ اگر تمہیں کوئی چیز ڈسٹرب کرے تو تم مجھ سے اس بارے میں بات کر لیتا، اس طرح خاموشی اختیار کر لینے سے بدگمانیاں مزید بڑھتی ہیں، میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر تمہاری لاتعلقی نہیں۔“

”میں واقعی شرمندہ ہوں۔“ عثمان درمیان میں بولا تھا۔

”مجھے کھانا دوبارہ گرم کرنا پڑے گا، تم پہنچ کر کے جلدی آؤ۔“ سنجیدگی سے اسے ہدایت دیتی وہ دروازے کی سمت بڑھی تھی۔

”پتہ نہیں، مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میرا انتظار ختم ہو چکا ہے، تم میرے ساتھ اس گھر میں ایڈجسٹ کر چکی ہو۔“ وارڈ روب کی جانب بڑھتے ہوئے عثمان نے مسکرائی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”شاید یہ غلط فہمی ہے تمہاری۔“ بمشکل مسکراہٹ چھپائے ہوئی وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

لنٹ سے باہر نکلتے ہی ایک بار پھر اس نے احمد حسین کی کال ریسیو کی تھی، وہ یقیناً اس کے گھر پہنچ جانے کا یقین کرنا چاہتے تھے۔

”میں گھر پہنچ گیا ہوں ماموں جان! بلکہ گھر میں ہی ہوں۔“ گھر میں داخل ہوتے ہوئے عارش نے ایک



اپنی نگاہ خرمین پر ڈالی تھی، اس کی سرخ آنکھوں نے عارش کو حیران نہیں کیا تھا۔  
 ”آپ کو یقین نہیں تو خود خرمین سے بات کر لیں۔“ عارش کی آواز پر وہ کچن کی طرف جاتی ایک پل کو روکی تھی۔

”مجھے بات نہیں کرنی۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر بولتی وہ سرعت سے آگے بڑھ گئی تھی یہ اور بات کہ اس کی بیگم ناراض آواز احمد حسین تک بخوبی پہنچ چکی تھی۔  
 شاور لینے کے بعد اس کی ناراضی بھی مکمل دور ہو گئی تھی اور غصہ تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب ڈرائیو کے دوران احمد حسین نے اسے کال کی تھی، احمد حسین سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کھانا کھائے بغیر نہیں سوئے گا اور یہ بھی کہ کھانا اسے خرمین کے ساتھ ہی کھانا ہے۔

کچن میں داخل ہوتے ہوئے اسے حیرت نہیں ہوئی تھی کہ خرمین ٹیبل کے گرد بیٹھی کھانے پر اس کا انتظار کر رہی تھی، یقیناً احمد حسین نے اس سے بھی کوئی وعدہ لیا تھا جب ہی تو وہ اتنی شانت اور خاموش تھی ورنہ آج تو یہ تھا کہ اپنے دل کا غبار نکالنے کے بعد وہ اس چیز کے لیے پریشان تھا کہ گھر واپس جا کر خرمین کے رد عمل کو کس طرح فہم کرے گا، اس کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کرتے کرتے وہ شاید آدھی رات ہی باہر گزرا دیتا، اگر احمد حسین کی مداخلت نہ ہوتی۔ اس وقت وہ دل سے ان کا ممنون تھا۔

کھانے کے دوران وہ چور نظروں سے اس کے تاثرات نوٹ کرتا رہا تھا جو کہ سپاٹ ہی تھے۔ پیشانی تک گرے پنک دوپٹے میں اس کی ستواں ناک اور آنکھیں بھی پنک ہو رہی تھیں، اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ خوب روٹی ہے، بے دلی سے کھانا ختم کرتے ہوئے وہ اب تمام محسوس کر رہا تھا، دوسری جانب خرمین بھی پلیٹ میں موجود بہت تھوڑی مقدار کے چاولوں میں چھپا دھڑا کر رہی تھی۔

بہت خاموشی کے ساتھ کھانا ختم کرنے کے بعد عارش نے ٹیبل سے کھانے کے برتن سینے میں اس کی مدد کی تھی، عموماً وہ یہ کام نہیں کرتا تھا، مگر اس وقت اپنی ہمدردی کا اظہار وہ اسی طرح کر سکتا تھا، ویسے خرمین سے اسے اس بے وقوفی کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس کی اور اپنی ناراضی کی وجوہات سے احمد حسین کو باخبر کر دے گی، مگر اسے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوا ہے اور اس میں تو کوئی شک نہیں رہا تھا کہ احمد حسین نے اس سے سختی سے باز پرس کی ہوگی۔

حسب معمول بیڈ پر جانے سے پہلے اس نے برش کیا تھا اور جب واشی روم سے باہر نکلا تب بھی خرمین کی آنکھیں ہوئی تھی، کچھ سوچ کر وہ بیڈ روم سے باہر آ گیا تھا، لیکن لائٹ آف تھی، لاؤنج میں بس فنیسی لائٹ کی مدھم روشنی پھیلی تھی، میسر پر آتے ہوئے وہ بس ایک گہری سانس لے کر رہ گیا تھا، موسم بدل رہا تھا اور رات کے اس پہر میں ہوا بھی کافی خشک ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ہر چیز سے بے نیاز میسر کے آہنی جھنگے سے پشت نکالنے ماربل کے چپکنے پر فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔

شانے سے پچھلے دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے خرمین نے اسے بس ایک نظر دیکھا تھا جو اس کے قریب ہی آ بیٹھا تھا۔

”ماموں جان کو کیوں بتا دیا تھا سب کچھ؟“ مدھم لہجے میں بولتے ہوئے عارش نے اس کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی تھی جو ہوا سے ٹکراتے تراشیدہ بالوں کی اوٹ میں تھا۔  
 ”انھوں نے فون کیا تھا، میں نے ان سے ایسی کوئی بات نہیں کی مگر جب انھوں نے تمہارا پوچھا تو میں

جھوٹ نہیں بول سکی، تم اتنی رات تک باہر نہیں رہتے ہو وہ تم سے بات کرنا چاہ رہے تھے اس لیے مجھے سب بتانا پڑا تھا۔“ رات کی تاریکی میں مدھم ہوتیں ساتھ کی لکیروں کو دیکھتی وہ اپنی آواز میں بولی تھی۔  
 ”مجھے بہت شرمندگی ہے خرمین امیں نے ادورری ایکٹ کیا تھا، میں بہت خوش تھا تمہارے لیے، مگر میں نے اپنے ساتھ ساتھ تمہاری خوشی کو بھی ملیا میٹ کر دیا۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ اتنا ہی بول سکا تھا۔

”تم نے کچھ غلط نہیں کہا تھا، اسی دن کے لیے میں نے چاہا تھا کہ تم اپنا فیصلہ بدل ڈالو، آج پچھتانے سے تو بہتر تھا کہ تم۔۔۔!“

”ایسا تم کو خرمین!“ اسے دھچکا لگا تھا جو فوراً اسے روک گیا تھا۔  
 ”میں مانتا ہوں کہ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا مگر جن سے محبت ہوتی ہے شکایت بھی تو ان سے ہی کی جاتی ہے۔“

”مجھے کیا معلوم محبت میں کیا ہوتا ہے کیا نہیں، میں کیا جانوں ان جذلوں کو؟“ تن لہجے میں بولتے ہوئے اس نے عارش کو دیکھا تھا۔

”بھئی، بھئی سوچنا ہوں کہ اچھا ہی ہے کہ تم انجان ہو محبت کے اندھیرے جالوں سے، تمہاری زندگی تمہاری سانسوں پر صرف تمہارا اختیار ہے۔“ مدھم لہجے میں بولتا وہ اس کی پیشانی پر ٹھہرتے سیاہ رنگی پردے سمیٹ رہا تھا۔

”اور کبھی شدت سے چاہت ہوتی ہے تمہاری آنکھوں میں اس جذبے کی تڑپ دیکھنے کے لیے جو میرے دل میں تمہارے لیے ہے۔“ بے پردہ ماہ نیم کو آنکھوں سے چومتا وہ بے اختیار ہورہا تھا۔

”بھئی تو میرے دل میں جھانکنے کی کوشش کرو، بھئی تو خود میری دھڑکتوں میں شامل ہونے کا ارادہ کرو، تم مجھے یہ یقین دو کہ میں وہی خواب ہوں جو کبھی تم نے دیکھا اور خود سے بھی چھپا کر رکھا ہے۔“ اس کے چہرے کو نرمی سے چھوتا وہ اس کی سانسیں روک رہا تھا، بشکل اس سے نظر جراتے ہوئے وہ چہرے کا رخ بدل گئی تھی، گہری سانس لے کر عارش نے اس کا سر دھاتھ تھام لیا تھا۔

”اب یہاں سے اٹھو، یہ شہنشاہ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔“ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ اسے بھی اٹھنے پر مجبور کر گیا تھا۔

”اگر میں نے ریڈیو جان کر لیا تو تمہیں نہیں لگتا کہ گھر کا نظام ڈسٹررب ہو جائے گا۔“ کبل خود پر پھیلاتے ہوئے خرمین نے اسے دیکھا تھا جو لائٹ آف کرتا ڈریسنگ کی سمت جا رہا تھا۔

”گھر کا نظام تو ساری زندگی سنبھالتے ہی رہتا ہے، خود بخود سب سیٹ ہوتا چلا جائے گا، ہاں مگر تمہیں میری ڈسٹرنس کے بارے میں ضرور سوچنا چاہیے۔“ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اس نے مسکرائی نظروں سے آئینے میں ابھرتے خرمین کے عکس کو دیکھا تھا۔

”امی تو بہت ناراض ہو رہی ہیں، انھیں لگتا ہے کہ تمہیں کہیں یہ سب ناگوار نہ گزرے۔“ بیک کراؤن سے پشت لگاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

”ان کا ناراض ہونا فطری ہے، تم ان کی فکر نہ کرو، میں اور ماموں جان ان کو سنبھال سکتے ہیں، تم بس اس ذمہ داری کے لیے خود کو تیار رکھو جو تمہارے سر پر آنے والی ہے۔“ عارش کے سلی ویسے پردہ بس خاموشی سے



اسے دیکھتی رہی تھی، پر فہم کا اس پرے خود پر کرنے کے بعد وہ بیڈ کی سمت آ رہا تھا۔  
 ”دیر سے سو رہا ہوں، اس لیے صبح واک کے لیے تو بالکل نہیں جاؤں گا، لہذا مجھے جلدی مت چکانا اور تم بھی اب سو جاؤ، مجھے ایسی خطرناک نظروں سے دیکھنا بند کرو۔“ نیکیے پر سر رکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔  
 ”سوئے سے پہلے میٹر برش کیوں کرتے ہو؟“ خرمن نے پوچھا تھا۔  
 ”اس لیے کہ فینڈ سے جب اچانک تمہاری آنکھیں کھلیں اور تم میری طرف دیکھو تو میرے خوبصورت میٹر اسٹائل سے تم نظر نہ ہٹا سکو، جنہیں اس پر لیس کرنے کا کوئی موقع میں ہاتھ سے جانے نہیں دینے والا۔“ ایک مسکراتی نظر عمارش نے اس پر ڈالی مگر جو دیر سے ہنسی تھی، اگلے ہی پل وہ عمارش کو حیران کر گئی تھی جب اس کے قریب ہو کر خرمن نے اس کے شانے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں۔  
 ”شب بخیر!“ اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے عمارش نے سرگوشی کی تھی اور پھر اپنے سینے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے پرسکون اعزاز میں آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆.....☆.....☆

مغرب کا وقت سر پر آ پہنچا تھا، گھر میں داخل ہوتا وہ بری طرح حواس باختہ تھا، فاروق آفس سے لوٹ آئے ہوں گے اور یقیناً عروسہ نے اس کی کشدگی کا واڈا ان کے سامنے بچا رکھا ہوگا، اب اسے اپنے باپ کے عتاب سے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔  
 آج کا جج سے فری ہو کر وہ سیدھا ایلا کی طرف چلا گیا تھا، راستے میں اس نے عروسہ کو فون کر دیا تھا کہ وہ اپنے دوست کے ساتھ کسی کام سے جا رہا ہے، غلطی یہ ہوئی کہ ایلا کے پاس پہنچ کر اس نے اپنا سیل فون آف کر دیا تھا، کیونکہ بغیر کسی ڈسٹنشن کے وہ ایلا کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔  
 فاران کی آمد کی خبر ایلا کو تھی، لہذا اس نے جج پر اہتمام کر لیا تھا، دونوں نے ساتھ کھانا کھایا اور اس کے بعد وریٹک ایلا سے باتیں کرتے ہوئے جانے کس وقت وہ گہری نیند سو گیا تھا، اس کی نیند ہمیشہ سے ہی خطرناک حد تک گہری ہوتی تھی سر ہانے دھول تاشے بھی بیچتے رہیں تو اسے کوئی خبر نہ ہوتی، گزرتے وقت کا احساس کرتے ہوئے ایلا نے چند بار اسے چگانے کی کوشش کی تھی مگر بے سود، شام کو گھر پر حمان کی آمد ہوئی تو اس نے ہی فاران کو بیدار کر کے گھر کی طرف واپس دوڑایا تھا۔  
 ”کہاں تھے تم اب تک، جنہیں ذرا اعزاز نہیں ہوا وقت گزرنے کا، میں یہاں فکر سے مر رہی ہوں اور تم اب آ رہے ہو؟“ عروسہ اسے دیکھتے ہی جج اٹھی تھیں مگر فاران کا چہرہ ان کی وجہ سے قح تھا جو سامنے ہی کھڑے چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔  
 ”میں اپنے دوست کے ساتھ تھا۔“ نظر جھکاتے وہ بے شکل بولا تھا۔  
 ”جھوٹ مت بولو فاران! تمہارے دوست خود جنہیں پوچھتے گھر تک آئے ہیں، ایسا کون سا دوست ہے تمہارا جس نے جنہیں گھر تک بھلا دیا۔“ عروسہ شدید غصے میں اس پر برسی تھیں۔  
 ”شہر کے حالات پہلے ہی بگڑے ہوئے ہیں، میری جان اب تک سو لی پر کافی ہے، فاروق تمہاری تلاش میں تمہارے دوستوں کے گھر تک گئے ہیں، فون کیوں آف تھا تمہارا؟“  
 ”میرا فون خود بخود آف ہو گیا تھا۔“ سر جھکاتے وہ بولا تھا۔  
 ”فاران! مجھے جج بتاؤ تم کہاں تھے اب تک، ورنہ میں تمہارا حشر لگا دوں گی۔“ عروسہ غصے میں چبھتی

تھیں۔

”کیوں سوال پر سوال کر رہی ہو اس سے؟“ فاروق کے سخت لہجے پر فاران ان کی جانب نہیں دیکھ سکا تھا۔  
 ”تم سوال کرتی رہو گی اور یہ جھوٹ پر جھوٹ بولتا رہے گا، اس کے چہرے پر لکھا ہے کہ یہ کہاں تھا اور کہاں سے واپس آ رہا ہے۔“ فاروق کے ناگوار لہجے پر عروسہ نے چونک کر فاران کو دیکھا تھا۔  
 ”میری ایک بات غور سے سن لو فاران!“ فاروق کا سختی لہجہ مدھم مدھم مگر جہاں رہا تھا۔  
 ”میرے منع کرنے کے باوجود اگر جنہیں ان دونوں سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے پہلے کہ میں جنہیں اس گھر سے بے دخل کروں تم خود اپنا سامان سمیت گھر ہمیشہ کے لیے ان دونوں کے پاس چلے جاؤ جو میری عزت کی دھجیاں اڑا چکے ہیں، اس گھر کے کسی فرد کو ان دونوں سے تعلق رکھنے کی اجازت میں نہیں دوں گا، جسے من مانی کرنی ہے اس کے لیے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں، یہ سب میں دہراؤں کا نہیں۔“ عیسیٰ نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتے وہ لاؤنچ سے نکل گئے تھے۔  
 ”کیوں گئے تھے تم وہاں؟ یہاں پہلے ہی کوئی سکون میں نہیں ہے، اپنے باپ کی نافرمانی کر کے تم کیوں میرا جینا حرام کر رہے ہو؟“ اس کا بازو جھجھکتے ہوئے عروسہ پھر جج اٹھی تھیں۔  
 ”آپ اپنا دل بچھڑ کرنے پر مجبور ہیں مگر میں ایسا نہیں کر سکتا لیکن جو بد احتیالی آج مجھ سے ہو گئی ہے آئندہ نہیں ہوگی، آپ پایا سے کہیں کہ میں شرمندہ ہوں وہ مجھے معاف کر دیں۔“ کچھ خود سری اور کچھ التجائی لہجے میں وہ ان کو راضی کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو شدید اضطراب میں مبتلا ہو چکی تھیں۔

☆.....☆.....☆

شاید بی وی کے والیوم نے اس کی نیند میں خلل ڈالا تھا، غنودگی میں کروٹ لیتے ہوئے اس کی آنکھیں ذرا کھلیں اور اگلے ہی پل وہ جھک سے رو گئی تھی، ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے اس نے اپنے ارد گرد دیکھا تھا، وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی، بلکہ کمرے سے باہر صوفے پر موجود میٹر گہرہ یہاں تک کب اور کیسے آ پہنچی؟ حق دق نظروں سے اس نے خالی میٹرز کو دیکھا تھا، حمان یقیناً بیدار ہو چکا تھا کیونکہ بچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں ابھر رہی تھیں، غائب دماغی سے چلتی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی پہلی نظر بیڈ تک گئی تھی، نیکیے کے پاس رکھا اس کا دوپٹا اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ حسب معمول کل رات بھی سونے سے پہلے اس نے دوپٹا اپنے سر ہانے رکھا تھا اور اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ بیڈ پر ہی سوئی تھی اس میں کوئی شک نہیں تھا، اس کا دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔

بھاپ اڑاتی جائے کنگ گلاس ٹیبل پر رکھنے کے بعد اس نے ٹیبل صوفے کے قریب سرکا لی تھی، اور پھر ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی جو بالکل بے تاثر چہرے کے ساتھ کمرے سے باہر آ رہی تھی۔  
 ”آج تم دیر تک سوئیں، میں نے سوچا جنہیں ڈسٹرب کرنے کے بجائے خود ہی ناشتہ تیار کر لوں، اب تم یہ آئیٹ کھاؤ اور پھر بتاؤ کیا بنا ہے؟“ خوشگوار اعزاز میں بولتے ہوئے حمان نے پلیٹ اس کے سامنے کی تھی جو گہری خاموشی کے ساتھ صوفے کے کنارے تک گئی تھی، بی وی اسکرین کی چاب بظاہر وہ متوجہ تھا مگر اس کی ساری توجہ ایلا کی طرف تھی، جس کی غیر معمولی خاموشی کو آسانی سے محسوس کیا جاسکتا تھا، چائے کے سب لیتے ہوئے بھی وہ جانے کس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔  
 ”کل رات بہت جیس تھا، شاید تم بھی گری سے گھبرا کر اپنے کمرے سے باہر آ گئی تھیں۔“ حمان کے سرسری



لجے پر بری طرح چوکتے ہوئے وہ اسے دیکھنے لگی تھی، عثمان نے خاص طور پر اس کے بدلے تاثرات نوٹ کیے تھے۔

”ہاں بہت ٹھن مچھوس ہو رہی تھی کمرے میں۔“ اس سے نظر ملانے بغیر وہ کچھ گھٹی آواز میں بولی تھی، چند لمحوں کے لیے عثمان اس کے زرد ہوتے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا تھا، ایک لمبے لمبے چاہا تھا کہ وہ بیلا سے پوچھے کہ وہ کیوں جھوٹ بولنے پر مجبور ہے؟ مگر وہ ایسا نہیں کر سکا تھا، کل رات موسم میں زردہ بالکل نہیں تھا۔ کل رات میں یہ تیسری بار تھا کہ جس میں اس نے بیلا کو نیند میں چلتے دیکھا تھا، پچھلی بار کی طرح کل رات بھی اس نے کمرے کا ایک پکڑ لگا یا تھا، عثمان خاموشی سے اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہا تھا، کل رات میں یہ ہوا تھا کہ وہ واپس اپنے کمرے کی طرف نہیں گئی تھی، وہیں صوفے پر دراز ہو گئی تھی، یہ اتفاق ہی تھا کہ عثمان صحن کے باوجود فوراً نہیں سو سکا تھا اسی لیے یہ سب اس کی نظروں میں پہلے کی طرح کل رات بھی آ گیا تھا، پہلی بار کے بعد عثمان نے دوبارہ اسے نیند میں چلتے دیکھ کر مخاطب نہیں کیا تھا، کل رات اسے صوفے سے اٹھا کر واپس کمرے میں پہنچانے کا ارادہ بھی اس نے ترک کر دیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ بیلا خود اس چیز کو محسوس کرے، اپنی پرالیم کو اس سے شیز کرے مگر اس وقت عثمان کو یقین تھا کہ بیلا کو اگر وہ اس بارے میں کچھ بتائے گا تو آج بھی وہ اسے غلط قرار دے ڈالے گی، حالانکہ اس کے چہرے سے اندازہ لگا تا دشا نہیں تھا کہ وہ اپنے بارے میں بہت مشکوک ہو چکی ہے، مگر وہ اس کے سامنے حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نظر نہیں آ رہی تھی، وہ حقیقت جسے یہ نہیں وہ خود سے چھپائے رکھنا چاہتی تھی یا پھر عثمان سے، بہر حال جو بھی تھا عثمان اس کے لیے پہلے سے زیادہ تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسٹیز سے اترتے چند اسٹوڈنٹس سے نظر ہٹا کر اس نے رپشن کی جانب دیکھا تھا۔  
”رپشن تو خالی ہے، اب کیا کریں؟“ ایک نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی سامنے لب کے کھلتے گلاس ڈور کی جانب جہاں سے وہ کافی تعداد میں پرنٹ آؤٹس ہاتھوں میں سنبالے باہر نکل رہی تھی۔

”ایکسکوز می“ عقب سے ابھرتی بھاری گھبر آواز پر وہ بری طرح چونک کر چلتی ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی، ایک کی پرشوش نگاہیں میزہ کا جائزہ لے رہی تھیں جبکہ وہ خود سیاہ لباس میں ملیں بارون کی رعب دار شخصیت سے مرعوب ہوئی اسی کی جانب متوجہ تھی۔

”یہاں ان کا ایڈمیشن کروانا ہے، اس کے لیے کس سے ملنا ہوگا ہمیں؟“ بارون کی سمت اشارہ کرتے ہوئے ایک یقیناً غیر سنجیدہ تھا جبکہ میزہ نے جہاں ان نظروں سے اس بلند قامت شخص کو دیکھا تھا۔

”عارش سے ملاقات ہو سکتی ہے؟“ ایک شخصیں نگاہ ایک پر ڈال کر وہ میزہ سے مخاطب ہوا تھا، جس نے کچھ الجھ کر ایک کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”ایڈمیشن کے لیے آپ کو سراسر سے ملنا پڑے گا مگر ابھی وہ کلاس لے رہے ہیں، آپ کو کس کورس کے لیے ایڈمیشن لینا ہے؟“ سنجیدہ سوالیہ نظروں سے میزہ نے ان دونوں کو ہی دیکھا تھا۔

”وہی کورس جس کی کلاسز آپ لیتی ہیں۔“ ایک فوراً ہی بولنا اسے دنگ کر گیا تھا۔  
”تم خاموش رہو گے یا نہیں؟“ اس بار بارون نے ایک کو گھر کنا ضروری سمجھا تھا۔

”عارش اس وقت مل سکتے ہیں یا نہیں؟“ بارون کے خشک لہجے نے میزہ کو کچھ خائف کیا تھا۔  
”آئیے۔۔۔“ کچھ روکھائی سے بولتی وہ آگے بڑھ گئی تھی، جبکہ ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔  
آفس میں اس وقت عثمان بھی موجود تھا، عارش نے ان دونوں کا بہت گرجوئی سے استقبال کیا تھا، اور اس کا چاک آند پر خوشگوار حیرت کا اظہار بھی۔

”ایک یہاں آنے کے لیے بہت بے چین ہو رہا تھا مگر میں نے اسے کہا تھا کہ میرے ساتھ چلنا، آج میرے پاس نام تھا جو ہمیں ڈسٹرب کرنے یا پہنچا۔“ بارون نے مسکراتے ہوئے عارش سے کہا تھا۔  
”کوئی ڈسٹرب نہیں کیا، ایک کے بہانے آپ کو بھی یہاں دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگا ہے۔“ عارش نے کہا تھا۔

”میں تو آپ کو یہاں دیکھ کر حیران ہوں، کم از کم آپ میرے دیدار کے لیے یہاں تک نہیں آ سکتے تھے۔“ عثمان نے کہا تھا۔

”تمہارا دیدار تو ہم روز ہی ریڈیو پر کرتے ہیں، تم تو وہاں کی رونق ہو مگر یہاں ہمارے آنے کی وجہ چھوٹے بھائی صاحب بنے ہیں، یہ عارش کو اپنی دوستی کا اعزاز دے چکے ہیں۔“

”اچھا تو تم مجھ سے میرا دوست چھیننے کی نیت رکھتے ہو۔“ عثمان نے شخصیں نظروں سے ایک کو دیکھا تھا۔  
”آپ ایسا ہی سمجھ لیجیے۔“ ایک ہنسا تھا۔

”کیا خیال ہے ایک ایسا ایڈمیشن لینے کا ارادہ ہے؟ ہماری دوستی اور مضبوط ہو جائے گی۔“ عارش نے پوچھا تھا۔

”ہرگز نہیں، پھر تو مجھے آپ کا بہت زیادہ احترام کرنا پڑے گا۔“ ایک نے فوراً کہا تھا۔  
”عارش! میری طرف سے تو تم زبردستی اسے یہاں ایڈجسٹ کر لو، کوئی تو ڈھنگ کا کام کرے گا یہ۔“

بارون نے کہا تھا۔  
”ویسے میں اس بارے میں سوچ سکتا ہوں، کیونکہ اس انسٹیٹیوٹ کا ماحول بہت انٹرننگ بھی ہے اور کافی کٹرفل بھی۔“ شرارتی لہجے میں بولتے ہوئے ایک نے ایک نگاہ دائیں جانب گلاس ٹیبل کے گرد بیٹھی میزہ کو دیکھا تھا جبکہ عارش کے ساتھ عثمان نے بھی حیران نظروں سے اس کی نظروں کے تعاقب میں میزہ کو دیکھا تھا جو اپنے پیچہ زکوٰۃ تیب دینے میں الجھی ہوئی تھی۔

”ایک! بہت زیادہ بولتے ہو تم، تہذیب کے دائرے میں رہو۔“ بارون نے اس کی بے باکی پر شرمندہ ہو کر ڈانٹا تھا۔

”آپ میرے دوست کو مت ڈانٹیں کیونکہ مجھے صرف اس کا مسکراتا چہرہ اچھا لگتا ہے۔“ ایک کے لگے چہرے پر عارش نے بارون کو یقین کی تھی اور دوبارہ ایک کو دیکھا تھا۔

”وہ میری کرن ہیں۔“ عارش کی اطلاع ایک کا رنگ اڑا گئی تھی۔  
”آئی ایم سوری!“ اس نے فوراً معذرت کی تھی۔

”بارون! آپ کے پاس ایسے کتنے بھائی ہیں؟“ عثمان نے ہنسنے ہوئے پوچھا تھا۔  
”بہتر زکوٰۃ تیب دیتے ہوئے وہ ان چاروں کی آوازیں سن بھی رہی تھی جو صوفوں پر براجمان باتوں میں مشغول تھے تب ہی ایک بار پھر اسے اپنے چہرے پر کوئی چیز محسوس ہوئی تھی، چونکہ اس نے سر اٹھایا تھا پہلی



نظر اس متنطبی کشش رکھنے والے شخص پر ہی ملتی تھی، مگر ان چاروں میں سے کوئی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ سر جھٹکتے ہوئے وہ دوبارہ پیچڑ کی طرف متوجہ ہوئی تھی، کچھ دیر بعد عثمان اس کی طرف آیا تھا اور کولڈ ڈرنک کا گلاس اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

”کیا یاد کرو گی، اپنا دل مار کر میں نے آدھا گلاس بچایا ہے تمہارے لیے۔“

”اس احسان کی بھی کیا ضرورت تھی، یہ بھی انڈیل لو اپنے حلق میں۔“ میزہ نے خشکیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”ایسی غیروں والی باتیں مت کرو میزہ! تکلیف ہوتی ہے دل کو۔“ اس کے غیر سنجیدہ انداز پر میزہ نے اسے دیکھا تھا جو جانے کے لیے پلٹ چکا تھا۔

”ڈوب کر مر جاؤ۔“ بے ساختہ ہنستے ہوئے میزہ یکدم رکی تھی، ہارون کی نظریں اپنے چہرے کی جانب دیکھ کر اس کی ہنسی غائب ہوئی تھی، وہ فوراً ہی عثمان کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، مگر میزہ کو اب تک کوئی چیز اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی، یقیناً وہی پریشانی لگا رہی جو کچھ دیر پہلے بھی اسے چونکتے پر مجبور کرتی رہی تھی، دھڑکتے دل کے ساتھ وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر آفس سے نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

میرس کی نیم تاریکی میں سرد ہوا کے جھوٹے اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے اس نے آسمان کو دیکھا تھا، آدھا چاند اسے ہر طرح سے مکمل روشن اور جگمگاہٹیں لٹاتا دکھائی دے رہا تھا، آسمان پر سجے لاقعد ستارے اسے آہستہ آہستہ اتر کر اپنے ارد گرد فضا کرتے دکھائی دے رہے تھے، پہلی بار اسے یہ دنیا بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی، شاید اس لیے کہ اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔

”بس آج کی رات گمنامی کی ایک آخری رات ہوئی، بس آج کی رات اور محرومیوں میں سانس لے لوں، اس کے بعد بھی پلٹ کر ان بے نام و نشان راستوں پر اپنے قدموں کے نقش تلاش نہیں کروں گی۔“ دل کو یقین دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی چمک اٹھی تھی۔

”اس رات کے اختتام تک تمام محرومیاں تمام دکھ درد مجھے ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دینے پر مجبور ہوں گے، کل کا سورج ایک نئے طور سے طلوع ہو کر میری دنیا میں اپنی کرنیں نکھیرے گا، اس دنیا میں سب کچھ ہوگا جو مجھے بھی اذیت میں جکاتا نہیں کرے گا، وہ سب کچھ ہوگا میرے لیے جس کے خواب دو عظیم مہربان ہستیوں نے میرے لیے دیکھ رکھے ہیں۔“ وہی دو بھتیوں اور شفقتوں کے پیکر جو درد ہو کر بھی اس کے دل کے ہر کونے میں موجود تھے، ان کا دیا ہوا اعتماد ان کی دعا میں ہر لمحہ اس کے ساتھ رہنے والی تھیں۔

گہری پرسکون سانس لے کر اس نے دوبارہ آسمان کی رونقوں کا جائزہ لیتا شروع کر دیا تھا، آج اسے یقین تھا کہ اس کی زندگی اس کا وجود باعثِ ذلت نہیں، قابلِ فخر ہے، یہ زندگی اس کے لیے ایک نعمت اور اللہ کا تحفہ ہے اور اب اسے اس تحفے کی قدر کرنی تھی۔

”بابا! آپ کی بیٹی کے پاس آپ جیسا دل اور حوصلہ نہیں ہے مگر آپ جیسا عزم ضرور ہے۔“ دل ہی دل میں وہ احمد حسین سے مخاطب تھی۔

”آپ جیت گئے، آخر کار آپ نے میرے قدموں کو دنیا کے ساتھ چلنا سکھایا دیا۔“

آؤیشن میں سلیکٹ ہو جانا اس کے لیے حیران کن تھا، بلاشبہ اس کامیابی میں اس کی محنت سے زیادہ عثمان

کی سپورٹ نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا، آج اس کی ٹریننگ مکمل ہو گئی تھی، تمام اسرار اور موزوں سے اذیر ہو چکے تھے، بہت اچھے ماحول کو آ پڑیٹھ اسٹاف سے اس کا سابقہ بڑا تھا، اس کی ڈائریکٹر بھی اسے بہت پسند کرنے لگی تھیں، چند ہی دنوں میں وہ اس ریڈیو اسٹیشن میں سب سے مکمل مل گئی تھی مگر ایک شخص کے علاوہ۔ ہارون نے اس کا آؤیشن لیا تھا اور اپنے انداز سے اس کی رہنمائی کرنے کے بعد اس کے لیے ٹاپنڈیہ ہسپتال بھی بن چکا تھا، ٹریننگ کے دوران چند ایک بار سرسری سا آمنا سامنا ہارون سے ہوا تھا، مگر ہر بار ہی اس پر نظر پڑتے ہی وہ عجیب جھنجھلاہٹ میں جکاتا ہوئی تھی، وہ دیکھ چکی تھی کہ عثمان سے ہارون کے تعلقات کتنے اچھے ہیں اور اسے یہ بھی پسند نہیں آیا تھا، لیکن وہ نظر انداز کر کے اس کام کی طرف متوجہ رہی تھی جس کے لیے اسے ریڈیو بلایا گیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خرمن بس اسے دیکھ کر وہ گئی تھی جو ہنوز سلیپنگ ایکسپریس میں سوار جانے کہاں سے کہاں نکل چکا تھا۔

وہ آج بہت خوش اس لیے بھی تھی کہ کل اس کا پہلا پروگرام آن ایئر جانے والا تھا، اسٹوڈیو کی ہاٹ سیٹ اور مائیک اس کے مختصر تھے، عارض جانتا تھا کہ وہ بہت خوش ہے، وہ اس کی خوشی میں شریک اس کا حوصلہ بھی بڑھاتا رہا تھا، مگر نیند کو خود پر حاوی ہونے سے روک نہیں سکا تھا، قصور خرمن کا ہی تھا، ریڈیو سے واپس آ کر وہ اتنی تکفیل سے سب کچھ اس کے گوش گزار کرتی کہ اسے روز سننے سننے عارض اب واقعی اس ریڈیو تارے سے بیزار ہو چکا تھا، آج تو حد ہو گئی تھی، گھر میں داخل ہوتے ہی عارض کو اندازہ ہو گیا تھا کہ خرمن بہت زیادہ ایکسائٹڈ ہے اپنے کل کے لائیشو کے لیے کھانے کے دوران وہ بے ٹکان بولتی رہی تھی، اپنے گھوٹے سر کو سنبھالتے ہوئے وہ توجہ سے اسے سنتے ہوئے فیصلہ کر چکا تھا کہ مناسب یہی ہے کہ وقت سے پہلے سو جانا چاہیے اور اس نے ایسا ہی کیا تھا، نیند کی وادی میں اترتے ہوئے بھی اس کی ساتھیوں سے خرمن کی جو بات مگرانی کی وہ یقیناً ریڈیو کے حوالے سے ہی تھی۔

اسے تو نیند آتی مشکل تھی مگر کروت بدلتے ہوئے اسے عارض پر شدید تاؤ آیا تھا، اس کی گہری نیند نے خرمن کو جلیس کر دیا تھا، ایک لمبے لمبے چاہا تھا کہ اسے جھجھو کر جگا دے مگر ہم سرخ روشنی میں بے سدھ گہری نیند میں ڈوبا وہ اتنا معصوم اور اچھا لگ رہا تھا کہ خرمن کو اس پر رحم آ گیا تھا اور شاید پیار بھی، اس کے شانے پر دھیرے سے سر رکھتے ہوئے وہ خود بھی سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کا سارا جوش و خروش اس وقت ماند پڑ گیا تھا جب پروگرام شروع ہونے سے چند منٹ پہلے ہی اس نے ہارون کو وہاں موجود پایا تھا، مگر اسے کسی بھی طرح نظر انداز کر کے خرمن کو خود کو میوزک کھانا تھا کہ بہر حال یہاں اس کے ساتھ ساتھ عثمان کی عزت کا بھی سوال تھا، بہت ساری بیٹ شہز کے ساتھ بلا خراس نے اسٹوڈیو میں اپنا پہلا قدم رکھ دیا تھا، کل ہی اس نے عثمان کے مشوروں کے ساتھ آج کے پروگرام کے لیے ایک بہت اچھا اور دلچسپ ٹاپک بھی رکھ لیا تھا، وہ ہر طرح سے تیار اپنا مائیک آن کر چکی تھی، بیک گراؤنڈ میوزک اشارت کرتے ہوئے اس نے اپنا ہیڈ فون ٹھیک کرتے ہوئے شیشے کے پار آ پریٹنگ روٹم میں موجود عثمان کو سب ٹھیک سے کا اشارہ دیا تھا، وہاں ہارون بھی موجود تھا مگر خود کو لائق ہی ظاہر کر رہا تھا، خرمن کے گریز اور اپنے لیے اس کی ٹاپنڈیہ کی کو وہ محسوس کرتا تھا اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ خرمن اس کی وجہ سے ڈسٹرب یا ٹیڈ ہو، لیکن پھر بھی وہ خرمن کی جانب متوجہ ہونے سے آج بھی خود کو روک نہیں پا رہا تھا، آؤیشن کے دن پہلی بار اسے دیکھنے کے بعد



# UHU®

## stic glue stick

The exclusive  
screw cap  
prevents  
the glue  
from drying.

UHU®  
stic  
glue stick  
lapiz  
adhesivo

solvent  
free  
in  
disolven-  
tes

UHU The World of Adhesives

سے اب تک وہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ اس لڑکی میں ایسی کون سی کشش ہے جو اسے اپنی طرف کھینچتی ہے، اس وقت بھی اسلٹن گلر کے نفس اسکارف میں قید اس کا چہرہ ہارون کو کسی اور جانب دیکھنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا، ہارون کے لیے یہ سچ ہے چینی کا سبب بھی تھا کہ ریڈیو اسٹیشن سے باہر یہاں تک کہ اپنے گھر میں بھی وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا تھا، خرمن کے بارے میں اسے بس اتنا پتا چلا تھا کہ وہ عثمان کی ریلیٹیو ہے، مگر وہ اس کے بارے میں اور کچھ زیادہ جاننا چاہتا تھا، شاید وہ اس کے لیے دنیا میں واحد ایک ایسی لڑکی تھی، جس سے بات کرنے کے لیے وہ تباہ تھا، مگر فطری جھجک اور اپنی ریزرو نیچر کے باعث وہ خود سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، جبکہ اسے اندازہ بھی تھا کہ خرمن جان بوجھ کر کتراتا ہے، آج وہ خاص طور پر خرمن کے پہلے پروگرام کی وجہ سے یہاں آیا تھا مگر وہ تو اس کی جانب دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔

بہت کامیابی کے ساتھ اس نے شو کے دو گھنٹے مکمل کیے تھے، ٹاپک سے ہٹ کر بھی لسز کا بہت زبردست رسپانس ملا تھا، آج اسے کالز نہیں ملنی تھیں، مگر میسجز لایو پڑھتے ہوئے اس کا اعتماد مزید بڑھ گیا تھا، پلے لسٹ اس کے لیے عثمان نے ہی ترتیب دے رکھی تھی، سائن آؤٹ کر کے جب وہ اسٹوڈیو سے باہر آئی تو اس کے قدم زمین پر نہیں تھے، سب سے مبارکباد وصول کرتے ہوئے اس نے عثمان کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں، آپرینٹنگ روم سے وہ ہارون کے ساتھ ہی اس کی طرف آرہا تھا۔

”کتنا بونی ہو تم، آدھے شہر کو پکا دیا تم نے“۔ عثمان جس طرح بولا تھا وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی جبکہ ہارون کی نظریں اس کے ہنسنے پر ساکت ہو گئی تھیں۔

”بہت اچھا شو گیا ہے آپ کا، مجھے یقین ہے کہ آپ کے لسز میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا“۔ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ہارون نے اسے مخاطب کیا تھا۔

”تھینک یو!“ زبردستی کی خوش اخلاقی سے خرمن نے اتنا ہی کہا تھا اور فوراً ہی سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

”شرمندہ کر دیا تم نے مجھے ہارون کے سامنے، کیا ہو جاتا اگر تم کچھ دیر اس سے بات کر لیتیں؟ آخر وہ تمہاری وجہ سے یہاں آیا تھا مگر تم نے ابھی سے پروفیشنل جیسی اپنے اور اس کے درمیان کھڑی کر دی ہے“۔

لفٹ سے باہر آتے ہوئے بھی عثمان مسلسل اس پر ناراض ہو رہا تھا۔

”مجھے اس سے کوئی جیسی وغیرہ نہیں ہے، مجھے یہاں کس سے کتنی بات کرنی ہے میں جانتی ہوں، نہ میں کسی کی خوشامد اس لیے کر سکتی ہوں کہ وہ مجھ سے کتنا سینئر ہے نہ ہی اس لیے کسی کے آٹھے پیچھے پھر سکتی ہوں کہ وہ نیورٹ پر سٹینڈی ہے“۔ وہ ٹاگواری سے بولتی عثمان کو ذرا بچ کر رہی تھی۔

پارکنگ میں عارش کے ہمراہ وٹلا اور نیزہ بھی اس کے استقبال کے لیے موجود تھیں، خرمن سے پہلے ہی وہ اس تک پہنچی تھیں۔

”دل خوش کر دیا تم نے، ہم تمہارا پروگرام سننے ہوئے ہی یہاں تک آئے ہیں“۔ نیزہ اس کے گلے لگتی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

”خرمن! میں تو تمہاری آواز ہی نہیں پہچان سکی تھی، کتنا زبردست ساؤنڈ کر رہی تھی“۔ وٹلا مزید بھی کچھ کہہ رہی تھی جسے سننے ہوئے خرمن کی نظر عارش تک لگی تھی جو سینے پر ہاتھ باندھے لیوں پہ دم مسکراہٹ سجائے جھکائی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، وہ اب اپنے سیل فون پر آئی کال ریسیو کر رہی تھی جبکہ عارش اپنی طرف آتے عثمان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

(جاری ہے۔)



## ہر رات میں میری راتیں ہوتی ہیں

پتہ نہیں کیوں آج کل بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی، دن کی روشنی میں ان کے اندر پھیلے اندھیرے ان کے اندر ہی سٹے رہتے تھے، مگر ہر رات کے آخری پہرے میں یہ اندھیرے آزاد ہو کر رات کی تاریکی میں مدغم ہو کر



ان کے ارد گرد ہر جگہ پھیل جاتے تھے، اور اس اندھیرے میں سوائے ایک چہرے کے وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

قریب سوئے ہوئے فائز کا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹا کر انھوں نے احتیاط سے اس کے قریب رکھا تھا، اور اس ٹخن سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں وہ کمرے سے باہر نکل آئے تھے مگر... نجات نہیں تھی، وہ جانتے تھے، لاؤنچ میں رکھے ہوئے چند لمحوں تک اس کمرے کی جانب دیکھتے رہے تھے جس کا دروازہ عمل بند تھا، ان کا دل کسی آہنی شکنے میں جکڑنے لگا تھا، ایک ان ویسی طاقت آج ان پر اس طرح غالب ہوئی تھی اس کمرے تک لے گئی تھی کہ انھیں خود پتہ نہیں چلا تھا، دروازہ کھولتے ہوئے ان کے ہاتھ کی لرزش نمایاں تھی، کمرے کے اندر بھی وہی تاریکی تھی جو اس وقت ان کی آنکھوں میں تھی، لائٹ آن کرتے ہی کمرہ روشن ہو گیا تھا، مگر پھر بھی ان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا یا پھر جو وہ دیکھنا چاہتے تھے اس کا وجود یہاں تھا ہی نہیں، دل کا اضطراب ان کی جلتی آنکھوں میں ابھرا آیا تھا، ان کی آنکھوں نے کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جسے





چھو کر وہ اپنے اضطراب کو کچھ کم کر سکیں لیکن ایسا کچھ بھی تو نہیں چھوڑا تھا اس نے، اپنے پیچھے کوئی نشان تک نہیں بکھریا تھا کہ انھوں نے خود اس کے نقش ان دروازے سے اس گھر کے ایک ایک کونے سے گھرنے ڈالے تھے، اگر کچھ باقی تھا تو صرف وہ زخم جو وہ ان کے دل پر لگا رہی تھی۔

ایسے زخم جن کو اب دنیا کی کوئی خوشی مندلی نہیں کر سکتی تھی، ان زخموں کو آہستہ آہستہ اب ان کے دل کا ناسور بن جانا تھا، دل کی اذیت بڑھتی جا رہی تھی، جیسے جیسے قدموں کے ساتھ بیڈ کے قریب جاتے ہوئے انھوں نے جانے کیوں بے شکن چادر پر ہاتھ پھیرنا چاہا تھا، مگر پھر جیسے انداز میں ہی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئے تھے، ان کے کندھوں پر ناقابل برداشت بوجھ بڑھتا جا رہا تھا، ایک جتنی آواز ان کے سینے کا درد بڑھا رہی تھی۔

”شرم آتی ہے مجھے آپ کو اپنا بھائی کہتے ہوئے“۔ کسی نے ان کی پشت پر کوڑا مارا تھا۔

”میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں۔“

”ناعزم ہیں آپ میرے لیے۔“

”کیا منہ دکھائیں گے آپ میرے ماں باپ کو؟“

”آپ کے سینے میں کچھ نہیں سوائے پتھروں کے۔“ ایک کے بعد ایک کوڑے ان کی پشت پر گھسے انھیں زمین میں دفن کر رہے تھے، دروازے پھٹتا ہوا تھا ان کی آنکھوں سے سلاخا دوا بہہ لگا تھا، اس لاوے کی دھبہ وہ آسمان بھی کم نہیں کر سکتا تھا جو وہاں دھار پانی برسا رہا تھا، باہر بادلوں کی ٹھن گرج جا رہی تھی، مگر بارش صرف باہر نہیں ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

میرس کے چوہنٹ کھلے دروازے سے زوردار کڑا کے سے چمکتی بجلی کی روشنی و قافو قفا اندر داخل ہو رہی تھی، آسمان گرج چمک کے ساتھ برس رہا تھا مگر اس کی گہری نیند میں کوئی خالی نہیں آیا تھا، وہ تو ان قیدموں کی بے آواز حرکت سے بھی انجان تھا جو اس کے سر ہانے سے گزرتے آہستہ آہستہ میرس کے کھلے دروازے کی سمت بڑھتے جا رہے تھے۔

یکدم کھلتی آنکھوں کے ساتھ اس نے اپنے وجود کو تیز بارش میں بھیسکا پایا تھا۔ چار سمت تاریکی کا ٹدار ہوا کے جھکڑ، خوفناک چمکھاڑوں کے ساتھ آسمان پر بجلی چمکی تھی، اور اس بھیا تک منظر نے اس کے حواس کم کر دیے تھے۔

بلند اذیت ناک چیخوں نے عثمان کو بڑا کراٹھنے پر مجبور کیا تھا، ایک پل کے لیے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ سرعت سے میرس کی طرف دوڑا تھا، دروازے کے قریب وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا تھا، سامنے ہی گہری تاریکی میں برسی بارش میں وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے تھی، اس کی دلخراش چیخوں نے عثمان کو ہلا کر رکھ دیا۔

”ہیلا...!“ بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے وہ اس کی سمت گیا تھا اور اگلے ہی پل اس کے لرزے کا نیچے وجود کو بازوؤں کے گھیرے میں لیتا برقی رفتاری سے واپس اندر لے آیا تھا، یہ کوئی خوف تھا یا کچھ اور بلند آواز میں روتی جتنی وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتی بے قابو ہو رہی تھی، عثمان کے لیے مشکل ہو رہا تھا اسے سنبھالنا لہذا اس کے روتے پھلتے وجود کو مضبوطی سے سینے میں چھپائے وہ اس کے شانت ہونے کا انتظار صبر و تحمل سے کرتے لگا تھا، وہ شانت ہوئی تھی یا نہیں مگر اس کی یکدم بند ہوتی چیخوں اور بے جان غافل

ہوتے وجود نے عثمان کے ہوش ضرور آزاد کیے تھے۔

جیسے تر ہر لباس میں اس کا وجود برف کی طرح بے اور خمد ہو چکا تھا، لمحے کی مانند سفید چہرہ نیلا پڑ رہا تھا، اس کے بے سدھ وجود کو وہیں صوفے پر لٹاتے ہوئے عثمان نے دو سہل اس پر پھیلائے تھے اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے سہل فون کی طرف بڑھا تھا، اس لمحے فجر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں اور عثمان کو یقین تھا کہ خرمن بیدار ہو چکی ہوگی۔

”عثمان! سب خیریت تو ہے؟“ خرمن کی گہرائی آواز نے اس کا ضبط ختم کر دیا تھا۔

”اگر بیلا کو کچھ ہو گیا تو میں بھی خود کو معاف نہیں کروں گا اور اس شخص کو تو قیامت تک نہیں جس نے میری زندگی کو درد ہم برہم کر رکھا ہے۔“ شدید اشتعال میں وہ بھڑک اٹھا تھا۔

”ہوش میں آؤ عثمان! مجھے بتاؤ بیلا کو کیا ہوا ہے؟“ خرمن دہل کر چیخ اٹھی تھی۔

”وہ ٹھیک نہیں، یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے، تم کسی طرح یہاں آ جاؤ، ابھی اسی وقت درندہ میں پاگل ہو جاؤں گا، پلیز آ جاؤ۔“ عثمان کے ٹوٹے ٹکڑے لہجے نے خرمن کا دل بھی میں بکڑا تھا۔

”ریشیاں مت ہو، ہمت رکھو، میں بس ابھی نکل رہی ہوں عارض کے ساتھ۔“ خرمن نے غلٹ میں کہہ کر لائن ڈسٹیکٹ کی تھی، گہری سانس لیتے ہوئے وہ دوبارہ اس کی طرف آیا تھا جو خود آگ میں جلتی اسے بھی انگاروں پر دھکیل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

پیشانی پر محسوس ہوتے لمس پر اس نے ذرا آنکھیں کھول کر خود پر جھکے خرمن کے چہرے کو دیکھا تھا۔ ”بخار اب بہت کم ہو چکا ہے، آرام سے سو جاؤ، میں یہیں ہوں تمہارے پاس۔“ خرمن کے مدھم لہجے پر اس کی آنکھیں بند ہوئی تھیں، اس پر کھل ٹھیک کرتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور پھر رک کر اسے دیکھا تھا جو صوفے پر نیم دراز کسی سوچ میں غرق تھا۔

”عثمان...!“ خرمن کی آواز پر وہ چونک کر متوجہ ہوتا سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

”کچن میں ہی آؤ گے یا یہیں ناشتہ لے آؤ؟“

”نہیں، میں صرف چائے لوں گا۔“ سنجیدگی سے بولا وہ صوفے سے اٹھا تھا۔

”انسٹیٹیوٹ جانے کی ضرورت نہیں ہے، عارض تاکید کر گیا ہے لہذا پہلے اپنی نیند پوری کرو۔“ چائے کا گگ اس کے سامنے رکھتی وہ اس کے سامنے ٹھیل کے گرد بیٹھ گئی تھی، جواہر عثمان بس خاموشی سے گگ میں سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتا رہا تھا۔

”مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی، جب تم خود کو اور بیلا کو اس شخص سے الگ کر چکے ہو تو اس شخص کو اپنے معاملات میں کیوں مھیٹ لاتے ہو؟“ خرمن کے سنجیدہ لہجے پر اس کے تاثرات تن گئے تھے۔

”میں نے اس شخص سے بیلا کو بھی الگ نہیں کرنا چاہا تھا، اس شخص نے خود بیلا کو اپنی زندگی، اپنے گھر سے نکالا تھا۔“ سچ لہجے میں وہ یاد دل رہا تھا۔

”انھوں نے جو کیا سو کیا مگر تم نے کیا کیا ان کے ساتھ، کبھی اس بارے میں سوچا تم نے؟ جو من مانی تم دونوں نے کی اس کے بعد انھوں نے جو کیا اگر تم ان کی جگہ ہوتے تو تم بھی وہی سب کرتے۔“

”مجھے من مانی پر مجبور کس نے کیا تھا؟“ وہ بڑے تاثرات کے ساتھ ہی بولا تھا۔



یہ سب جانتے ہیں، میں بھی۔

”پھر بھی تمہیں میں ہی غلط نظر آتا ہوں۔“

”میں مان لیتی ہوں کہ تم اپنی جگہ ٹھیک ہو، مگر کیا تمہیں اپنی زندگی میں سب کچھ ٹھیک نظر آ رہا ہے؟“ خرمن نے سوال پر وہ بس خاموشی سے جانے کے سب لے رہا تھا۔

”تم جس چند لمحوں کے لیے خود کو فاروق بھائی کی جگہ رکھ کر ان کی تکلیف کا اندازہ لگاؤ، آج وہ ایک ایسے انسان ہیں کہ جس کی بہن کسی اور شخص کے لیے انہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکی ہے اور اب وہ تنہا اس دولت کا پوچھا اٹھا رہے ہیں، کسی سے نظر ملانے کے قابل وہ نہیں رہے، مگر پھر بھی دنیا کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں، کیسی کیسی نظروں اور سوالوں کا سامنا انہیں کرنا پڑ رہا ہوگا، وہ کس اذیت میں زندہ ہیں ایک بازار کا اندازہ تو کرو، میں نے ان کی آنکھوں میں اذیت دیکھی ہے، ان کی آواز میں درد کو محسوس کیا ہے، میں تم سے یہ نہیں کہتی کہ تم اپنے اقدام پر سر پکڑ کر کچھتاتے رہو، اپنی زندگی کے لیے تمہیں جو بہتر لگتا تم کر چکے ہو، مگر اب جتنے لوگوں کی زندگی تم دونوں سے بھی وابستہ رہی ہے ان کے لیے بھی کچھ بہتر کرنے کا عزم خود میں چکا، میں جانتی ہوں تم خود غرض نہیں ہو، تمہیں ان سب کی پروا آج بھی ہے جو تمہیں چھوڑ چکے ہیں۔“ خرمن بہت نرم لہجے میں سمجھانے والے انداز میں بولتی جا رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ لوہا گرم ہے اور یہی وقت مناسب ہے۔

”اس میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ تم بیلا سے محبت کرتے ہو، مگر محبت رشتوں کو توڑتی نہیں ہے، ٹوٹے رشتوں کو بھی جوڑ دیتی ہے، ان کو اور مضبوط کرتی ہے، اتنے قریبی اور عزیز رشتوں کو ناراض رکھ کر تم بیلا کے ساتھ ایک مکمل زندگی نہیں گزار سکو گے، اس حقیقت کو آج نہیں تو کل تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا، تو بہتر ہے کہ وقت گنوانے کے بجائے آج قبول کر لو، اپنوں سے کٹ کر تم پوری طرح مطمئن رہ سکتے ہو نہ بیلا کو رکھ سکتے ہو، تم اس کے قدموں میں دنیا کی دولت اور خوشیوں کا ذخیرہ بھی لگا دو مگر کوئی چیز اس غلش کو ختم نہیں کر سکے گی جو آج بھی اس کے دل میں ہے، وہ تمہیں مطمئن رکھنے کے لیے کتنا ہی خوش نظر آئے مگر شایع سے جدا ہونے کے بعد پھول زیادہ عرصے تک نہ اپنے رنگ پر قرار رکھ سکتا ہے نہ خوشبو، صرف تم اسے مرجھانے سے بچا سکتے ہو عثمان تمہاری محبت تم پر بڑے داری عائد کرتی ہے کہ اسے زندہ رکھو، بیلا کے لیے تم سب کچھ کر سکتے ہو تو اس کے لیے ان سب کو راضی کیوں نہیں کر سکتے جن کے بغیر نہ صرف وہ احمق رہی ہے بلکہ تم بھی۔“ اپنے لفظوں پر زور دیتی وہ خوراس کے تاثرات بھی نوٹ کر رہی تھی جو یک ٹک ٹھیل کی سطح کو دیکھتا بالکل خاموش تھا۔

”اپنے ماں باپ کو ناراض رکھ کر تم بھی تو مصنوعی خوشی کا اظہار کرتے ہو کیونکہ ان کی قلبی تعلق تمہارے دل کے لیے تکلیف کا باعث ہے، تو پھر بیلا سے تم کس طرح یہ شکایت رکھو گے ہو کہ وہ اپنے دل کا درد اپنے تم سے چھپاتی ہے؟ اب تمہیں کوئی خدشہ نہیں ہے تم بیلا کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ اب تمہارے پاس ہے، کوئی اسے تم سے الگ نہیں کر سکتا، اس اعتماد کے ساتھ ان سب کو راضی کرنے کی کوشش کرو، جن کے سامنے سر جھکانے سے تمہارا قد چھوٹا نہیں ہو جائے گا، مجھے تم سے یہی امید ہے کہ تم میری ان سب باتوں پر غور کرو گے اور کوئی مثبت قدم اٹھاؤ گے، کچھ وقت لگے گا مگر تمہارے بڑے قدم ایک دن ان سب کو رام کر لیں گے جو آج نا تم سے روٹھے ہوئے ہیں۔“ خاموش ہو کر وہ چند لمحوں تک اس کے کچھ کہنے کی منتظر رہی تھی مگر وہ سوچوں کے جس جال میں الجھا تھا، خرمن کو یہی بہتر لگتا تھا کہ اسے سوچنے دے۔

☆.....☆.....☆

خیندہ سے یوں حمل ہوتی آنکھوں کے باوجود وہ اپنے بال سنوارنا نہیں بھولا تھا، پھر برش واپس ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے اس نے ایک نگاہ خرمن پر ڈالی تھی جو جامہ نماز پر اس وقت دعا مانگتے کے لیے ہاتھ اٹھا چکی تھی۔

”خرمن کی دعا میں نماز سے تنہا گزارا یادہ طویل ہوتی ہیں۔“ مسکراتے لہجے میں کل ہونے کی ایک کوشش کرتا وہ بیڈ کی سمت بڑھ گیا تھا، کچھ دیر پہلے ہی وہ دونوں عثمان کی طرف سے واپس آئے تھے، بیلا کی طبیعت شام تک کافی بہتر ہو گئی تھی مگر خرمن کے منع کرنے کے باوجود عثمان ریڈ یو اسٹیشن چلا گیا تھا، لیکن واپسی اس کی وقت سے پہلے ہوئی تھی، لہذا کھانا سب نے ساتھ ہی کھایا تھا۔

کلجے پر اس نے ابھی سر رکھا ہی تھا کہ سیل فون کے پیچھے پر اسے واپس اٹھنا پڑا تھا، ایک کی کال نے اسے حیران نہیں کیا تھا۔

”آپ آج آن لائن نہیں ہوئے تو سوچا کال کر لوں مگر یہ بھی یقین نہیں تھا کہ میری کال ریسپو ہو جائے گی کیونکہ رات کے 1 بج رہے ہیں اور آپ تو 12 بجے ہی خیندہ کی فلاح پکڑ لیتے ہیں۔“ خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد حسب عادت وہ نان اسٹاپ بولا تھا۔

”دراصل آج میں ایک دوست کی طرف تھا، مگر بھی دیر سے واپس آیا ہوں، اچھا ہوا تم نے بروقت کال کی ورنہ میں کچھ ہی دیر میں سوئے والا تھا۔“

”پھر تو میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا مگر اس چیز پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“ ایک کے فوراً ہی کہنے پر وہ دھڑکے سے ہنسا تھا۔

”بارون خیریت سے ہیں؟“ ایک نگاہ خرمن پر ڈالتے ہوئے اس نے آواز دھم ہی رکھی تھی۔

”وہ بالکل خیریت سے ہیں، ابھی ریڈ یو سے ان کی واپسی ہوئی ہے، میں نے ہی بتان میں جا کر ان کے لیے کھانا گرم کیا ہے جسے ابھی وہ تناول کر رہے ہیں، اب مجھے یہ فکر ہے کہ وہ مجھ سے کافی بنانے کی فرمائش نہ کر دیں۔“ وہ کوفت سے ہنسا رہا تھا۔

”تم اتنے سکڑ ہو، مجھے تو یہی نہیں تھا۔“ عارش نے مسکراتے لہجے میں کہا تھا۔

”ہوئی نہ جاؤں میں سکڑ، وہ تو عجب میں مجبور آنا پڑتا ہے، بڑے بھائی کا حکم نہ مان کر مجھے سڑک پر سیرا نہیں ڈالنا۔“ وہ خشکیں لہجے میں بولا تھا۔

”ویسے وہ حکم بھی اتنے پیار سے دیتے ہیں کہ ماننا پڑتا ہے، ماما نے انہیں بہت بگاڑ رکھا ہے، خود سے وہ کھانا پلیٹ میں بھی نہیں نکال سکتے، ان کے سامنے سجانا پڑتا ہے، خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھا لیتے ہیں، اگر رات میں، میں ان کے لیے کچن میں نہ جاؤں تو وہ کھانا کھائے بغیر ہی سو جائیں، ویسے روز ایسا نہیں ہوتا جس دن امی ان کی واپسی سے پہلے سو جاتی ہیں تب ہی ایسا ہوتا ہے کیونکہ وہ انہیں ڈسٹرب نہیں کر سکتے جیسے کہ میں آپ کو کر چکا ہوں۔“ وہ بغیر رکے تصدیق بولا تھا۔

”کوئی بات نہیں، تمہاری باتیں اس وقت سلیپنگ پلو کا کام کر رہی ہیں، مجھے بہت شاعرانہ خیندہ آئے گی۔“

عارش کے کہنے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

”میں آپ کے پاس آنا چاہتا تھا مگر آپ تو معروف اتنے رہتے ہیں، آفس پھر انٹیلیٹیوٹ، بندہ کس وقت ملے آپ سے؟“ وہ شکایت کر رہا تھا۔

”بندہ مجھ تک آنے والا ہے پہلے، وقت کل ہی آئے گا۔“ عارش نے کہا تھا۔



”میں تو کسی بھی وقت دعا قبول کر سکتا ہوں مگر آپ تو میرے انوائسٹ کرنے کے باوجود نہیں آئے میرا گھر  
میلوں دور تو ہے نہیں۔“

”اب تم مجھے شرمندہ مت کرو، میں ضرور آؤں گا اور جلد ہی۔“

”ٹھیک ہے، میں یقین کر لیتا ہوں، اب آپ سو جائیں، مجھے بھائی صاحب کی آواز آرہی ہے، کافی  
بغائے بغیر جان نہیں چھوڑیں گے وہ۔“ ایک کے کلمات میں کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہہ دیا  
تھا، فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے عارش نے اسے دیکھا تھا جو جاہ نماز تہہ کرتی تیز لگا ہوں سے اسے ہی دیکھ  
رہی تھی۔

”آخری بار کہہ رہی ہوں، آئندہ کبھی میری نماز یاد عارض غفلت مت ڈالتا۔“ وہ ناگوار لہجے میں تاکید کر  
رہی تھی۔

”میں کہاں غفل ڈالتا ہوں، میں تو جنہیں یاد دلاتا ہوں کہ اللہ نے اپنا ایک حسین ترین بندہ تمہارے  
حوالے کر دیا ہے، کچھ وقت اسے بھی دے دیا کرو۔“ مسکراتی نظروں سے وہ اسے دیکھتا ہوا بولا تھا، جولائسٹ  
آف کرتی اپنی جگہ پر آگئی تھی۔

”مرد، اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوتا ہے، اسی لیے عورت کے لیے کوفت کا  
باعث ہوتا ہے۔“ ٹیکہ درست کرتے ہوئے وہ تنبیہ کی سے بولی تھی۔

”سنہری حروف سے لکھا جائے گا تمہارا یہ قول۔“ عارش کے خشکیں لہجے پر وہ بمشکل مسکراہٹ چھپا سکی  
تھی۔

”کس کا فون تھا؟“ ٹیکے پر سر رکھتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

”میرا دوست تھا۔“ مختصر جواب دیتے ہوئے عارش نے کبھی اس پر پھیلا دیا تھا۔

”تمہارے کسی دوست کا فون 12 بجے کے بعد نہیں آتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ تم اس وقت سو رہے  
ہو تے ہو، کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے جو اس وقت کال کی؟“ خرمین کے تشویش زدہ لہجے پر عارش نے  
ایک نظر پریشانی تک دوپٹے میں چھپے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”نہیں، کوئی ایسی بات نہیں۔ بس ایسے ہی خیر خیریت دریافت کرنے کے لیے اس نے کال کی تھی۔“  
عارش کا جواب سن کر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

”عارش! جنہیں ٹھیک لگ رہا ہے وہ جو عثمان نے کہا تھا؟“ خرمین کے سوال پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا  
تھا۔

”بیلا پتہ نہیں کیا سوچے گی، مگر عثمان تو پوری طرح سنجیدہ ہے اسے سائیکا ٹرسٹ کے پاس لے جانے کے  
لیے۔“

”میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، مان نے جو کچھ بتایا ہے اس کے بعد کچھ کہا نہیں جاسکتا، بیلا کے  
لیے وہ زیادہ بہتر فیصلہ لے سکتا ہے، اس نے کچھ دیکھا ہے، محسوس کیا ہے تب ہی تو یہ ارادہ کیا ہے۔“ وہ تنبیہ کی  
سے رائے دے رہا تھا۔

”اسے لگتا ہے کہ بیلا اپنے دل کی بات اس لیے عیاں نہیں کرتی کہ کہیں عثمان کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے، وہ سمجھتا  
ہے کہ بیلا کو کونسلنگ کی، کتنا حسرت ہے، ورنہ وہ اسی طرح اندر ہی اندر کھتی رہے گی۔“ وہ کچھ

انہر کی سے بول رہی تھی، مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا بیلا کی ذہنی حالت کا، وہ تو مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتی، وہ  
مجھ سے تو کھل کر ہر بات کر سکتی ہے۔“

”جنہیں کیا لگتا ہے؟“ عارش نے اس سے پوچھا تھا۔

”مجھے لگتا ہے کہ کسی سائیکا ٹرسٹ سے زیادہ بیلا کو عثمان کی ضرورت ہے، بلکہ ان دونوں کو ہی آپس میں ہر  
معاملے پر بات کرنے کی ضرورت ہے، وہ دونوں ایک دوسرے کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور سنبھال بھی  
سکتے ہیں۔“ وہ بولی تھی۔

”تم نے مان سے کچھ کہا؟“

”ابھی تو میں نے اسے روک دیا ہے کہ بیلا کی طبیعت مکمل بہتر ہونے تک اپنا ارادہ اس پر ظاہر نہ کرے،  
وقت اور موقع دیکھ کر کوئی قدم اٹھائے، اب میں اسے حکم تو نہیں دے سکتی کہ وہ بیلا کو کسی سائیکا ٹرسٹ کے پاس  
نہ لے جائے، کچھ بھی ہے آخروہ اس کی بیوی ہے اور میں ایک حد کے اندر رو کر ہی ان کے معاملات میں دخل  
اندازی کر سکتی ہوں۔“ وہ تنبیہ کی سے بولی تھی۔

”میں کہوں گا مان سے کہ اگر بیلا اس کی بات مان کر سائیکا ٹرسٹ سے ملنے کے لیے تیار ہوتی ہے تو ٹھیک  
ہے ورنہ اس کے ساتھ زبردستی نہ کرے۔“ عارش کے کہنے پر اس نے بس تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

شٹی ہال میں بک فینیل شروع ہو چکا تھا، فینیل کے پہلے دن تو وہ وقت نہیں نکال سکی تھی، مگر آج  
دوسرے دن وہ یہاں موجود تھی، ہر اسٹال پر بہت تالیب اور ہر موضوع سے متعلق کتابوں کا خزانہ موجود تھا،  
اسے تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کون سی کتاب خریدے، اسے اپنی ملائی کا احساس ہو رہا تھا کہ تنہا آنے کے بجائے  
خرمن کو ہی ساتھ لے آئی، اس سے مشورہ تو وہ لے سکتی تھی۔

یوں ہی کتابوں کے سرورق پر نظر ڈالتے ہوئے اسے اپنے چہرے پر کسی چیز کا احساس ہوا تھا، اپنے ارد گرد  
نظر ڈالنے کے بعد اس نے سامنے دیکھا تھا اور اگلے ہی لمبے اس کی دھڑکیں رک گئی تھیں، کافی فاصلہ ہونے  
کے باوجود وہ اسے پہچان گئی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک کتاب موجود تھی، نیزہ کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر  
وہ فوراً ہی اسے ہاتھ میں موجود کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، جبکہ نیزہ اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکی تھی، جو اپنی پر  
وقار شخصیت کے ساتھ لوگوں کے اس ہجوم میں بھی نمایاں اور الگ دکھائی دے رہا تھا، نیزہ کو لگ رہا تھا کہ جیسے  
سیارہ رنگ اس شخص کے لیے بنا ہے، آج دوسری بار بھی وہ اسے سیاہ رنگ میں دکھائی دے رہا تھا، فرق صرف اتنا  
تھا کہ آج اس نے بلیو جینز کے ساتھ بلیک شرٹ زیب تن کر رکھی تھی جس کی سیلیوں کلائیوں سے کچھ اور تک  
نفل تھیں، نیزہ نے دیکھا وہ اسٹال پر کھڑے سبز مین سے کوئی بات کر رہا تھا، اپنی توجہ اس جانب سے ہٹا کر وہ  
کچھ فاصلے پر موجود دوسرے اسٹال کی طرف بڑھ گئی تھی جہاں نیبرا ش کم تھا، وہاں کتابوں پر نظر دوڑاتے  
ہوئے اسے چند لمحوں کے لیے تھے جب عجب سے کسی کے سلام کرنے کی بھاری ٹھیسری آواز پر وہ جس طرح  
چونک کر چلی تھی، سامنے کھڑا شخص بھی کچھ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

”آئی ایم سوری، میں نے شاید ڈسٹرب کر دیا، یقیناً آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔“ اس کی حیرانگی سے پھیلی  
آنکھوں میں دیکھا وہ بولا تھا، حالانکہ کچھ دیر پہلے وہ بھی انجان بننے کی کوشش کر چکا تھا، مگر پھر جانے کیا سوچ کر  
اس تک پہنچ گیا تھا۔



”نہیں، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، آپ انٹینیوٹ کے وزٹ پر آئے تھے۔“ اپنی گڑبڑ اہٹ چھپانے کی کوشش کرتی وہ بولی تھی۔

”آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔“ ہارون کے سنجیدہ لہجے پر میزہ نے اسے دیکھا تھا جبکہ وہ مسکراتی نظریں اس کے حیران چہرے سے ہٹاتا اسٹال پر چھیں کتابوں کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، کچھ عجیب سا میزہ کو محسوس ہوا تھا لہذا لافعلقی کے ساتھ وہ بھی قدرے فاصلے پر جاتی ایک کتاب اٹھا لی تھی، مگر چند لمحوں بعد وہ بارہ دھڑکنوں میں اتر جانے والی پر عرب آواز اس کی سماعتوں کا انتظار ختم کر گئی تھی۔

”یہاں کتابوں کے بہت زبردست ذخیرے موجود ہیں، میری طرح شاید آپ بھی کنفیوژ ہیں کہ کون سی لیں اور کون سی چھوڑ دیں۔“ وہ بولا تھا، جبکہ اس کے لبوں پر موجود ہلکی سی مسکراہٹ نے میزہ کے دل و دماغ کو جکڑ لیا تھا۔

”جی..... کچھ ایسا ہی ہے۔“ بمشکل مسکرانے کی کوشش کرتی وہ اس کی گہری آنکھوں سے نگاہ اٹاتی تھی۔  
 ”اس کتاب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ ہارون نے اچانک ایک کتاب اس کی سمت بڑھائی تھی جسے لیتے ہوئے میزہ نے ایک نظر کتاب کے سرورق پر ڈالی تھی اور دوسری نگاہ ہارون پر اگلے ہی لمحوں میں اپنی مسکراہٹ کو چھپا نہیں سکی تھی۔

”میں کوئی رائے نہیں دے سکتی کیونکہ پوسٹری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔“  
 ”کمال کا اتفاق ہے مجھے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔“ ہارون نے فوراً ہی کتاب اس سے لے کر واپس اس کی جگہ پر رکھی تھی اور پھر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔  
 ”مطلعے سے مجھے دلچسپی ہے، کتابیں جمع کرنے کا شوق بھی ہے مگر شاعری میرے سر سے گزر جاتی ہے، آپ مجھے مکمل طور پر بد ذوق مت سمجھے گا۔“ میزہ نے کہا تھا۔

”میں کسی بھی طور سے آپ کو بد ذوق نہیں سمجھ سکتا، آپ کی اس جگہ موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ سمیت یہاں کوئی بھی شخص بد ذوق نہیں ہے۔“ بخور اس کے سادہ چہرے کو دیکھا وہ بولا تھا۔  
 ”ویسے آپ نے عارش کے انٹینیوٹ کو کب جوائن کیا؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔  
 ”کچھ عرصہ پہلے ہی اس کی دھمکیوں کے بعد، وہ میرے گزن بھی ہیں۔“ میزہ نے بتایا تھا۔  
 ”میں یقین نہیں کر سکتا کہ عارش جیسا سو فٹ نیچر بندہ کسی خاتون کو دھمکی بھی دے سکتا ہے۔“  
 ”یقین کریں وہ دیتا ہے۔“ وہ دھیرے سے ہنسی بولی تھی۔

”ابھی ابھی مجھے الہام ہوا ہے کہ آپ کا نام ”ایم“ سے شروع ہوتا ہے۔ ہارون کے اچانک کہنے پر وہ چونکی تھی مگر پھر بے اختیار ہی اس نے اپنی گردن میں موجود سنہری چین میں جھپٹتے اپنے نام کے پہلے ایلافا بیت کو چھوا تھا مگر بس مسکرا کر خاموش رہی تھی۔

”آج آپ انٹینیوٹ نہیں گئیں؟“ اس کی خاموشی پر ہارون نے پوچھا تھا۔  
 ”میں انٹینیوٹ سے سیدھا سینیں آئی ہوں مگر ایک گھنٹہ گزرنے کے باوجود ابھی تک کوئی کتاب نہیں ملے سکی۔“ میزہ نے کچھ مایوسی سے کہا تھا۔

”کوئی بات نہیں، کتابیں لینے میں، میں آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں، اس موقع کے ساتھ کہ آپ بھی میری کچھ دواں معاملے میں کریں گی۔“ ہارون نے کہا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کتی اس کا سیل فون پیج اٹھا تھا،

## ہمدرد کا شربت فولاد

### یونند یونند میں فولاد

### مضبوط رکھے جیسے فولاد

بچوں بڑوں میں سبھی کے لئے نہایت مفید و موثر  
 ذہنی و جسمانی طاقت کے لئے ہمدرد کا شربت فولاد جس کی  
 یونند یونند میں ہے فولاد کی طاقت۔ خاندان کے ہر فرد کے لئے  
 شربت فولاد جو رکھ دین ہر جگہ و ہر جگہ۔

- بڑھتی عمر کے لئے
- بیماری کے بعد کمزوری دور کر کے
- زہانہ مکمل میں موثر



ہمدرد



# نظر بد کی حقیقت

تکریر کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

أَلْعَيْنُ حَقٌّ

ترجمہ: نظر کا لگ جانا برحق ہے (یعنی ہمارا)

- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میں مکہ مکرمہ کے ایک کنوئین کے کنارے کھڑے ہوئے۔
- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر ایک طرف کی کوئی کھجور کا چروڑہ دیا۔
- صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اس کے لئے دعا تو یہ کہ اگر اسے نظر ہو گئی ہے۔ (بخاری، مسلم)
- حضرت عونت بن ابی اسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ نماز جماعت میں جہاز چوک کر تھے کہ اسلام اللہ کے بعد ایم
- نے مومن کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
- فرمایا اپنے تعویذات مجھے پیش کرو اگر ان میں شرک و ہوثوان کے استعمال میں کوئی عرق نہیں۔ (مسلم)

## علاج

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کو تھلائے۔ مثلاً فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز
- اچھی لگے تو بَارَكَ اللهُ لَكَ۔ (بخاری)
- جس کی نظر لگے، اس کو کہاجائے کہ اے اللہ اس کے عمل کا پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈال جائے جس کو نظر
- لگی ہو۔ (بخاری)
- مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ رُحْنَا كُنْ اِذَا مَرَّ قَرَّانٌ بِهٖ۔
- سورة الفلق اور سورة الفاتحہ کی تلاوت کر لے بلوروم پڑھنا چاہیے۔ (صحیح ترمذی)

اُحدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم آف اسلام اللہ تعالیٰ کا رسول

www.ahnulap.com 051-2284773 051-2281750 021-5872923-5896764 021-5383560

ت سے شولڈریک میں سے فون نکال کر اس نے کال ریسیو کی تھی جبکہ ہارون دو بارہ کتابوں کی طرف

دوراصل میں بھی اب جاؤں گا، یہاں آنے کا جو مقصد تھا وہ نہ آپ کا پورا ہوا ہے اور نہ میرا، مجھے تو

شاید میں وقت نہ نکال سکوں۔" میزہ مذہب میں مبتلا ہوئی تھی۔

"جی... سوال آیا تھا۔"

"آپ فکر مت کریں، گیٹ تک پہنچ کر ہم ایک دوسرے کے لیے اپنی ہو جائیں گے تاکہ آپ کے بھائی

و یک اینڈ کا یہ لیٹ ٹائٹ جب باپ فارمیٹ پر مبنی شو تو قح سے بڑھ کر کامیاب ہوا تھا، اس کی ایک وجہ یہ



خواتین ہی اس سے آف ایئر بات کرتی تھیں، حالانکہ یہ سچ تھا کہ ہارون آف ایئر بات کرنے سے کتراتا تھا مگر اپنے لسنرز کے جذبات کا احترام بھی اس پر لازم تھا۔

آج کے اپنے پہلے شو میں بھی عثمان کو موقع ملا تھا کہ ہارون سمیت ان سب پر پریزنٹر کو اپنے شو میں شامل رکھنے جو خاص طور پر اس کا پروگرام براہ راست دیکھنے کے لیے بھی اسٹوڈیو کے باہر موجود تھے، ان سب میں فی میل پر پریزنٹر بھی شامل تھیں، شو کے آغاز میں خرمین نے پروگرام کے قارئین کے حوالے سے لسنرز کو آگاہ کیا تھا، ٹائپک دلچسپ رکھا تھا، جس میں نوجوان لڑکے لڑکیوں نے کالز اور ایس ایم ایس کے ذریعے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، عثمان نے جس طرح ان تمام کارلز کے کان خرمین کے ساتھ مل کر کھینچتے تھے اور خرمین نے جس طرح لڑکیوں کی طرف قدرتی طور پر عثمان سے ٹوک جھونک کی تھی، اسٹوڈیو کے باہر جتنے بھی لوگ موجود تھے ان کی بلند ہنسنے کی آوازیں آن ایئر جاری تھیں، کچھ ٹین ایئر لڑکے ایسے بھی آن لائن آئے تھے جو صرف خرمین سے بات کرنا چاہ رہے تھے، مگر عثمان ان کو موقع نہیں دے رہا تھا، اپنی تھی کو کنٹرول کرنے کے لیے خرمین کو بتا رہا تھا کہ آف کرنا پڑا تھا، عثمان بالکل فارم میں تھا اس نے اس بے چارے جانے والے کو بھی نہیں چھوڑا تھا جو اس کے لیے اور خرمین کے لیے گرم گرم چائے لے کر اسٹوڈیو میں آیا تھا، خرمین کو پہلی بار ہارون کو دیکھتے ہوئے اس وقت بے تحاشہ ہنسی آئی تھی، جب عثمان نے اس سے ان پر پوزٹر کا سبب جاننے کے لیے سوالات شروع کر دیے جو پریزنٹر اسے اکثر آن لائن کالز پر ملتے تھے اور ظاہر ہے ہارون کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، شرمندگی سے ہنستا وہ عثمان کی نظروں کے سامنے سے ہٹ کر گیا تھا، خوشی کی بات یہ تھی کہ شو کے دوران ان موسٹ پریزنرز پر پریزنٹر نے بھی کال کر کے ان دونوں کی تعریفیں کی تھیں، جن کے سامنے وہ ابھی کچھ بھی نہیں تھے۔

ان کے شو کے بعد ہارون کو پروگرام شروع کرنا تھا مگر اسٹوڈیو میں جانے کے بجائے اس نے اپنے انجینئرز کو ایک ٹوبیک چلانے کی ہدایت دی تھی کیونکہ ابھی اسے پہلے عثمان کو مبارکباد دینی تھی اور اس کے کان بھی کھینچتے تھے، مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ عثمان نے اسٹوڈیو سے باہر آتے ہی خود ہی اپنے کان پکڑ لیے تھے، مگر یہ سچ تھا کہ جب تک وہ ہاٹ سیٹ پر ہاٹ لسنرز کے ساتھ ساتھ اس نے اسٹوڈیو کے باہر موجود ہر انسان کو ہنسا کر دوہرا کر دیا تھا، اسٹوڈیو کے باہر ہر طرف تعجب کو محبت رہے تھے، عثمان ان سب میں کمراب جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا جو اس سے ٹریٹ مانگ رہے تھے، جبکہ خرمین کے پاس اب رکسنے کا وقت نہیں تھا کہ عارض کی مس کال اسے موصول ہوئی تھی، یہ سنل تھا کہ وہ اسے پک کرنے آچکا ہے، عثمان تو ابھی بری طرح پھنسا ہوا تھا، لہذا اپنی ایک کولیگ کو اس نے جاتے ہوئے تاکید کر دی تھی کہ وہ عثمان کو بتا دے اس کے جانے کے بارے میں۔

تیز قدموں کے ساتھ لفٹ کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے ریٹ وایج میں وقت دیکھا تھا۔ 1 بجے والا تھا اور اسے عارض کی ٹینڈی ٹکڑھی، اتنی رات تک جاگنا اور پھر ڈرائیو کر کے یہاں تک آنا یقیناً کافی دشوار مرحلہ تھا اور خرمین جانتی تھی کہ وہ بھی اس ڈسٹر جنس کی شکایت نہیں کرے گا۔ لفٹ سے وہ کچھ فاصلے پر ہی تھی جب عقب سے آئی اپنے نام کی پکار پر وہ چونک کر ٹپٹی تھی، تیز قدموں کے ساتھ اپنی طرف آتے شخص کو دیکھ کر ہی ناگواری کی لہر اس کے اندر دوڑی تھی۔

”عثمان تو بری طرح سب کے کھیرے میں ہے مگر میں آپ کو نیچے تک چھوڑ دیتا ہوں، لفٹ میں کچھ خرابی ہے۔“

”نہیں، آپ کا بہت شکریہ، میں اسٹیزر سے چلی جاؤں گی، آپ زحمت نہ کریں۔“ اپنے چہرے پر اس کی گہری لگا ہن خرمین کو اس وقت بھی شدید کوفت اور جھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں۔

”اس میں زحمت کی کوئی بات ہی نہیں ہے، ہم سب یہاں ایک فیملی ممبر کی طرح ہیں، مجھ پر فرض ہے کہ میں آپ کا خیال رکھوں آپ کی پرواہ کروں۔“ اس کے نرم اور بے اختیار لہجے میں جو کچھ تھا وہ خرمین کی سمجھ سے باہر تھا مگر وہ شدید ناگواری محسوس کر رہی تھی۔

”ایک سیکیورٹی... میں یہاں اپنی ذمہ داری پراتی ہوں، آپ کو ضرورت نہیں کہ میرے فرض اپنے سر پر لیں، اور آئندہ مجھے اس طرح آواز دے کر مت روکیے گا، مجھے یہاں صرف اپنے کام سے غرض ہے۔“ ضبط کے باوجود وہ اپنا غصہ اور ناگواری چھپا نہیں سکتی تھی جبکہ ہارون کا چہرہ ابھی سا گیا تھا۔

”میں معذرت خواہ ہوں، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ مدغم لہجے میں بولتا وہ جانے کے لیے پلٹ گیا تھا قریب آتے عثمان پر ایک خاموش نگاہ ڈالتا ہوا وہ تیزی سے چلا گیا تھا، اس کی پشت سے نظر ہٹا کر عثمان نے حیرت سے خرمین کے بکڑے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”تم اسے اپنی زبان میں سمجھاؤ، وہ میرے لیے حد سے زیادہ مہربان بننے کی کوشش نہ کرے اور نہ ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی، مردوں کے یہ حربے پرانے ہو چکے ہیں۔“ عثمان کے کسی استفسار سے پہلے ہی وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی۔

”اس نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ تم اس کے بارے میں اتنی غلط بات کہو، اس طرح کسی کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے، میں اس شخص کی شرافت کی گواہی دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”اور تمہاری شرافت کی گواہی کتنے لوگ دیں گے؟“ درمیان میں جس طرح اس نے عثمان کی بات کافی تھی وہ بمشکل ہی کچھ کہنے سے خود کو روک سکا تھا۔ چونکہ کر عارض نے ان دونوں کے تاثرات دیکھے تھے، کسی گڑبڑ کا احساس اسے ہو گیا تھا جو غلط بھی نہ تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تمہاری بیوی نے تم پر کیسے اختیار کیا، شادی سے پہلے اس نے درجن بھر لوگوں سے تمہاری شرافت کی گواہی تو ضرور لی ہوگی؟“ عثمان کے تلخ لہجے پر وہ دنگ ہوا تھا۔

”فضول بکواس مت کرو، اپنی حد میں رہو۔“ خرمین نے بری طرح اسے جھڑکا تھا۔

”مجھے میری خدمت بتاؤ، تم بس اتنا یاد رکھو کہ تمہیں کوئی حق نہیں کسی انسان کے کردار پر کچھ اچھا لہنے کا۔“ غصیلے لہجے میں خرمین سے مخاطب ہوتا وہ نورانی اپنی بائیک کی سمت بڑھ گیا تھا۔

”مان! روک میرے بات تو سنو۔“ عارض نے اس کی طرف بڑھتا پایا تھا مگر خرمین نے سرعت سے اس کا بازو پکڑ کے روک لیا تھا۔

”بہت عزیز ترین رشتے دار ہیں چکا ہے وہ تمہارا جو اس کی شان میں میرا ایک جملہ بھی برداشت نہیں ہوا تم سے؟“ وہ عثمان پر چیخ مچی جو ایک فیملی نگاہ اس پر ڈالتا بایک ہوا میں اڑاتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

”خرمین! تم جانتی ہو کہ تمہارے معاملے میں مجھے مان پر کتنا اعتبار ہے اور میں بھی یہ جانتا ہوں کہ تم خود اس پر کتنا اعتبار کرتی ہو، تمہارے ریلے جو جان کرنے کے بعد وہاں اسے مجھ سے زیادہ تمہاری سیکیورٹی کی پرواہ ہے، وہ ایسے کسی شخص کی موجودگی میں تمہیں وہاں لے جانے کا نہیں سوچ سکتا تھا، جس کی وجہ سے اسے کوئی خدشہ ہوا، اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہے، اگر وہ ناراض ہوا ہے تو اس لیے کہ تم اس شخص کو برا سمجھتی ہو جس



کی وہ بہت عزت کرتا ہے، تم سے چاہتا ہے کہ تم بھی اس کی عزت کرو۔“ ڈرائیو کے دوران عارش نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”جو کچھ تم نے مجھے بتایا اسے سننے کے بعد مجھے نہیں لگتا کہ اس شخص نے کوئی ایک بھی بات ایسی کی ہے جس کے لیے اس کی نیت پر یا اس کے خلوص پر شک کیا جائے، اس طرح ری ایکٹ کر کے تمہیں اپنا بیج خراب نہیں کرنا چاہیے۔“

”تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھے اس شخص سے نہیں خبر کرنی چاہئیں، اس سے بے تکلف ہونا چاہیے، جو مجھے سخت ناپسند ہے۔“ وہ ناگوار سی بات کاٹ گئی تھی۔

”میرا مقصد بالکل بھی یہ نہیں ہے، میں تمہیں بس یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس جگہ ہم چند لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، وہاں سب کو برابر عزت اور احترام دینا چاہیے، کسی ایک کو ڈی گریڈ کر کے باقی سب کو اہم جاننا اس شخص کی حقیر ہے جو ڈی گریڈ ہوا ہے، اور تم کچھ ایسا ہی کر رہی ہو، میں جس پروفیشن میں ہوں وہاں میرے سارے کلائنر بہت اچھے انسان ہوں گے، مگر ضروری نہیں ہے کہ مجھے وہ سب پسند ہوں، لیکن پھر بھی میں ان سب کو یکساں عزت دیتا ہوں، ہر ملکا ہے کہ مجھے لوگ ناپسند کرتے ہوں مگر میں بھی یہ نہیں چاہوں گا کہ مجھے برابر کا درجہ نہ دیا جائے، مجھے دھروں سے کم تر سمجھا جائے، میں جس کی عزت کرتا ہوں فطری طور پر میں اس سے اتنی ہی عزت ملنے کی توقع کروں گا اور جب ایسا نہیں ہوگا، تو ظاہر ہے مجھے تکلیف ہوگی، پسند یا ناپسند سے ماورا ہو کر انسانیت کے کچھ اہم تقاضے ہمیں پورے کرنے پڑتے ہیں، کسی پروفیشن میں کامیاب ہونے کا پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے کلائنر کی عزت اور ان کا ادب کیا جائے، ان کے جرات اور گائیڈ لائن سے مستفید ہونے کے موقع تلاش کیے جائیں۔“ ڈرائیو اسکرین سے نظر ہٹا کر عارش نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو سامنے دیکھتی کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

”نان اگر اس شخص کے لیے تم پر ناراض ہوا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص عام نہیں، میری نظر میں بھی نہیں۔“ اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر غور کرنے لگا۔

”عثمان کی طرح کیا تمہیں بھی اس شخص سے محبت ہوگئی ہے؟ اس کے ناگوار لہجے پر عارش حیرت سے اسے دیکھتا مسکرا اٹھا تھا۔

”موقع ملا تو میں ہارون سے معذرت کروں گی۔“ وہ محنت سے بولی تھی۔

”ضرور۔۔۔ مگر عثمان کی موجودگی میں تاکہ اس کی ناراضی بھی ختم ہو۔“ وہ بولا تھا۔

”ویسے تم دونوں نے اتنا اچھا شو پر پرفارمنس کرنے کے بعد۔۔۔“

”ہاں، بول دو اپنی اوقات دکھاؤ۔“ عارش کے بات ادھوری چھوڑنے پر وہ ہنسا کر بولی تھی۔

”میں یہ بالکل نہیں کہنا چاہتا تھا، کیونکہ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“ وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولا تھا۔

”اچھا اب اپنا حصہ ختم کرو، تمہیں پتہ ہے کہ تم خصے میں کتنی حسین لگتی ہو اور اگر میں اس طرح تمہیں بار بار دیکھتا رہا تو یقیناً چالان کو ٹالوں گا۔“ اس کے شوخ لہجے پر وہ بس کوفت سے سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سنگ میں برتن دھوئے ہوئے وہ عثمان کی سمت متوجہ ہوئی تھی، جو کچن میں داخل ہوتا بس ایک نگاہ اس پر

ڈرائیو فریج کی سمت بڑھ گیا تھا، بیلا ابھی کئی تھی، آج بھی اسے عثمان کی آنکھوں میں اور لہجے میں کوئی شوشی یا وارفتگی دکھائی دی نہ محسوس ہوئی، اس کی سنجیدگی کا یہ لبادہ بیلا کے دل کو مزید پورے کر رہا تھا، ایک بے نام سی دوری اور جھجک وہ اپنے اور اس کے درمیان محسوس کر رہی تھی۔

”یہ کام کب ختم ہوں گے تمہارے، تم جانتی ہو کہ میرے پاس یہی وقت ہوتا ہے تم سے آرام سے بیٹھ کر بات کرنے کا۔“ اس کی شکایت پر بیلا نے اسے دیکھا تھا جو پانی کا گلاس ہاتھ میں تھا سے بہت سنجیدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”بس ایک منٹ میں آتی ہوں۔“ نظر چراتے ہوئے وہ بولی تھی۔

”تمہارے لیے چائے یا کافی بناؤں؟“ اس کے سوال پر وہ کچن سے نکلے ہوئے رکا تھا۔

”نہیں، کھانے کے بعد اب کسی چیز کی محتاج نہیں۔“ اس کے انکار پر وہ سر ہلاتی دوسری طرف متوجہ ہوگئی تھی جبکہ عثمان ایک گہری نظر اس کے گلے سے گزر رہا تھا وہ اس کی طرف آنے لگا تھا۔

آج صبح عثمان ایک گہری نظر اس کے گلے سے گزر رہا تھا وہ اس کی طرف آنے لگا تھا، جو صوفے پر براجمان سینے پر بازو لیٹے بیوی اسکرین کی طرف متوجہ تھا مگر اب اس کی طرف۔

”یہاں بیٹھو۔“ اسے دوسرے صوفے پر بیٹھنے دیکھ کر عثمان نے اسے اپنے قریب آ کر بیٹھنے کا اشارہ بھی دیا تھا، اور بغور اس کے زرد چہرے کو دیکھا تھا جو کچھ فاصلے پر آ بیٹھی تھی۔

”تمہارا اور عثمان کا پروگرام ختم ہوتے ہی قارن کا فون آیا تھا، وہ بھی بہت خوش تھا، کہہ رہا تھا کہ اس نے پروگرام میں کال کرنے کی بہت کوشش کی مگر لائن مل کر نہیں دی۔“ اس کی خاموشی پر سوچ نظروں پر وہ کچھ گڑبڑائے انداز میں خاموشی توڑ گئی تھی۔

”بہت اچھا ہوا اس کی کال نہیں ملی ورنہ وہ درگت بناتا کہ وہ بارہ کال کرنے سے قوبہ کر لیتا۔“ اس کے مسکراتے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسی مچا۔

”موسم سرد ہوتا جا رہا ہے، کم از کم رات کے وقت تمہاری پانی میں کام کرنے سے گریز کیا کرو، تمہاری طبیعت کی خرابی مجھے بھی پتہ چل رہی ہے۔“ اس کی تاکید پر وہ بس ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی، جو اس کے منہ سے ہوتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے گری پہنچا رہا تھا۔

”تمہیں مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی تھی؟“ بغور بیلا نے اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا جو اس کے ہاتھوں کو سہلاتا بات شروع کرنے کے لیے لفظوں کو ذہن میں ترتیب دے رہا تھا۔

”بیلا! تم جانتی ہو کہ تم میرے لیے کیا ہو، اس وقت میرے پاس جو سب سے قیمتی اور اہم ہے وہ تم ہو، بیج کہوں تو میرے پاس تمہارے علاوہ کچھ باقی نہیں بچا ہے۔“ اس کے مدھم لہجے پر بیلا کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

”جانتی ہوں۔“ اس کی خاموش نظروں سے نگاہ چراتی وہ ہم لہجے میں بولی تھی۔

”مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے، میں تمہیں ہر طرح سے خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ خوش نہیں ہوں؟“ بیلا نے مضطرب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”تم میری زندگی کی شدید آرزو تھے، میری پہلی خواہش تھی، میں اللہ کی شکر گزار ہوں کہ مجھے تمہارا ساتھ



مل گیا ہے، مجھے تم مل گئے ہو۔“

”مگر تم مجھے نہیں مل سکیں۔“ اس کے مدغم لہجے پر وہ بس ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”مجھے وہ بلا نہیں ملتی، جسے میں جانتا تھا، جسے تم نے اپنے اندر کہیں چھپا دیا ہے، مجھے اس بلا کی تلاش ہے۔“

”جہیں مجھ پر اعتبار ہے تو یقین کر لو، وہ بلا بھی جلد جہیں مل جائے گی، جس کی جہیں تلاش ہے۔“ تم آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ ذرا سکرانی تھی۔

”بلا! میں جانتا ہوں کہ تم کس پانی انتشار میں مبتلا ہو، ہم دونوں ہی اعتراف نہ کریں مگر ہم فرسٹریشن اور ڈپریشن کا شکار ہیں، میں اپنی مصروفیات کے ذریعے ان دونوں پر ابھڑ کر قابو پاسکتا ہوں کیونکہ میرے اعصاب مضبوط ہیں، لیکن تم بہت حساس ہو، تمہارا دل بہت نازک ہے، ہم کو کس کے باوجود ایک نازل زندگی شروع نہیں کر پار ہے، میں تصور وار ہوں کہ جہیں وقت نہیں دے پاؤ، سارا دن گھر میں تمہارے کمرے کے گوشے کے گوشے میں گھوم رہی ہو، لیکن اب میری ساری توجہ تم پر ہے، دنیا کے جھیلے تو آخری سانس تک ساتھ رہیں گے، اور ان کے لیے اپنے آج کو اپنے کل اور خاص طور پر جہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔“ اس کی آنکھوں میں دیکھنا وہ ایک بلی کو خاموش ہوا تھا۔

”بلا! میں جہیں ڈپریشن اور فرسٹریشن کا شکار مزید ہوتے نہیں دیکھ سکتا، ان سے بچنا کارآمد حاصل کرنے کے لیے میں جہیں سائیکا ٹرسٹ کے پاس لے جانا چاہتا ہوں، کل ہی... کیا تم تیار ہو؟“ عثمان کے سوال پر وہ جو پہلے ہی دنگ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، چہرے کے بدلنے تاثرات کے ساتھ وہ سر دھمکی سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال گئی تھی۔

”جہیں لگتا ہے کہ میں نازل نہیں ہوں؟“ اس کے سر دھمکی نے عثمان کو دنگ کیا تھا۔

”مجھے غلط مت سمجھو، سائیکا ٹرسٹ سے رجوع کرنے کی بات اگر میں کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں جہیں ابنا مل بھگدھا ہوں۔“

”تم ایسا ہی سمجھ رہے ہو، اور یہ پہلی بار نہیں ہے، اس سے پہلے بھی تم مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر چکے ہو کہ میں نازل بھی ہوں یا نہیں۔“ یکدم ہی بھڑک کر بولتی وہ عثمان کو مزید دنگ کر گئی تھی۔

”کتنی بار میں نے ابنا مل ہونے کے ثبوت پیش کیے ہیں؟ کتنی بار میں نے نیند میں تمہاری جان لینے کی کوشش کی ہے؟ مجھے جہیں اور تمہارے گھر کو کون سے نقصان پہنچنے کے خطرے ہیں جو تم میرے دماغ کے غلط ٹکالنے کے لیے سائیکا ٹرسٹ کے پاس لے جانے کے ارادے کر کے بیٹھے ہو؟ ہٹاؤ مجھے۔“ شدید غصے میں صوفے سے اٹھتی وہ چیخ رہی تھی۔

”اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ میرے غلوں کو تم اتنے حقیقی انداز میں دیکھو گی تو میں کبھی یہ بات نہ کرتا، ایک نازل انسان کو سائیکا ٹرسٹ کی ضرورت زندگی کے کسی بھی حصے میں پڑ سکتی ہے اور اس کے لیے ابنا مل ہونا ضروری نہیں ہے، مجھے تم سے ایسی غلط سوچ کی توقع نہیں تھی۔“ اس کے مقابل آتا وہ شدید تا سرف سے بولا تھا۔

”جہیں اب میرے اندر سب کچھ ہی غلط نظر آتا ہے، تم میرے اٹھنے بیٹھنے پر، میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے گے، ہو، کیا میں سمجھ نہیں سکتی تمہاری جا چھٹی ہوئی نظروں کو تنہا لے لیجے، باہر کی رنگینیوں میں آنکھیں دھنکے رہنے کے بعد جہیں مجھ میں کیڑے نہیں نظر آئیں گے تو کیا میرے موٹی جڑے نظر آئیں گے؟“ وہ

سرخ چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔

”غلط بات مت کرو بلا! میں جہیں زبردستی کسی سائیکا ٹرسٹ کے پاس نہیں لے جا رہا، نہیں جانا تو مت جاؤ، مگر اس طرح بات کو پھیلا کر غلط رخ پر مت لے جاؤ۔“ سخت لہجے میں وہ اس پر برسرِ تھا۔

”غلط... غلط... میرے اندر سب کچھ غلط ہے، تو کیوں رکھا ہوا ہے مجھے اپنے اس گھر میں؟“ وہ غلطی کے بل جی اٹھی تھی۔

”سوچ مجھ کر بات منہ سے نکالو، میں نے جہیں اس گھر میں رکھا ہوا نہیں ہے، یہ گھر ہے تمہارا، یہاں تم رہتی ہو۔“ عثمان کی آواز اس بار بلند تھی۔

”میں اب کچھ بھی سوچنے کھنکھنے کے قابل نہیں ہوں، کیونکہ میں تو ابنا مل ہوں، تم مجھے سائیکا ٹرسٹ کے پاس لے جانے کی زحمت نہ کرو، بلکہ سیدھے میٹل ہاسپتال شفٹ کر دو، گھر مجھے راس نہیں آتے اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری بہن اور اس کا شو بہن آسانی سے مجھے اپنی چھت سے محروم نہ کرتے۔“

”میری بہن کو درمیان میں مت ملاؤ، اس آدمی کو کو سو جو آج بھی میرے اور تمہارے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہے، زہر کی طرح اتر اٹھا ہوا ہے تمہارے اندر، ہر کھڑی، ہر دن میرا امتحان لیتا ہے، محصور کر چکا ہے وہ جہیں اپنی ذات کی دیواروں میں اور میں اول درجے کا پائل دن رات ان دیواروں سے سر ٹکراتا ہوں۔“ شدید غصے میں بولا وہ اسے ساکت کر گیا تھا۔

”مجھے اس آدمی کا طعنہ مت دو، اگر تم نے دوبارہ مجھ پر ایسا وار کیا تو میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گی اس گھر سے نکلنے کے لیے۔“ وہ خرابی تھی۔

”کیا کہا تم نے؟“ ایک جھٹکے سے اس کا بازو تھام کر قریب کرنا وہ مشتعل ہوا تھا۔

”اتنا آسان ہے تمہارے لیے اس گھر کو چھوڑنا؟ تمہارے لیے میں نے اپنے ماں باپ کی بہن کی پروا نہیں کی اور آج تم مجھے اور اس گھر کو چھوڑ کر جانے کی دھمکی دے رہی ہو؟“ اس کے بازو کو چھوڑنا وہ اسے سر سے بچے تک بلا گیا تھا۔

”کون کہتا ہے کہ تم نے میرے لیے اپنے ماں باپ کی پروا نہیں کی؟“ اس کی خون رنگ آنکھوں میں دھمکی وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی۔

”اگر میرے لیے جہیں ان کی پروا نہیں ہوتی، تو تم میرے ساتھ اس گھر میں ناخبرم بن کر نہ رہ رہے ہوتے، ان کی لافانی جہیں مجھ سے کوئی تعلق قائم نہیں کرنے دیتی، ان کی ناراضی جہیں میرے قریب نہیں آنے دیتی، یہ باتیں ان کی تو ہے جو تم مجھے اس گھر میں بیوی کا درجہ نہیں دے سکے اور خود کو دھوکہ دیتے ہو کہ مجھے وقت چاہیے میں ابھی پانی انتشار کا شکار ہوں، دھول جھونکتے ہو اپنی ہی آنکھوں میں، اگر یہ سچ نہیں ہے تو پھر میں مان لیتی ہوں کہ تم سچے ہو، اس گھر میں جو کچھ غلط ہے سب میری وجہ سے ہے تو پھر میں کیوں رہوں اس گھر میں، اس گھر کی دیکھ بھال کے لیے جہیں مجھ سے بھتر ملاز مل سکتی ہے، یہ گھر میرا نہیں ہے، یہ گھر اس کا ہوگا جو تمہارے ماں باپ کو تم سے جوڑ دے اور میں وہ نہیں ہوں۔“ بچتے آسؤؤں کے ساتھ وہ جھکی تھی، ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو بھگاتی ہوئی کمرے کی طرف جا کر دروازہ بند کر چکی تھی۔

(چاری ہے)



سلسلے وار ناول

# ہر عشق میں شہسوار

جیسے میں چہرہ چھپائے وہ ضبط کے سارے بند توڑتی تھی، یہ نہیں روٹے روتے کتنا وقت گزر گیا تھا، جب کسی چیز کے کرنے کی آواز نے اس کو ہلا دیا تھا، وہ اٹھ بیٹھی تھی، اپنے چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے



ایک بار پھر اسے کچھ ٹوٹنے کی آواز سنائی دی تھی، بیڈ سے اتر کر وہ تیزی سے دروازے کی سمت بڑھی تھی، باہر جتان نظر نہیں آیا تھا مگر یکن سے ابھرتی آوازیں وہاں اس کی موجودگی کا پتہ دے رہی تھیں، چند لمحوں تک وہ خوفزدہ نظروں سے یکن میں آتے بھونچال کی آوازیں سنتی رہی تھی، اس کے بعد بمشکل اپنے پیروں کو چھتی یکن کی سمت بڑھتی تھی۔

سانس روکے وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو ایک ایک چیز اٹھا کر دیوار پر اور فرش پر مار رہا تھا، ہر طرف کالج کے ٹوٹے برتن بکھرے تھے، پتلا کے پیر زمین میں بکڑ گئے تھے، جتان شدید جنونی انداز میں اب کرسی اٹھا کر کاؤنٹر پر مارتا اسے توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”بس کرو خدا کے لیے یہ مت کرو“۔ زار و قطار روتے ہوئے پتلا نے اسے روکنا چاہا تھا۔  
”گھر تمہارا نہیں ہے، یہاں کی کسی چیز سے تمہارا تعلق نہیں ہے، تمہیں کوئی حق نہیں ہے مجھے روکنے کا، میں اس گھر کو تباہ کر دوں گا اور تمہاری آنکھوں کے سامنے خود کو بھی“۔ شدید طیش میں دھاڑتے ہوئے اس نے





کری فرس پر دے ماری تھی، پیچھے بیٹے ہوئے بیلا کے حلق سے چیخ بلند ہوئی تھی، بری طرح کانپتے ہوئے بیلا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا دوسری جانب وہ ڈانگنگ ٹیبل بیٹنے کے بعد جانے کہاں سے لوہے کی راڈ نکال چکا تھا، شدید دہشت میں مبتلا وہ کھٹی کھٹی چیخوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی واپس کمرے میں آئی تھی، اس کے ہاتھ میں سیل فون بھی اس شدت سے لرز رہا تھا کہ اسے سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ عارش کی آواز سننے ہی اس کی سسکیاں بلند ہو گئیں۔

”اسے کچھ ہو گیا ہے، وہ سب کچھ تباہ کرنے پر تیار ہے۔“ عارش کی بات سننے بغیر وہ بس چیخ رہی تھی، اس کا وجود ہی نہیں اس کی آواز بھی زلزلوں کی زد میں تھی، جب ہی بند دروازے پر ہلکتی دھماکے دار ضرب نے اسے ایسا دہلایا کہ سیل فون ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا، کانوں پر ہاتھ رکھے وہ اپنی جینیں روکتی دیوار سے جا لگی تھی، دروازے سے ٹکرانی بھاری ضربیں بھینا اسے توڑنے والی تھیں، خوف کی شدت سے لرزتا اس کا وجود اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکا تھا، گٹھنوں سے چہرہ اٹھا کر اس نے دروازے کی سمت دیکھا تھا جہاں یکدم خاموشی چھا گئی تھی، جب ہی وہ پھر لرز اٹھی تھی باہر سے چھتا کے سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی، وہ جھنجکیوں سے رو رہی تھی، اس کھڑکی کی ایک ایک چیز سے اسے محبت تھی، ہر روز وہ ان چیزوں کو بچانے سنوارنے کے لیے مستعد رہتی تھی اور کتنی بے دردی سے ایک ایک چیز کے پرچے اڑائے جا رہے تھے، اپنی سسکیوں کو روکنے کی کوشش کرتی وہ بے شکل کھڑکی کی جانب بڑھنے کی جرأت کر سکتی تھی کیونکہ وہ بے حد خوفزدہ تھی، باہر موجود شخص کا یہ سنگین رد عمل اس کی توقع کے خلاف تھا، مگر کاشٹر کا ڈنڈا وہ کسی بھی طرح داخل نہیں لگ رہا تھا، وہ کمرے میں اس لیے بند ہو گئی تھی تاکہ اس طرح ہی عثمان کا طیش کچھ کم ہو جائے مگر یہ چیز تو اور اسے قابو سے باہر کر رہی تھی، یہ جی بیلا کے لیے شدید اذیت کا باعث بن رہا تھا کہ اس وقت وہ اس شخص سے خوفزدہ ہے جو اس کی محبتوں کا مرکز ہے، جس کے ہاتھوں سے مرنے کے لیے وہ بھی انکار بھی نہیں کر سکتی تھی، اسی شخص کو دیکھنے کی وہ جرأت بھی خود میں نہیں پاری تھی، اس کا اشتعال بیلا کو اس کی نظروں سے چھپے رہنے پر اور خوفزدہ ہونے پر مجبور کر رہا تھا۔

کھڑکی سے وہ وہ قدم کے قاصدے رہی جب کھڑکی کا گلاس ایک چھتا کے سے ٹوٹا تھا حلق کے بل چیختی وہ بند دروازے سے جا ٹکرائی تھی، اگر کھڑکی کے پردے درمیان میں پھیلے نہ ہوتے تو یقیناً کالچ کی بوچھاڑ اس کے لرزے کا پتہ دیتے وجود پر آخری کیل ثابت ہوتی۔

وہ دونوں ہی اس کی حالت دیکھ کر رنگ ہو گئے تھے جوان دونوں کو اندر جانے کے بجائے ان دونوں کے درمیان سے نکل بھاگنا چاہتی تھی، عارش نے سرعت سے اسے روکا تھا۔

”میں واپس اندر نہیں جاؤں گی، میں مر جاؤں گی مگر!“ بری طرح کانپتی چیختی وہ اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی جبکہ خرم تیزی سے عثمان کی تلاش میں اندر گئی تھی، ایک نگاہ اس نے بچن کے بکڑے حشر پر ڈالی تھی، مزید آگے بڑھتے ہوئے اس نے گھر کا جائزہ لیا تھا، جہاں کوئی چیز بھی سلامت نظر نہیں آ رہی تھی، T.V ٹرائی سمیت زمین بوس تھا، P.C کے پرچے بکھرے ہوئے تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے اس گھر کو کسی نے اٹھا کر پلٹ دیا ہو، بکھرے کالچ سے بچتے ہوئے اس نے بیلا کے کمرے کی سمت قدم بڑھا دیے تھے مگر یکدم ہی اس کے قدم ہر کے تھے، چوہٹ کھلے دروازے سے باہر آتے شخص کو وہ ایک پل کے لیے تو پہچان ہی نہیں سکتی تھی، اس کے کمرے بال، دیکھتے چہرے اور سرخ آنکھوں نے خرم کو ساکت کر دیا تھا۔

”کیا ہے یہ سب کیا حشر کر دیا ہے تم نے اپنے گھر کا تم حواسوں میں ہو؟“ اس کی جانب بڑھتے ہوئے عارش حق دق تھا۔

”یہ گھر نہیں، نہ میرا نہ کسی اور کا، یہاں کی کوئی چیز نہ اہمیت رکھتی ہے نہ وقعت۔ اس لیے میں نے ہر چیز جس نہیں کر ڈالی۔“ بچنے لچے میں بولتے ہوئے اس کی لگتی نظریں بیلا تک گئی تھیں جو بچن کی دلیر کے پاس دیوار سے لگی اب تک سسک رہی تھی۔

”اسے بھی جس نہیں کر ڈالتے، سب کچھ تو تباہ کر ہی دیا ہے تم نے، اسے کیوں چھوڑا؟“ بیلا کی سمت اشارہ کرتے ہوئے عارش نے فیصلے لچے میں کہا تھا اور پھر آگے بڑھ کر اپنی سلاخ اس کے ہاتھ سے جھین جھینکی تھی۔

”خرم! گھر کو لاک کر کے بیلا کو ساتھ لے کر نیچے آؤ، میں انتظار کر رہا ہوں۔“ ساکت کھڑی خرم کو عارش نے ہدایت دی تھی اور پھر عثمان کے سننے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”چلو میرے ساتھ۔“ حکم آمیز لچے میں بولتے ہوئے عثمان کی مرضی جانے بغیر وہ اس کا بازو گرفت میں بکڑے گیٹ کی سمت بڑھتا چلا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بیڈروم کے دروازے پر اس نے ہلکی سی دستک دی تھی، چند لمحوں بعد اسے خرم کا چہرہ نظر آ گیا تھا، احتیاط سے دروازہ بند کرتی وہ جھکے جھکے قدموں کے ساتھ عارش کے پیچھے ہی بچن کی طرف گئی تھی۔

”مجھے پتہ ہے کہ اس وقت میری طرح تمہارا سر بھی درد سے پھٹ رہا ہوگا، اس لیے میں نے چائے بنائی ہے، اب پتہ نہیں کیسی نئی ہے۔“ لچے کو بلا پھلکا رکھتے ہوئے ہی وہ اس سے مخاطب ہوا تھا اور اپنا ٹانگ تھاٹھے اس کے سامنے ہی ٹیبل کے گرد بیٹھ گیا تھا، خرم کے سے چہرے اور سوجی آنکھوں سے اعمازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ بیلا کے ساتھ مل کر خوب گریہ و زاری ہوئی ہے۔

”بیلا ٹھیک ہے؟“ عارش کے سوال پر اس نے اپنی بو جمل پلکیں اٹھائی تھیں۔

”ہاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں نے اسے زبردستی سلاپا ہے۔“ وہ جھکے جھکے لچے میں بتا رہی تھی۔

”عثمان نے کچھ کہا تم سے؟“ خرم کے سوال پر اس نے بس گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

”حد کر دی ہے اس نے پاگل پن کی، کوئی اس طرح بھی اپنا نقصان کرتا ہے؟ اپنے ہی گھر کا بازو تباہ؟“



میں سانپ پوشیدہ ہے۔  
 ”اب کیا دیکھوں، مجھے جو دیکھنا تھا میں دیکھ چکا ہوں۔“ مسکراتی نظروں سے عارش نے اس کی پیشانی پر  
 دیکھے حسین ہتھیار کو دل میں اتارنا تھا۔  
 ”عارش!“ عیسیٰ نظروں سے اسے دیکھتی وہ جھلائی تھی جو سرعت سے اس کے اودھ کھلے بالوں میں اٹکا  
 کچر نکال کر قبضے میں لیے بچن سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح وقفے وقفے سے ہوتی بھگی بارش کا سلسلہ رک چکا تھا، آسمان دھل کر صاف ہوا تو ماحول خود بخود نکھر سا  
 گیا تھا، وسیع رقبے پر محیط گرین ایریا میں چہل پہل معمول سے زیادہ تھی، خوبصورت شام کے رنگ سینے کے  
 لیے سب ہی گھروں سے نکل آئے تھے، ٹریک پر دوڑتے، چلتے انسانوں کو دیکھتے ہوئے اس کا ذہن بالکل  
 خالی تھا، اس کے دل و دماغ میں رات کو برپا ہونے والا یقین آہستہ آہستہ ختم ہو چکا تھا، بھرپور نیند اور  
 کھاراس نے اس وقت اس کو مکمل طور پر اس موسم کی طرح شانت اور ہلکا پھلکا کر دیا تھا، خرمن کی پکار پر وہ  
 چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”بارش کا کوئی بھر دس نہیں ہے، لہذا چائے کے لیے ہمیں اندر آنا پڑے گا۔“ بھگی سی مسکراہٹ کے ساتھ  
 خرمن نے اس کے بے حد عجیبہ تاثرات کو دیکھا تھا جو پاؤں ڈری سے ہاتھ ہٹاتا اس کی جانب ہی آ رہا تھا۔  
 لاؤنج میں آتے ہوئے بس ایک نگاہ اس نے پلازڈا کی بھی جو عارش کی طرف متوجہ اس کی کوئی بات سن  
 رہی تھی، عثمان کو پتہ تھا کہ وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھے گی، خاموشی سے صوفے پر بیٹھتا وہ T.V اسکرین کی  
 طرف ہی متوجہ رہا تھا۔

”عثمان! دوپہر میں تم کھانا کھانے کے لیے بھی نیند سے نہیں جاگے تھے، کچھ نہیں تو یہ سینڈویچ ہی لے لو،  
 تمہارے فوریٹ ہیں۔“ اسے صرف چائے پر اکتفا کرتے دیکھ کر خرمن نے اصرار کیا تھا۔

”نہیں، صرف چائے کافی ہے اور کچھ نہیں۔“ وہ انکار کر گیا تھا۔  
 ”خرمن! تمہیں مان سے جو بات کرنی تھی، ابھی کرلو۔“ عارش کے اچانک کہنے پر عثمان نے سوالیہ نظروں  
 سے خرمن کو بھی دیکھا تھا۔

”عثمان! میں اور عارش اسی بات پر متفق ہیں کہ تم دونوں اب دوبارہ اس فلیٹ میں نہیں جاؤ گے۔“ خرمن  
 نے قطعی لہجے میں بات شروع کی تھی۔

”یہاں گراؤنڈ فلور پر ایک ایئر مشن خالی ہے، اور تم اسے افورڈ کر لو گے، یہاں شفٹ ہونے کی ایک  
 انجمنی وجہ ہے کہ تم دونوں ہمارے قریب رہو گے، تمہارا زیادہ وقت باہر گزارنا ہے لہذا یہاں آنے کے بعد بیلا  
 کو تمہارا وقت نہیں گزارنا پڑے گا، کیونکہ میں بیلا کے قریب رہوں گی، دوسری انجمنی وجہ یہ ہے کہ یہاں بیلا  
 اپنا ذاتی پارلر شروع کر سکتی ہے، اسے اپنے ہنر کو استعمال کرنا چاہیے، یہ مصروفیت اس کے لیے ضروری بھی ہے  
 اور یہ تم انجمنی طرح سمجھ سکتے ہو۔ بہت عجیبہ سمجھانے والے انداز میں خرمن نے بات مکمل کی تھی جبکہ عثمان نے  
 ایک اپنی نگاہ بیلا پر ڈالی تھی جو سر جھکائے خاموش بیٹھی سب سن رہی تھی۔

”بس اس سے پوچھ لو کہ اسے کسی گھر کی ضرورت ہے بھی یا نہیں؟“ عثمان کے لہجے میں تلخی درآئی تھی۔  
 ”جو تیر چکا ہے، اسے بار بار دوہرانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے اذیت کے، بہتر یہی ہے کہ جو غلط

بیلا کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے بھی سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اس بے چاری کو  
 وقتی مریض بنانے میں، تم نے دیکھا تھا کہ وہ کس طرح کانپ رہی تھی خوف سے، ابھی تک وہ اس خوف سے  
 باہر نہیں نکلی ہے، برف کی طرح سختی پڑ چکی ہے، فیصے میں اگر کہیں وہ بیلا کو بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا تو کیا  
 کر لیتے میں اور تم؟“ وہ شدید اضطراب میں جھٹا ہوتی تھی۔  
 ”ایسا کیسے ہو سکتا تھا، بیلا کی باتوں نے اسے فیصے میں ضرور جھٹکا تھا، مگر اس نے بیلا کو ہاتھ تک نہیں لگایا  
 ہے، وہ خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے مگر بیلا کو نہیں۔“  
 ”جو نقصان اس کے دل و دماغ کو وہ پہنچا چکا ہے اس کے بعد کس نقصان کی کس باتی رہ جاتی ہے؟“ خرمن  
 نے ناگواری سے اس کی بات کاٹی تھی۔

”بیلا کو نہیں اسے سائیکل ٹرسٹ کی ضرورت ہے، میں تو صاف کہہ دوں گی اسے۔“ وہ مزید بولی تھی۔  
 ”وہ دونوں اپنی اپنی فرسٹریشن ایک دوسرے پر نکال چکے ہیں، اب تم مان کے سامنے ایسی کوئی بات مت  
 کرنا جو اسے پھر تھکے سے اکھاڑ دے، مجھے اس سے جو کہنا تھا میں کہہ چکا ہوں اور اس کے ہوش بھی ٹھکانے لگ  
 گئے ہیں، جو ہوا ہے اسے بس ختم کرو، بھول کر بھی اس بارے میں کوئی بات اب ان دونوں کے سامنے نہ کرنا  
 تو بہتر ہے، ان دونوں کو کسی سائیکل ٹرسٹ سے زیادہ ایک دوسرے کی ضرورت ہے، وہ دونوں ہی ایک دوسرے  
 کو سنبھال سکتے ہیں، ان کو بس یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے۔“ عارش کے سمجھانے والے انداز پر اس نے  
 سر جھٹکا تھا۔

”جہنم میں غرق ہو ایسی محبت جو اچھے بھلے انسان کا بیڑہ غرق کر دیتی ہے، پتہ نہیں کیوں یہ محبت کے  
 کیڑے انسان کے دماغ میں کھلاتے ہیں۔“ اس کے ناگوار لہجے پر عارش نے چونک کر بغور اس کے سفید  
 دوپٹے میں قید چہرے کو دیکھا تھا۔

”جس جذبے سے انسان بے بہرہ ہو، ناواقف ہو، اس جذبے کے خلاف اتنے وثوق سے کوئی بھی  
 اسٹینڈ دینا اسے زیب نہیں دیتا۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر دوسرے لہجے میں بولا تھا۔  
 ”مجھے واقفیت حاصل بھی نہیں کرنی، کیونکہ میرے دماغ میں غلط نہیں ہے۔“ وہ بگڑ کر بولی تھی۔  
 ”سن کر اچھا لگا۔“ عارش کے سپاٹ لہجے پر اس نے کھوتی نظروں سے اسے دیکھا تھا، مگر وہ اپنی چائے کی  
 طرف متوجہ رہا تھا۔

”سنو! براہ مہاشی سے کہو کہ آنٹی کی بات کرو انیس عثمان سے، انکل سے چپ کر رہی سہی مگر وہ اتنا تو کر  
 ہی سکتی ہیں، عثمان کو کچھ توڑ حارس ملے گی۔“ روکھے لہجے میں وہ عارش سے مخاطب ہوتی تھی۔  
 ”ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا، آج کل میں پہلا کام یہی کروں گا مگر ان کو اس بات کی خبر نہ ہو۔“ عارش  
 نے تاکید کی لہجے میں کہا تھا، جواباً اثبات میں سر ہلاتی وہ مگ سے سب لینے لگی تھی۔

”چائے کیسی لگی تمہیں؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔  
 ”زہرا“ وہ سخت سے بولی تھی، مگر اگلے ہی پل اس نے عارش کو چوتھے دیکھا تھا۔  
 ”تمہارے سر پر کوئی چیز ہے فوراً ہٹاؤ۔“ عارش کے دہلا دینے والے انداز پر وہ ہڑا کر اٹھی پورا دوپٹہ  
 ہی کھینچ کر پرے کھینچتی عارش کی طرف آئی تھی جو اس کی بدحواسی پر خود بھی کرسی سے اٹھ گیا تھا۔  
 ”کیا چیز تھی، آگے جا کر دیکھو۔“ عارش سے کتنی وہ فرش پر پڑے دوپٹے کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اس



ہوا ہے اسے سدھارو۔ عارش نے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

”بیلا کو میں واپس اس غلیٹ میں نہیں بھیجوں گا ہم کل ہی جا کر وہاں کے معاملات نشاؤ اور گراؤ نظر کرنے شفت ہونے کی تیاری کرو۔ اس دوران تم صرف ریڈیو جاؤ گے یہاں سیٹل ہونے کے بعد ہی انٹی شفت آنا۔“ عارش کے فیصلہ کن لہجے پر وہ خاموش ہی رہا تھا، تب ہی خرمن چونک کر اٹھی تھی، سیٹل فون پر کال آئی تھی جو کہ میڈروم میں تھا، خوشگوار حیرت کے ساتھ اس نے برہان کی کال ریسیو کی تھی۔

”خرمن! یہ دونوں کہاں ہیں؟ مانی کال ریسیو کر رہا ہے نہ بیلا۔“ چندر کی کلمات کے بعد برہان نے پوچھا، ایک پل کے لیے وہ کڑبڑا سی تھی مگر پھر فوراً بات سنبھالی تھی۔

”وہ دونوں رات سے یہیں ہیں، بیلا تو سیٹل فون گھر بھول آئی ہے عثمان کا مجھے نہیں پتہ، خیریت تو سب؟“

”سب خیریت ہی ہے، تم جلدی سے مانی سے بات کرو، امی اس سے بات کرنا چاہتی ہیں۔“ برہان مکمل جملہ سنے بغیر ہی وہ خوشی سے چپٹی دروازے کی سمت گئی تھی مگر اس کے باہر نکلنے سے پہلے ہی برق رفتاری سے عثمان اندر آنا شدید بے تابی سے سیٹل فون اس سے لے چکا تھا، عارش کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا بیلا نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا تھا جو سیٹل فون پر بات کر رہا تھا مگر اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوتا جا رہا تھا اس نے بھی عثمان کی آنکھوں سے آنسو بہتے نہیں دیکھے تھے مگر آج دیکھ رہی تھی، اس کے آنسوؤں کی دھندلاہٹ اس کی اپنی آنکھوں میں بھی پھیل چکی تھی، دھندلائی آنکھوں سے اس نے خرمن کو دیکھا تھا جو مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا رہی تھی جبکہ ارد گرد سے قائل عثمان کو دیکھتے ہوئے عارش نے سکھ کی سانس لی تھی، اسے یقین تھا کہ اپنی ماں سے بات کر کے ان کی رضا اور سپورٹ حاصل کر کے عثمان کا حوصلہ بڑھے گا، یہ ایک اہم پیش رفت تھی ان بگڑتے حالات کو سنبھالنے میں۔

☆.....☆.....☆

”فیشیول پورے ویک چلے گا، آج ہی وہاں جانا ضروری ہے؟ بارش تیز ہوتی جا رہی ہے، راستے حراب ہو جائیں گے، ابھی بھی وقت ہے سوچ لو، میں تمہیں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ عارش نے ایک بار بار اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر جو مان کر نہیں دے رہی تھی۔

”میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ وہاں میری فریڈ ڈیمر انتظار کر رہی ہیں، بارش ہو رہی ہے تو بھی کیا ہوا، اسے انجوائے کروں گی، ویسے بھی دوپہر سے شام تک تمہارے انٹی نیوٹ میں رہ کر دماغ خشک ہو چکا ہے میرا صرف ایک گھنٹے کی قیامت ہے، بھائی آ جائیں گے مجھے پک کر لے۔“

”تم نے تجویز کر لیا ہے کہڑوٹھائی نہیں چھوڑو گی۔“ عارش نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”ہاں بالکل، مجھے جلدی پہنچا دو، پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔“ غلٹ میں بولتے ہوئے اس نے رست دیکھی تھی، سڑک کے دوسری جانب ٹریفک بالکل ہی جام لگ رہا تھا، یوٹرن لے کر ہال کے سامنے پہنچنے تک بہت وقت لگ جاتا جبکہ عارش کو واپس انٹی نیوٹ جانا تھا، وہ تو ویسے ہی بہانہ ڈھونڈ رہا تھا اسے گھر تک پہنچانے کا۔

”عارش! میں یہیں اتر جاتی ہوں، مجھے بس سڑک ہی تو کراس کرنی ہے۔“ عارش کی کوئی بات سنے بغیر غلٹ میں بیک کندھے پر اور دوپٹہ سر پر ڈالتی فرنٹ سیٹ سے اتر گئی تھی، ہال کا مین گیٹ بالکل سامنے تھا۔

عارش اس کے وہاں تک پہنچ جانے کا اطمینان کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا، بارش سے بچتی وہ گاڑیوں کے درمیان سے گزرتی اب ہال کی سیڑھیاں ملے کر رہی تھی، اس کی طرف سے نظر ہٹاتے ہٹاتے عارش چونک کر دوبارہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ہال کے گیٹ سے باہر نکلا تھا اور مکمل طور پر میزیزہ کی طرف متوجہ تھا جو اس کے سامنے رک گئی تھی، درمیان میں قاصد تھا مگر بارش ایسی دھواں دھار نہیں تھی کہ عارش اس شخص کو پہچان نہیں پاتا، وہ دونوں اب ایک دوسرے سے باتوں میں مگن ہال کے اندر جا رہے تھے، دور سے ہی اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ان دونوں کے درمیان اجنبیت نہیں ہے اور یہ بھی کہ وہ شخص میزیزہ کے انتظار میں یا اس کے استقبال کے لیے ہی وہاں موجود تھا، گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے عارش ورطہ حیرت میں ہی تھا، یہ ٹھیک تھا کہ انٹی نیوٹ میں میزیزہ اور ہارون کا آنا سامنا ہوا تھا، مگر اس نے خاص طور پر میزیزہ کا تعارف ہارون اور ایک سے نہیں کروایا تھا، کیونکہ نہ اس کی ضرورت تھی نہ عارش کو یہ مناسب لگتا، خرمن سے زیادہ وہ میزیزہ کے لیے کٹر روٹیہ ہو جایا کرتا تھا، یوٹرن کی میں میزیزہ کا ڈیوارٹ الگ تھا مگر اس کے گروپ کے تمام لڑکے، لڑکیوں سے دو وقت تھا، اپنے گروپ کے علاوہ اگر وہ کسی لڑکے سے محو گفتگو نظر آجاتی تو عارش کو اس کی وجوہات بتانی پڑتی تھیں، ان سوال جواب کو لے کر ہی میزیزہ اور اس کے درمیان کئی بار چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو چکی تھیں، ان جھڑپوں کو مزید ٹھیک مریض لگانے کے لیے عثمان بھی موجود رہتا تھا، تنگ آ کر وہ بے چاری اپنے گروپ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، اگر ایسا نہ کرتی تو یقیناً عارش اس کی شکایتیں لے کر اس کے باپ اور بھائی تک پہنچ جاتا۔

لیڈ ایوٹورشی کا دور اس نے بہت محتاط ہو کر عارش اور عثمان کے زیر سایہ گزارا تھا، اگر آج اس نے اپنی فریڈ ڈیوارٹ بھانہ بنا کر عارش سے جھوٹ بولا تھا تو اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ سچ کو وہ ناپسند کرے گا اس پر ناراض ہوگا، ڈیوارٹ کے دوران وہ اسی بارے میں سوچ رہا تھا، ہوسکتا تھا کہ ہارون کی موجودگی وہاں ایک اتفاق ہو مگر اپنی آنکھوں سے سب دیکھنے کے بعد اسے یہ بات بھی مطمئن نہیں ہو رہی تھی، بہر حال اسے کچھ عجیب نہیں لگا تھا کہ میزیزہ خود بخود ہے، مگر ہارون اور میزیزہ نے اسے حیرت میں ضرور ڈال دیا تھا، فی الحال وہ سوچ رہا تھا کہ خاموش رہ کر میزیزہ کے بولنے کا انتظار کرے گا اسے یقین تھا کہ میزیزہ اپنے دل کی بات سب سے پہلے اسے ہی بتائے گی۔

☆.....☆.....☆

”میں انٹی نیوٹ میں بارش کے چھٹنے کا انتظار کرتی رہی تھی، اسی وجہ سے کچھ دیر ہو گئی۔“ بارش کی بوندیں چہرے سے ہٹاتی وہ بولی تھی۔

”آپ کو کچھ دیر ہوئی مگر میں کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہا تھا، پھر مجھے لگا کہ آپ بارش کی وجہ سے نہیں آئیں گی اس لیے میں بھی واپس جانے کے ارادے سے گیٹ تک گیا مگر آپ بروقت آ گئیں۔“ سنجیدہ نظروں سے وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو بارش میں دھل کر مزید گھبر گیا تھا، رائل بلیو کالر کے کچھ پھیلے لبادے سے اٹھی سمور کن جینز پہنک ہارون کو اپنی سانسوں میں رچی بسکتی محسوس ہوتی تھی۔

”آپ نے یہ کون سی کتاب لی ہے؟“ شانوں پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے میزیزہ نے اس کے ہاتھ میں موجود کتاب کو دیکھا تھا۔

”یہ کتاب میں نے آپ کے لیے لی ہے، آپ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔“ ہارون کے پر یقین لہجے پر اس نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا تھا اور کتاب لے لی تھی، ایک نظر اس نے شاعری کے بھاری بھر کم



دیوان کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔  
 ”میں نے کہا تھا ناں آپ بہت خوش ہوں گی۔“ مسکراتی نظروں سے ہارون نے اس کے چہرے پر  
 شرمندگی اور ہنسی کی سرخی کو دیکھا تھا۔  
 ”میں اس جیتی تھکے کے قابل نہیں ہوں، خدا کے لیے اسے واپس لے لیجئے۔“ میزہ نے دیوان واپس  
 اسے دینا چاہا تھا۔

”آپ ہی تو اس کے قابل ہیں۔“ ہارون کے فوراً ہی کہنے پر وہ مزید ہنسی تھی۔  
 ”آئیے اب جس کام کے لیے یہاں موجود ہیں اسے شروع کرتے ہیں۔“ ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے  
 اس نے ہارون سے کہا تھا جو اثبات میں سر ملاتا اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا، بہت سنجیدگی سے کتابوں  
 جادوہ خیال کرتے وہ دونوں کتابیں لینے میں ایک دوسرے سے مشورے بھی لیتے رہے تھے، وقت اتنی تیزی  
 سے گزرا کہ پتہ ہی نہیں چلا تھا، میزہ نے سوچا تھا کہ جس طرح ہارون نے اسے کتاب دی ہے تو اسے بھی  
 لازمی ایک کتاب دینی چاہیے، ایک اسٹال پر ہارون کو مصروف چھوڑ کر وہ دوسرے اسٹال کی سمت بڑھ گئی تھی۔  
 وہاں اسے ہارون کے لیے ایک کتاب پسند آئی تھی۔

”زندگی گزارنے کے رہنما اصول۔“ کتاب کے سرورق پر چمکتے حروف کو دیکھتا وہ دیر سے ہنسنا تھا۔  
 ”یہ میری طرف سے آپ کے لیے ہے۔“ میزہ نے کہا تھا۔  
 ”آپ کا بہت شکریہ، مجھے اس کتاب کی اشد ضرورت تھی مگر میرے قادر میرے پاس یہ نایاب کتاب دیکھ  
 کر شاکا کڈ رہے جائیں گے۔“ ہارون کے سنجیدہ لہجے مگر مسکراتی نظروں پر وہ دیر سے ہنسی تھی۔  
 ”وہ بھی مطالعے کا شوق رکھتے ہیں؟“ میزہ نے پوچھا تھا۔

”بہت زیادہ۔ ان کے پاس کتابوں کا زبردست کلیکشن ہے، میں نے زیادہ تر کتابیں ان کے ذوق کو مد نظر  
 رکھ کر لی ہیں، وہ بہت خوش ہوں گے یہ کتابیں دیکھ کر، ویسے آپ کی مدد سے ہی میں اتنی اچھی کتابیں لے سکا  
 ہوں۔“  
 ”میں نے نہیں آپ نے میری زیادہ مدد کی ہے اس سلسلے میں، آج ہم یہاں ایک دوسرے کی مدد کرنے  
 کے لیے ہی تو آئے تھے۔“ میزہ کے کہنے پر ہارون نے اسے دیکھا تھا۔

”شاید آپ یہ کہہ سکتی ہیں۔“  
 ”شاید کیوں یقیناً آپ اور میں ایک ہی مقصد کو لے کر یہاں آئے تھے۔“ میزہ کے حیران لہجے پر وہ اس  
 کے چہرے سے لگا ہوا دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا، اس سے پہلے کہ ہارون کے سنجیدہ تاثرات پر وہ ابھی  
 اس کے سیل فون پر کال آگئی تھی۔

”مجھے اب جانا ہوگا، آپ کے ساتھ یہاں اچھا وقت گزرا، اور کتابیں بھی اچھی مل گئیں۔“  
 ”ان کی جملوں کی ضرورت تو نہیں تھی۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا وہ اسے شرمندہ کر گیا تھا۔  
 ”میں چاہتا ہوں کہ آپ نے جو کتاب مجھے دی ہے اس میں آپ کا آؤگراف موجود ہو سو پلیز!“ ہارون  
 نے کتاب کے ساتھ فوراً ہی پین بھی اس کی سمت بڑھایا تھا جبکہ اس کے اس مطالبے پر حیران ہوتی وہ کچھ بے یار  
 بھی نہیں تھی تھی۔

"Wish you all the best in the world."

”میں نے کبھی آؤگراف نہیں دیا، بس یہ ایک کوشش ہے۔“ اپنے سامن کرتے ہوئے وہ جھپٹے انداز میں  
 ہنسی تھی اور کتاب ہارون کے حوالے کر دی گئی۔  
 ”پچھلے آپ کی دس میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔“ ہارون نے اس کے جھپٹے تاثرات کو بغور  
 دیکھا تھا۔  
 ”مجھے آؤگراف نہیں لینا چاہیے گی؟“

”نہیں، میں آؤگراف نہیں لیتی۔“ میزہ کے غیر متوقع جواب نے اسے دنگ کیا تھا۔  
 ”مجھے دیر ہو رہی ہے، بھائی انتظار کر رہے ہوں گے، خدا حافظ!“ غلٹ میں کہتی وہ رکی نہیں تھی، ہارون  
 اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا جو لوگوں کے درمیان سے گزرتی نگاہوں سے اوچھل ہوتی جا رہی تھی، آج دوسری  
 ملاقات کے اختتام تک بھی اس نے ہارون سے اس کا نام تک نہیں پوچھا تھا اگر وہ آؤگراف اس سے نہ لیتا تو  
 خود بھی اس کے نام سے انجان رہتا، ہارون کو وہ بہت الگ سی لگی تھی، وہ نہیں جانتا تھا کہ اب آگے دوبارہ کب  
 وہ اس سے ملے گا، مگر اسے یقین تھا کہ آئندہ بھی وہ اسے کسی بند کتاب کی طرح ہی ملے گی اس کے باوجود وہ  
 ہراس سے ملنا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

عروس سے ان کو کوئی بات کرنی تھی، ان کی تلاش میں وہ یکن تک آئے تھے مگر فاران کی آواز سن کر چو نکٹے  
 وہاں ہی رک گئے تھے۔  
 ”آپ اور ان ماموں نے وہ غلیظ چھوڑ دیا ہے، یہ بہت اچھا ہوا، خرمن آبی کے قریب رہ کر آپ کی تنہائی  
 دور ہو جائے گی۔“

”مجھے یہ سب مت بتاؤ، کون سی زبان بگھنے ہو تم، میرے منع کرنے کے باوجود فاروق کی تنبیہ کے باوجود تم  
 اپنی سن مانی کر رہے ہو۔“ عروس کی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔  
 ”میں ان دونوں کے بارے میں اسی لیے آپ کو باخبر رکھتا ہوں کہ مجھے پتہ ہے آپ ان دونوں کے  
 بارے میں ہی سوچتی رہتی ہیں، آپ کچھ کہتی نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو ان دونوں کی فکر نہیں  
 ہے۔“

”خاموش ہو جاؤ تم، فاروق کو اگر معلوم ہو گیا کہ ان کے منع کرنے کے باوجود تم ان دونوں سے مل رہے ہو  
 تو جانتے ہو کیا ہوگا، انھوں نے اپنی بات پر عمل کر کے تمہیں بھی گھر سے نکال دیا تو میں کیسے زندہ رہوں گی، میں  
 اب مزید کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔“ عروس کا لہجہ کمزور اور آواز لرزتی ہوئی تھی۔  
 ”آپ میری جدائی برداشت نہیں کر سکتیں مگر اپنے بھائی سے ہر تعلق توڑنا کتنی آسانی سے منظور کر لیا تھا،  
 آپ نے اور پاپا نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ بھائی، بہن اور اولاد میں کیا فرق ہوتا ہے۔“ فاران کا لہجہ  
 ٹھنڈا تھا۔

”دن رات اپنی ماں کو زندہ لاش بنا دیکھتے ہو، اپنے باپ کو ساری دنیا سے کٹا دیکھتے ہو پھر بھی کچھ کے  
 گناہ سے باز نہیں آتے۔“ عروس مدہ بردی تھیں۔  
 ”فاروق نے جو کیا ٹھیک کیا، ان کی عزت اور وقار کی سلامتی کے لیے مجھے ساری دنیا سے بھی منہ موڑنا پڑا  
 تو میں ایسا ہی کروں گی۔“



”مجھے معلوم ہے آپ اپنے شوہر کی کتنی فرمانبردار ہیں، وہ اگر رات کو دن کہیں گے تو بھی آپ ان کے خلاف نہیں بولیں گی، میں پایا کے خلاف نہیں ہوں نہ ہی ان کو غلط کہہ رہا ہوں، مگر آپ دونوں بھی اس لیے سمجھیں کہ میں آپ اور ماموں سے لائق نہیں رہ سکتا، میں پایا کو کوئی پانچنا چاہتا مگر میں آپ اور ماموں کے بغیر بھی نہیں رہ سکتا، آپ فکر نہ کریں، پایا کسی صورت مجھے خود سے الگ نہیں کر سکتے، آپ کی طرح وہ بھی اس گھر سے بے دخل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ ان کی بہن ہیں، جن سے ہمیشہ وہ لائق رہے مگر میں ان کی اور ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔“ فاران کے یہ آخری جملے فاروقی کے لیے نیروں سے کم نہیں بنائے میں گھر سے وہ واپس پلٹ آئے تھے، کہ مزید کچھ سننے کی تاب نہ ملے، بیٹے کے یہ جملے ان کے گھونٹوں کی طرح لگے تھے۔

☆.....☆.....☆

درد سے جھپٹے سر کو اس نے نیچے پر غما تھا مگر کسی طرح بھی سر کے پچھلے حصے میں ہوتے دھماکے مچے ہوئے تھے، نیند سے آنکھیں جل رہی تھیں غمزدگی شدت اسے سوئے بھی نہیں دے رہی تھی، بے تحاشہ بھڑکے ہوئے سر کو سنبھال پاتا خروہ اٹھ بیٹھا تھا، وال کلاک میں اس نے وقت دیکھا، 2 بج چکے تھے مگر خرمین کی آنکھوں کوئی آثار نہیں تھے۔

آج صبح سے ہی اس کا سر اور طبیعت بوجھل ہو رہی تھی، عثمان کو انشٹیوٹ سے فری کرنے کے بعد اسے روز آفس سے سیدھا انشٹیوٹ جانا پڑا تھا، رات 10 بجے گھر واپس آتے ہوئے اسے معلوم تھا کہ خرمین کو آج ریڈیو جانا ہے، اس کے شو کی ٹائمنگ 10 سے 12 بجے تک تھی، راستے میں ہی اسے خرمین کے گھر کے خوب فیسے کا اظہار کیا تھا، کیونکہ اس کی وجہ سے ہی اس کا شو آج لیٹ ہو جاتا تھا، اس کے فیسے برداشت عارض کو کرنا ہی تھا، لہذا ٹائمنگ سے ہی خرمین کو لے کر وہ ریڈیو انشٹیوٹ روانہ ہو گیا، سارا رات وہ پرگرم ہوتی مسلسل ہوتی رہی تھی، عارض بشکل ہی ضبط کرتے ہوئے خاموش رہا تھا، ورنہ وہ اسے بتاتا جاتا کہ اگر اس کی مصروفیات سے واقف ہونے کے باوجود وہ اسے غیر ذمے دار کہہ رہی ہے، تو خود وہ بھی اس طرح اپنی ذمے داریوں کو پورا کر رہی ہے؟ اسے تو بس یہ یاد تھا کہ بیلا اور عثمان کی مدد کرنی ہے، شنگھ سے سلسلے میں، مگر رے دنوں میں وہ صبح سے رات تک بیلا کی طرف ہی مصروف تھی، اسے اپنے گھر کا ہوش عارض کی پرواہ۔ آج صبح بھی عارض کے کچھ نہ کہنے کے باوجود وہ اس کی طبیعت کی ناسازی کو محسوس کر چکی تھی مگر اس نے تو شاید غم کھا رکھی تھی کہ کسی صورت عارض کو کال نہیں کرتی ہے، اس کی طبیعت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھی نہیں، حالانکہ اسی بات کو لے کر ان کے درمیان جھڑپ ہوئے بہت زیادہ دن گزرے تھے۔

اسے ریڈیو انشٹیوٹ ڈراپ کرنے کے بعد واپس آتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ بیلا سے چائے بنوا کر درد کی ٹیبلٹ لے گا مگر پھر اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا، کیونکہ اس وقت عثمان ریڈیو پر ہی تھا، اب ایسے اس کے گھر جانا اسے محبوب لگا تھا، گھر پہنچ کر وہ لاؤنج میں ہی بے سادہ ہو کر صوفے پر بیٹھ کر دروازہ پر ہاتھ نہیں ملتا تھا کہ دو گھنٹے بعد خرمین کو لینے واپس ریڈیو جانا ہے، حالانکہ اب ڈرائیو کرنے کی اس میں کتنا تھکی، بیلا نے کال کر کے اس سے کھانے کا پوچھا تھا، مگر اس نے سلیپ سے انکار کر دیا تھا، اس کی جھجک کو یہ کیسے محسوس کر کے بیلا نے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے کھانا اور پی لے آتی ہے، عارض کو اسے یقین دلانا چاہتا تھا

درد آتی جھوک محسوس نہیں کر رہا۔ اسے شدید غصہ آیا تھا یہ جان کر کہ وہ بیلا کو یہ ہدایت دے کر گئی ہے، اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کی ذمہ داری بیلا کی نہیں تھی، اگر بیلا اور عثمان قریب آ گئے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہو کہ خرمین تھا خرمین کی توجہ بھی تقسیم ہونا وہ برداشت کر لے گا۔

اپنی بکواسی طبیعت کے باوجود وہ ٹھیک 12 بجے خرمین کو یک کرنے پہنچ گیا تھا، آج وہ خرمین کا شو نہیں سن رہا تھا مگر اسے یقین تھا کہ یہ شو بھی بہت زبردست گیا ہوگا، گھر کی طرف واپس آتے ہوئے تمام راستہ خاموشی سے گزرا تھا، خرمین کا موڈ اس کا چہرہ دیکھتے ہی دوبارہ خراب ہو گیا تھا، اس کے تیروں سے اندازہ ہو چکا تھا، وہ خاموش تھی، یہی بہتر تھا کیونکہ اس وقت وہ اس کی آواز سننا بھی نہیں چاہتا تھا۔

پارکنگ سے نکلنے ہی وہ سیدھا بیلا کے گھر کی طرف بڑھ گئی تھی، اسے اب عثمان کی واپسی کے بعد ہی واپس آنا تھا، لہذا عارض خاموشی سے لفٹ کی جانب بڑھ گیا تھا، مگر اس کا دماغ فیسے میں کھول رہا تھا، خرمین کو یہ تک پہنچنے کی زحمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ کھانا کھا چکا ہے یا نہیں؟ کبھی کبھی عارض کو لگتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا رویہ اختیار کرتی ہے تاکہ عارض اس سے بدظن ہو، اس سے بھٹکا کر اسے یا اس کے خلاف ہو جائے، اگر واقعی وہ ایسا جانتی تھی تو عارض کے لیے یہ غیر متوقع بات نہ ہوتی، مگر احقنا ضرور ہوتی، لیکن میں وہ سبیل کے گرد موجود پانی کے گھونٹ لے رہا تھا، جب اسے گیٹ کھلنے کی آواز سنائی دی تھی، خرمین کے علاوہ کون ہو سکتا تھا، اس کے پاس گھر کی چابی موجود تھی، بس ایک نگاہ عارض نے اسے دیکھا تھا، جو حیرت مندوں کے ساتھ اس کے سامنے آ کر کی۔

”ای سے تم نے میرے بارے میں کیا کیا بکواس کی ہے؟“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ تیز لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

”میں نے ان سے کوئی بکواس نہیں کی ہے۔“

”تم نے کی ہے۔“ وہ درمیان میں جھپٹی تھی۔

”تم نے ان کو بتایا کہ میں کتنی غیر ذمے دار ہوں، تمہارا خیال نہیں رکھتی، تم بہتر مرگ پر پڑے ہو اور میں برا ہو چکی ہوں۔“

”خرمین! اپنی آواز بگنی رکھو، پہلے ہی میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے، تم جانتی ہو کہ میں تمہارے خلاف مامی یا ماموں جان سے کچھ نہیں کہہ سکتا، مامی میری آواز سے میری طبیعت کو محسوس کر گئی تھیں، انھوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تم بیلا کی طرف ہو۔“ خرمین کی آواز اس کے سر پر جھونڈے کی طرح برسی تھی، جو وہ غصہ ضبط نہیں کر سکتا تھا۔

”مجھے صفائیاں مت دو، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم کتنے معصوم ہو، تم کچھ کہتے ہو نہ کہتے ہو، بس آگ لگا کر اپنے ہاتھ سیکتے ہو، معصومیت کے پردوں میں رہ کر تم پہلے میرے گھر پر، پھر میرے ماں باپ پر مسلط ہو گئے، مگر اس کے بعد بھی سکون نہ ملا تو مجھ پر تسلط بھا کر اب تم مجھے میرے ہی ماں باپ کی نظروں میں ڈکیل کر رہے ہو، میں نے تم سے کب کہا تھا کہ مجھے اپنے گلے کا طوق بناؤ؟“ میری طرف سے تم ابھی جا کر ڈھونڈ لو کوئی ایسی جوتہا میرے معیار پر کھری اترے، جو صبح شام تمہاری دلداریاں کرتی رہے، تمہارے قدموں میں بیٹھی رہے مگر مجھ سے اس غلامی کی توقع رکھنے سے پہلے آئینہ دیکھو، وہ جہیں بتائے گا کہ خرمین کو تمہاری نہیں، جہیں خرمین کی ضرورت تھی۔“ حلق کے بل اس کے پرچھے اڑائی وہ ہر چند نظروں سے اسے دیکھتی لیکن سے نکل گئی



تھی، دوسری جانب عارش کو اپنی رگوں میں خون کی جگہ آگ گردش کرتی محسوس ہو رہی تھی، اس کا ضبط کرنے لگا تھا، اس نے چاہا تھا کہ پانی پی کر غصے پر قابو پائے مگر اسے خود پینے نہیں تھا کہ اس نے کب فرس پروے مارا اور کب چار ماہانہ قدموں کے ساتھ جگن سے نکل آیا تھا۔

جائے نماز بچھاتے وہ رک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو ایک جھکے سے دروازہ کھولتا اندر آیا تھا۔

کے دیکھتے چہرے اور سرخ انگارہ آنکھوں سے بے نیاز ہوئی وہ جاننا پڑا ہی تھی۔

”تمہیں لگتا ہے تمہاری نماز قبول ہوگی؟“ عارش کا لہجہ مشتعل تھا۔

”آواز بند کرو اپنی“ - خرمن کا لہجہ کڑھتا تھا۔

”میں اپنی آواز بند نہیں کروں گا، میں بھی تمہارا اعلان نہیں ہوں کہ تمہاری اجازت لے کر مجھ کو گاہ عارش کی آواز بلند تھی جبکہ خرمن ایک گہری سانس لیتی اسے بالکل نظر انداز کے نماز کی نیت باندھ چکی تھی۔

”جس کی صبح شام عبادت کرتی ہو، اس کے فرمان تک تمہیں یاد نہیں، عرشین کی طرح سجدے سے شوق رکھتے فرصت مل جائے تو دیکھنا، تمہاری اپنی زبان تمہاری عبادتیں کھا رہی ہے۔“ بڑھکتے لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھا جواب رکوع میں جاری تھی، اپنی جلتی انگلیں اس کے پرسکون چہرے سے ہٹاتا وہ پلٹ کر کمرے سے باہر دھماکے دار آواز کے ساتھ دروازہ بند کرتا گیا تھا۔

رات کے گہرے سکوت میں وال کھاک کی تک تک بھی اس کے سر میں بھاری ضرب کی طرح لگ رہی تھی، فکور کشن کے درمیان سر کو دباتا وہ حقیقتاً درد سے تڑپ رہا تھا، جس کے پاس اس درد کا مداوا تھا، اس کی نگہ بندی کی انتہاؤں پر پہنچ کر اسے بے قیمت کر چکی تھی، لاؤنج کی نیم تاریکی میں اب درد کی اذیت سے اس کے مدھم مدھم کراہیں پھیلنے لگی تھیں، یہ ناقابل برداشت تکلیف اس کی آنکھوں میں گرم سیال اتارنے لگی تھی، دفعتاً اپنے شانے پر ایک ہاتھ کا پس محسوس ہوا تھا، یہ وہ نہیں تھا، اس کا یقین ہونے پر بھی اس نے کشن سے ہٹا دیا تھا بلکہ اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک کر الگ کر دیا تھا، چند لمحوں کے توقف کے بعد خرمن نے وہ ہٹا دیا تھا بلکہ اس کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک کر الگ کر دیا تھا، اس نے چپے رکھ دیا تھا، اس نے چاہا تھا کہ اس کے ہاتھ کو جھٹک دے، اسے خود سے دور کر دے مگر چاہتے ہوئے بھی وہ ایسا نہیں کر سکا تھا، ٹھیک ہی تو کہا تھا اس نے تو ہر لمحہ ہر پہل اس کی ضرورت دل میں رکھتا تھا، اس وقت بھی وہ اس کی ضرورت کے سامنے اٹا کے جھنڈے پر بلند ہو کر کھڑا تھا، ہند آنکھوں کے ساتھ وہ اپنی جلتی پیشانی پر گنداز پس کو محسوس کر رہا تھا، بالوں میں سر سر ہونے لگی انگلیاں کسی مقناطیس کی طرح اس شدت کے درد کو چسپاں کر رہی تھیں، اس کے لمبوں کی جھنجھکی سے وہ اپنے دل و دماغ کو معطر ہوتا محسوس کر رہا تھا، آہستہ آہستہ درد کی جگہ ایک عجیب سے خمار نے لپیٹ کر دی تھی، گنپٹیوں کی پھڑکتی رگیں پرسکون ہونے لگی تھیں، آخری احساس بس یہ تھا کہ وہ ہوا کے دھڑکنے دھیرے دھیرے کسی اونٹانی سے نیچے کی جانب سفر کر رہا ہے، گہری نیند کا سفر۔

نیند سے بوجھل پلکوں کو بے شکل کھولے وہ دھیرے دھیرے اس کا سر دوبارہ ہی تھپ تھپ کی نیند میں غلط آئے، اس کے گھٹنوں پر سر رکھے وہ کافی دیر سے ارد گرد سے غافل تھا، اس کی گہری نیند کا یقین ہونے کے بعد خرمن نے اس کا سر اپنی گود سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اس دوران اگر عارش کی نیند ٹوٹ جاتی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ مزید ایک گھنٹہ جاگ کر اس کا سر دبانا پڑتا، قاطعاً اس کی عادتیں بگاڑ رہی تھیں، وہ ہر

سارو کیا بلکا سا بخار بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، جب تک سر درد ٹھیک نہیں ہوتا تھا قاطعاً اس کے سر ہانے بیٹھے رہ کر سر دبانا پڑتا تھا، وہ خود بھی ان کو بیٹھے نہیں دیتا تھا، بلکہ ان کا دامن پکڑے رکھتا تھا کہ کہیں وہ غنودگی میں چلا جائے اور قاطعاً اس کے سر سے ہاتھ ہٹا کر کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہو جائیں، اس وقت بھی اس نے عادت کے مطابق خرمن کا دامن نیند میں بھی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا، ہاتھ بوھا کر اس نے فکور کشن کو کچھ قریب کیا اور احتیاط سے بیروں کو ذرا سیدھا کرتے ہوئے کشن پر سر رکھ دیا تھا، عارش مشتعل اس کے گھٹنوں پر چہرہ دکھانے گہری نیند میں تھا، بوجھتی تھکی سے کسی حد تک بچنے کے لیے اس نے دوپٹہ اچھی طرح خود پر پھیلا لیا تھا، حالانکہ اس پوزیشن میں سونا مشکل تھا مگر اس وقت نیند کے نلبے نے اسے ہر چیز سے غافل کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

گہری نیند سے اچانک ہی اس کی آنکھیں کھلی تھیں، چند لمحوں تک وہ غنودگی میں پلکیں جھپک رہا تھا مگر نیند ٹوٹنے کی وجہ نہیں جان سکا تھا، پر کیف سا خمار آنکھوں میں اتر ا ہوا تھا، سر اور وجود بہت ہلکا ہلکا اور پرسکون محسوس ہو رہا تھا، پلکیں دوبارہ آپس میں جڑنے لگی تھیں، تب ہی اس کے سر کے نیچے کچھ حرکت ہوئی تھی، کچھ شکل آنکھیں کھول کر اس نے ذرا سر اٹھایا تھا اور اگلے ہی لمحوں تک گھبراہٹ میں اس کے سر کا وزن ہٹتے ہی وہ اپنے پیر پر جھیر جھیر رہ گئی گہری نیند میں ہی تھی، اپنے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ لاؤنج میں ہی کارپٹ پر دراز ہو گیا تھا اور یہ کہ وہ درد کی کس اذیت میں مبتلا تھا، مگر اس وقت کسی درد اور اذیت کا نام و نشان تک نہ تھا، اسے یاد آیا تھا کہ وہ خرمن کی گود میں سر رکھے ہی سویا تھا، اٹھ کر بیٹھتے ہوئے وہ چند لمحوں تک اس کے خوابیدہ چہرے کو دیکھتا رہا تھا، مدھم مدھم شہری شہری روشنی میں اس کی بند پلکوں کے سائے عارضوں پر پھیلے تھے، اس کے معصوم اور پاکیزہ نقوش کو پلک جھپکے بغیر دیکھتے ہوئے اس پل عارش کے دل میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی، آنکھوں میں چاچوں کے سمندر لیے وہ اس کے قریب ہوا تھا اور دھیرے سے اس کی گردن پر دھکتے دوڑھیا نشان کو چھوا تھا، جو اسے سر میں جکڑتا اپنی سمت کھینچ رہا تھا، کوئی برقی لہری تھی اس لمس میں کہ وہ پلکیں سی جھرجھری لے کر نیند سے بیدار ہو گئی تھی، نیم وا آنکھوں سے وہ اس کی چاہت سے لبریز لگا ہوں میں دیکھتی رہی تھی جو اس کی پیشانی پر پھری تھیں پوروں سے سیٹھ رہا تھا۔

”تم بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں، تمہاری بیزاری، تمہارا اشتغال میرے دل میں بسی تمہاری محبت کو مزید بڑھاتا ہے، تم بھی میرے دل سے اس محبت کو کم نہیں کر سکتیں، مجھے ہر بار قتل کر کے بھی نہیں“ اس کی مدھم سرگوشیوں نے خرمن کی سانسیں روکی تھیں۔

”یہ جانتے ہوئے بھی، کیوں آزمائی ہو مجھے؟ کیوں زندگی تنگ کرتی ہو مجھ پر؟ زندہ رہنے کے لیے مجھے تمہاری ضرورت ہے، اس کی سزا کب تک دوگی مجھے؟“ اس کے مدھم گھیر لہجے میں ایک عجیب سا درد پنہاں تھا، اگلے ہی پل وہ تھکے تھکے انداز میں اپنی پیشانی دھیرے سے اس کے خاموش نرم ہونٹوں سے لگا چکا تھا، اس کی پیشانی اپنے لمبوں پر محسوس کرتے ہوئے خرمن کو پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ کب اس کا ہاتھ دھیرے سے عارش کے مضبوط شانے سے گزرتا اس کی گردن میں جمائے ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دروازہ کھلتی وہ ایک نگاہ بھی اس پر ڈالے بغیر وہاں پلٹ گئی تھی، دروازہ بند کرتا وہ بوجھل قدموں کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھتے ہوئے متلاشی نگاہوں سے اسے ڈھونڈتا رہا تھا، جو پتہ نہیں کس کونے میں جا



”تم تک مجھے معاف نہیں کرو گی، بتاؤ مجھے؟“ شدید اضطراب میں وہ اسے مثالوں سے قہقہہ مہیا تھا۔  
 ”میں تمہاری آواز بھی نہیں سنتا چاہتی۔“ ایک جھگڑے سے اس کے ہاتھ الگ کرتی وہ جیتی جیتی اور اگلے ہی پل  
 سے سائیکل چھوڑتی تیزی سے بچن سے لپکی تو کمرے میں پہنچ کر ہی سانس لی تھی، اپنے آنسوؤں کو روکنے کے لیے  
 دم کی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔

”اپنے ہاتھوں سے سب کچھ کرنے کے بعد بھی یہ شخص معافی کا طلب گار ہے۔“ اس کا دل اذیت سے چینا  
 تھا جب ہی چلتے دروازے نے اسے جھٹکا دیا تھا، چند لمحوں تک وہ دروازے پر رکھا اس کی جھکی سرخ آنکھوں کو  
 دیکھتا رہا اور اگلے ہی پل بیلا دنگ رہ گئی تھی جب وہ دروازہ بند کرتا اسے لاک بھی کر رہا تھا، سن بھی وہ اسے  
 دیکھتی رہی تھی جو وہ بارہا اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”تمہیں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، دروازہ لاک میں نے اس لیے کیا ہے کہ اگر نیند میں  
 جاں لے دیتی تو تمہارا موڈ ہو تو اس دوران تم کمرے تک ہی محدود رہو، ورنہ باہر تم کسی چیز سے ٹکرا کر خود کو  
 زخمی بھی کر سکتی ہو۔“ اس کے فتنے چہرے کو دیکھتا وہ بولا تھا۔

”اور اگر میں اس کمرے میں موجود ہوں تو اس لیے کہ مجھے یہاں موجود ہونے کا حق ہے اور میں اسی حق کو  
 استعمال کر رہا ہوں۔“ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتا وہ وارڈ روب کی سمت گیا تھا۔

”مگر تم نے اس کمرے سے نکلنے کی کوشش کی تو بس اتنا یاد رکھنا کہ میں اس گھر سے نکل جاؤں گا۔“ شاید  
 اس کے چہرے سے ہی وہ اس کے ارادے بھانپ گیا تھا، لہذا وہ اس روم کی سمت جاتے جاتے اس کو تاکید کرتا  
 نہیں بھولا تھا دوسری جانب جتنی دقت بیٹھی وہ واش روم کے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی، اس کے لیے یقین  
 کرنا مشکل تھا، عثمان نے پہلے بھی اسے استحقاق کا مظاہرہ جو نہیں کیا تھا۔ واش روم سے باہر آتے ہوئے عثمان  
 نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو اسی طرح سر جھکائے سائیکل بیٹھی تھی، اس کی وسلیگ کو سنتے ہوئے بیلا نے چور  
 لاکھوں سے ڈرینگ کی جانب دیکھا تھا، بلیک ٹراؤزر اور ٹائٹ شرٹ میں لمبوس وہ اپنے گیلے بالوں کو انگلیوں  
 سے ستوار رہا تھا، اور پھر وسلیگ روک کر ڈرینگ سے پرفیوم اٹھالیا تھا۔

”لیڈیز پرفیوم مجھے بچپن سے ہی بہت افریقہ کرتے ہیں۔“ پرفیوم کا سپرے خود پر کرتا وہ جانے کس  
 سے مخاطب تھا، لائٹ آف کرنے سے پہلے اس نے ٹائٹ بلب آن کیا تھا، اور پھر بیڈ کی سمت آیا تھا، جھگڑے  
 کے ساتھ بیلا کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا، مگر اسے بالکل نظر انداز کیے عثمان نے اس کے پاس رکھا نکلی اٹھالیا تھا،  
 اسے دیکھ کر سانس لے سکی تھی، بلیک کاربٹ پر رکھتا وہ مرنے کے لیے دروازہ ہونچا تھا۔

”گڈ نائٹ!“ یکدم وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو سرعت سے نظریں چراتی بیڈ کے دوسرے کنارے پر  
 جا کر کھڑکی سے تان لی تھی، دھڑکنے کی طور قابو میں نہیں آ رہی تھی، اپنی دھڑکنوں کو سنتے ہوئے جانے تک  
 اس پر غائب آ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج ایک اینڈ نائٹ شو تھا، عثمان بروگرام وقت پر شروع کرنے کے لیے اس کے انتظار میں تھا اور وہ  
 کمرے کی کمرے سے پہلے ہی وہ ریڈیو ایشیئن پہنچ چکی ہے، تیزی سے میز پر ہاتھیں رکھ کر ٹیبلٹ کیلکولیٹر پر پہنچی  
 جب اس نے اوپر سے آتے ہارون کو دیکھا تھا، ر کے بغیر سنجیدگی سے سلام کرتا وہ میز پر ہاتھیں اترتا چلا گیا

چھپی تھی، صوفے پر جھکے جھکے انداز میں بیٹھے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر لاؤنچ میں دوڑائی تھی اور  
 صوفے کی پشت سے سرٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں، مگر مکمل طور پر سو گیا تھا، ندامت بھی یا کچھ اور کہہ  
 اس نے بہت مستعدی سے کیا تھا، یہ گھر بڑا تھا، ہر لحاظ سے اس دو کمروں کے فلیٹ سے بہتر تھا، ایک ماربل  
 چھوٹے علاقے کو چھوڑ کر پوش علاقے کے اس خوبصورت ایئر کونڈیشنڈ میں قفل ہونا اس کے لیے باعث مسرت  
 ہو سکتا تھا، اگر اسے بیلا کے چہرے پر خوشی کی ہلکی سی رقی بھی دکھائی دیتی، وہ خوش نہیں تھی، یہ حق اس کے  
 ایک انداز سے جھگڑ رہا تھا، مارے باندھے وہ گھر کے لیے چیزوں کی خریداری کرنے خرمن کے ساتھ  
 رہی تھی، گھر میں کون سی چیز کہاں رکھنی ہے، خرمن اس سے مشورہ کرتی تو وہ سب کچھ اس پر ہی چھوڑتی رہی  
 اسے کوئی غرض نہیں تھی کہ گھر کس طرح سمجھا سوارتا ہے، خرمن کے بار بار سمجھانے کا بھی اس پر خاص اثر  
 ہو رہا تھا، عثمان کی نظروں سے اس کی یہ لاشعری اور کھینچا کھینچا انداز چھپا نہیں تھا اور اس چیز کے لیے وہ خود  
 مورد الزام ٹھہراتا تھا، وہ جانتا تھا کہ بیلا کو اس دو کمروں کے مختصر سے فلیٹ سے کتنی محبت اور لگاؤ تھا، کتنی جلد  
 اور لگن سے اس نے اپنے پہلے گھر کو سوار کیا تھا اور وہ کتنی بے دردی سے اس گھر کی ہر چیز کو اس کے سامنے  
 نہیں کر چکا تھا، اب اگر وہ اس کے لیے عمل بھی تعمیر کروالیتا تو بھی بیلا کے لیے اس عمل کی کوئی اہمیت نہ ہوتی  
 نہیں کر چکا تھا، اب اگر وہ اس کے لیے عمل بھی تعمیر کروالیتا تو بھی بیلا کے لیے اس عمل کی کوئی اہمیت نہ ہوتی  
 اہمیت اور انیسیت اپنے پہلے گھر کے لیے اس کے دل میں تھی، اپنی جارحانہ حرکت کے بعد ایک پل کے لیے  
 کے دل میں خیال آیا تھا کہ کہیں قاروق کے خدشات درست تو نہیں تھے، کیا واقعی اس کی گرم مزاجی بیلا  
 لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہے؟ مگر وہ فوراً اس خیال کو جھٹک گیا تھا، اسی وقت وہ دل سے توبہ کر گیا تھا کہ  
 قاروق کی دشمنی کوئی کدو درست ثابت نہیں ہونے دے گا، جو غلط اس سے سرزد ہوا، وہ اس پر تادم تھا مگر اس  
 سب کچھ ٹھیک رکھنے کا عہد نبھاسکتا تھا، اور اسے خود سے بڑھ کر اپنی محبت اور جذبول پر بھروسہ تھا، مجھے کچھ  
 آنکھیں کھولیں وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو بچپن کی طرف جارہی تھی، وہ عثمان سے کلام کرنا ختم کر چکی تھی  
 تک کہ اسے دیکھنے سے بھی احتراز کرتی تھی، مگر اس کی چیزوں کا اور اس کے کھانے کا پورا خیال رکھتی تھی مگر  
 نے عثمان کے ساتھ کھانا کھانے کی روش کو یہاں آ کر ختم کر دیا تھا، پتہ نہیں وہ اپنے اور اس کے درمیان سے  
 کیا کچھ ختم کرنے کا ارادہ رکھتی تھی، گہری سانس لیتا وہ بچپن کی سمت بڑھ گیا تھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے، کھانا تم نکالو میرے لیے۔“ وہ اس سے مخاطب ہوا تھا جو فریج کھولتے ہوئے  
 ایک پل کو رہی تھی اور پھر خاموشی سے فریج کے پاس سے ہٹتی ٹیبل تک آ گئی تھی، بغور عثمان اسے دیکھتا رہا  
 نظر اٹھائے بغیر ٹیبل سے ٹیبل اٹھا کر واپس ان کی جگہ پر رکھ رہی تھی، اس کی جانب بڑھنے سے آج وہ  
 روک نہیں سکا تھا، براہ راست بات بھی تو کرتی تھی، تو پھر آج ہی کیوں نہیں۔ وہ کتر کر نکل جانا چاہتی تھی  
 عثمان اس کے راستے میں آ گیا تھا۔

”مجھے کچھ کہنے کا ایک موقع بھی نہیں دو گی تم؟“ عثمان نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر وہ اسی طرف

جھکائے سرعت سے پیچھے ہوتی تھی۔

”تم اپنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے کہ میری طرف دیکھنا بھی تمہیں گناہ لگتا ہے؟“ وزیدہ نظروں سے

اس کی پیشانی پر پڑتے ناگوار کی کے بل دیکھ رہا تھا۔

”مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی ہے، ہٹو میرے سامنے۔“ نظر جھکائے ہی وہ لرزرتے لہجے میں

تھی۔



کچا پرل 2014 سے 10 جولائی 2014 تک

# زبردست ڈسکاؤنٹ آفر

برائڈل میک اپ اور پارٹی میک اپ پر

## 20% ڈسکاؤنٹ

ایکسپریٹ  
ڈیپ میک اپ

From Rs. 8000/-  
Up to Rs. 10,000/-

Make-up: Sahar Ehsan

Daily Rs. 4000/-  
Party Rs. 3500/-  
Wedding Rs. 2500/-

## روز اوکسیجن

وائٹنگ اینڈ لفٹنگ فیشل



## کیراٹن

ٹریٹمنٹ



## ری بونڈنگ ہال

زیادہ خوبصورت  
پہلے سے ہی  
بلورانی سے ہمیشہ کیلئے نجات!

From Rs. 70,000/-  
Up to Rs. 25,000/-

## روز بیونی پارلر

35833929-35833930 34977970-34977972

36636824-36636825 36707479-36707480

Email: rosegroupk@gmail.com Website: www.roseparfour.com

”آپ رکیں گے ذرا؟“ خرمن کی پکار پر وہ رک کر متوجہ ہوا تھا، اور اسے میٹھیماں اترتے دیکھ کر خود ہی  
”اوپر اس کے مقابل آگیا تھا۔“  
”خیریت سے ہیں آپ؟“ اپنی حیرانی چھپانے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔  
”جی اور آپ کیسے ہیں؟“ کچھ ہنسنے ہوئے وہ اسے مزید حیران کر رہی تھی۔  
”الحمد للہ! آئے میں آپ کو ادھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔“  
”نہیں، میں نے اس لیے آپ کو نہیں روکا تھا۔“ وہ فوراً شرمندہ ہوتی ہوئی تھی۔  
”سوری اس کیڈ اور تھرڈ فلور تک اس وقت سناٹا ہوتا ہے، لفٹ بھی خراب ہے اس لیے مجھے ایسا لگا تھا، آپ  
کو کچھ کہنا تھا مجھ سے؟“ بولتے ہوئے وہ آج پھر بغور اس کے سرخ رنگ کے اسکارف میں قید چہرے کو دیکھنے  
سے خود کو روک نہیں سکا تھا۔  
”وہ دراصل میں آپ سے معذرت کرنا چاہ رہی تھی، میں نے بہت غلط طریقے سے آپ سے بات کی۔“  
”کسی معذرت کی ضرورت نہیں، میں وہ سب بھول چکا ہوں۔“ ہارون نے درمیان میں ہی اسے روکا تھا۔  
”لیکن میں پھر بھی آپ سے شرمندہ ہوں، میں نے پہلی بار کسی غلطی ادارے کو جوابن کیا ہے، زیادہ جتنا  
رہنے کی فکر میں، میں آپ کے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔“  
”آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا لہذا شرمندہ مت ہوں، میرے دل میں پہلے سے زیادہ آپ کے لیے عزت  
بڑھ چکی ہے جتنا طرہ بنا اچھی بات ہے آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔“ سنجیدگی مسکراہٹ کے ساتھ ہارون نے  
اسے تسلی دی تھی جبکہ اس کی یہ انکساری خرمن کو اپنے سابقہ رویوں پر مزید شرمندہ کر رہی تھی۔  
”مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو؟“ ہارون کے کہنے پر وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے  
لگی تھی۔  
”میرا چھوٹا بھائی، آپ کا اور عثمان کا فین ہے، آپ دونوں کا ویک اینڈ شوہ لازمی سنتا ہے، آج اس کا  
برتھ ڈے ہے اور اس نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں آپ سے کہوں کہ آج کے شوشن آپ اسے برتھ ڈے  
وش کریں، میں عثمان کو بھی اس کا یہ پیغام دے چکا ہوں۔“  
”میں ضرور ووش کروں گی، نام کیا ہے ان کا؟“ خرمن نے مسکرا کر کہا تھا۔  
”اس کا نام ایک ہے، دوسرے میں آپ کو بتاؤں کہ میری مدد بھی آپ کو بے حد پسند کرتی ہیں، ریڈیو وہ  
صرف میری وجہ سے ہی سن رہی ہیں مگر اب وہ آپ کا کوئی بھی پروگرام سن نہیں کرتی ہیں۔“  
”واقعی؟ پھر تو آپ کو مجھ سے چیلنس ہونا چاہیے۔“ وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔  
”ہرگز نہیں، مگر مجھے ہونا تو چاہیے۔“ وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔  
”عثمان کو آپ کا انتظار ہوگا، مجھے اب جانا چاہیے۔“ ہارون نے کہا تھا اور پھر فوراً ہی خدا حافظ کہہ  
میٹھیماں اترتا گیا تھا، جبکہ خرمن کا نظریہ اس کے بارے میں بالکل بدل گیا تھا کہ وہ ایک اچھا ریڈیو ہے  
ہی نہیں ایک اچھا انسان بھی ہے، اس سے بات کرتے ہوئے خرمن کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ صدیوں سے  
اسے جانتی ہے۔



نیو کی لائبریری اینڈ فرینٹک پوائنٹ  
ساؤتھ سٹیم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے  
سجے اور پائے کا پختوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے  
دوکان نمبر 12 صدر بازار برقی پور

## گراؤنڈ میں بیٹیاں اور عورتیں ہمالی

جلاہو ادا دل ہے میرا بچھا ہوا ہے  
دھواں دھواں بن کے رہتا میری سزا ہے



سنگری دلکش آواز یکدم مدھم پڑتی ایک انگلش نمبر کے تیز میوزک میں غائب ہو گئی تھی، بیک گراؤنڈ میوزک میں اس کی کھٹکھٹانی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔  
”خرمن! خدا کے لیے بیک گراؤنڈ چنچ کر دو۔“ عثمان کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔  
”ایسا بالکل نہیں ہوگا، ویک اینڈ کا فارمیٹ ہے خوشی، انجوائمنٹ، میسجز میں سب پوچھ رہے ہیں کہ آپ کے موڈ کو ہوا کیا ہے، خواتین زیادہ پریشان ہیں۔“ بیک گراؤنڈ میوزک کی بلند ہوئی آواز کے ساتھ ایک بار پھر اس کی کھٹکھٹاہٹیں بکھری تھیں۔  
”کچھ میکینیکل پرابلم کی وجہ سے کالز کا سلسلہ رک گیا تھا مگر اب ہمارے انجینئر صاحب یہ پرابلم دور کر چکے ہیں۔“ دھیمے ہوتے بیک گراؤنڈ کے ساتھ عثمان کی آواز ابھری تھی۔  
”پھر جلدی سے کال شامل کرتے ہیں اور سنتے ہیں آج کے ٹاپک کے بارے میں اپنے لسنرز کی رائے۔“ خرمن نے کہا تھا۔





”مجھے یقین ہے کہ اس کال میں بھی آپ سے یہی سوال کیا جائے گا کہ آپ کا بولنے کا انداز ہارون سے ملتا جلتا کیوں ہے؟“ عثمان کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔  
 ”اگر آج بھی یہ سلسلہ چلتا رہا تو میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤں گی کہ ہارون مجھ سے کچھ زیادہ ہی امیر پس ہیں، اور وہ مجھے کاپی کرتے ہیں۔“ وہ بے ساختہ ہنسی گئی۔  
 ”میں دعا کر رہا ہوں کہ ہارون اس وقت تمہارا یہ اسٹینٹ سن رہے ہوں۔“ عثمان نے کہا تھا۔  
 ”مجھے نہیں لگتا کہ یہ پروگرام سننے کا اسٹیمنا ان میں بچتا ہوگا۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔  
 ”ظاہر ہے، اپنے پروگرام میں شادی کے پروپوزل لیتے لیتے وہ تھک بہت جاتے ہیں۔“ عثمان نے کہا تھا۔

”اب تو میں دعا کر رہی ہوں کہ ہارون پروگرام سن رہے ہوں۔“ خرمن ہنسی تھی۔  
 ”کون ہے ہمارے ساتھ لائن پر؟“  
 ”میری کال مل گئی، مجھے یقین نہیں آ رہا، میں کب سے ٹرائی کر رہا تھا، خرمن! مجھے لازمی آپ سے بات کرنی تھی۔“

”خرمن! اس کی لائن کاٹو۔“ عثمان نے فوراً کہا تھا۔  
 ”نہیں، نہیں، عثمان بھائی! مجھے آپ سے بھی بات کرنی ہے۔“ لڑکا گڑبڑا اٹھا تھا۔  
 ”اپنا نام بتاؤ بیٹا!“ خرمن ہنسی روکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔  
 ”میں چھوٹا سا نہیں ہوں، آپ مجھے بیٹا مت کہیں۔“ وہ لڑکا ہول کر بولا تھا۔  
 ”تم چھوٹے نہیں ہو، مگر ان کا رتبہ بہت بڑا ہے، یہ میرے جیسے انسان کی روحانی استاد ہیں، اب تم خود ان کی عمر کا اندازہ لگا لو۔“

”عثمان! یہ کچھ زیادہ ہو رہا ہے۔“ خرمن کے خشک لہجے پر وہ ڈھٹائی سے ہنسا تھا۔  
 ”میری لائن کٹ جائے گی، آپ دونوں میری طرف بھی دھیان دے لیں۔“ کارل نے انھیں یاد دلایا تھا۔

”جلدی سے اپنا نام بتاؤ ورنہ تمہاری لائن کاٹ دوں گا۔“ عثمان نے پھر کارل کو ہلایا تھا۔  
 ”میں وہی ہوں جسے آپ نے اپنے شو کے انٹارٹ میں برتھ ڈے وش کی تھی۔“  
 ”خدا نخواستہ تم ایک تو نہیں ہو؟“ عثمان نے پوچھا تھا۔

”جی ہاں، میں ایک ہی ہوں، اور میں نے پہلی بار آپ کے شو میں کال کی ہے، میں آپ دونوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ آن ایئر آپ نے مجھے وش کر کے مجھے اور بھی خوش کر دیا ہے۔“  
 ”ایک! سانس لے لو اور ٹرین سے اتر کر بات کرو۔“ اس کی اسپید پر خرمن ہنسی تھی۔

”خرمن! میں آپ کی اتنی پیاری ہنسی کا بھی فین ہوں، کیا میں آپ سے ملنے ریڈیو اسٹیشن آ سکتا ہوں؟“ عثمان بھائی سے تو میری ملاقات ہو چکی ہے، یہ تو بہت زیادہ پیٹنڈم ہیں، ان کو تو ویسے بھی سب میگزینز میں دیکھ چکے ہیں، مگر میری خواہش ہے کہ میں آپ سے ملوں۔“

”ایک! ہماری بھی سن لو بھائی!“ عثمان نے پھر اسے روکا تھا۔  
 ”خرمن ضرور تم سے ملیں گی، مگر اس کے لیے ابھی تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔“

”میں کچھ بھی کرنے کے لیے تیار ہوں۔“  
 ”عثمان! آپ اس کا جذبہ محسوس کر رہے ہیں؟“ خرمن نے کہا تھا۔  
 ”ابھی سارے جذبے سامنے آ جائیں گے، ایک! تمہیں بس یہ کرنا ہے کہ ابھی خرمن کو پانچ بار خرمن باجی کہہ کر پکارو۔“

”یہ تو بہت چھوٹا کام ہے، کوئی بڑا کام بتائیں۔“ ایک کے برجستہ کہنے پر خرمن بے ساختہ ہنسی تھی۔  
 ”بڑا کام کرنے کے لیے پہلے تمہیں بڑا ہونا پڑے گا، کتنے سال کے ہو گئے ہو؟“ عثمان نے پوچھا تھا۔  
 ”آج 12 بجے کے بعد پورے 19 سال کا ہو جاؤں گا۔“

”19 سالوں میں کتنی گرل فرینڈز بدلی ہیں تم نے؟“ خرمن نے پوچھا تھا۔  
 ”میری ماما یہ شو سن رہی ہیں۔“ ایک کو فکر ہوئی تھی۔  
 ”یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔“ خرمن ہنسی تھی۔

”ایک! تمہیں یہاں آ کر خرمن سے ملنا ہے تو بس ایک آسان سوال کا جواب دے دو، اور وہ یہ ہے کہ ہارون شادی کب کر رہے ہیں؟“ عثمان نے کافی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔  
 ”یہ تو ان کو ہی پتہ ہوگا۔“

”تمہیں بھی تو پتہ رکھنا چاہیے، بڑے بھائی کی کوئی ذمہ داری تم پر بھی تو عائد ہوتی ہے۔“ خرمن نے جیسے سمجھایا تھا۔

”آپ ان سے بات کر لیں وہ آپ کو سن رہے ہیں۔“ ایک کی اطلاع نے اسے دنگ کر دیا تھا۔  
 ”ہارون! آپ نے سنا خرمن آپ کے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں؟“ عثمان نے فوراً دامن بچانے کی کوشش کی تھی۔

”میں خرمن کو بھی سن رہا ہوں اور تمہیں بھی، تم دونوں میرا پیپی برتھ ڈے کیوں کر رہے ہو؟“ ہارون کے کہنے پر وہ دونوں ہی ہنسنے لگے۔  
 ”یقین کریں، میں میجر دیکھ رہی ہوں اور سب ہی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ شادی کب کر رہے ہیں؟“

خرمن نے بتایا تھا۔  
 ”میرا خیال ہے کہ میرا بیٹنڈ بجائے بغیر بھی آپ دونوں کا پروگرام زبردست جا رہا ہے۔“ ہارون کے جواب پر وہ پھر مٹھکھلائی تھی۔

”ہارون! میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے پروگرام میں خرمن کو کاپی کرتے ہیں؟“ عثمان کے سوال پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔  
 ”اگر تمہاری طرح میری روحانی استاد بھی خرمن ہوتیں تو میں بغیر سوچے سمجھے یہ الزام قبول کر لیتا، میرا خیال ہے کہ کال طویل ہو رہی ہے دوسرے کارلز انتظار کر رہے ہوں گے۔“ ہارون نے یاد دلایا تھا۔

”ہارون! بہت شکریہ کہ آپ ہمارا شو سن رہے ہیں، آپ جیسے سینئر زکی حوصلہ افزائی ہمارے لیے باعث فخر ہے۔“ خرمن نے سنجیدگی سے کہا تھا۔  
 ”میں اپنے سنرز کو یہ بتا دوں کہ میں اور خرمن اگر ان ہاٹ سیٹ پر موجود مائیک کو استعمال کرنے کے قابل ہوئے ہیں تو صرف ہارون کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے۔“ عثمان نے کہا تھا۔



کے لیے خرید سکتے ہو۔“  
”روز روز کھانا باہر سے لانے کے بجائے میں اسے کیوں نہ ہمیشہ کے لیے لے آؤں جس کے بنائے  
کھانے میں ذائقہ ہو؟“ ایک مسکراتی نظر عارش نے اس پر ڈالی تھی۔

”میری طرف سے تم آج ہی لے آؤ، مجھے کیا فرق پڑے گا، مرد ایسے کام کرتے ہی رہتے ہیں، اور تم پر تو  
مجھے پہلی بھر وسوسہ نہیں ہے، میری طرف سے سو بار ایسے کام کرو تم، حیرت نہیں ہوگی مجھے۔“ اس کے تلخ لہجے  
پر عارش کے تاثرات بدلے تھے۔

”ظاہر ہے، جو محبت کے قابل نہیں، وہ تمہارے لیے بھروسے کے قابل کیسے ہو سکتا ہے۔“ عارش کا لہجہ  
طنز یہ ہوا تھا۔

”تم محبت کے راگ جہنم میں نہیں بھیج سکتے؟“ خرمن نے کوفت سے اسے دیکھا تھا۔  
”کہو تو میں چلا جاؤں؟“

”پہلی فرصت میں۔“ باہر سائن بورڈ پر نظر ڈالتی وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

”تم مذاق میں کی گئی باتوں کو بھی اتنی مٹی نظر سے کیوں دیکھتی ہو؟“ وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

”میں وہی دیکھتی ہوں جو سچ ہوتا ہے اور وہ کسی سے برداشت نہیں ہوتا۔“ وہ سر دلچے میں بولی تھی۔

”تم وہی دیکھتی ہو جو تمہاری نظریں دیکھنا چاہتی ہیں، ورنہ وہ سچ بھی تمہیں دکھائی دے سکتے ہیں جو کھلے  
پڑے ہیں تمہارے سامنے، مگر ان کو تم نہ دیکھنا چاہتی ہو نہ سمجھنا چاہتی ہو۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

”میں کسی کی تابع نہیں ہوں، جو چاہوں گی وہی کروں گی، تمہیں فتویٰ لگانا ہے تو لگاؤ، مجھے پروا نہیں۔“  
اس کے نخوت بھرے لہجے پر وہ بے شکل خود کو کچھ کہنے سے روک سکا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس لا حاصل  
بحث کو لے کر وہ اپنے اور اس کے تعلقات کو ڈسٹرب کرے۔

”سنو! چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔  
”بابا کی شاپ سے فون آیا تھا، کچھ حساب کتاب کا معاملہ ہے، بابا نے بھی مجھے تاکید کی تھی کہ تمہیں یاد  
دلادوں، کل چھٹی کا دن ہے، تم فری ہو گے تو کل ہی شاپ کا چکر لگالینا۔“

”چلا جاؤں گا۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ ہی بولا تھا۔  
”کہاں.... جہنم میں؟“

”تم مجھے سکون سے ڈرائیونگ کرنے دو گی بھی یا نہیں؟“ اس کے جھلائے انداز پر وہ اپنی ہنسی نہیں روک  
سکی تھی۔

☆.....☆.....☆

”صرف ایک گھنٹے کی بات ہے، خرمن کے سامنے تم مان گئے تھے اور اب مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ جانا  
چاہتے ہو۔“ نیزہ زچ ہو کر بولی تھی۔

”خرمن کے سامنے میں اس لیے انکار نہیں کر سکا کیونکہ مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے، بس.... یہی سننا  
چاہتی تھی تم؟“ عارش نے خشکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”تمہاری فرینڈ کی بہن کے ویسے میں میرا آخر کیا کام؟ میں ایک گھنٹے بعد تمہیں پک کر لوں گا۔“  
”تم میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے، اگر میری جگہ خرمن ہوتی تو کیا تم اسے گھر سے اتنی دور یہاں تنہا

رداؤ انجسٹ [11] جولائی 2014ء

”بہت زیادہ کسر نفسی سے کام مت لو، تم دونوں جہاں ہو وہاں تک اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ہو، دو منزل  
ایک کو دو وہ کچھ بات کرنا چاہ رہا ہے۔“ ہارون نے کہا تھا۔

”عثمان بھائی! پروگرام کے اینڈ میں دوبارہ میرا نام لے کر دے کرنا ہے آپ دونوں نے، اور میرے  
فرینڈ نے آپ کے چوکیدار کو میری برتھ ڈے کا ایک دے دیا ہے۔“

”صرف ایک برٹر خار ہے ہو؟“ عثمان نے گھر کا تھا۔

”اور بھی بہت کچھ ہے، کب ضرور کھا جائے گا۔“

”ایک! تمہارا بہت شکر یہ مگر اتنی زحمت کیوں کی تم نے؟“ خرمن نے کہا تھا۔

”کیونکہ آپ دونوں نے مجھے دے دیا ہے۔“

”ایک! ہارون کی برتھ ڈے کب آرہی ہے؟“ عثمان کے سوال پر خرمن بے ساختہ ہنسی تھی۔

☆.....☆.....☆

”مجھے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی؟“ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتی وہ اس سے پوچھ رہی تھی جو بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔  
”پہلے ہی میری وجہ سے تم ڈسٹرب ہو گئے ہو اور اب تو ہفتے میں تین دن مجھے شکر کرنے ہوں گے۔“ کچھ

شرمندہ لہجے میں وہ بولی تھی۔

”میں تمہاری وجہ سے کب ڈسٹرب نہیں ہوتا؟“ مسکراتی نظر اس نے خرمن پر ڈالی تھی۔

”کسی بات کے لیے پریشان مت ہو، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے کسز تمہیں زیادہ سے زیادہ  
سننا چاہتے ہیں۔“ عارش کے نرم لہجے پر وہ خاموش رہی تھی، پیچھے بھاگتے مناظر سے نظر ہٹا کر وہ عارش کی  
طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”کیا ہوا.... کوئی مسئلہ.... کوئی پریشانی ہے؟“ خرمن کے سوال پر وہ حیران ہوا تھا۔  
”نہیں، مگر تمہیں ایسا کیوں لگا؟“

”تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے، خاموش بھی ہو کچھ۔“ خرمن کی چانچتی نظروں پر وہ اس سے نظر نہیں  
ملا سکا تھا کہ واقعی وہ ابھرنے میں تھا، اسے سلھانے کی کوشش میں بھی لگا تھا مگر کوئی سراہا تھا نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن

وہ حیران ضرور تھا کہ خرمن نے کب سے اس کے چہرے کو پڑھنا شروع کر دیا اور یہ کہ وہ کب سے اس کی  
خاموشی کی پرواہ کرنے لگی ہے، اتنی اہمیت تو اسے کبھی خرمن سے نہیں ملی تھی۔

”شاید تمہیں وہم ہوا ہے ورنہ ایسا تو کچھ نہیں ہے۔“ عارش نے اسے ٹالا تھا۔

”کچھ کھانے کا دل چاہ رہا ہے تو ابھی بتادو، ویسے بھی تم نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا اور میں تمہارے  
ساتھ کھانا کھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔“

”گھر میں کھانا تیار رکھا ہے، اس کے علاوہ کیا کھاؤں، رہنے دو۔“ وہ بولی تھی۔

”میں جانتا ہوں کہ تم خود کھیل ہو چکی ہو، مگر کبھی کبھی تو مجھ سے کوئی فرمائش پوری کر دیا کرو۔“ وہ کچھ  
ناراضی سے بولا تھا۔

”تم کسی چیز کی نہیں چھوڑتے لہذا فرمائش کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔“ خرمن نے مسکراتے ہوئے  
اسے دیکھا تھا۔

”لیکن اگر تمہیں میرے بنائے گئے کھانے میں ذائقہ محسوس نہیں ہوگا، تو احتیاطاً تم اپنے لیے کچھ کھانے

رداؤ انجسٹ [11] جولائی 2014ء



چھوڑ کر بھاگتے؟“ میزہ نے شدید ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”اگر تمہاری جگہ خرمن ہوتی تو وہ میرے بغیر ہی یہاں آنا پسند کرتی، اور تمہارے کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ویسے میں کیا صرف تم ہی انوائٹڈ ہو اور لوگ نہیں ہوں گے؟“

”اچھا۔ پسین تک تو چھوڑ دیا ابھی فون کروں خرمن کو؟“ میزہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا ناچار عارش کو اس کی ڈھٹائی کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

”اب جاؤں میں؟“ ایک طائرانہ نظروں سے بڑے پر پھیلی رونقوں پر ڈالتا وہ میزہ سے مخاطب ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحوں میں بھٹکا اٹھا تھا جب میزہ اچانک ہی دونوں ہاتھوں میں اس کا بازو دبوے مزید آگے بڑھی تھی۔

”کیا کر رہی ہو، میں اس سے آگے نہیں جاؤں گا۔“ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے عارش نے اسے گھر کا تھا، جو کھلکھلا کر ہنسی چلی گئی تھی تب ہی اپنے نام کی پکار پر عارش چونک کر اس جانب متوجہ ہوا تھا اور اگلے ہی لمحوں میں خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوا تھا، ایک کے مسکراتے چہرے کے پیچھے ہی آتے ایک سنجیدہ سے چہرے نے میزہ کی مسکراہٹ غائب کر ڈالی تھی، بلیک ڈزسوٹ میں ملبوس و جاہت سے بھرپور وہ شخص آج پھر اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر گیا تھا۔

”میں تو آپ پر نظر پڑتے ہی ادھر دوڑ آیا، یقین کریں میں یہاں بہت بور ہو رہا تھا، آپ نے یہاں اینٹری دے کر میرا موڈ ہی پیچ کر دیا ہے۔“ ایک اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

”ویسے بانی داوے آپ دونوں آپس میں گھٹم گھٹا کیوں تھے؟“ ایک کے حیران لہجے پر عارش نے دھیرے سے ہنستے ہوئے میزہ کے شرمندہ تاثرات دیکھے تھے جو کہ پہلے ہی خود پر جمی گہری نظروں پر پزل کھڑی تھی۔

”اس لیے اس تقریب سے میرا کوئی کنکشن نہیں ہے، یہ محترمہ زبردستی اپنے ساتھ مجھے یہاں کھینچ لائی ہیں۔“

”پھر تو ایک کو ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، بلکہ مجھے بھی۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ہارون نے ایک نگاہ اسے بھی دیکھا تھا، جو آج بالکل ایک مختلف اور منفرد روپ میں سامنے کھڑی تھی، لائٹ اور ڈارک فگر کو مینیشن کے فینسی لباس میں اس کا ہلکے ہلکے میک اپ سے سجا سنورا چہرہ بہت پرکشش لگ رہا تھا، شانوں سے نیچے تک جاتے ادھ کھلے بالوں کی سیاہ تراشیدگی اس کے چہرے کے گرد بہت بھلی لگ رہی تھیں، رہی سہی کسر کانوں میں جگمگاتے آویزوں نے پوری کردی تھی، اپنے چہرے سے نگرانی نگاہوں کی پیش آنے سے کچھ ہیرا ہٹ میں مبتلا کیا تھا، جبکہ عارش ان دونوں کی طرف متوجہ میزہ کو تقریباً بھول ہی گیا تھا۔

”عارش! میں اپنی فرینڈ کے پاس جا رہی ہوں، تم جاؤ گے تو نہیں؟“ اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے میزہ نے انتہائی نظروں سے دیکھا بھی تھا۔

”آپ بے فکر ہو کر جائیں، آپ کے لیے نہ سہی مگر میرے لیے تو ان کو رکنار پڑے گا۔“ عارش سے پہلے ہی ایک بول اٹھا تھا۔

”ظاہر ہے، اب تو رکنار پڑے گا مگر ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں اور تمہارا ٹائم شروع ہو چکا ہے۔“ عارش کی تاکید پر مسکراتے ہوئے اس کی نگاہیں بس ایک لمحوں کے لیے ہارون سے ملی تھیں، مگر پھر وہ سرعت سے آگے بڑھ گئی تھی، ان دونوں کی ہمراہی میں ایک نسبتاً پرسکون گوشے میں ٹیبل کے گرد وہ براجمان ہوتا دونوں کی

طرف متوجہ تھا۔

”آپ دونوں یہاں کیسے؟“

”اعظم انکل، پاپا کے قریبی دوست ہیں اور یہ ولیمہ ان کے بیٹے کا ہے، شرکت تو کرنی ہی تھی۔“ ہارون نے بتایا تھا۔

”مجھے تو پاپا زبردستی لے آئے ہیں، سخت بور ہو رہا ہوں، اگر آپ مجھے نظر نہ آتے تو میں یہاں سے بھاگنے والا تھا۔“ ایک نے تشکر آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

”میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتا ہوں کیونکہ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے، ویسے آج تم بہت زیادہ اچھے لگ رہے ہو۔“ عارش کی تعریف پر ایک نے فخر سے اپنا ہی شانہ چھپایا تھا۔

”عارش! اب تم جیسے اچھے دوست کے لیول تک آنے کے لیے اس کو اچھا نظر آنے کی سر توڑ کوشش تو کرنی ہی ہوگی۔“ ہارون نے بہت سنجیدگی سے ایک کا فخر غارت کیا تھا۔

”نہیں، ایک مجھ سے زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔“ عارش نے مسکراتی نظروں سے ایک کو دیکھا تھا۔

”سن لیا آپ نے، اب آپ میرے دوست کے سامنے میری انسلٹ کرنا بند کریں۔“ ایک نے خشکی نظروں سے ہارون کو دیکھا تھا۔

”ویسے آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے کافی حیرت ہوئی ہے۔“ وہ ہارون سے مخاطب ہوا تھا۔

”آپ کو لوگ جانتے ہیں، پہچانتے ہیں اور جب انسان لائٹ میں آ جاتا ہے تو زیادہ لوگوں کے درمیان جانے سے بچتا ہے۔“

”کیسی لائٹ لاٹ.....؟“ مجھے اس سے دور ہی رکھو، ریڈیو کی وجہ سے اور اللہ کی مہربانی سے مجھے کچھ نام ضرور ملا ہے، مگر لوگ مجھے صرف میرے نام اور کبھی بھی آواز سے عام طور پر پہچان جاتے ہیں، کیونکہ جو مجھے سنتے ہیں، انھوں نے کبھی مجھے نہیں دیکھا ہے۔“

”واقعی ایسا ہے؟“ عارش کو حیرت ہوئی تھی۔

”جی ہاں، ایسا ہی ہے، بھائی نہ تو کسی میگزین کے لیے انٹرویو دیتے ہیں اور نہ ہی اپنے لسنرز سے ملاقات کرتے ہیں۔“ ایک نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

”مگر مزے کی بات یہ ہے کہ لوگ اتنا ہی ان کو جاننے اور دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں، خاص طور پر گرلز۔“ ایک نے شرارتی نظروں سے ہارون کو دیکھا تھا۔

”میں ایک کی تائید کروں گا، کیونکہ میں نے جب جب آپ کا پروگرام سنا تھا وہ تمام کالز خواتین کی ہی تھیں۔“ عارش کے مسکراتے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

”ہاں، یہ الزام تو مجھ پر ہے لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں، کالز لیتے وقت مجھے بھی نہیں پتہ ہوتا کہ دوسری جانب کون ہوگا اور میں اپنے تمام کالرز کی بہت عزت کرتا ہوں، مگر پرستی ان سے ملنا میرے لیے ذرا مشکل ہے۔“ اپنی صفائی دیتے ہوئے ہارون نے کہا تھا۔

”آپ کے قادر نہیں ہیں؟“ آلا خیر سوال کرنے سے عارش خود کو روک نہیں سکا تھا۔

”ظاہر ہے ان کی یہاں موجودگی لازم ہے۔ وہ اعظم انکل کے ساتھ ہی ہوں گے۔“ ہارون نے ارد گرد بکھرے لوگوں پر نظر بھی دوڑائی تھی۔



”عارش! پایا تو آپ سے ملنا چاہتے ہیں، آپ ملیں گے ان سے؟“ ایک نے پوچھا تھا۔

”ہاں ضرور، کیوں نہیں۔“ عارش نے فوراً کہا تھا کہ قدرت کی طرف سے اسے ایک اور راستہ مل رہا تھا اور وہ اسے کسی صورت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

”کل مجھے بالکل وقت نہیں ملا تھا، مگر تم نے بھی مجھے کال نہیں کی، تم کہاں مصروف تھے؟“ عارش نے ایک سے شکایت کی تھی۔

”ڈے نائٹ میجز کے علاوہ اس کی کیا مصروفیات ہو سکتی ہیں۔“ ہارون نے درمیان میں کہا تھا۔

”رات میں، میں آپ کو کال کرنا چاہ رہا تھا مگر پھر یاد آیا کہ آپ تو سوچے ہوں گے، مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ اتنی جلدی کیسے سوچتے ہیں۔“ ایک نے کچھ حیرت سے پوچھا تھا۔

”اب تم اسے میری کمزوری کہو یا عادت کہ نیند مجھ پر جلدی مہربان ہو جاتی ہے، زیادہ رات تک جاگنا میرے لیے مشکل ہوتا ہے، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ لوگ رات بھر جاگ کر موزیک کیسے دیکھ لیتے ہیں، یا مطالعہ کیسے کر لیتے ہیں، میں تو اس بارے میں سوچ کر ہی پریشان ہو جاتا ہوں۔“ عارش نے کہا تھا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے، لوگ صرف موزیک اور مطالعے کے لیے ہی رات بھر جاگ سکتے ہیں؟“ شرارتی نظروں سے عارش کے حیران چہرے کو دیکھتا وہ ہنسا تھا۔

”ایک! تمیز کے دائرے میں رہا کرو، تم حد سے زیادہ منہ پھٹتے جا رہے ہو۔“ ہارون نے ناگواری سے اسے ڈپٹا تھا جو اپنی ہنسی روکنے کی کوشش میں تھا، ہلکی پھلکی باتوں کے دوران وقت گزرنے کا یہ ہی نہیں چلا تھا۔

”ایک گھنٹہ گزر چکا ہے، مجھے اب جانا ہوگا۔“ رسٹ وائچ میں وقت دیکھتے ہوئے عارش نے کہا تھا۔

”ایک! تم مجھے کسی سے ملوانا چاہتے تھے؟“

”جی ہاں، میں پایا کو ہی دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر وہ تو ہمیں یہاں چھوڑ کر بھول ہی گئے ہیں۔“ بولتے ہوئے ایک نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تھا۔

”میں بھی اب مزید نہیں کرنا چاہتا، مگر پایا ابھی واپس جانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔“ ہارون بولا تھا۔

”میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گا۔“ عارش نے کہا تھا۔

”تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟“ ایک پل کو کچھ سوچ کر ہارون نے پوچھا تھا۔

”مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے، آپ کا گھر میرے گھر سے زیادہ دور تو نہیں ہے۔“

”لیکن تمہیں اپنی کزن کو بھی تو ان کے گھر ڈراپ کرنا ہوگا۔“ ہارون نے کہا تھا۔

”ان کی آپ فکر نہ کریں بھائی! عارش ہیں ان کی فکر کرنے کے لیے۔“ ایک کے معنی خیز لہجے پر جہاں عارش کچھ حیران ہوا تھا وہیں ہارون کو کوئی چیز چبھی تھی، مگر وہ ضبط کر گیا تھا۔

”آپ دونوں چلے جائیں گے تو میں کیا کروں گا یہاں؟ مجھے بھی ساتھ لے جلیں۔“ ایک بیزار ہو کر بولا تھا۔

”نہیں، پایا ناراض ہوں گے، کم از کم تم تو ان کے ساتھ رکو۔“ ہارون کی تاکید پر وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”عارش! میں یہاں تمہارا انتظار کرتا ہوں، تم ایک کے ساتھ پایا کے پاس چلے جاؤ۔“ ہارون کی ہدایت

کرنے کی دہشتی وہ فوراً ہی ایک کی تقلید میں آگے بڑھ گیا تھا، ان دونوں کی پشت سے نظر ہٹاتا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو جھکتے تاثرات کے ساتھ اس کی طرف آ رہی تھی، ہارون اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”عارش کہاں گیا ہے؟“ وہ جھپکے لہجے میں ہی پوچھ رہی تھی۔

”السلام علیکم! جو اب ہارون کے سلام پر وہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی مگر مدہم آواز میں سلام کا جواب دے دیا تھا۔

”آپ نے تو اس طرح نظر انداز کر دیا تھا جیسے جانتی نہیں ہیں مجھے۔“ ہارون کی شکایت سے زیادہ وہ اس کی گہری نظروں سے پریشان ہوئی تھی۔

”ایسا تو نہیں ہے۔“ وہ گڑبڑاتی تھی۔

”آپ نے عارش کو بتایا تو نہیں کہ...! وہ بات مکمل نہ کر سکی تھی۔

”کیا نہیں بتایا... یہی کہ ہم فیسٹیول میں ملے تھے اور آپ میرا آٹو گراف لیے بغیر فرار ہو گئی تھیں؟“ ہارون کے سنجیدہ سوالیہ لہجے نے اسے دنگ کیا تھا۔

”میرے نزدیک یہ کوئی ایسی نازیبا بات نہیں ہے کہ جسے چھپایا جائے، بہر حال میں نے عارش سے آپ سے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کی، لہذا پریشان مت ہوں، آپ متفق نہ ہوں مگر اپنے بارے میں میرا یہی خیال ہے کہ میں کافی شریف انسان ہوں۔“

”آئی ایم سوری... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا، دراصل میں نے عارش کو نہیں بتایا کہ فیسٹیول میں ہم ملے تھے، اور آپ اس کے دوست ہیں، میرے معاملے میں وہ تھوڑا تنگ نظر ہے اور مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ آپ کے بارے میں کچھ غلط سوچے۔“ معذرت کرتے ہوئے وہ شرمندہ تھی۔

”بہت کلوز ہیں آپ عارش سے؟“ ہارون کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو بیک وقت منیزہ کو حیرانی اور ناگواری میں مبتلا کر گیا تھا۔

”جی بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھائی اپنی بہن سے اٹیچڈ اور کلوز ہوتا ہے۔“ سپاٹ لہجے میں منیزہ نے جتایا تھا۔

”یہ بہت اچھی بات ہے۔“ ہارون نے بے ساختہ ہی کہا تھا جبکہ منیزہ نے خاص طور پر اس کی آنکھوں میں بڑھتی چمک کو نوٹ کیا تھا۔

”عارش کو زیادہ دیر نہیں لگے گی، آپ یہاں بیٹھ کر میری طرح ان کی واپسی کا انتظار کر سکتی ہیں۔“ ہارون نے کہا تھا۔

”دراصل میرے بیک میں میرا فون نہیں ہے، اور مجھے یاد نہیں آ رہا کہ فون گھر میں رہ گیا ہے یا گاڑی میں۔“ منیزہ نے بتایا تھا۔

”آپ میرے سیل فون سے اپنے فون پر کال کر لیں گھر میں ہوا تو کوئی ریسپو کر لے گا، ورنہ وہ یقیناً گاڑی میں ہوگا۔“ ہارون نے فوراً ہی اپنا فون اس کی طرف بڑھایا، وہ ایک پل کو متذبذب ہوئی تھی مگر پھر اس کا سیل فون لے لیا تھا، جبکہ ہارون دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”فون گاڑی میں ہی ہے اور اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں نے ہی اسے ڈیش بورڈ پر رکھا تھا۔“ کچھ جھینپے انداز میں منیزہ نے سیل فون واپس کیا تھا۔



”آپ کی بھول سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ آؤ گراف کے بعد اب آپ کا نمبر بھی میرے پاس آ چکا ہے، مگر فکر مت کریں میں اس کا غلط استعمال نہیں کروں گا کیونکہ...!“

”کیونکہ آپ کافی شریف انسان ہیں۔“ میز نے مسکراتے ہوئے اس کا جملہ مکمل کیا تھا۔

”مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے بارے میں کافی بھاری اسٹینٹ دے دیا ہے، اب تو اپنی زبان پر قائم رہنا ہی پڑے گا۔“ ہارون کے مسکراتے لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

”میں کچھ دیر میں واپس آتی ہوں تب تک عارش کی واپسی بھی ہو جائے گی۔“ میز نے جانے کے لیے پرتولے تھے۔

”یعنی اب عارش کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کی واپسی کا بھی انتظار کرنا ہوگا۔“ گہری نظروں سے ہارون نے اسے دیکھا تھا۔

”دنیا میں بہت سے انسان یہ کام کرتے ہیں، آپ بھی صبر سے یہ کام کریں۔“ مسکراہٹ چھپاتی وہ جانے کے لیے پلٹی تھی جب ہارون کی نظر اس کے سبزے پر پڑنے کے پلو تک گئی تھی، اس نے فوراً ذرا جھک کر دوپٹے کو چٹکی میں پکڑ کر اٹھایا تھا۔

”اپنا دوپٹہ سنبھال لے۔“ ہارون کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی اور چھپنی مسکراہٹ کے ساتھ دوپٹے کا پلو اپنے ہاتھ میں سنبھال لیا تھا۔

”میرے لیے تو اسے سنبھالے رکھنا ہی مشکل ہو رہا ہے۔“ پوچھاڑتے ہوئے وہ بس ایک پل کے لیے ہارون کی خاموش مگر گہری نظروں کی طرف متوجہ ہوئی تھی، مگر اگلے ہی پل سرخ چہرے کے ساتھ سرعت سے آگے بڑھ گئی تھی، چند لمحوں تک وہ اسے دور جاتا دیکھتا رہا تھا اور پھر گہری سانس لیتا واپس ٹیبل کے گرد جا بیٹھا تھا۔

☆.....☆.....☆

”وہ رہے پایا۔“ ایک کی اطلاع پر عارش کی نظریں برقی لہر کی طرح اس جانب گئی تھیں، جہاں چند اشخاص باتوں میں مشغول تھے۔

”آپ یہیں رکیں، میں پایا کو ساتھ لے کر آتا ہوں۔“ ایک اسے تاکید کرتا گیا تھا، عارش کی نظریں ان کی پشت پر ہی تھیں، جن کے قریب ایک پہنچ چکا تھا، ایک کی بات سنتے ہوئے وہ عارش کی طرف متوجہ ہوئے تھے جس کے دل میں یکدم ہی ایک پہچان سا اٹھا تھا، وہ اپنی نظریں ان پر سے ہٹائیں۔ اس کا جواب ایک کے ساتھ اس کی جانب بڑھ رہے تھے، سیاہ سفاری سوٹ میں لمبوں وہ پروقار اور مرعوب کر دینے والی صلاحیتوں کے حامل نظر آرہے تھے، جس وقت وہ قریب آئے عارش کی دھڑکنیں ساکن ہونے لگی تھیں۔

”عارش! یہ ہیں میرے پایا اور پایا! ان کے بارے میں تو آپ کو میں بتا چکا ہوں۔“ ایک نے مسکراتے ہوئے تعارف کروایا تھا جبکہ عارش کی فرانس سے نکلا تھا۔

”تم سے مل کر خوشی ہوئی عارش!“ گرم جوشی سے مصافحہ کرتے وہ بولے تھے۔

”ایک تمہارا بہت ذکر کرتا ہے، تمہارے بارے میں اس سے اتنا کچھ نہ چکا ہوں کہ لگتا نہیں تم سے پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے۔“ ان کے رعب دار مگر پر خلوص لہجے پر عارش بمشکل ہی مسکرایا تھا۔

”مجھے بھی آپ سے مل کر اچھا لگا، میں دوبارہ بھی ضرور آپ سے ملنا چاہوں گا۔“ بغور ان کی آنکھوں کو

دیکھتا وہ بے اختیار بول گیا تھا۔

”پاپا! یہ موقع اچھا ہے، عارش کو گھر پر انوائٹ کر لیں، کیونکہ میرے کہنے پر تو یہ اب تک تشریف لائے نہیں۔“ ایک نے کہا تھا۔

”تم کیسے دوست ہو جواب تک اپنی بات نہیں منوا سکے۔“ ہشام قزلباش نے مسکراتے ہوئے بیٹے کو گھر کا

تھا۔

”عارش! اگر تمہارے پاس کل شام وقت ہے تو چائے پر ہماری طرف ہی آ جاؤ، پھر طینان سے باتیں ہوں گی۔“

”اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے، میں خود حاضر ہو جاؤں گا اور بہت جلد۔“

”یہاں تکلف نہیں، خلوص اور محبت ہے۔“

”میں جانتا ہوں اور مجھے ان جذبوں کی بہت قدر ہے۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولا تھا۔

”عارش! میرے دوستوں میں سے واحد ایک آپ ہیں جو کہ پاپا کے نزدیک ناپسندیدہ قرار نہیں دیئے گئے، آپ ان کا انویشن مس نہ کریں، میں صبر نہیں کر سکتا۔“ ایک بضد تھا۔

”مگر پھر بھی ہمیں صبر کرنا پڑتا ہے، ان کے لیے بھی جو ہم سے کھو جاتے ہیں یا جن کو ہم خود چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، صبر کرنے سے زندگی رکتی نہیں ہے، سب کچھ مکمل ہی تو ہوتا ہے۔“ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا وہ ہشام قزلباش کو چونکا گیا تھا۔

”آپ کا کیا خیال ہے؟“ عارش نے یکدم ان سے پوچھا تھا۔

”تم نے ٹھیک کہا، صبر زندگی کے سفر کو روک نہیں سکتا، سب کچھ مکمل رہتا ہے، مگر صبر کرنے والے کے لیے نہیں، مکمل صرف ”نظر“ آتا ہے۔“ وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے۔

”آپ دونوں گفتگو کو کہاں اتنے سنجیدہ رخ پر لے گئے پاپا! آپ گھر پر عارش کے ساتھ کسی خشک موضوع پر ڈسکشن شروع مت کیجیے گا ورنہ میرا بی بی لو ہو جائے گا۔“ ایک نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”عارش! جب مناسب لگے، گھر ضرور آنا وقت نکال کر، ایک کی طرح مجھے بھی تمہارا انتظار رہے گا۔“ بغور عارش کو دیکھتے وہ بولے تھے۔

”مجھے امید ہے کہ آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا، آپ کا انتظار میرے لیے اعزاز ہے جسے میں کچھ دن تک اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔“ اس کے پراعتماد لہجے پر ہشام مسکرائے تھے۔

☆.....☆.....☆

تیزی سے پیچھے جاتے مناظر کو گنتے ہوئے وہ بیک سیٹ پر موجود ان دونوں کو بھی سن رہی تھی، جو آپس میں باتوں میں مشغول تھے۔

”ہارون! آپ کی فیملی کتنے عرصے سے اس شہر میں ہے؟“ عارش کے سوال نے اسے چونکا دیا تھا۔

”تم یہ کیسے جانتے ہو کہ میں اور میری فیملی ہمیشہ سے یہاں نہیں ہیں؟“ ہارون کے سوال پر وہ بس ایک پل کے لیے گڑبڑا سا گیا تھا۔

”ایک سے اس بارے میں تھوڑا بہت معلوم ہوا تھا۔“ عارش نے سادہ سے لہجے میں بتایا تھا۔

”تقریباً 12 سال پہلے ہم یہاں مستقل طور پر آ گئے تھے، پاپا جاب ترک کر کے اپنا بزنس شروع کرنا



چاہتے تھے، یہاں ان کے لیے بہتر مواقع تھے، انھوں نے چھوٹے پیمانے پر لیڈر گڈز کا کام شروع کیا جو کہ پھیلتا چلا گیا، ہم بھی فیکٹری کے وزٹ پر آؤ۔“ مختصر ایتنا تھے ہوئے ہارون نے دعوت بھی دی تھی۔  
 ”میں ضرور آنا چاہوں گا، آپ اپنے فادر کے ساتھ یہ بزنس سنبھالے ہیں؟“  
 ”ہاں، میں ان کے ساتھ ہی ہوتا ہوں، میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ اب ان پر کام کا زیادہ پریشانی نہ ہو۔  
 حالانکہ وہ کافی مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔“ ہارون نے کہا تھا۔  
 ”وہ بہت یگ بھی دکھائی دیتے ہیں، مجھے ان کی شخصیت نے بہت متاثر کیا ہے۔“ عارش نے پوری سچائی سے کہا تھا۔  
 ”عارش! میں جانتا ہوں کافی ٹائم ہو چکا ہے لیکن اگر کچھ دیر کے لیے میرے گھر میں آؤ گے تو مجھے اچھا لگے گا۔“ سفید آہنی گیٹ کے سامنے گاڑی رکی تھی جب ہارون نے کہا تھا۔  
 ”کچھ دیر کے لیے نہیں میں آپ کے گھر بہت دیر تک کے لیے بھی آؤں گا، مگر اس وقت مجھے آپ سے معذرت کرنی پڑے گی۔“ عارش نے کہا تھا۔  
 ”کوئی بات نہیں، اس وقت تمہیں بخش دیتا ہوں۔“ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہوتا وہ فرنٹ سیٹ سے اتر گیا تھا۔

”مینزہ! آگے آ جاؤ۔“ عارش کی ہدایت پر وہ بیک سیٹ سے نکل آئی تھی، پیچھے ہٹتے ہوئے ہارون نے فرنٹ سیٹ کا ڈور اس کے لیے مزید کھول دیا تھا، اس کی مسکراتی نظروں پر کچھ جھپٹتے ہوئے وہ فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔  
 ”مجھے بحفاظت، بخیر و عافیت گھر تک پہنچانے کا شکریہ عارش!“ فرنٹ ڈور بند کر کے وہ عارش سے مخاطب ہوا تھا جبکہ مینزہ بمشکل ایڈیٹی ہنسی کو لبوں تک روک سکی تھی۔  
 ”زبردستی تمہارے ساتھ بیگنی تقریب میں پہنچ جانے کی مصلحت اب مجھے سمجھ آ رہی ہے۔“ عارش کے سنجیدہ لہجے پر وہ حیران ہوئی تھی۔  
 ”میں سمجھتی نہیں۔“ ڈیش بورڈ سے اپنا فون اٹھاتی وہ بولی تھی۔  
 ”پہلے مجھے سمجھنے دو پھر شاید میں تمہیں بھی سمجھانے کے قابل ہو جاؤں۔“ ونڈ اسکرین کے بار دیکھتا وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا اور وہ جواب دہتی اسے دیکھ رہی تھی، چونکہ کراپے فون کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔  
 ”میں دعا کر رہا ہوں، دوبارہ کوئی ایسی صورتحال نہ درپیش ہو، جس میں آپ کو میرے گھر کے دروازے سے ہی واپس جانا پڑے۔“ متحج پڑھتے ہوئے بے اختیار وہ مسکرا اٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

گرین ایریا میں تیز روشنیوں کے باعث رات کے وقت بھی دن کا سماں تھا، البتہ بڑھتی خشکی کی وجہ سے چہل قدمی کرنے والے لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، ٹریک بالکل خالی تھا، گرم اسکارف کے ساتھ سرد ہوا سے بچنے کے لیے اس نے گرم شال بھی شانوں کے گرد لپیٹ رکھی تھی، شام سے ہی اسے اپنی طبیعت میں گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا، اس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، موسم سرد ہو یا نہیں ان ہیل کی ضرورت اسے پڑ ہی جاتی تھی، ان ہیلز کا استعمال اسے عارش سے چھپ کر کرنا ہوتا تھا، ورنہ وہ تو اسے ڈاکٹر سے چیک کروائے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتا تھا، شکر تھا کہ عارش کو اسٹیٹیوٹ سے واپس گھر آ کر بھی رکنے کا موقع نہیں ملا

تھا، کیونکہ مینزہ اس کے انتظار میں ہی تیار بیٹھی تھی، تقریب میں جانے کے لیے، اگر مینزہ نہ ہوتی تو وہ یقیناً اس کا چہرہ دیکھ کر ہی تشویش میں مبتلا ہو جاتا اور خرم تو شروع سے ہی ڈاکٹر زاور دوانیوں سے اس طرح فرٹ رہی تھی جیسے کعبہ سے کافر۔  
 ٹریک کی طرف بڑھتے ہوئے وہ گردن موڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسی کی طرف آ رہا تھا۔  
 ”بہت شوق ہے تمہیں خود کو ایک سپورز کرنے کا، سردی نہیں لگ رہی تمہیں؟“ عثمان کو چھوٹی سی ہاف سیلوس کی لوز شرت میں لمبوں دیکھ کر اس نے گھر کا تھا۔  
 ”اب میں تمہاری طرح دھان بان سا تو ہوں نہیں کہ ایسی معمولی سردی میں بھی کبل لپیٹ کر رکھوں۔“  
 ”بالکل ٹھیک کہا، ڈھیٹ چڑی پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔“ اس کے ساتھ ٹریک پر آتے ہوئے وہ خشکیاں لہجے میں بولی تھی۔  
 ”میں نے تم سے کہا تھا کہ بیلا کو ساتھ لے کر آنا۔“  
 ”میں نے اسے ساتھ آنے کے لیے کہا، مگر اس نے انکار کر دیا۔“  
 ”تم نے اس کو بتایا کہ میں نے اسے واک کے لیے بلایا ہے؟“  
 ”وہ میرے سامنے رکتی تو میں مزید کچھ کہتا، میری موجودگی میں وہ اپنے پارلر میں رہ کر اسے سنوارنے میں ہی لگی رہتی ہے، تمہیں بھی بہت ضروری تھا پارلر کا شوشہ چھوڑنا۔“  
 ”بکومت، اس کے لیے یہ مصروفیت ضروری ہے، دماغ پر اور طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا ورنہ سارا دن خالی بیٹھ کر اس نے انسائیڈ ہاسونج کر مزید شرنگار ڈالینا ہے۔“ خرم نے گھرنے والے انداز میں ہی کہا تھا۔  
 ”ڈرائیو چلو، یہاں واک کرنے آئی ہو، میرے ساتھ ڈیٹ پر نہیں۔“  
 ”اور کتنا تیز چلوں؟“ وہ جھلاتی تھی۔  
 ”عارش کہاں رہ گیا، مینزہ سے معلوم کرو، سب کچھ ٹھیک تو ہے، بے چاری گئی بھی ایسے بندے کے ساتھ ہے جو اس وقت نیند میں ڈولتا ڈرائیو کر رہا ہوگا۔“ عثمان کی تشویش پر وہ ہنسی تھی۔  
 ”مینزہ سے بات ہو چکی ہے، وہ تو گھر پہنچ چکی ہے، عارش کی واپسی بھی ہونے والی ہے۔“ ٹریک پر اس کے ہنقدم چلتی وہ بتا رہی تھی۔  
 ”سنو! تم نے کانٹریکٹ سائن کر لیا ہے، شرافت سے ٹریٹ دے رہے ہو یا میں مینزہ کو تمہارے پیچھے لگاؤں؟“

”اس کا تو نام بھی مت لو، آدھی زندگی وہ ٹریٹ کے نام پر لوگوں کو ننگال کرتی گزر چکی ہے۔“  
 ”زیادہ مت بولو، ٹریٹ نہیں دے سکتے تو مٹھائی ہی کھلا دو، موبائل کمپنی نے تمہیں اپنا برانڈ ایمبیڈر بنایا ہے، کمرشل آن ایئر ہونے والا ہے، گارمنٹس کے اتنے پروجیکٹ لے کر دولت کما رہے ہو مگر رہے وہی کجوں۔“ خرم نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔  
 ”بات سنو! جس جگہ تم مجھے لے آئی ہو، یہاں اپنا ذاتی اپارٹمنٹ خریدنے کے لیے اگلے پانچ سال میں بھی میں جتنی دولت کمالوں وہ اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر ہی ہوگی، تمہارے شوہر کا معاملہ الگ ہے، اس کی زندگی میں جو تھے اور جو ہیں وہ اسے اچھی طرح سپورٹ دے گئے ہیں جبکہ مجھے تو میرے اپنے خود



سے کاٹ کر الگ پھینک چکے ہیں۔“ وہ تلخ لہجے میں بولا تھا۔

”عثمن یہ مت بھولو کہ برہان بھائی آج بھی تمہیں ہر طرح کی سپورٹ دینے کے لیے تیار ہیں، مگر تم نے کسی کی بھی سپورٹ لینے سے انکار کر دیا تھا، تو پھر اب یہ شکایت بھی مت کرو، تمہیں خود پر فخر ہونا چاہیے کہ تم اپنے زور بازو پر اپنی زندگی کو بہتر کر رہے ہو، اگر ابھی بھی کچھ رشتے تمہیں اچھا نہیں کہتے تو ان کو تم یہ موقع بھی نہیں دو گے کہ وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے، سارے شکوے بھول کر تم خود کو انکسپشن کرنے میں لگاؤ، ناچانیوں کے باوجود رشتے اپنی جگہ موجود رہیں گے، خواہ خواہ ان کے لیے کڑھ کر اپنا خون مت جلاؤ بلکہ یہ ثابت کر دو کہ تم غلط نہیں ہو، نہ بیلا کے لیے اور نہ ہی ان سب کی نظر میں جو تم سے بدظن ہیں، تمہاری ماں تمہارے ساتھ ہیں، فی الحال تمہارے لیے یہی کافی ہونا چاہیے۔“ ٹھہرے لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی جو خاموش ہی تھا۔

”مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی، عارش بھی کر سکتا تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔“ چند لمحوں بعد خرمن نے یہ کہہ کر اسے چونکا دیا تھا۔

”فاروق بھائی نے عارش سے کہا ہے کہ وہ اپنے والد کی پراپرٹی میں سے جتنا حصہ بیلا کا بنتا ہے، وہ اس کے پیپر تیار کر چکے ہیں۔“

”بیلا کو اس شخص سے کچھ نہیں چاہیے۔“ عثمان ناگواری سے بولا تھا۔

”فاروق بھائی اسے کچھ نہیں دے رہے، بیلا کو جو کچھ مل رہا ہے، وہ اس کے باپ کی جائیداد ہے، فاروق بھائی کی نہیں، بیلا کا حق ہے یہ، اپنا حصہ، اپنا حق وہ لیتی ہے یا نہیں یہ فیصلہ بیلا کو کرنا ہے۔“

”اس سے اس بارے میں بات کی تم نے؟“ عثمان نے پوچھا تھا۔

”ہاں، آج صبح ہی میں نے اس سے بات کی ہے اور اس نے اپنا حصہ لینے سے انکار کر دیا ہے۔“ خرمن کی اطلاع پر وہ خاموش رہا تھا۔

”میں اسے مجبور نہیں کر سکتی اس معاملے میں، مگر مجھے نہیں لگتا کہ اسے اپنا حق چھوڑنا چاہیے، اپنے ماں باپ پر اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ فاروق بھائی کا ہے، فاروق بھائی صرف اسے وہ سب دے رہے ہیں جو اس کے ماں باپ نے اس کے لیے مخصوص رکھا تھا۔“ عثمان کے تاثرات نوٹ کرتی وہ بولی تھی۔

”میں کہتی ہوں کہ اگر اس طرح اپنا حق چھوڑنے سے سب کچھ پہلے جیسا ہو سکتا ہے، تو وہ ضرور اپنے انکار پر قائم رہے اور تم جانے ہو کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا، فاروق بھائی نے اس سے تعلق توڑا ہے مگر اس کے ماں باپ نے نہیں، وہ اپنے حق کو نہیں اپنے ماں باپ کی محنت اور محبت کو ٹھکرا رہی ہے، کسی ایک شخص کے لیے۔“ خاموش ہو کر خرمن نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا جو سامنے نظر جمائے کسی گہری سوچ میں چل رہا تھا۔

”فاروق بھائی پراپرٹی کے پیپر ز عارش کے ذریعے تم تک پہنچانا چاہتے تھے مگر میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ خود پیپر ز بیلا کے حوالے کریں، میں نے ان سے معذرت کرنی ہے کہ اس معاملے میں وہ مجھے اور عارش کو درمیان میں نہ لائیں، کل رات وہ میری طرف آئیں گے جب عارش موجود ہوگا، میں تمہیں کال کروں گی جہاں بھی مصروف ہو، کچھ وقت نکال کر آ جانا، بیلا ان کے سامنے آنے سے بھی انکار کر چکی ہے، غصے اور جذبات سے کام لینے کا وقت نہیں ہے، تسلی سے اس بارے میں سوچو، اس وقت تم ہی بیلا کے لیے بہتر فیصلہ لے سکتے ہو، کل تمہیں انکار کرنا ہو یا پیپر ز قبول کرنے ہوں یہ تمہارے اختیار میں ہے، جب فاروق بھائی کے

سامنے آنا تو بالکل شانت اور پرسکون ہو کر، تم سمجھ رہے ہو میری بات؟“ خرمن کے پوچھنے پر وہ فوری طور پر اثبات میں سر کو حرکت بھی نہیں دے سکا تھا۔ گہری سانس لیتے ہوئے خرمن کی نظر گیٹ سے برآمد ہوئی سوک تک گئی تھی۔

”عارش آ گیا ہے، چلو اب چلنا چاہیے۔“ عثمان سنجیدگی سے بولتا اس کے ساتھ ہی ٹریک سے اتر گیا تھا، بارنگ اپریا سے وہ سیدھا ان دونوں کی طرف آ گیا تھا جو اس کے انتظار میں ہی رہے تھے۔

”بیلا کہاں ہے؟“ قریب آتے ہی عارش نے سوال کیا تھا۔

”اگر عثمان یہاں ہے تو ظاہر ہے بیلا کی یہاں موجودگی ناممکن ہے۔“ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے خرمن نے عثمان کو بھی دیکھا تھا۔

”تم دونوں کے درمیان کب تک یہ چیقلش جاری رہے گی؟ معافی کیوں نہیں مانگتے اس سے؟“ عارش نے کہا تھا۔

”میں کتنی بار اس سے معافی مانگوں، تم کہو تو اس کے پیروں میں بھی سر رکھ کر معافی مانگ لیتا ہوں۔“ عثمان بگڑے تاثرات کے ساتھ بولا تھا۔

”جو کچھ تم نے کیا ہے اس کے بعد تمہارے لیے یہی کرنا مناسب ہے۔“ ناگوار نظروں سے عثمان کو دیکھتی وہ عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”میں دومنٹ میں ذرا دیکھ آؤں بیلا کو، پھر چلتے ہیں۔“ اسے رکنے کا اشارہ کرتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

”ابھی میری بات غور سے سنو! دور ہوتی خرمن سے نظر ہٹاؤ وہ عثمان سے مخاطب ہوا تھا۔

”ہم نے جو سیکریٹ انویسٹی گیشن شروع کی تھی اس سلسلے کو کچھ عرصے کے لیے روک دو، جو ذرائع تم استعمال کر رہے تھے ان سے بالکل الگ ہو جاؤ۔“ عارش کے مدہم لہجے نے اسے چونکا دیا تھا۔

”ہارون سے ملاقات ہوئی تھی، باتوں باتوں میں، میں نے ان سے جو چند سوالات کیے تھے، انھیں سن کر وہ جس طرح چونک رہے تھے، مجھے یہ شک ہے کہ ان کے علم میں یہ بات آگئی ہے کہ ان کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں کوئی غیر متعلقہ شخص معلومات لیتا رہا ہے، آج ہارون کے علاوہ بھی جس شخصیت سے میں مل چکا ہوں، اس نے مجھے عجیب شش و پنج میں مبتلا کر دیا ہے، سب کچھ سلجھانے کی کوشش میں پتہ نہیں میں مزید الجھ رہا ہوں یا مجھے خوف ہے کہ یہ سب کچھ لا حاصل نہ ہو، اور میں ایسا نہیں چاہتا، ایسا نہ ہو کہ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد مجھے مایوسی کا سامنا ہو۔“ وہ شدید اضطراب میں مبتلا ہو رہا تھا۔

”مایوس مت ہو، میں جانتا ہوں کہ اتنی تک دودو کے باوجود ہمیں کچھ خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے، مگر جو یقین تمہیں پہلے دن سے ہوا ہے اور جو پھر وہ تمہیں خدا پر ہے وہ تمہیں مایوسی سے نہیں نوازے گا، وقت آنے پر انھیں بھی تلخ جائے گی، کوئی نہ کوئی مصلحت تو موجود ہے جو تمہیں قدرت نے اس پیچیدہ اور ناقابل یقین حالات میں جکڑا ہے، تمہیں بہت صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا کیونکہ یہ حالات بہت نازک بھی ہیں۔“ عثمان کے تسلی آمیز لہجے پر بھی وہ مضطرب ہی نظر آ رہا تھا۔

”تم مجھے تفصیل سے بتاؤ، ہارون سے کہاں ملے تھے تم؟“ عثمان پوچھ رہا تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆



## ہر عشتیٰ میں عشتیٰ کی جہان

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خرمن نے حیرت سے خالی بیڈ کو دیکھا تھا۔ مدھم خوابناک روشنی میں وہ اسے کھڑکی کے قریب نظر آیا تھا۔ باہر رات کی تاریکی میں جانے وہ کیا تلاش کر رہا تھا کہ اس کے قریب جانے کے



باوجود بے خبر تھا۔  
"عارش! میں تو سمجھی تھی تم اس وقت گہری نیند میں ہو گے۔" خرمن کی حیران آواز نے اسے گہری سوچ سے باہر لایا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" کچھ تشویش سے خرمن نے اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔  
"میں ٹھیک ہوں۔ بس ایسے ہی پتہ نہیں کیوں نیند نہیں آرہی تھی۔" عارش کے جواب نے اسے مطمئن نہیں کیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں، تم صاف صاف بتا دو آخر کیا پریشانی ہے۔ جب سے تم واپس آئے ہو مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہے۔ میں نے تمہیں زبردستی میزہ کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس کے لیے ناراض ہو یا کوئی اور بات ہے؟"





”یقین کر لو کوئی بات نہیں ہے۔ بس نیند کا ٹائم آؤٹ ہو جانے کی وجہ سے خیر تو دھمکی ہے۔“

”مگر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم اپنے دل کی کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو؟“ اس کی مشکوک نظروں پر عارش نے سنجیدہ ہی مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

”دل کی بات کہتا ہوں تو بیزار ہوتی ہو، چھپاتا ہوں تو بولنے پر مجبور کرتی ہو تم مجھے کسی صورت سانس لینے دو گی بھی یا نہیں؟“

”زیادہ مت بولو۔“ اس کے گریبان سے لگی وہ تار منی سے بولی تھی۔

”اور سنو اس منٹے جب تم مجھے کپکپ کرنے ریڈیو اسٹیشن آؤ گے تو ہم وہیں سے گھر جائیں گے۔ میں دو ہفتوں سے وہاں نہیں گئی۔ دوسرا دن چھٹی کا ہوگا۔ مجھے وہاں قرآن خوانی کا اہتمام کرنا ہے۔ میں چھٹی کا سارا دن بھی وہیں گزاروں گی۔“

”ٹھیک ہے جیسا تم چاہو۔“ وہ غائب و مافی سے بولتا مکمل اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

☆.....☆

کچلے دروازے سے اندر داخل ہوتا وہ خرمن کی طرف بڑھا تھا جو سنجیدہ چہرے کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف چلنے کا اشارہ دے لگی تھی۔ پہلی نظر ان پر ہی پڑی مگر وہ دوبارہ اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر گئے تھے۔

قاران بھی وہاں موجود تھا۔

”نیکو! فاروق بھائی کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“ عارش نے کہا تھا۔

”نہیں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“ بٹھنے سے انکار کرتے ہوئے وہ فاروق کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”میں یہاں کوئی بات کرنے نہیں آیا ہوں، کیونکہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میرے سر پر جو بوجھ تھا میں بس اسے اتارنے آیا ہوں ورنہ مجھ پر یہ الزام بھی لگتا مشکل نہیں کہ تجا ہر چیز پر قبضہ کرنے کے لیے میں نے.....“

”مجھے میں بات اور دھوری چھوڑتے ہوئے انہوں نے ایک نگاہ عثمان کے سپاٹ تاثرات کو دیکھا تھا اور پھر سونے سے اٹھتے ہوئے ہاتھ میں موجود فائل سامنے رکھی سینٹرل بیل پر ڈال دی تھی۔

”یہ امانت جس کی ہے اس تک پہنچا دو۔ چاہو تو اپنی سلی کے لیے ابھی اس فائل کو پڑھ لو، کوئی کی نظر آئے تو بتا دو اس کے بعد میں کسی چیز کے لیے جواب دہ نہیں ہوں۔“ سر دلچے میں بولتے وہ یکدم رک گئے تھے۔ ان کے ساتھ سب کی ہی نظریں بے پلاک گئی تھیں جو جارحانہ تیروں کے ساتھ آئی تھی۔ اس کی نظریں صرف فاروق پر جمی تھیں۔

”یہ بھول ہے آپ کی آپ کا آپ جوابدہ نہیں ہیں۔ اس دنیا میں آپ فرعون بنے رہ سکتے ہیں مگر اگلے جہان میں آپ کو ہر سوال کا جواب دینا ہوگا، مجھے ناجائز کچھ کر میرے ماں باپ کو گالی دے کر کس چہرے کے ساتھ ان کا سامنا کریں گے آپ؟“ لڑتے لڑتے لہجے میں وہ ان پر پتھر پڑی تھی جو ساکت نظروں سے ہمدلی کی طرح اس کے زرد کمزور چہرے کو پیچھا لگنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”مجھے اپنے ہاتھوں سے دفن کرنے کے بعد اب اور کون سے پتھر پھینکاؤں گے؟“ اس نے میری قبر پر؟ میں ہر جگہ ہوں، میرے سارے حق میرے ساتھ ہی فنا ہو چکے ہیں جو خیرات آپ مجھے دینے آئے ہیں، مرنے پر آپ کو اس کے بہت سارے حق مل جائیں گے۔“ بلند آواز میں بولتے ہوئے اس نے بھیل سے فائل اٹھائی تھی۔

”لے جائیں اس پلندے کو آپ کے ہاتھ سے ملنے والی ہر چیز کو میں خود پر حرام کر چکی ہوں۔“ بھڑکتے لہجے

میں بول کر اس نے فائل ان کی جانب اچھالی تھی جو ان کے سینے سے نکل راتی قدموں میں گر گئی تھی۔

”جی! اوش میں رہو تم۔“ عثمان کو اس کی اس حرکت پر اچانک ہی غصہ آیا تھا، کیونکہ یہ سب اس کے لیے بھی خیر متوقع تھا۔

”میں اپنے پورے ہوش و حواس میں ہوں۔“ وہ بھڑک کر عثمان پر چیختی تھی۔

”ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ سڑتی لاش کو نہ کسی دشمن دولت کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی خیرات کی۔“ مشتعل نظروں سے فاروق کو دیکھتی وہ ہر خند لہجے میں بولی تھی اور پھر پلٹ کر تنزلی سے ڈرائنگ روم سے نکلتی سب کو ساکت چھوڑ گئی تھی۔ فاروق کے چہرے پر بھیل تار کی نے پڑے نہیں کیوں عثمان کو دھچک سا پہنچایا تھا۔ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا وہ ان کے مقابل آیا تھا۔

”وہ جو کچھ کہہ گئی ہے، اس سب کے لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔“ وہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح بے اختیار وہ یہ بول گیا تھا، دوسری جانب خرمن نے شدید بے چینی سے عارش کی جانب دیکھ کر شاید تصدیق مانگی تھی کہ کیا واقعی عثمان یہ سب فاروق سے کہہ چکا ہے۔ جب کہ فاروق نے بس ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی تھی جو ان کے پیروں کے پاس گری فائل کو اٹھا رہا تھا۔

”جس کا حق تھا، وہی دستبردار ہو چکی ہے تو پھر اب آپ پر کوئی بوجھ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔“ فاروق کی خاموشی پر عارش بولنے پر مجبور ہوا تھا۔ دوسری جانب عثمان نے فائل قریب موجود قاران کے حوالے کر دی تھی۔ اس کے بعد فاروق کسی بھی جانب دیکھے بغیر ڈرائنگ روم سے نکل گئے تھے۔ قاران ان کے پیچھے ہی گیا تھا۔ سو گوارسی خاموشی میں گھر سے دو ہفتوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رو گئے تھے۔

☆.....☆

لاؤنج کی تاریکی میں وہ گلاس وغیرہ کے پاس کھڑی دور اونچے درختوں کی قطاروں کے اوپر پھیلے آسمان کی تاریکی میں ستارے تلاش کرنے کی کوشش میں اپنی جلیقی آنکھوں کو دھندلا رہی تھی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ دل کسی زخم کی طرح چٹخا اس کی اذیت کو بڑھا رہا تھا۔ آج پھر سر سے آسمان چھن گیا تھا۔ ایک بار پھر خیروں کے نیچے سے زمین کھینچی لی گئی تھی۔ وہ زندگی میں دوبارہ بھی ان کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر پھر بھی وہ ان کا سامنا کرنے پر آج مجبور ہو گئی تھی۔ وہ ان کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ ان سے کتنی نفرت کرتی ہے مگر یہ تو وہ بھی جانتے ہیں کہ اس کی نفرت مقابلہ نہیں کر سکتی اس نفرت کا جو نفرت وہ اس سے ازل سے رکھتے ہیں۔ اس کی گھٹی گھٹی سکویں میں شدت آتی جا رہی تھی۔ قدموں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ آخر وہ کس طرح اس کے دروازے پر پہنچ رہا تھا۔ کس طرح اسے گھٹ گھٹ کر روتے دیکھ کر دور رہ سکتا تھا۔

اسے شانوں سے تمام کر عثمان نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

”کیا صرف ان کو ہی حق ہے نفرت کرنے کا؟ کیا صرف وہی ذلت دینے کا حق رکھتے ہیں؟“ برسی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ زلزلوں کی زد میں تھی۔

”ایک بار مجھے مار کر انہیں سکون نہیں ملا، وہ بار بار مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ وہ میری کتنی قبریں تیار کریں گے۔“ اس کے سینے سے لگی وہ ہلک اٹھی تھی۔

”آج جس قدر روٹنا چاہتی ہو رولو، سارے آنسو بہا دو، میں جہیں نہیں روؤں گا مگر آج کے بعد تمہاری آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں نہ دیکھوں، جہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم کسی کے لیے اپنی آنکھوں میں آنسو نہیں



آنے دوگی۔“ اس کے لرزے کانپتے وجود کو ہاتھوں کے مضبوط حصار میں چھپائے وہ حتیٰ لچھے میں بولا تھا۔

☆.....☆

کیلے بالوں سے ٹاول اس نے اتارا ہوا تھا۔ جب کال تیل پر وہ چونک اٹھی تھی۔ اس وقت عثمان کی آمد نے اسے حیرانی میں مبتلا کیا تھا مگر خاموشی سے وہ اس کے اندر آنے سے پہلے ہی پلٹ کر بچن کی سمت بڑھ گئی تھی۔ اس نے تو ابھی رات کا کھانا بنانے کی تیاری بھی نہیں کی تھی۔ لہذا غفلت میں اس نے فریج سے شامی کباب نکال لیے تھے۔ فی الحال چائے کے ساتھ وہ یہی اہتمام کر سکتی تھی۔

”تم کیا کر رہی ہو؟“ عثمان کی آواز پر وہ ہلکی گئی۔

”میرے لیے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم باہر جا رہے ہیں۔“ بنور عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

کل رات بے تحاشہ سنے کے بعد اس کی آنکھیں ہی نہیں چہرہ بھی دھل کر شفاف ہو چکا تھا۔

”باہر..... مگر کیوں؟“ بیلا نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل کچھ جوڑ ہوئی تھی، جب وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا مزید قریب ہوا تھا۔

”کیونکہ آج میں سارے کام چھوڑ کر تمہارے لیے واپس آیا ہوں اور تمہارے قریب رہنا چاہتا ہوں۔“ اس کے رخسار کو نرمی سے چھوتا وہ دم گھٹ میں بولا تھا۔

محبت سے لبریز اس کی روشن آنکھوں سے وہ نظر نہیں چرا سکتی تھی۔ دوسری جانب اسے اپنی طرف اس طرح نکلتی بلاتے دیکھ کر عثمان کے لبوں کی تراش میں معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔ شرابی انداز میں اس نے جس طرح پلٹیں جھپکائی تھیں، بیلا کے رخسار پر اٹھے تھے۔ گڑبڑا کر اس کے سامنے سے فنی وہ تیزی سے بچن سے نکلی تھی۔

”جلدی تیار ہو جاؤ، میں انتظار کر رہا ہوں۔“ عثمان نے پیچھے سے تاکید کی تھی تب ہی کال تیل نے اسے متوجہ کیا تھا۔ دروازہ کھول کر اس نے آنے والے کا چہرہ دیکھتے ہی دروازہ پھر سے بند کر دیا تھا مگر ایک لمحے بعد واپس دروازہ کھولتے ہوئے اس نے آخر آتا توڑا جب تک کر خرمن کو اندر آنے کا اشارہ کیا تھا جو محسوس کن نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”تم بیلا کے ساتھ نہیں جا رہے ہو؟“ اس کی کڑی نظروں پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”دیکھو بھئی، میں تمہارے کسی پلان میں گڑبڑ کرنے نہیں آتی ہوں۔ میں تو بس عارش کے کہنے پر ذرا تصدیق کرنے آئی ہوں۔ اس نے ابھی کال کر کے مجھے بتایا ہے کہ تم یہ کہہ کر اس سے گاڑی چھین لائے ہو کہ تم بیلا کے ساتھ باہر جا رہے ہو۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا سو میں خود دیکھنے آ گئی۔“ مسکراہٹ چھپائے وہ لا پرواہی سے بولی تھی۔

”تمہارے شوہر کے حلق میں میری کوئی بات نہیں ٹھہرتی فوراً تمہارے کانوں میں صویر پھونک دیا۔“ وہ پلٹ کر بولا تھا۔

”تو کیا ہوا مجھے بتا دیا تو، میں کوئی جیلس ہو کر یہ تو نہیں بول رہی کہ عارش مجھے باہر گھمانے یا ڈنر کروانے نہیں لے گیا۔“ وہ بڑبڑا کر بولی تھی۔

”عارش تمہیں کہاں لے جائے گا۔ تم بڑی ہوتی ہو تم لے جاؤ اسے گھمانے پھرانے، آخر وہ بھی خفا شاگرد رہا ہے تمہارا۔“ عثمان نے مسکھاڑا دیا تھا۔

خوبصورتی جو صرف  
ظاہری ہی نہیں  
بلکہ اندرونی بھی

تھوڑا سا روزانہ صبح کو کھینچ کر صبح کا دل چاہیے  
سیر کرنے کے لیے یا صرف صبح کے دل چاہیے  
وہ سب کچھ ہے۔  
X صبح کا دل چاہیے X صبح کا دل چاہیے  
X صبح کا دل چاہیے X صبح کا دل چاہیے

Safi Kafi Hai





”جھوٹے۔“ خرمین نے ناک پر سے کبھی اڑائی تھی۔

”وہ پہلے بھی جتنا زہین سے باہر تھا اس سے کہیں زیادہ زہین کے اندر تھا۔“

”اچھا۔۔۔ پھر کھاؤ گم کہ سینٹرل آئیڈیا قلعہ بنانے پر عارش کو تم نے تلخا نیچر رسید نہیں کیا تھا؟“ عثمان نے آنکھیں میڑ کر اسے دیکھا تھا۔

”مفروق ہو۔“ تلخا کو اسے گھورتی وہ بیلا کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

”ایک ہو چکا ہے غرق تمہاری آنکھوں میں ڈیزاسٹائی!“ عثمان نے ہنستے ہوئے مزید اسے بتایا تھا۔

☆.....☆

نیرس پر آتے ہوئے جھپتی ہوئی تیز خشک ہوا کے ساتھ برستی پھواروں نے اسے مزید تشویش میں مبتلا کیا تھا۔ گیت پر گیس بھی عثمان کی داپھی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ سو وہ اب اس پلٹ آیا تھا۔

”دونوں کے فون بند چارے ہیں، کہاں گئے ہیں یہ دونوں۔“ گلاس ڈور بند کرنا وہ اس سے مخاطب تھا جو صوفے پر گم اہل میں دبی T.V اسکرین کی طرف ہی متوجہ رہی تھی اور اتنی ٹوٹھی کہ اس نے شاید عارش کی بات ہی نہیں سنی تھی۔ حیرت سے اس کی محویت پر عارش نے اسکرین پر حرکت کرتے منظر کو دیکھا تھا۔

ساتھوں کو پرسکون کرتی آرکسٹرا کی مدھم مدھم کے ساتھ وہ بیڑا ہاتھ تھا جسے ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوپا بیڑے رو مانگ ماحول میں رواجتی انگریزی اولڈ رقص میں لگن تھا۔

”ریڈیا جوائن کرنے کے بعد تم میوزک کے معاملے میں کافی باذوق ہو گئی ہو۔“ شرٹ کی سلیوس کہنیاں تک چڑھاتے ہوئے وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو اپنے بال بستی کچر کی تلاش میں ادھر ادھر ہاتھ مار رہی تھی مگر اگے ہی مل ہوئی تھی جب عارش نے اپنے شخص سے رخ ہاتھ میں اس کا گرم ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”جو تم اتنی حسرت سے دیکھ رہی ہو وہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔ جلدی اٹھو۔ ورنہ میوزک رک جائے گا۔“ اس کی سنے بغیر عارش بگلت میں ہی اسے اپنے مقابلے لے آیا تھا۔

”یہ کیا ہے وقوفی ہے، مجھے نہیں آتا یہ سب۔“ جھینپی ہنسی کے ساتھ خرمین نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر آن سنی کیے عارش نے اس کا دوسرا ہاتھ اپنے شانے پر رکھا تھا اور اپنا بازو اس کی پشت کے گرد گھمائل کر دیا تھا۔

”اگر تم نے اپنے سر سے میرے سر کو ذرا بھی نقصان پہنچایا تو حشر دیکھ لے نا اپنا۔“ ہنسی کے درمیان اسے وارن کرتے ہوئے وہ درمیان میں فاصلہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔

”تم بس اپنا دھیان مجھ پر رکھو اور باقی سب مجھ پر چھوڑ کر مطمئن رہو۔“ ہلکے ہلکے تحریک قدموں کے ساتھ وہ ہدایت دے رہا تھا۔

”کیوں۔ تمہارے اندر ایسا کیا ہے جو میں اپنا دھیان تم پر خرچ کروں؟“ گردن اکڑائے غوث سے اس کی آنکھوں میں دھیمکتی وہ غور کی حدود پر دکھائی دے رہی تھی۔ جواباً بے باک نگاہوں سے عارش نے اس کی پلکوں پر گری آتیں تیز شدہ لٹوں کو ٹپکی سی پھونک مار کر پرے ہٹایا تھا۔

جب کہ کھرا کر پلٹیں پہنچتے ہوئے خرمین کے پیروں کا ردھم ٹوٹا تھا مگر وہ بروقت ہی کچھ اس طرح سنبھال چکا تھا کہ ہر فاصلہ ہی ختم ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی میوزک کا انتظام بھی ہو گیا تھا۔ جلتے ہوئے سر نہ چرے کے ساتھ وہ خوشخوار نظروں سے گھورتی کھانے کے لیے تیار تھی جو انتہائی مسومیت چہرے پر سچائے پلٹیں جھپکا تا بڑی مظلومیت کے ساتھ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ بروقت کال بیل نہ بجتی تو اس نے یقیناً آج

عارش کے پر نیچے اڑا دیے تھے۔

”گیت کھولو جا کر۔“ اس کی چنگھاڑ پر وہ بمشکل مسکراہٹ چھپائے بڑی فرمانبرداری سے لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ خستہ نظریں اس کی پشت سے ہٹاتی وہ صوفے سے اپنی گرم شال اٹھا کر سر پر ٹھیک کرنے لگی تھی۔

گیت کھول کر ایک طرف ہنستے ہوئے اس نے حیرت سے عثمان کے بے انتہا سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا اور پھر بیلا کو جس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔

”کیا ہوا؟“ عارش دنگ ہوا اٹھا کر عثمان ڈور بیلا کو روکتے ہوئے عارش کو پرے نہ ہٹاتا تو وہ یقیناً اس کے پیچھے سے لپٹی پھوٹ پھوٹ کر مزید رونا شرع کر دیتی۔

”اندر جا کر ماتم کرلو۔“ بیلا کو گھر کتے ہوئے عثمان نے اندر بڑھایا تھا۔

”اتنی مشکل سے اس کا رونا بند کر دیا تھا مگر تم آگے اپنا چہرہ لے کر دیتا کی کوئی عورت تمہارے سامنے ہنس نہیں سکتی، بس رو سکتی ہے۔“ وہ خواہواہ عارش پر بگڑا تھا۔

”آخر ہوا کیا ہے، کس کا قصہ مجھ پر اتار رہے ہو؟“ عارش حیران پریشان اس کے پیچھے آیا تھا۔

”کیا، کیا ہے اس نے، بتاؤ مجھے ابھی تمہارے سامنے اسے اوپیزٹی ہوں۔“ روتی ہوئی بیلا کو ساتھ لگائے وہ عثمان کو گھور رہی تھی۔

”پوری بات سن لو پہلے۔ مجھ پر غرانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ عثمان مزید بگڑا تھا۔

”اچھا، اب بتاؤ مجھ کو ہوا کیا ہے۔“ عارش زنج ہوا تھا۔

”ہوا کیا ہے۔ اچھا خاصا آؤٹنگ کرنے کے بعد کینٹرل لائٹ ڈنر لے کر واپس آ رہے تھے کہ نازل ہو گئے موت کے فرشتے، چمکا ہوا سامان دکھا کر گاڑی عمارت میں رکوائی۔“

”کیا کہہ رہے ہو؟“ خرمین نے ہول کر بیلا کو بھی دیکھا تھا۔

”زیادہ نقصان تو نہیں ہوا؟“ عارش تشویش میں مبتلا ہوا تھا۔

”اس کی وجہ سے ہونے والا تھا نقصان۔“ ناگوار نظروں سے اس نے بیلا کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”ڈٹ گئی اپنی بات پر کہ اپنا سیل فون نہیں دوں گی۔ میں نے زبردستی اس سے فون لے کر ان لوگوں کے حوالے کیا ورنہ وہ روکنے والے تھے۔“

”یہ کیا ہے وقوفی کی تم نے، اسٹریٹ کرائم کی سنگینی سے کیا تم واقف نہیں ہو؟ کس طرح معمولی چیزوں کے لیے انسانی جان کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ سیل فون دوبارہ بھی مل سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اور نقصان ہو جاتا تو اس کا ازالہ کون کر سکتا تھا؟“ عارش نے کافی ناراضی سے بیلا کو دیکھا تھا۔

”میں اس لیے نہیں رو رہی کہ مجھے فون چھین جانے کا دکھ ہے۔ مجھے انیسویں اس بات کا ہے کہ ان لوگوں نے میرے سر پر ریح اور رکھ دیا اور یہ خاموشی سے دیکھتا رہا۔“ بیلا نے روتے ہوئے غصے کا اظہار بھی کیا تھا۔

”بات سنو! میں مجھ پاؤ کی اولاد ہوں نہ کسی سووی کا ہیرو ہوں اگر میں ان سے بھڑ جاتا تو دو منٹ میں تمہارے سر کے چار ٹکڑے ہو جاتے۔ انہوں نے شرافت سے مانگا میں نے دے دیا تمہاری موجودگی میں ہیرو بننے کی کوشش میں کر بھی نہیں سکتا تھا۔“

”شکر ہے تم نے ٹھنڈی کا ثبوت دیا۔“ عارش نے کہا تھا۔

”اور اگر وہ حد سے آگے بڑھتے تب بھی تم اس ٹھنڈی کا مظاہرہ کرے؟“ خرمین نے ناگوار نظروں سے



عثمان کو دیکھا تھا۔

”اب تم مزید میرا داغ خراب مت کرو، وہ لوگ حد میں تھے تو میں نے بھی خود کو شانت رکھا۔ ہر جگہ طاقت استعمال نہیں کی جاتی۔ تم اس سے بوجھوسیل فون کے علاوہ ان لوگوں نے اس سے کوئی چیز نہیں لی خالی تو میری جیبیں ہوتی ہیں۔“ عثمان اچھے سے اٹھ رہا تھا۔

”کیا فائدہ تمہاری ٹیم کا اور چہرے کا، وہ بالکل اچھے نہیں لگتوں نے۔“ خرمن تھکا کر بولی تھی۔

”یہ ٹیم اور چہرہ ہی ان لوگوں کو میرے پیچھے لایا تھا۔ وہ مجھے پہچان گئے تھے اس لیے بھی انہوں نے مجھے بہت عزت سے لوٹا بلکہ دھلا کے چیتے پر انہوں نے ہم دونوں کے فون سے سم اور میموری کارڈ اسی وقت نکال کر واپس دے دیے۔“

”واقعی؟“ عارش بے یقین ہوا تھا۔

”یہ تو کمال ہی ہو گیا اور نہ یہ لوگ اتنا کام کب لیتے ہیں نکلے میں۔“

”بیلا! تم رومت، تمہارے لیے نیا سیل فون میں مل ہی لاؤں گا۔ خوش ہو جاؤ۔“

”چلو اب جو ہوا اس پر مٹی ڈالو، بلائی سرے۔“ بیلا کے شانے چھتیا کر خرمن نے تسلی دی تھی۔

”تم دیکھنا اب میں کیا کرتا ہوں۔ ریلوے پر اپنے ویک اینڈ شو میں خوب ان کرملز کو ذلیل کروں گا۔ ذرا سی بھی خیرت ہوئی تو یہ وارداتیں ہی کرنا چھوڑ دیں گے۔“ عثمان نے بیلا کے تئیر درست کرنے کی کوشش میں بہلایا تھا۔

”میری بلا سے تم کچھ بھی کرو مگر میں اب تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“ منسلی نظروں سے اسے دیکھتی وہ تیزی سے لاؤنج سے جونکی تو خرمن کے پکارنے پر بھی نہیں رکی تھی۔

”کھڑے کیوں ہو، جاؤ اس کے پیچھے۔“ خرمن نے بھنا کر عثمان کو دیکھا تھا۔

”اس کو کھالو، میری بے عزتی پر بہت خوش ہوتا ہے یہ۔“ عثمان نے عارش کے مسکراتے چہرے کو گھورا تھا۔

”جانے سے پہلے میری گاڑی کی چابی دو۔“ عارش کو یاد آیا تھا۔

”کل ڈرا گاڑی کی حاضری کیراج میں لگوادیتا۔“ چابی اسے دیتا عثمان چہرے سے انداز میں بولا تھا۔

”کیا ہوا ہے میری گاڑی کو؟“ عارش ہلکے سے اڑا تھا۔

”میرا کوئی قصور نہیں ہے، بیلا کے رونے دھونے کے چکر میں کچھ ڈس بیٹنس ہو گیا، ایک دو ڈینٹ ہی تو پڑے ہیں یا را۔“ عارش کے چہرے پر وہ بولکھلایا تھا۔

”ایک، دو ڈینٹ کا مطلب سمجھتے ہو تم؟“ عارش کے بجز کتے لہجے پر عثمان نے ہنسنے ہی روکتے ہوئے اسے شانت رہنے کا اشارہ کیا تھا جب کہ عارش نے خون کے ٹھونٹ پیٹے ہوئے صوفے پر بیٹھی خرمن کو دیکھا تھا۔

”میری طرف مت دیکھو۔ میری طرف سے تم اسے باہر لے جا کر اس کا سر کیلی دو مگر یہاں کوئی دنگل مت کرنا۔“ خرمن نے بیزار سی دامن چھڑایا تھا۔

”اگر ڈینٹ ایک دو سے زیادہ ہوتے تو پھر یاد رکھنا تمہارے چہرے کے ڈینٹ کوئی کاؤٹ نہیں کر سکے گا۔“

”خبردار! جو تم نے اپنی گاڑی کا بدلہ میرے چہرے سے لیا۔ میرا چہرہ پبلک پراپرٹی ہے۔ میری روزی کا

ذریعہ ہے۔ میں ایک بھی ڈینٹ اپنے چہرے پر برداشت نہیں کروں گا۔“ عثمان اسے دھمکانا ہی رہ گیا تھا چرا سے کار سے پلڑے لاؤنج سے نکل گیا تھا۔

☆ ☆

چہرے پر پائٹ کریم کا مساج کرتے ہوئے اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مزید عثمان کی آمد کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اس کے بعد بالوں کو میز چنڈ میں جکڑتی دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔ وہ بلینز پر رکتے ہوئے وہ حیران نہیں تھی کہ عثمان لاؤنج میں ہی بیٹھ نہیں سویا ہوا تھا یا جاگ رہا تھا؟ چند لمحوں تک اسے دیکھتے ہوئے وہ اس کی عکالت میں گزرے وقت کو ذہن میں تازہ کرتی رہی تھی۔

سارا وقت وہ کس طرح اپنی باتوں سے اس کے چہرے پر فنی لانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کرتا رہا تھا۔ بار بار اپنے لفتوں سے اپنی آنکھوں سے یہ باور کروانا رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کتنی خاص ہے۔ اس کی محبت اور توجہ کا مرکز وہ بھی اس کی ذات تھی، اس کی چاہتوں کے حصار میں وہ جیسے سرشار ہو گئی، کتنے دن بعد وہ خود کو ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ ان دونوں کی باتوں میں تیسرا کوئی نہیں تھا اور اس وقت بھی وہ چاہتی تھی کہ درمیان میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو مزید کسی اذیت کی وجہ بنے، آنے والے دنوں کے لیے جو امیدیں ان دونوں نے ایک دوسرے سے باطن میں رکھی تھیں ان خوش کن امیدوں اور توقعات کو ٹھیس نہیں چاہیے تھی۔ گہری سانس بھرتی وہ اس کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اس کی مدھم پکار پر عثمان نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا تھا اور پھر اس کے چہرے سے ٹھہرنا تا خاموشی سے اٹھ بیٹھا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اس کے چہرے کی گہری جھیر کی کو دیکھتی رہی تھی اور پھر اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ بیٹھی تھی۔

”ہم اسے خوش تھے باہر نکلتا اچھا وقت گزرا اگر درمیان میں کچھ برا ہوا بھی ہے تو ہمیں اب اس کو بھول جانا چاہیے۔“

”بات تم مجھے سمجھا رہی ہو؟“ عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

”تم تو درود کر رہے بات کرنا چاہ رہی تھیں کہ میں ایک بزدل انسان ہوں، آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں کتنا بے اعتبار ہو چکا ہوں تمہارے لیے، تمہارے بھروسے کے لائق بھی نہیں رہا ہوں۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ جس طرح بچھے لہجے میں بولا تھا بلاخرپ ہی تو آئی تھی۔

”اگر ایسا ہوتا تو میں تمہاری زد میں بھی داؤ بٹا نہیں کرتی مان! تمہاری وجہ سے مجھے اتنی ہمت ملی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ تم مجھے کچھ نہیں ہونے دو گے، تمہاری موجودگی میں مجھے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ان لمحوں نے مجھے مرہوتا کر تمہارے ہاتھ کی گھڑی تک اتروالی تھی۔ مجھے شدید غم اور غصہ تھا۔ تو میں دھمکتی ہوں کہ تم دن رات تنہی محنت کرتے ہو اور ان لوگوں نے تنہی آسانی سے تمہاری محنت کے روپے تمہارا لیے اور تم میری وجہ سے کوئی احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔“ وہ شدید تا سف سے بولی تھی۔

”تم سچ دہاؤ اور رویوں کی بات کر رہی ہو؟ اگر اس وقت مجھ سے میری جان بھی وہ لوگ مانگ لیتے تو میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ رونا اور اسلی تھا یا سلی، مجھے بس یہ نظر آ رہا تھا کہ تم خطرے میں ہو مگر تم ان معمولی سچوں کے لیے خود کو نقصان میں ڈالنا چاہتی تھیں۔ تم جانتی ہو کہ اگر خدا نخواستہ ہمیں ذرا سی خرابی بھی آجاتی تو میں اپنے آپ سے نظر بھی نہیں ملا سکتا تھا۔“ اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

”مجھے معاف کر دو، وہ تو بس غصے میں، میں نے خرمن سے التماسیدھا کہ وہ دیا مگر میرے نزدیک تمہاری کوئی



چیز معمولی نہیں ہے۔ میں اب تمہاری بیوی ہوں اور بیوی کو اپنے شوہر کا خالی دالٹ بھی بہت عزیز ہوتا ہے۔ اس کے نفرت بھرے لہجے پر عثمان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”بہت ہی ناقابل یقین بات بتائی ہے تم نے، کیا واقعی تمہیں اپنے اور میرے تعلق کی خبر ہے۔“ عثمان کے بے تاثر لہجے اور نظروں نے اس کے تاثرات کو بدلا تھا۔

”میں اپنے فتنے کی وجہ بیان کرنے اور بات کو ختم کرنے یہاں آئی تھی مگر تم شاید بات کو بڑھا کر مجھے مزید شرمندہ کرنا چاہتے ہو۔ میں کیسے بے خبر رہ سکتی ہوں اس تعلق سے جو مجھ کو تمہارے لیے تکلیف کا سبب بن رہا ہے۔“ مدغم لہجے میں وہ اس سے نظر ملانے بغیر یوں ہی پل آنکھوں کی نمی چھپانے جانے کے اٹھ گئی تھی تب ہی عثمان نے اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا تھا۔

”جو کچھ تم نے ابھی کہا ہے وہ سب دوبارہ بھی مت کہنا۔“ اس کے مقابل ہوتا ہوا یوں تھا اور اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔ بیلا اس کی جانب دیکھ نہیں سکتی تھی جو اس کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا مگر اس کے محبت سے لبریز لہجے کی گرمی وہ اپنے ہاتھوں سے دل تک اترتی محسوس کر رہی تھی۔

”تمہیں یاد ہے میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟ تمہیں یاد ہے میں وہی ہوں جسے تمہاری چاہت کی شدتوں نے ہمیشہ ساقیوں آسمان پر پہنچائے رکھا ہے؟“ اس کے نرم ہاتھ اپنی گردن کے گرد گھمائل کرتا وہ اس کی جھگی ہوئی لڑتی پلکوں کو ٹک رہا تھا۔

”کیا تم نہیں جانتیں، میں وہی ہوں جس کے بغیر تمہارے لیے سانس لینا مشکل تھا؟ جس کی ذات تمہارے بغیر اجڑی ہے؟“ اس کے مدغم بھاری لہجے میں جذبول کی شدت نکلی ہوئی تھی۔

”مجھے سب یاد ہے۔ میں سب جانتی ہوں۔“ مشکل پلکیں اٹھاتے ہوئے وہ لڑتے لہجے میں بول رہی تھی۔

”مگر تم یہ نہیں جانتیں کہ میں اب مکمل ہونا چاہتا ہوں۔ تمہارے بس کو اپنی محبت کے تمام اسرار سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔ میں اب تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا۔ تمہیں محسوس بھی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس کا منظور لہجہ بیلا کی دھڑکنیں جکڑ گیا تھا۔ اس کی سائرا آکھوں میں جذبول کا خلاطم پیشانی کو عرق آلود کرنے لگا تھا۔ مضبوط حصار میں وہ بحر زدہ اور ساکت تھی۔ سانسوں کی تپش چہرے ہی نہیں وجود بھی جھل رہی تھی۔ محبت جب مہربان ہوتی ہے تو روں کا جھجک لیتی ہے اور یہ جھج پوری سچائی سے اس پر منکشف ہوتا اس کی سانسیں بھی روک رہا تھا، یاد جو اس کے کہ وہ جانتی تھی۔ آج کی خوب صورت جھللاتی رعول سے بھرپور شام کا اختتام بھی بہت دلکش انداز میں ہو گا مگر یہ دلکشی کسی قیامت سے کم بھی نہ ہوگی۔

☆—☆—

سر موسم کی بد قسمتی شدت کے ساتھ آج کی رات شدید دھند میں لپٹی تھی۔ لیدر کی سیاہ جیکٹ کی پاکس میں ہاتھ اڑ سے وہ دھیمی رفتار کے ساتھ گیٹ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ موسم کا ہی اثر تھا کہ آج اس پر اظہارِ مزہ کا حملہ ہو گیا تھا جس کے باعث سر بھاری اور طبیعت بوجھل تھی۔ آج خرمن اور عثمان کا ویک اینڈ شو تھا کچھ دیر پہلے ہی وہ اسے ریڈیو اسٹیشن ڈراپ کر کے لوٹا تھا مگر واپس آکر پارکنگ میں ہی اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اوپر اپنے اپارٹمنٹ میں نہیں جائے گا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ گھر میں گیا تو یقیناً نیند غالب آجانی گئی یا پھر طبیعت کی خرابی کے باعث اسے واپس نیچے آنا اور خرمن کو پک کرنے جانا بہت بھاری لگتا لہذا اس کو اب گھر سے باہر یہ دیکھنے گزارنے تھے حالانکہ خرمن نے کہا تھا کہ وہ عثمان کے ساتھ واپس آجائے گی۔ گھر کی چابی بھی اس کے پاس

ہے، وہ دھوکہ پر آرام سے سو جائے مگر ظاہر ہے وہ انکار کر گیا تھا۔ کبھی کبھی خرمن اسے اذیتانہ طریقے سے اس پر مہربان ہونے کی کوشش کرتی تھی کہ اسے سمجھائیں آتا تھا کہ اپنا سر دیوار سے ٹکرائے یا پھر خرمن کے ہی سر سے بیوی گھر سے باہر ہوا تو گھر کی بیوی تو ایک شوہر کے لیے بے خبری کی نیند سو جانا مشکل ہو سکتا ہے اگر شوہر عارضی جیسا ہو اور بیوی خرمن جیسی، کبھی کبھی عارضی کو خود پر حیرت ہوتی تھی کہ خرمن کے لیے اتنا تنگ نظر ہونے کے باوجود وہ کس طرح خرمن کا اتنے لوگوں کے درمیان برداشت کر لیتا ہے لیکن وہ مطمئن تھا کہ خرمن اس دنیا میں اپنا ایک مقام بنارہی ہے۔ وہ جتنا بھی اسے نظر انداز کرتی ہے مگر اسے ہر قدم پر یاد ہوتا ہے کہ اس کی اپنی ایک باؤظری ہے جس کے اندر وہ کسی کی بیٹی ہے، کسی کی بیوی اور عزت ہے، اپنی حدود کے اندر وہ کردہ اگر اپنی ایک پہچان بنارہی ہے اور اس میں خوش ہے تو اس کی خوشی اور کامیابی کے لیے عارضی کو چند چیزیں تو برداشت کرنی ہی تھیں کہ بہر حال وہ اس حد تک بھی تنگ نظر نہیں تھا۔ اس کی یہ سپورٹ اور کچھ بھگوتے خرمن کے دل میں اسے خاص جگہ دیں گے وہ یہ امید رکھتا تھا، اسے یقین تھا کہ آنے والے وقت میں ان دونوں کے درمیان روایتی ازدواجی تعلق کے علاوہ بھی وہ سب کچھ بھی ضرور ہو گا جس کی وہ توقع رکھتا تھا۔ محبت کے معاملے میں وہ ایک روایتی اور جنونی مرد تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ ایک طرف محبت میں جھلا ہو کر ایک ایسی ہستی کو اپنی زندگی میں لے آیا ہے جس کے نزدیک محبت بے اہم می شے ہے جب کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید محبت کے معاملے میں شدت پسند ہوتا جا رہا تھا۔ اس شدت کو چھپانے رکھنا اس کے لیے مشکل بھی ہوتا تھا کیونکہ اس معاملے میں وہ خرمن کی تنقید یا پسندیدگی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے جذبول کی بے حرقی کرنا خرمن کے لیے بہت آسان تھا۔ وہ جانتا تھا مگر دل تھا کہ بس ایک بار اسے بھی اپنے لیے تڑپا سکتا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہی شدت وہی محبت کے دیپ اپنے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتا تھا اور اس کے لیے جانے اور کتنا شرم انتظار کرنا تھا۔ وہ اپنے صبر و ضبط کو قائم رکھنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ بھی خرمن کو یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ آج تک وہ اسے ایک روایتی ہی بیوی کے طور پر قبول کرنے کے بعد بھی قبول نہیں کر سکا ہے۔

سڑک کے کنارے چلتے ہوئے اسے ایک بار پھر خرمن کی گھراقت ہوئی تھی، کیونکہ یہ موسم ہمیشہ سے ہی اس کے لیے بہت خطرناک رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسے کچھ دنوں سے خرمن کی طبیعت نامساظگ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اپنی کسی تکلیف کا ذکر وہ خود سے بھی نہیں کرے گی۔ اس کے استفسار پر بھی وہ ڈالنی رہی تھی مگر آج اس نے خود دیکھا تھا کہ خرمن کو ان ہلکی ضرورت ہوئی تھی۔ اس کے ریڈیو جانے پر وہ تشویش میں مبتلا تھا۔ دسے لفظوں میں اس نے خرمن کو آج ریڈیو جانے سے منع بھی کیا تھا مگر اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ عارضی کو بھی مناسب نہیں لگا تھا کہ جب وہ جانا چاہتی ہے تو اسے زبردستی روک کر کوئی بد مزگی مول لے۔ ویسے بھی ویک اینڈ شو بہت زیادہ مقبولیت اختیار کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے نہ عثمان، خرمن کے بغیر یہ شو ہو سکتا تھا نہ خرمن اس کے بغیر دونوں کی موجودگی لازم و ملزوم تھی۔

دھند اور سردی کی وجہ سے سڑک پر رونق نہ ہونے کے برابر تھی۔ دھند میں بھی اسے اپنا راست نظر آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت کہاں جا رہا ہے۔ آج بھی ایک نے فون پر اسے بتایا تھا کہ شام کو لباس اس کے بارے میں پوچھتے ہیں اور یہ بھی کہ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ جان کر عارضی کو مطمئن ہوا تھا اور اسے یقین تھا کہ بہت جلد اس کے تمام شکوک و شبہات یا تو ختم ہو جائیں گے یا پھر حقیقت میں بدل جائیں گے۔ شام ہو گئے وہ جانتا تھا کہ مایوسی سے باہر نکلنے میں اسے بہت وقت لگے گا لیکن اگر



یقین میں بدل گئے تو اسے معلوم تھا کہ وہ خرمین کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا۔  
مگر ابھی تو خود وہ نہیں جانتا تھا کہ خدا کی رضا کیا ہے۔ اپنی سوچوں میں گم چلا وہ ایک موڑ تک پہنچا تھا جب کار کی  
تیز ہیلڈ لائٹس نے اسے خبردار ہونے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ کار کی اسپینڈ کم بھی مگر اس بھیا تک تصادم نے اسے  
سڑک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کی خاک چھنوا دی تھی۔ دوسری جانب بریک لگاتے لگاتے  
اپنی کار کی ہیلڈ لائٹس میں ایک اسے پہچان چکا تھا جو زد میں آ گیا تھا۔ سرعت سے بھاگتا وہ اس تک پہنچا تھا جو  
سڑک سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”آپ ٹھیک تو ہیں؟“ ایک نے حواس باختگی میں ہی اس کا بازو تھام کر اسے مدد دی تھی مگر اگلے ہی پل  
ایک کے سارے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ آنکھیں پھاڑ کر اس نے عارض کے لہو بہان چہرے کو دیکھا تھا اور پھر  
پلٹ کر جو بھاگا تو عارض کے روکنے پر بھی نہیں رکا تھا۔ رومال جیسی کوئی چیز اس کے پاس نہیں تھی۔ لہذا ہاتھ سے  
ہی ناک سے بہتے خون کو روکنے کی کوشش کرتا وہ لڑکھڑانے قدموں کے ساتھ گاڑی کی سمت بڑھا تھا وہ اسی لڑکا  
گاڑی کو ایسے ہی چھوڑ کر بدحواسی میں بھینا کوئی مدد لینے گیا تھا۔ عارض کا اندازہ درست تھا چند لمحوں بعد ہی اس  
نے ایک کے ہمراہ ہارون کو اپنی طرف دوڑے آنا دیکھا تھا۔

”عارض! تم ٹھیک ہو؟“ ہارون کی سانس پھولی ہوئی تھی۔  
”میرے خدا ایک! کیا، کیا ہے تم نے۔“ ایک نظر عارض کو دیکھتے ہی وہ ایک پر دھاڑا تھا۔  
”اسے کچھ مت کہیں۔“ غلطی میری ہی تھی۔“ عارض نے فوراً کہا تھا۔

”اسے تو میں بعد میں دیکھتا ہوں۔ تم ابھی میرے ساتھ اسپتال چلو، کہیں کوئی فریجر۔“  
”نہیں، مجھے زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ مجھے کوئی فریجر محسوس نہیں ہو رہا۔ میں اسپتال نہیں اپنے گھر واپس جانا  
چاہتا ہوں۔“ عارض نے فوراً انکار کیا تھا۔ وہ واقعی واپس گھر جانا چاہتا تھا۔  
”اچھا! ٹھیک ہے۔ اسپتال مت جاؤ مگر میرے ساتھ تو چلو، بہت خون بہہ رہا ہے، جلدی کرو۔“ ہارون  
نے غلٹ میں اس کی بات مانتے ہوئے اسے بیک سیٹ پر بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

☆ ☆

گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی وہ نظر آئے تھے جو شدید فکر مند اور انتظار میں تھے۔ عارض پر نظر پڑتے ہی  
وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ آئے تھے۔

”آنکھیں بند کر کے ڈرائیو کر رہے تھے تم، کس قدر زخمی کر دیا تم نے عارض کو۔“ بری طرح وہ ایک پر  
بر سے تھے جس کا چہرہ پہلے ہی اتر چکا تھا۔

”عارض! تمہیں پہلے اسپتال چلنا چاہیے بلڈنگ کو روکنا ضروری ہے۔“ ہشام قزلباش نے پریشان نظروں  
سے اسے دیکھا تھا۔

”میں اسی لیے عارض کو یہاں لے آیا ہوں کیونکہ یہ حضرت اسپتال جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔“ ہارون  
نے جیسے شکایت کی تھی۔

”نہیں سڑک کی چوٹ ہے۔ چیک اپ تو ضروری ہے۔“ ہشام تشویش سے بولے تھے۔  
”آپ پریشان مت ہوں۔ یہ معمولی چوٹیں ہیں۔“ عارض نے ان کو مطمئن کرنا چاہا تھا مگر ان کی تشویش کم  
نہیں ہوئی تھی۔ اس کی تکلیف کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ سب اسے ساتھ لے کر لان عبور کرتے چکن کے مینی

دروازے سے اندر داخل ہو گئے تھے کیونکہ یہی راستہ مختصر تھا۔

اس کی پیشانی پر لگی چوٹ زیادہ خطرناک نہیں تھی۔ چہرے پر بھی خراشیں واضح تھیں مگر ناک سے بہتا خون  
کسی صورت میں راکر رہا تھا۔ کاشن کا بنڈل ختم ہوتا جا رہا تھا مگر بے سوز۔

ہارون اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا جب کہ ہشام قزلباش اس کے ہاتھ پر جینزنگ کرتے ایک پر  
گرم ہوتے رہے تھے۔ اس ساری صورت حال نے عارض کو کافی شرمندہ کر دیا تھا۔ وہ ایک کو ان کے فیسے سے  
بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

”عارض! تم خاموش رہو۔ اس نے واقعی غلط کیا ہے۔ تم اس کی غلطی پر پورے مت ڈالو۔“ ہارون نے اسے  
ڈنچا تھا۔ جب ہی عقب سے اسے ایک مدھم آواز سنائی دی تھی۔

”ہارون! اس طرح خون نہیں رکے گا۔ خنڈ پانی استعمال کرنا ہوگا۔“  
”کچھ بھی کرو مگر کسی طرح اس کی حالت تو بہتر ہو۔ تمہارے بیٹے نے کیا حشر کر دیا ہے اس بے چارے کا۔“

ہشام قزلباش ان سے مخاطب تھے جن کو عارض چاہے ہوئے بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کر سکا تھا۔  
”اپنا سرو نیچا کر کے رکھو بیٹا۔“ اگلے چند لمحوں میں وہی نرم مہربان آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

ہارون نے فوراً ہی اسے کرسی کی پشت پر سر رکھنے میں مدد دی تھی اس طرح کہ اب وہ صاف طور پر اس مہربان  
چہرے کو آسانی دیکھ سکتا تھا جو پشت کی طرف موجود تھیں۔ ہلکے آسانی رنگ کے دوپٹے کے بالے میں اس کا پر نور  
چہرہ عارض کی آنکھیں ساکت کر گیا تھا۔

”پانی بہت ٹھنڈا ہے مگر تمہیں ٹھنڈا سا برداشت کرنا پڑے گا۔“ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ بہت پر شفقت  
لہجے میں بولی تھیں۔ عارض کے لیے مشکل تھا اپنے اندر اچھے جھکڑوں کو روکنا اور اپنی نگاہیں ان کے چہرے سے  
ہٹانا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے کس طرح اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیا تھا۔

دیر سے دیر سے وہ اس کے سر پر خنڈ پانی ڈالتی جا رہی تھیں مگر بہت احتیاط سے جب کہ باقی سب خاموشی سے  
لیکن ترم آئینہ نظروں سے اس کا ردائی کو دیکھ رہے تھے۔

”سر نیچے مت کرنا ابھی، اسی طرح رکھنا۔“ وہ اسے تاکید کر رہی تھیں جواب تک زمین و آسمان کے درمیان  
معلق تھا۔

”آپ کا میاب ر ہیں، بلڈنگ رک گئی ہے۔“ اس کے چہرے پر رہ جانے والا خون صاف کرتے ہارون  
نے اطلاع دی تھی۔

”شکر ہے صبیحہ! تمہارا رٹو ٹکا بروقت کام کر گیا ورنہ میں تو بلڈنگ کی رفتار دیکھ کر پریشان تھا۔“ عارض کے  
چہرے پر لگے زخموں کا جائزہ لیتے ہشام قزلباش نے شکر کی سانس لی تھی۔

”اما! آپ نے تو عارض کا سر ہی فریز کر دیا ہے۔ ان کو زکام تو لازمی ہونے والا ہے۔“ گاؤل سے عارض کے  
بیکگ بال خشک کرتے ہوئے ایک نے کہا تھا۔

”یہ ساری آنکھیں عارض کو تمہاری وجہ سے اٹھانی پڑ رہی ہیں۔“ ہشام قزلباش کو پھر اس پر غصہ آیا تھا۔ ایک  
نقٹ سے انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”صبیحہ! عارض کے لیے گرم گرم کافی لے آؤ، اسے سخت ضرورت ہے۔“ ہشام قزلباش نے ان کو  
جاہلیت دی تھی۔



”یہاں عارش کو شند زیادہ محسوس ہو رہی ہوگی۔ آپ سب ڈرائنگ روم میں چلیں۔ میں وہیں کافی لمے کر آتی ہوں۔“ آنکلیں کھولتے ہوئے عارش نے ہی مہربان آواز سننی تھی مگر اس بار ان کی جانب وہ نہ دیکھنے کی بھرپور کوشش میں تھا۔

”عارش! تم چل سکتے ہو؟“ ہارون نے فوراً اسے اٹھنے میں مدد دینی چاہی تھی مگر وہ اشارے سے روک گیا تھا۔

”آپ اب میرے لیے اتار پریشان ہو کر مجھے شرمندہ مت کریں۔ میں بغیر سہارے کے بھی چل سکتا ہوں۔“ عارش نے کہا تھا۔

”یہ اچھی بات ہے ورنہ تمہارے بے وقوف دوست نے تو کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔“ ہشام تزلباش نے ایک بار پھر تار کو ان نظروں سے ایک کو دیکھا تھا جو چورسائین گیا تھا۔

نفاست سے سب ڈرائنگ روم کے گرم ماحول میں اسے واقعی کچھ راحت ملی تھی۔ ایک کی مدد سے اس نے اپنی جیکٹ بھی واپس پہن لی تھی۔ ہشام تزلباش بار بار اس کی تکلیف پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کر رہے تھے۔ اپنی طرف سے وہ ان کو مطمئن کرتا رہا تھا مگر مکن سے ڈرائنگ روم تک آنے تک اسے احساس ہو گیا تھا کہ اسے اندرونی چوٹیں آتی ہیں۔ پورے وجود میں درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

”ہارون! یہ اب کتنی ہی ضد کیوں نہ کرے مگر تم اسے گاڑی کی چابی نہیں دو گے۔ یہ لڑکا اپنی لاپرواہی سے کس حد تک سب کو پریشان کر چکا ہے۔“ ہشام تزلباش نے تاکید کرتے ہوئے پھر تار کو ان نظروں سے ایک کو دیکھا تھا جو عارش کے پیچھے ہی صوفے کی پشت پر موجود اس کے نم گھرے بال میز پر سے سنوار رہا تھا۔

”پاپا! میں اپنی غلطی مان رہا ہوں۔ اب جب تک عارش ٹھیک نہیں ہو جاتے میں ان کا خیال رکھوں گا۔“ ایک شرمندگی سے بولا تھا۔

”عارش کو ٹھیک ٹھاک ڈبھی کرنے کے بعد اب تمہیں یہ کرنا ہی چاہیے۔“ ہارون نے خشمکین نظروں سے ایک کو دیکھا تھا۔

”اگر ایسا ہے تو مجھے افسوس نہیں ہے اپنے ڈبھی ہونے پر۔“ عارش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا مگر اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ غائب بھی ہو گئی تھی۔ کافی لمے وہ اپنے مہربان چہرے کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھیں۔ ایک گہری سانس لے کر عارش نے اپنی نظریں جھکا لی تھیں۔ خود کو کپڑے رکھنے کے لیے اسے کچھ وقت درکار تھا۔

”تم نے سوچا تھا کہ پہلی بار اس صورت حال میں یہاں تمہاری آمد ہوگی؟“ ہشام تزلباش بولے تھے۔

”نہیں، میں نے ہرگز نہیں سوچا تھا کہ اس طرح یہاں آ کر آپ سب کو پریشان کروں گا۔“ عارش نے جوابا کہا تھا۔

”پریشان تو تمہیں کیا ہے اس بے وقوف لڑکے نے۔“ نرم لہجے پر عارش کو ان کی سمت دیکھنا پڑا تھا۔ جو سامنے ہی ہشام تزلباش سے کچھ ہی فاصلے پر براہمن تھیں۔

”ماما! کم از کم آپ تو مجھے برا بھلا مت کہیں۔“ ایک ناراضی سے بولا عارش کے ساتھ ہی آ بیٹھا تھا۔

”یہاں آپ واقعی میرے گھر آ رہے تھے یا کہیں اور جانے کا ارادہ تھا؟“

عارش کا ارادہ جو بھی تھا مگر وہ اپنا ایکسٹنٹ کروانے تو ہرگز گھر سے نہیں نکلے تھے۔ ”کافی کسپ لیتے ہارون نے ایک بار پھر ایک کوشش مندہ کیا تھا۔

”میں واک کے لیے نکلا تھا تو سوچا آج تمہاری شکایت دور کر دوں۔“ عارش نے ایک کو دیکھا تھا۔

”آجے سرد موسم میں واک کے لیے نکلے تھے۔ کچھ عجیب کام نہیں کیا تم نے؟“ ہارون کے مسکراتے لہجے پر وہ بھی مسکرایا تھا۔ دوسری جانب خاموش بیٹھیں صبیحہ بخور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ایک کی وجہ سے غائبانہ تعارف تو پہلے ہی تھا مگر آج وہ اسے دیکھ بھی رہی تھیں۔ ایک نے اس کا اتنا ذکر کیا تھا کہ عارش سے ان کو کوئی وجہیت یا تنقید محسوس نہیں ہوئی تھی اور اس کی قابل رحم حالت دیکھنے کے بعد تو وہ اس سے شدید ہمدردی بھی محسوس کر رہی تھیں۔

کچھ وقت باتوں میں مزید گزارا تھا اس کے بعد عارش نے واپس جانے کی اجازت چاہی تھی۔

”عارش! تمہیں ہارون کے ساتھ اسپتال جانا چاہیے۔“ ہشام تزلباش نے پھر اسے تاکید کی تھی۔

”اسپتال سے زیادہ اچھا ٹریٹمنٹ مجھے یہاں آپ سب سے مل گیا ہے۔ اس کے لیے میں آپ سب کا شکر گزار بھی ہوں لیکن اب کافی رات ہو چکی ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔“ عارش نے کہا تھا۔

”آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ آج رات یہیں رک جائیں۔“ ایک نے پر جوش ہو کر کہا تھا۔

”یہ بالکل ٹھیک رہے گا۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے بلا تکلف یہاں رک جاؤ۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ ہارون نے بھی تائید کی تھی جب کہ عارش کچھ بوکھلایا تھا۔

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود کو کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔“ اس نے فوراً کہا تھا۔

”پھر بھی تم یہاں رک جاؤ۔ یہاں سے گھر تک جانے میں تکلیف بڑھ بھی سکتی ہے۔“ ہشام تزلباش نے بھی اصرار کیا تھا۔

”بہت شکریہ لیکن۔“ عارش نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

”یہ سب ٹھیک کہہ رہے ہیں عارش!“ صبیحہ نے براہ راست اسے مخاطب کیا تھا۔

”تکلیف خدا خواستہ اگر زیادہ بڑھ گئی تو گھر میں تھا کہ اس طرح آرام کر سکو گے؟“ ان کے پر شفقت لہجے نے عارش کو ایک پل کے لیے الجھایا مگر پھر حیران کیا تھا۔

”آپ سے کس نے کہا کہ میں اپنے گھر میں تنہا ہونا ہوں؟“ عارش کے سوال نے صبیحہ کو حیران کیا تھا۔

”مگر مجھے تو ایک نے بھی بتایا تھا کہ۔۔۔“ وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھیں۔

”کیا مطلب، آپ تنہا نہیں ہیں؟ آپ نے ہی تو بتایا تھا کہ نہ آپ کے پیئرس ہیں اور نہ ہی کوئی بہن یا بھائی۔“ ایک نے حیرت سے کہا تھا۔



**MOVEETA®**  
The Touch of Softness

*Quality Tissue No More An Issue*

نفاست اور سہولت مووینا شوکی بدولت

100% VIRGIN PULP سے تیار کردہ پاکستان کا واحد برانڈڈ شوکی

ایکسپریس، ایکسپریس، ایکسپریس، ایکسپریس، ایکسپریس

چند کسٹمائیڈ سے صاف کرتے ہیں

**Super Soft**

تربا سہولت... دلچسپ نفاست

**Perfumed Nandoo**

دلآویز خوشبو سے مزین پورلش پیپر

**Super Soft Roll & Kitchen Roll**

ضرورت کی... سہولت کی



”بالکل نہیں۔“ وہ سکرایا تھا۔

”یعنی آپ واقعی شادی شدہ ہیں۔“ ایک شدید صدمے کا شکار ہوا تھا۔

”اب تو ہمیں زیادہ عار پر فخر کرنا چاہیے۔ تمہارے دوستوں کی لسٹ میں سب سے قابل تو میں ہی ہوں اور بے فاسٹ ہونے کا ریکارڈ بھی عار نے توڑ دیا ہے۔“ ہشام قزلباش کے مسکراتے لہجے پر عار پر کچھ جھینپ گیا تھا۔

”اسی بات کا تو وہ ہے پاپا! میرے دوست ہو کر بھی عار نے مجھے پیچھے پھوڑ دیا ہے۔“ ایک صدمے کی کیفیت میں ہی بولا تھا۔

”کتنا عرصہ ہو گیا شادی کو؟“ صبیحہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

”تین ماہ ہوئے ہیں۔“ ایک نگاہ نہیں دیکھا وہ مختصر آؤلا تھا۔

”عارش! اب یہ سب کچھ کہہ گا کہ آپ کے پیچھے ہیں۔“ ایک کے ناراض لہجے سے زیادہ اس کی بات نے عارش کو شرمندہ سا کر دیا تھا۔

”خاموش رہو، بہت بے شکاوہ لیتے ہو۔“ صبیحہ نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے ایک کوڈنا تھا۔

”ایک! تم عارش کے دوست ہو اس لیے تمہیں عارش سے سوال بلکہ باز پرس کرنے کا پورا حق ہے۔“ ہارون کے مسکراتے لہجے پر عارش اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”عارش! آپ کو شادی کی اتنی جلدی کیا تھی؟ اگر مجھے آپ کی رائف پسند نہ آئیں یا میں ان کو پسند نہیں آیا تو کیا ہماری دوستی خطرے میں نہیں پڑ جائے گی؟“ ایک کوڈ اور پریشانی ہوئی تھی۔

”فکرت کرو، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“ عارش نے دلچسپی سے اس کے پریشان چہرے کو دیکھا تھا۔

”تم اب مزید سوال کر کے عارش کا حال مزید خراب نہ کرو، اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ عارش کو گھر پہنچانے کی جلدی کرو۔ کافی وقت ہو گیا ہے۔ اس کے گھر میں پریشان ہونے والی ایک ہستی موجود ہیں۔“ ہشام قزلباش بولے تھے۔

”گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ میں خود جا سکتا ہوں۔“ عارش نے انکار کرنا چاہا تھا۔

”بالکل نہیں۔ میں تمہیں ڈراپ کرنے چلوں گا۔“ ہارون نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔

”ہارون! اسپتال میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ چیک اپ کرواتے ہوئے جانا۔“ ڈرائنگ روم سے نکلتے ہوئے صبیحہ نے تاکید کی تھی۔

”عارش راضی نہیں ہو رہے۔ یہ ڈاکٹر سے الگ ہیں۔“ ایک نے کہا تھا۔

”تمہیں جانا چاہیے عارش! انجکشن تو ضروری ہے۔“ صبیحہ کے لہجے میں فکرت تھی۔

”ٹھیک ہے، اب آپ کہہ رہی ہیں تو میں ضرور اسپتال جاؤں گا۔“ وہ بے اختیار بول گیا تھا۔

”اما! آپ کے فرامیادوں میں پاپا کے بعد عارش بھی شامل ہو گئے ہیں۔“ ایک کے شرارتی لہجے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں جب کہ عارش نے ایک آخری بار میڈوران کے چہرے کو دیکھتے ہوئے خدا حافظ کہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)



## ہر عین میں شہزادہ عین کی بہن

مین گیٹ پر بھی وہ اسے عمان کے ساتھ نظر آئی تھی کیونکہ اس کی آمد بھی بروقت ہوئی تھی۔ عارش پر نظر پڑتے ہی وہ جہاں بھی وہیں ساکت رہ گئی تھی۔ یہ یقین تھا کہ عارش خود ہی اس کی سہیلہ ہو گیا تھا۔



”کیا ہوا ہے یہ تمہیں؟“ دنگ نظروں سے خرمن نے اس کا جائزہ لیا تھا جب کہ اس کے سوال نے عمان کو کوفت میں چکا کیا تھا۔  
 ”میرے خیال میں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ اس کا ایکسٹنٹ ہوا ہے۔“ عمان کے خشمگین لہجے پر خرمن کے تاثرات بگڑے تھے جب کہ وہ عارش کے شانے کو چھپتا کر اسے کراہنے پر مجبور کرتا ہارون کی سہیلہ ہو گیا تھا۔ دوسری جانب گاڑی کے پاس رکے ہارون کی نظریں خرمن پر ہی تھیں۔  
 ”عمان! یہ خرمن۔“  
 ”جی ہاں، عارش کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ خرمن اس کی بیوی ہے اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو کوئی

نیو ویکی لائبریری اینڈ اولڈ بک سینٹر  
 صدر بازار ہری پور، ہزارہ جلد ساز  
 ۳۳۳





بات نہیں، کچھ دیر میں یقین آجائے گا۔“ ہارون کے حیران لہجے پر عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔  
 دوسری جانب خرمن کا پارہ آسمان پر چڑھتا جا رہا تھا۔  
 ”تمہارا سحر بگڑ چکا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ معمولی ایکٹیڈ ہوا ہے۔ آخر وہ کون سا نیا ڈرامہ ہے جسے  
 ساڑھے چھ فٹ کا بندہ نظر نہیں آیا۔“ خرمن بری طرح اس پر برسی تھی جو بے بس انداز میں عثمان کی طرف  
 متوجہ ہوا تھا۔

”چینے چلانے سے پہلے ذرا ادھر ادھر بھی دیکھ لیا کرو۔“ اس نے دے لہجے میں خرمن کو گھر کا تھا۔  
 ”تم درمیان میں کیوں بول رہے ہو؟“ خوشخوار نظروں سے خرمن نے اسے دیکھا تھا۔  
 ”تو کیا خاموشی سے تمہارے ہاتھوں اپنے دوست کی عزت کے جنازے نکال دیکھوں۔ مگر میں لے  
 جا کر اسے کوٹ ڈالنا مگر یہاں تو قربان بند کرو غیر مردوں کے سامنے۔“ عثمان کے غرآنے پر وہ دنگ ہوئی  
 تھی مگر اگلے ہی لمبے بری طرح چمک کر اس نے کچھ قاصطے پر کے ہارون کو دیکھا تھا۔  
 ”آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ خرمن کی حیران نظروں پر وہ شرمندہ تاثرات کے ساتھ قریب آیا  
 تھا۔

”ایم سواری خرمن! میری گاڑی سے ہی عارش کا ایکٹیڈ ہوا تھا۔“ ہارون کی اطلاع پر اس کے  
 چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔ کڑی نظروں سے اس نے عارش کو دیکھا تھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں  
 اسے ہارون کے سامنے شانت رہنے کی التجا کر رہا تھا۔ بھٹکل فصد خیل کے وہ یکدم پلٹ کر تیز قدموں سے  
 گیٹ کی سمت بڑھ گئی تھی۔ جب کاس کے روٹل پر ہارون کے ساتھ ساتھ عارش بھی شرمندہ ہوا تھا۔  
 ”وہ دراصل غصے میں ہے تو اس لیے۔“  
 ”کوئی بات نہیں۔ خرمن کا فصد جائز ہے۔“ عارش کی بات کانٹے ہوئے ہارون نے کہا تھا۔  
 ”تم اب جا کر آرام کرو، اپنا خیال رکھنا اور عثمان کل ریڈیو پر ملاقات ہوگی۔“ الوداعی کلمات کے  
 ساتھ ہارون رخصت ہو گیا تھا۔

”خرمن کسی کے ساتھ بھی رعایت نہیں کرتی ہے۔“ گیٹ سے اندر داخل ہوتا وہ عثمان سے مخاطب تھا۔  
 ”بہت نئی بات بتائی ہے تم نے، مجھے تو یہ پتہ ہی نہیں تھا۔“ عثمان نے حسمین لہجے میں کہا تھا۔  
 ☆ ☆

نائب شرٹ کی سلیبوں احتیاط سے فولڈ کرتا وہ ڈریسنگ کے سامنے آ رہا تھا۔ آنکھ کے نیچے لگنے والی  
 خراشوں کی سرنی اب نیلا ہٹ میں بدل چکی تھی کچھ افسردگی سے وہ اپنے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جب  
 خرمن کمرے میں داخل ہوئی تھی۔  
 ”کتنے ڈینٹ لگے ہیں، یہ کہہ رہے ہو یا بگڑے چہرے کی نظر اتار رہے ہو؟“ اس کے ناگوار لہجے پر  
 وہ گہری سانس لے کر بیل کی طرف آ گیا تھا۔

”بیٹھے بیٹھے مصیبت مول لے لی ہے۔ اوپر سے تمہاری طرف داریاں ختم نہیں ہوتیں۔“ کبیل اس  
 پر پھیلاتے ہوئے وہ مستقل بگڑے تیروں میں تھی۔  
 ”تم مجھ سے کیوں ناراض ہو رہی ہو؟ کیا یہ سب میں نے جان بوجھ کر کیا ہے؟“ ناراض لہجے میں وہ  
 اس سے مخاطب تھا جو لائٹ آف کر رہی تھی۔

”جہیں ضرورت ہی کیا تھی سڑکوں پر چہل قدمی کرنے کی اگر زیادہ کچھ ہو جاتا تو۔۔۔ وہ تو کل مجھے  
 مہذرت کر کے، ان کا کیا جاتا۔ ہارون کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو میں خون پی جاتی اس کا۔“  
 ”تم نے ہارون کے ساتھ بھی کچھ اچھا ہی ہو نہیں کیا، وہ پہلے ہی بہت شرمندہ تھے۔“  
 ”انہیں ہونا چاہیے، جتنے تنے ان کی طرف سے نہیں ملے ہیں، انہیں شرمندہ ہونا چاہیے مگر تم اپنی فکر  
 کرو ان کے لیے بلکان مت ہو۔“ پھیلے لہجے میں اس نے عارش کی بات کاٹی تھی۔  
 ”ہارون کی کوئی غلطی نہیں تھی، کتنی بار بتاؤں تمہیں۔“ وہ زنج ہوا تھا۔  
 ”مجھے اب کچھ مت بتاؤ، خاموشی سے سو جاؤ۔“ ناگوار سے اسے دیکھتی وہ اپنا کمر درست کرنے لگی  
 تھی۔

”مجھے تکلیف ہو رہی ہے تو میں سو کیسے سکتا ہوں؟“ وہ غصت سے بولا تھا۔  
 ”بتاؤ جا کر انہیں جن کی طرف داریاں کر رہے ہو۔“ ناگوار سے بولتی وہ دوسری جانب کروٹ بدل  
 گئی تھی۔

”مائی یا ماموں جان کو یہ اطلاع مت پہنچا دینا وہ دونوں پہلے ہی بڑے ماموں کے آپریشن کو لے کر  
 وہاں پریشان ہیں۔“ عارش نے اسے تاکید کرنا ضروری سمجھا تھا جو اب خرمن نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔  
 ”اب میرا چہرہ اتنا بھی بھیا تک نہیں ہو رہا کہ تم سو گز کے قاصطے پر چلی گئی ہو۔“ چند لمحوں بعد عارش  
 نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر نہ وہ کچھ بولی تھی نہ پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ ماموں ہو کر اس نے  
 بھی آنکھوں پر بازو رکھ کر سونے کی کوشش کی تھی ورنہ صبح تو یہ تھا کہ اب بیل کی کمری میں اسے اپنی چونوں کی  
 سنگینی کا احساس ہونے لگا تھا۔ تکلیف آہستہ آہستہ جاگ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے چونک کر خرمن کی  
 طرف دیکھنا پڑا تھا۔

”خرمن! تم رو رہی ہو؟“ اس کی دم سکیوں پر وہ دنگ ہوتا اٹھ رہا تھا کہ خرمن کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی  
 تھی۔  
 ”لینے رہو، کیوں مزید خود کو تکلیف پہنچا رہے ہو؟“ مہرائے لہجے میں وہ اس پر بگڑی تھی۔

”اگر تم میرے قریب نہیں آؤ گی تو مجھے ہی آنا پڑے گا۔“ وہ زنج ہوا تھا۔ دوسری جانب وہ اپنی  
 آنکھیں خشک کر رہی اس کے قریب ہو گئی تھی۔

”مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں بہت پریشان کر دیا ہے۔ تم مجھے برا بھلا کہو مگر اس طرح رونے کی  
 کیا ضرورت ہے؟“ اس کے آزدہ چہرے پر پھسلے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے عارش نے دیکھا تھا  
 اس کی پیشانی پر پھلے بالوں کے باریک پردے کے عقب سے جھٹکا نام نہم بھی آزدہ اور بچھا ہوا  
 دکھائی دے رہا تھا۔

”اگر زیادہ کچھ نقصان ہو جاتا تو۔“ اس کے نم لہجے پر وہ دیر سے مسکرایا تھا۔  
 ”حادثے زندگی کا حصہ ہیں۔ میں تمہارے سامنے بالکل ٹھیک موجود ہوں اگر کچھ چو نہیں گئی ہیں تو  
 کیا ہوا؟ دو دن میں یہ زخم بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ لہذا میرے لیے اتنا پریشان ہو کر تم مجھے زیادہ خوش نہیں  
 میں بتا کرو۔“ اس کے مسکراتے لہجے پر خرمن نے غصت سے اسے دیکھا تھا۔  
 ”تم لیٹ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو۔“ اس کے نرم لہجے پر عارش نے فوراً عمل کیا تھا۔



”زیادہ تکلیف تو نہیں ہے؟“

”تم قریب رہو گی تو ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔“ اس کے سنجیدہ لہجے پر خرمن نے ایک ہلکے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے اس کے شانے پر سر رکھ کر راز ہو گئی تھی۔

”میرے لیے یہ بہت حیران کن ہے کہ تمہیں میری اپنی فکر بھی ہو سکتی ہے۔“ چند لمحوں بعد عارش کے عجیب سے لہجے پر اس کے تن بدن میں جیسے آگ ہی لگ گئی تھی مگر اسے متباد کرنا پڑا تھا۔

”مجھے بس اس بات کی فکر ہے کہ اگر تمہیں زیادہ نقصان پہنچتا تو میں امی اور بابا کو کیا جواب دیتی، امی تو مجھے پہلے ہی نا امل قرار دے چکی ہیں۔“ اس کے سر و لہجے پر عارش نے ایک گہری سانس لے کر اس کے گرد گہل گونھک گیا تھا۔

”سن کر اچھا لگا، گڈ نائٹ۔“ عارش کی مدھم آواز اسے سنائی دی تھی۔ بند آنکھوں کے ساتھ بس وہ ایک ہلکے لیے ہلکا سا مسکرائی تھی۔

☆.....☆

”صرف عارش کی وجہ سے میں خون کے ٹھونٹ ٹھونٹ میں گئی ورنہ میں تو یہ بھی بھول جاتی کہ ہارون میرے سینئر ہیں۔“ میزہ کے لیے ناخوش تیار کرتی وہ مستقل دل کی ہلکائی کا شکار رہی تھی۔ حج خرمن سے فون پر عارش کا سن کر وہ اسی وقت گھر آ گئی تھی۔ عارش تو سو رہا تھا جب کہ خرمن سے تمام صورت حال کی آگاہی اسے ہو گئی تھی اور یہ کوئی انجانہ کی بات نہیں تھی کہ خرمن کی شکوہ میں کئی بار ہارون کا ذکر سن کر وہ چلتی رہی تھی۔

”ہارون وہی ہیں جن کا پروگرام تمہارے پروگرام کے بعد شروع ہوتا ہے؟“ سوال کرتے ہوئے میزہ کی ساتھیوں میں ہارون کی تصویر اور مندر آواز کو سن رہی تھی۔ وہ ریڈیو تب سے ہی سن رہی تھی جب سے خرمن نے ریڈیو بھرنے لیا تھا۔ خرمن اسے ہارون کے بارے میں ہی بتا رہی تھی تب ہی کال بل نے ان دونوں کو چٹکایا تھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے خرمن نے کچھ حیران حوالہ نظروں کے سامنے انہی چہرے کو دیکھا تھا جس کی مسکراہٹ کانوں تک پھیلی جا رہی تھی۔

”آپ دونوں میں سے خرمن کون ہیں؟“ سوال کرتے ہوئے وہ بڑے اشتیاق سے میزہ کو ہی دیکھ رہا تھا جو خرمن کے عقب میں ہی تھی۔

”میں ہوں۔ کیوں کیا ہوا؟ کس سے ملنا ہے تمہیں؟“ خرمن کے ناگوار لہجے پر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ پھولدار سرخ روئے میں چھپے اس کے چہرے کو دیکھا وہ شاید صدمے میں گرفتار ہوا تھا۔ جب کہ اس کے تاثرات پر میزہ ہنسنے لگی مسکراہٹ روک سکی تھی۔ کیونکہ بھی وہ خرمن کو دیکھ رہا تھا اور بھی اسے پتا نہیں کیا موازنہ کر رہا تھا۔

”ارے ہاں! آپ کی آواز تو خرمن جیسی ہی ہے۔“ لہجے کو خوشگوار کرنے کی کوشش میں وہ ہنسنے لگی مسکرائی تھی۔

”میں وہی ہوں جس نے آپ کو برتھ ڈے کا ایک ریڈیو پیش کیا تھا۔“

”تم ہارون کے بھائی ہو؟“ خرمن نے جس طرح اس کی بات کاٹی تھی وہ نکل سا ہوا تھا۔

”ناراض مت ہوں پلیز! میری کوئی غلطی نہیں تھی۔“ معذرت کرتا وہ بے دھڑک جس طرح اندر داخل

ہوا تھا خرمن کو اسے راستہ دینا ہی پڑا تھا۔

”تمہاری غلطی نہیں تھی کیونکہ تم گاڑی میں تھے اور سڑک پر چلتے لوگ تمہارے لیے کیڑے مکوڑے ہیں۔ جنہیں تم جب چاہو اپنی گاڑی سے نکل دو، شرم نہیں آتی تمہیں یہاں آتے ہوئے۔“ خرمن نے شدید ناگوار سی اسے دیکھا تھا۔

”میں خود نہیں آیا، ماما نے عارش کے لیے یہ سب بھیجا ہے۔ وہ ان کے لیے بہت پریشان ہیں۔“ نفرت سے بولتے ہوئے اس نے دونوں شاہرہ خرمن کے ہاتھوں میں ٹھٹھل کر دیئے تھے۔

”عارش کہاں ہیں؟“

”وہ ابھی تم سے ٹھٹھل مل سکا اور بہت شکریہ، یہ سب واپس لے جاؤ۔“ خرمن نے شاہرہ واپس دینے چاہے تھے مگر وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا تھا۔

”آپ فون پر تو اتنے اچھے طریقے سے بات کرتی ہیں۔ اپنے لیسٹرز سے، میں دوڑتا ہوا یہاں تک آیا ہوں جب کہ یہاں کی لفٹ بھی خراب تھی اور آپ میرے ساتھ اتنی روڑ ہو رہی ہیں۔“ ایک کاچہرہ اتر گیا تھا۔

”تم رکو میں عارش کو دیکھتی ہوں وہ جاگ گیا ہے یا نہیں۔“ بہر حال خرمن کو تھوڑا لحاظ رکھنا پڑا تھا کہ وہ ہارون کا بھائی تھا۔

”آپ زحمت نہ کریں۔ میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا ہوں۔ وہ ہیں کہاں؟“ سوال کرتے ہوئے اس نے میزہ کو بھی دیکھا تھا جس نے فوراً ہاتھ کے اشارے سے اسے کمرے کا بتایا تھا جب کہ خرمن کھول کر رہ گئی تھی۔

”تھینک یو، بیٹے میں آپ کو پہچان گیا ہوں۔ آپ سے انسٹی ٹیوٹ میں ملاقات ہوئی تھی۔“ میزہ پر مسکراہٹ نچھاور کر تا وہ رکے بغیر بیڈروم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”وہ میرے بیڈروم میں کھس گیا ہے، بدلتہذیب لڑکا۔“ خرمن نے جھلک کر میزہ کو دیکھا تھا۔

بیڈروم میں داخل ہو کر ایک طائرانہ نظر ایک نے دوڑائی تھی اور پھر بیڈ کی سمت بڑھ گیا تھا۔ خند سے پوچھل آنکھیں کھولتے ہوئے عارش کو چند لمحوں کے لیے اس کے مسکراتے چہرے کو پہچانے میں۔ حیرانی سے اسے دیکھنا ہوا ٹھہر گیا تھا۔

”آپ حیران مت ہوں۔ میں حقیقت میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ ویسے میری وجہ سے آپ کے چہرے کی خوب صورتی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا ہے۔“ اس کے ہنسنے پر عارش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بالوں کو انگلیوں سے سنوارا تھا۔

”ماما نے آپ کے لیے سوپ اور فروس بھیجے ہیں اور آپ کی طبیعت کے بارے میں بھی پوچھا ہے۔“

”میں اب کافی بہتر ہوں اور یہ سب لانے کی کیا ضرورت تھی، تم آگے کاٹی تھا۔“

”ماما نے آپ کے لیے جو بھیجا تھا میں لے آیا، آنا تو مجھے ہر حال میں تھا کیونکہ پاپا اور بھائی بھی مجھے تاکہ کر گئے تھے کہ میں آپ کی عمارت کے لیے ضرور جاؤں۔“ بولتے ہوئے اس نے دوبارہ کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ ”آپ کا بیڈروم تو بہت خوب صورت ہے۔“

”اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ تم خرمن سے ملے۔“ عارش کو یاد آیا تھا۔



”جی ہاں! خوب آڑھے ہاتھوں لیا ہے انہوں نے مجھے آپ کو بھی ملی قمیص شادی کرنے کے لیے؟“  
اس کے گوشت زدہ تاثرات نے عارش کو سکراتے پر مجبور کیا تھا۔  
”جہاں تک مجھے یاد ہے، عثمان کے ساتھ ساتھ خرمن کے بھی تم نہیں ہو۔“  
”جی ہاں! ان سے ملنے سے پہلے تک میں ان کی آواز کا ٹھین تھا۔ رات میں بھائی سے ان کے اور  
آپ کے بارے میں جاننے کے بعد تو میں خوشی سے پاگل ہونے والا تھا مگر ان سے ملنے کے بعد میں سوچ  
رہا ہوں کہ میں ان سے ملائی کیوں۔“ وہ کافی ناراضی سے بولا تھا۔  
”اگر اس نے تم سے کچھ کہا ہے تو میں معافی مانگتا ہوں مگر میرے لیے تمہیں کچھ مارتو کرنا ہی ہوگا۔  
آہستہ آہستہ تمہیں پتہ چلے گا کہ وہ اپنی آواز سے زیادہ اچھی ہے۔“  
”ہوں گی مگر میں نے سوچا تھا کہ آپ کی وائف الزماؤ قسم کی ہوں گی۔“ ایک کی مایوسی پر وہ مسکرایا  
تھا۔

”اب کیا ہو سکتا ہے، میری شادی اس سے ہوئی ہے۔“

”آپ کی لومیرج ہے؟“

”میری طرف سے تو سو فیصد ہے۔“

”کیا بول رہے ہیں؟“ وہ جو بیڈ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کھٹکھٹا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”کیا ہوا؟“ عارش دھیرے سے ہنسا تھا۔

”مجھے شاک تو لگا ہے اس بارے میں آپ سے بعد میں بات کروں گا۔ ابھی میرا بیچ شروع ہونے والا  
ہے اس لیے اب اجازت دیں۔“

بیڈروم سے باہر آتا وہ اس کی طرف متوجہ تھا جو اس کے باہر نکلنے کے انتظار میں بیٹھ رہی تھی۔

”آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔ عارش کا خیال رکھیے گا۔ میں اب چلتا ہوں۔“ اس کی کڑی نظروں پر

ایک کو یہ کہنا ہی پڑا تھا اور اس نے پل تیز قدموں کے ساتھ اس کی نظروں سے بچا مگر سے نکل گیا تھا۔

”تم نے تو اس بے چارے کو سہا کر رکھ دیا۔ اچھا پیارا سا لڑکا ہے۔“ ناشتے کے دوران میزہ نے

مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں، بہت پیارا تھا اور اس کے کان میں چپکتی ایک ہالی بھی بہت پیاری تھی۔“ خرمن کی خیمکین

نظروں پر وہ ہنسی تھی۔

”تم ناشتہ کرو، میں عارش کو زرا دیکھ آؤں۔“

”کیوں نہیں، جاؤ بہت اچھی طرح دیکھو میری طرف سے پوری اجازت ہے۔“ میزہ کے شرارتی

لہجے کو ان سنی کرتی وہ بچن سے نکل گئی تھی۔ چائے کا کاک اٹھاتی وہ چونک کر بچن میں آتی بیلا کی طرف متوجہ

ہوئی تھی۔

”تمہیں کیا ہوا ہے؟“ حیرت سے اس نے بیلا کو دیکھا تھا جو کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی۔

”کیا ہوا ہے مجھے تم ہی بتا دو؟“ بیلا مسکراتی تھی۔

”دن بدن ٹھہرتی جا رہی ہو حسن چھوٹ چھوٹ کر نکل رہا ہے۔ اس خوب صورتی کا راز مجھے بھی بتا

دو؟“ میزہ کے سستی خیر لہجے پر اس کے سرخ ہوتے رخسار گھٹنا رہن گئے تھے۔

”مجھے نہیں پتا۔“ اس کے جھپٹے انداز پر میزہ بے ساختہ ہنسی تھی جب کہ اسے گھورتے ہوئے بیلا رک

کر عثمان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”عثمان! کتنے پیٹنم لگ رہے ہو تم، مجھے اپنے ساتھ انٹیٹی ٹیوٹ لے جانے کے یہاں کھین ڈیٹ

پر نہیں لے جانے والے؟“ میزہ نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”آزادہ تو نہیں تھا مگر تم ضرور غافل کر رہی ہو گی مجھے۔“ اس کے سر پر عثمان نے چپٹ لگائی تھی۔

”بیلا! میں سچ بتا رہی ہوں تمہارا شوہر انٹیٹی ٹیوٹ میں سارا وقت مجھے لائن دیتا ہے۔“ میزہ نے

شکایت کی تھی۔

”تو تم بولاؤں دینے والی چیز۔“ عثمان کے فوراً ہی کہنے پر میزہ نے اسے گھورا تھا۔

”بیلا! میں تمہیں بتا رہا ہوں یہ پوری کوشش میں ہے میرا دھیان اپنی طرف کرنے کے لیے اور تم جانتی

ہو میرا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔“ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

”تم اپنا دھیان ادھر ادھر کر کے تو دیکھو۔ زندہ کسی کو نظر نہیں آؤ گے۔“ بیلا کے خیمکین لہجے پر میزہ

نے بے ساختہ ہنستے ہوئے عثمان کے نکل چرے کو دیکھا تھا۔

”جلدی کر لو، میں لیٹ ہو رہا ہوں۔“ عثمان نے میزہ کو گھر کا تھا۔

”چائے تو پیئے دو، مطلق ہے انٹیٹی ٹیوٹ کا تالا تم ہی کھولتے ہو۔“ میزہ نے کہا تھا۔

”میرا استانی کہاں غائب ہے؟“ عثمان کو یاد آیا تھا۔ بلند آواز میں استانی کی تان لگا تا وہ بچن سے نکل

ہی رہا تھا۔ جب اندر آتی خرمن سے خطرناک قسم کا تصادم ہوا تھا۔ بری طرح لڑکھڑاکر سنبھلتے ہوئے اس

نے خرمن کو بھی گھسیٹنے سے روکا تھا مگر اگلے ہی پل اس کے بے درجے تھوڑے پر ہڑبڑا کر بچن سے نکل

بھاگا تھا۔ جب کہ خرمن بری طرح تھملائی ان دونوں کو گھور کر رہ گئی تھی جو جھگڑا کرتے جا رہے تھے۔

☆—☆—☆

اپنے گروپ کو پرنکشن کے لیے لب میں چھوڑ کر وہ آفس کی طرف چلی آئی تھی۔ یہ ایک گھنٹہ اس کا

فری ہوتا تھا جس میں وہ بیچ اور ریٹ کر سکتی تھی۔ آفس کے پرسکون ماحول میں بیٹھے اسے کچھ ہی وقت

گزر رہا تھا جب سیل فون پر غیر متوجہ کال آئی تھی۔

”میں نے آپ کو سب تو نہیں کیا؟“ مجیدہ سنجیدہ آواز اس کی دھڑکنیں روک گئی تھی۔

”نہیں میں اس وقت فری تھی سچ کی وجہ سے۔“ میزہ کی آواز مطلق میں لگی تھی اس کے لیے اب بھی

یقین کرنا مشکل تھا کہ بارہون نے اسے کال کی ہے۔

”میں بھی اس وقت سچ کے لیے آفس سے نکلا ہوں اس وقت آپ کے انٹیٹی ٹیوٹ کے قریب ہی

ہوں۔ آپ انٹیٹی ٹیوٹ میں ہی ہیں؟“

”جی! میں انٹیٹی ٹیوٹ میں ہوں۔“ وہ بولی تھی۔

”میں اس وقت انٹیٹی ٹیوٹ کے قریب ایک ریٹورنٹ کے سامنے موجود ہوں۔ آپ نے سچ

کر لیا؟“

”نہیں ابھی تو نہیں۔“ اس کے جواب پر وہ ایک پل کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

”اگر آپ مائنڈ نہ کریں اور ممکن ہو تو یہاں تک آ سکتی ہیں؟“ اس کے جھٹکتے لہجے نے میزہ کو دنگ کیا



چہرہ کچھ بچھا بچھا دکھائی دے رہا تھا۔

”نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ چہرے سے نکراتے تراشیدہ بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑتی وہ جلی سا ہو کر مسکراتی تھی۔ بہر حال وہ اب مزید کوئی بے وقوفی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سچ آنے تک ہاروں اس سے انٹی ٹیوٹ کے بارے میں ہی بات کرتا رہا تھا۔ اس دوران وہ بھی کافی حد تک نارمل اور پراسرار ہو گئی تھی۔

”آپ ریڈیو تک سے کر رہے ہیں؟“ میزہ کے اچانک سوال پر وہ چوٹ لگا تھا۔

”تقریباً دس سال ہو چکے ہیں۔“

”میں ریڈیو زیادہ نہیں سنتی، اس لیے آپ کی آواز میں نہیں پہچان سکتی تھی۔ آپ نے بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ آپ صدا کاری کرتے ہیں۔“

”یہ بتانا ضروری تو نہیں تھا۔ ویسے بھی میں یہی چاہتا تھا کہ آپ کے نزدیک میں عام سادی انسان رہوں، جس سے آپ کا سامنا مکمل یا پارٹشلی ٹیوٹ میں ہوا تھا۔ جہاں میری موجودگی آپ کے لیے غیر اہم تھی۔ وہ چیز زیادہ اہم تھے جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں تھے۔ وہی عام انسان جس کا نام تک اس سے پوچھنا آپ کے لیے ضروری نہیں تھا۔ جسے آپ نے اپنا نام بتانے یا انوکراف دینے کے قابل بھی نہیں سمجھا تھا۔“ سنجیدگی سے مسکراہٹ کے ساتھ یوں وہ اسے دنگ کر گیا تھا۔

”مجھے بھی اس طرح نظر انداز یا غیر اہم نہیں سمجھا گیا مگر مجھے یہ سب بہت مفرد لگا ہے۔ شاید اسی لیے میں یہاں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ شاید آپ کو میرا یہ کہنا برا لگے مگر یہ سچ ہے کہ آپ دوسری خاتون ہیں جن سے مجھے رتی برابر بھی اہمیت نہیں ملی مگر دونوں کا سلوک مجھے افریقہ کر گیا ہے۔“ ہارون کے مسکراتے لہجے نے اسے حیران کیا تھا۔

”جیسا کون ہیں؟“ وہ پوچھتے ہیخترہ لگی تھی۔

”خرمن! وہ فوراً بولا تھا۔

”مجھے کل رات ہی معلوم ہوا کہ وہ عارض کی وائف ہیں۔ حالانکہ خرمن کی اب مجھ سے اچھی بات چیت ہو گئی تھی مگر کل رات جو حادثہ عارض کے ساتھ پیش آیا تھا اس کے بعد وہ مجھ سے یقیناً ناراض ہو گئی ہے۔ آپ کو تو معلوم ہو گیا ہوگا سب؟“

”جی ہاں! میں خرمن کی طرف ہی تھی۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ سے ناراض نہیں ہوگی۔ بس وہ عارض کی طرف سے ہی پریشان ہے۔“ میزہ نے کہا تھا۔

”آپ کے تعلقات کیسے ہیں خرمن سے؟“ ہارون نے سوال کیا تھا۔

”بہت اچھے وہ عارض کی وائف بعد میں سے مگر پہلے میری دوست ہے۔“ میزہ کے لہجے میں خرمن کے لیے جانتا ہوا تھی وہ ہارون نے بھی محسوس کی تھی۔

”آپ کو کچھ کیسا لگا؟“ چند لمحوں بعد ہارون نے سوال کیا تھا۔

”مجھے اچھا لگا۔ آپ کو پسند آیا؟ آپ تو پہلی بار یہاں آئے ہیں۔“ میزہ نے پوچھا تھا۔

”مجھے آپ کے ساتھ یہاں کچھ کرنا پسند آیا ہے۔“ اس کی مسکراتی نظروں نے میزہ کی دھڑکنوں کو سیر تہیب کیا تھا۔

تھا۔

”دراصل مجھے زیادہ ہونٹنگ کی حاجت نہیں ہے۔ بس کچھ کبھی کبھی باہر کر لیتا ہوں اور اس ریٹورٹ تک میں آیا بھی پہلی بار ہوں۔ اس لیے کچھ کنفیوژ ہو رہا ہوں۔ آپ ساتھ ہوں گی تو۔“ اس کی بات ادھوری چھوڑنے تک میزہ کو اچھی طرح اعزاز ہو گیا تھا کہ وہ بس بات بنا رہا ہے۔ وہ خاموش رہی مگر اس کے لبوں پر مسکراہٹ مکمل اٹھی تھی۔ ہارون سیدھا سیدھا اسے سچ پر انوائٹ کر رہا تھا اور یہ بھی ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر انٹی ٹیوٹ سے فریب ترین ریٹورٹ تک آیا ہوتا کہ اسے بھی وہاں جانے میں آسانی ہو۔

”اگر آپ کہیں تو کچھ کے لیے میں یہاں کو آپ کے پاس بھیج دوں؟“

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے اگر آپ کو یہاں آنے میں کوئی پرالیم ہے تو کوئی بات نہیں۔“ اس کے فوراً ہی کہنے پر میزہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

”مجھے بس پانچ منٹ لگیں گے۔“ وہ بولی تھی۔

”میں انتظار کر رہا ہوں۔“ اس کا جواب سننے ہی وہ لائن ڈسکونیکٹ کرتی کرسی سے اٹھ گئی تھی۔ آفس سے نکلنے ہوئے پہلا گراؤنڈن سے ہی ہو گیا تھا۔

”یہاں! مجھے کچھ دیر کے لیے باہر جانا ہے کام سے۔“

”مگر تم کہاں جا رہی ہو۔“ سچ تو کرلو۔ تمہاری فرمائش پر جیانی مکھوٹی ہے۔“ یٹن اس کی جگہ پر حیران تھا۔

”نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ تم کچھ کر لینا میں کچھ دیر میں واپس آتی ہوں۔“ جگہ میں ہی بولتی وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

موسم دوپہر کے ان لمحوں میں بھی سرد تھا مگر اسے تو خوشگوار بھی لگ رہا تھا۔ تیز قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے وہ دور سے ہی میزہ کو نظر آ گیا تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار سستی ہو گئی تھی۔

ریٹورٹ کی دیوار سے پشت لگائے وہ سامنے سڑک پر نظر کیا دوڑا رہا تھا۔ لیدر کی جیکٹ بازو پر ڈالے وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے شاید کسی موقع میں بھی گم تھا۔ سڑک پر بس چند ایک گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ عجیب سے خاموش ماحول میں خشک ہوا کے تیز جھونکوں سے زور ہے اس کے ارد گرد اڑ رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر

رکتی وہ اس کے متوجہ ہونے کی کوشش ہی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کی بے خبری میزہ کو افریقہ کر گئی تھی۔ نرم نرم ہلکی سی دھوپ میں اس کے سیاہ بال چمک رہے تھے۔ وہ واقعی اس وقت میزہ کو بہت اچھا لگا تھا۔ جب ہارون نے ایک نظر اپنی رست واپس پر ڈالی تھی اور بے خیالی میں ہی اس طرف دیکھا تھا جہاں میزہ موجود تھی۔ چونکہ کروہ سیدھا ہوا تھا اگلے ہی لمحوں وہ جیکٹ پہننا تیزی سے اس کی سمت آ رہا تھا۔

”بہت شکریہ یہاں تک آنے کا۔ آپ نے واقعی پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگایا۔“ اس کے خوشگوار لہجے پر میزہ کے چہرے سے مسکراہٹ معدوم ہونے لگی تھی۔ یکدم اسے خود پر غصہ آ گیا تھا۔

”کیا ضرورت تھی۔ پانچ منٹ میں ہی یہاں دوڑے چلے آئے کی۔ وہ کیا سوچ رہا ہوگا کہ یہ کس قسم کی لڑکی ہے جو انتظار میں ہی تھی۔“ ہارون کے ہمراہ ریٹورٹ میں داخل ہوتی وہ اچھی طرح خود پر غصہ کی بجائے

چکی بھی گراہ تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

”آپ پریشان ہیں؟“ سامنے بیٹھے ہارون نے بغور اسے دیکھا تھا۔ زورورنگ کے لباس میں اس کا



”آپ کو یہاں کچھ پسند آیا ہے تو مجھے امید ہے کہ کبھی کبھی آپ کو یہاں آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“ وہ جس طرح سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا نیز وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ نظر چراتی پانی کے گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

☆—☆

مکین کی دہلیز پر کھڑے ہوئے انہوں نے عروسہ کو دیکھا تھا جو ٹیبل کے گرد بیٹھیں کسی سوچ میں گم تھیں۔ فاروق کے لیے یہ جانا مشکل نہیں تھا کہ وہ کس کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔ ان کے متوجہ نہ ہونے پر فاروق کو انہیں پکارنا پڑا تھا۔ وہ اس طرح چونک کر اٹھی تھیں۔ جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے رکتے ہاتھوں پکڑی گئی ہیں۔

”کھانا تیار ہے، بس ابھی لگائی ہوں۔“

”نہیں، ابھی مجھے بیوقوف نہیں ہے۔ تم کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو آکر میری بات سن لیتا۔“ بغور ان کے زرد چہرے کو دیکھتے وہ بولے تھے اور وہاں ہی بیٹ آئے تھے۔ عروسہ کا یوں بہت وقت گزر گیا تھا کہ اب کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ انہوں نے گھر سے باہر نکلتا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اپنے پریشانی کو وہ بھول چکی تھیں۔ پارلر کو لاک لگ چکا تھا۔ کئی دن گزرنے کے باوجود فاروق نے دیکھا تھا کہ انہوں نے بچوں کو ڈانٹنا یا پناہی چھوڑ دیا ہے۔ گھر کے بچوں کے کسی مسئلے کو لے کر وہ اب فاروق سے بحث بھی نہیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ گھر میں فاروق کو ان کی آواز تک نہیں سنائی دیتی تھی۔ ورنہ ایک وقت وہ بھی صاحب فاروق خود ان سے کہتے تھے کہ وہ ان کی موجودگی میں اپنے پارلر میں ہی رہا کریں، کیونکہ بچوں کے شور شراب سے زیادہ وہ ان کی بلند آواز اور بلا وجہ کی باتوں سے ڈسٹرب ہو جایا کرتے تھے۔ گھر سب کچھ جیسے جیسے رہا تھا۔ حالانکہ اب عروسہ کے سامنے وہ گزری تھی آیت ناک باتوں کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے مگر بھی وہ اندر ہی اندر جیسے عمل رہی تھیں۔ ان کے لبوں سے مسکراہٹ روکھی گئی تھی۔ لب سے وہ لب گھر کے کاموں میں خود کو الجھائے رکھتی تھیں۔ فاروق اور بچوں کا وہ عمل خیال رکھتی تھیں مگر اپنے آپ کو بھول گئی تھیں۔ اپنے لیے وہ اب کسی چیز کی فرمائش فاروق سے نہیں کرتی تھیں۔ ایک بیویشن ہونے کی حیثیت سے وہ خود کو بہت مستحکم کر کے رکھتی تھیں۔ اچھے لباس اور کامیٹکس ان کی کمزوری تھی۔ میک اپ ان کے لیے آئینہ تھا۔ فاروق کی تنہید کے باوجود وہ صبح شام کے کسی لمحے میں بھی میک اپ کے بغیر نظر نہیں آتی تھیں مگر اب یہ حال تھا کہ گزشتہ کئی دنوں سے وہ کسی اچھے لباس میں نظر نہیں آتی تھیں۔ ان کی یہ کیفیت اور اپنے آپ سے لاشعری فاروق سے پوشیدہ نہیں تھی۔ ان کو احساس تھا۔ آخر وہ ان کی بیوی تھیں۔ وہ کہتے نہیں تھے مگر وہ عروسہ کے لیے فکر مند تھے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے عروسہ نے جانچتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا جو بیک کراؤن سے پشت لگائے ان کے ہی منتظر تھے۔

”کیا بات کرتی تھی آپ کو؟“

”بھئی۔“ ان کے کہنے پر وہ ابھی نظروں سے ان کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھتیں بیڈ کے کنارے بیٹھیں تھیں۔

”میں نے فون پر خرمن سے عارش کی خیریت دریافت کرنی تھی مگر تمہیں خرمن کے پاس جانا چاہیے۔“

عارش کی عیادت کے لیے۔“ بولتے ہوئے فاروق نے ان کے بدلے تاثرات کو دیکھا تھا۔

”میں فون کر لوں گی خرمن کو۔ جانا ضروری نہیں ہے۔“ ان کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھیں۔

”یہ ابھی بات نہیں ہے۔ خرمن نے خود فون کر کے تمہیں عارش کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا ہے تمہیں جانا چاہیے۔“ ان کے قلمی لہجے پر عروسہ یہ بتائیں سکی تھیں کہ وہ کیوں وہاں نہیں جانا چاہتیں۔

”کل کسی وقت فاروق کے ساتھ چلی جانا۔“

”نہیں فاروق کے ساتھ نہیں اگر آپ میرے ساتھ وہاں چلیں گے تو میں جاؤں گی ورنہ نہیں۔“ وہ بھی کمزور مگر قلمی لہجے میں بولی تھیں۔

”ٹھیک ہے پھر کل شام تیار رہنا، میرے ساتھ چلنا۔“ فاروق کو راضی ہونا پڑا تھا۔ تب ہی فاروق ان کی بلند پکاروں اور قاریہ کے شور پر گھبرا کر کمرے سے وہ باہر گئی تھیں۔ عروسہ کے پیچھے ہی آتے وہ رک کر کئی دی کی سمت متوجہ ہوئے تھے۔ اسکرین پر ایک سو ہائل فون کا کمرشل جاری تھا۔ فاروق کو کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ ایک ہی سو ہائل کپنی کے دوسرے براڈ کے کمرشل میں بھی عثمان کو دیکھ چاہتے تھے اس کپنی نے عثمان کو اپنا امبیڈر بنایا ہے۔ فاروق کی موجودگی میں بھی فاروق اور دوسرے بچوں کے جوش میں کمی نہیں آئی تھی مگر عروسہ سنجیدہ ہی تھیں بس ایک نظر انہوں نے فاروق کو دیکھا تھا جو پاٹ چہرے کے ساتھ خاموشی سے وہاں کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

☆—☆

جلت میں ہی اس نے کاؤنٹر سے چیزیں سمیٹیں تھیں۔ اس کے پارلر کا ٹائم ختم ہو چکا تھا۔ ونڈو کے پردے پھیلائے سے پہلے اس نے بیرونی طرف کھلنے والے گیٹ کو بھی لاک کر دیا تھا۔ اس گیٹ سے ہی اس کی کلاس کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ اس طرح اس کا گھر ڈسٹرب نہیں ہوتا تھا۔ مطمئن ہو کر گلاس ڈور بند کرتی وہ اپنے کمرے تک آتی تھی جہاں عثمان بھی جلوت میں تیار ہو رہا تھا۔ آج اسے ریلوے نہیں جانا تھا مگر عارش کی کنڈیشن کو دیکھتے ہوئے اس کی جگہ اب شام بھی اس کی انسٹی ٹیوٹ میں گزرتی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ کچھ آرام کی غرض سے گھر آیا تھا مگر انسٹی ٹیوٹ سے کال آگئی۔

”تمہیں یاد ہے۔ آج شام تم مجھے شاپنگ کے لیے لے جانے والے تھے؟“ اس کی پھیلائی ہوئی جج میں کپنی وہ شکایتی لہجے میں بولی تھی۔

”اب یہ شکایت تم عارش سے کرو۔ میں نے اس سے نہیں کہا تھا کہ ٹوٹ پھوٹ کروہ تمہارا پر وگرام ٹیسٹ کرواؤ۔“

”اللہ نہ کرے کہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو، وہ تو انسٹی ٹیوٹ جانا چاہتا تھا مگر خرمن نے اسے روک لیا ہے۔ ابھی اسے آرام کی ضرورت بھی ہے۔“ بھلانے کہا تھا۔

”تو بس پھر وہ آرام کرے اور میں خوار ہوتا رہوں گا۔ پھر مجھ سے کیسی شکایت؟“

”میں کہاں کوئی شکایت کر رہی ہوں۔“ کچھ خفگی سے وہ بولی تھی۔

”بالکل تم کہاں کوئی شکایت کرتی ہو۔ مجھ سے زیادہ نیک بخت بیوی ہو میری۔“ وہ جس طرح یوں قریب آیا تھا۔ بھلا کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی مگر اگلے ہی لمبے وہ کراہ اٹھی تھی۔ جب عثمان نے اس کا کان پکڑ کر کھینچا تھا۔



”بھائی سے کیا کیا شکایتیں میری کی ہیں، تم نے تک مرچ لگا کر۔ میں تمہیں وقت نہیں دیتا۔ تمہاری پرواہ نہیں کرتا۔“

”ظاہر ہے تمہاری اماں جان تو تمہارے خلاف کچھ نہیں گی نہیں، اب بھائی کو تو بتانے پڑیں گے تمہارے کروت۔“ اپنا کان چمڑانے کی کوشش میں وہ جھلا کر بولی تھی۔

”ٹھیک ہے ہزار بار بتاؤ، مجھے کیا فرق پڑنے والا ہے۔ میں تو بھائی کی جھڑپیں سن لوں گا مگر پھر تمہیں میرے عقاب سے کون بھانے آئے گا؟“ اس کا کان چھوڑتے ہوئے وہ استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

”تم انسان اچھے ہو مگر شوہر بہت برے ثابت ہوئے ہو۔“ اپنا کان سہلانی وہ شدید ناراضی سے بولی تھی جب کہ عثمان بے ساختہ ہنس اٹھا۔

”بات سنو! میں اس وقت کوئی کمینہ نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے جانا ہے اور ابھی زخمی ہوئی کا حال احوال بھی پوچھتا ہے۔ اب چلو۔“ اس کا ہاتھ پکڑتا وہ کمرے سے نکلا تھا۔

گیٹ کھلا ہوا ہی تھا۔ سو وہ اپنی ہی دھن میں اندر داخل ہوتی چلی گئی تھی مگر لاؤنج میں اسے جو چہرے دکھائی دیے تھے اس کے ہر یکدم ساکت ہو گئے تھے۔ غرض میں اس کی اور عثمان کی آمد غیر متوقع تھی لہذا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ اس صورت حال کو کیسے تبدیل کرے جب ہی عروس کے دونوں بچوں نے

معاملے کو سنبھالا تھا۔ بیلا کو دیکھتے ہی قاریہ جھنجھکی ہوئی اس کی طرف دوڑی تھی کچھ بھی حال فائز کا تھا۔ عروس ساکت تھیں مگر عثمان کو دیکھتے ہوئے ان کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ فاروق تو بس دیکھ نظروں سے اپنی گیارہ

سالہ بیٹی کو دیکھ رہے تھے جو بیلا سے لپٹ کر ہلک ہلک کر رہی تھی۔ اس کی کمر لاتی چیخوں نے فاروق کے دل پر کیا اثر ڈالا یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا مگر اس وقت وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

جب ساٹ چہرے کے ساتھ کھڑی بیلا نے ایک جھجکے سے قاریہ کو دور بنایا تھا اور پلٹ کر بھاگتی ہوئی کمر سے نکل گئی تھی۔ یہ انگ بات کہ قاریہ اسے پکارتے ہوئے پوری رفتار سے اس کے پیچھے ہی بھاگتی ہوئی گئی تھی۔ لاؤنج میں سب کو ہی سانپ سوگھ گیا تھا۔ عثمان نے بس ایک نظر ساکت کھڑے فاروق کو دیکھا تھا اور

پھر جھک کر قریب موجود فائز کو گھومیں اٹھالیا تھا۔

”رک جاؤ۔“ عروس ہوش میں آ کر تیزی سے اس کی طرف آئی تھیں۔

”یہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔“ عروس نے زبردستی فائز کو اس سے لٹکا پایا تھا مگر فائز اس کی گردن سے لگ گیا تھا۔ بچے کی احتجاجی چیخوں پر عثمان نے بس ایک دوپٹا برداشت کیا تھا مگر اگلے ہی پل

نصے کو بند کرنے کے باوجود اس نے ان کے ہاتھ فائز سے دور کر دیے تھے۔

”مجھے تو آپ کے لیے مار دیا گیا ہے۔ میرے لیے دل کو اور سخت کر سکتی ہیں آپ مگر اپنی اولاد کے درد کا تو احساس کریں۔ اپنی ہی اولاد کے آنسو آپ جیسے بے رحم لوگوں کے دل پر اثر نہیں کر سکتے مگر میرے دل میں خدا کا خوف ہے۔“ بھڑکتے لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر فائز کو سنبھالنے

گھر سے نکل گیا تھا۔ اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے پہلی نظر اس پر ہی گئی تھی جو قاریہ کو بازوؤں میں چسپائے آنسو بہا رہی تھی۔ فائز کو وہ اتارے ہی اس کی سمت بھاگا تھا دونوں بچوں کو خود سے لپٹائے وہ

انہیں بے تحاشہ پیار کر رہی تھی۔ خاموشی سے یہ مہلک دیکھتے ہوئے پہلی بار عثمان کو اندازہ ہوا تھا کہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ بیلا ان بچوں سے محبت کرتی ہے۔ جانے کس طرح خود پر جبر کیے وہ اب تک ان بچوں سے دور تھی۔ ان بچوں نے آکھ کھولتے ہی بیلا کو اپنے قریب دیکھا تھا۔ اس کی گود میں سوئے تھے۔ جاگے تھے۔ کھیلے تھے۔ ماں سے زیادہ وہ اس کے قریب رہے تھے۔ وہ ان بچوں پر اپنی محبت لٹاتی رہی تھی تو آج ان بچوں نے بھی اس کی محبت کو سرخرو کر دیا تھا۔ ماں باپ کی پرواہ کیے بغیر وہ جس طرح دیوانہ وار بیلا کی طرف دوڑے آئے تھے اس لمحے ایک ایسا فخر عثمان کو محسوس ہوا تھا جس نے اس کے سر کو اونچا کر دیا تھا اور شاید اسی لمحے کچھ لوگوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔

اس وقت بیلا کے چہرے پر خوشی اور طمانیت دیکھ کر وہ خود کو بھی بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد خرمن کی آمد ہوئی تھی۔

”بچوں کو بھیج دو، آئی اور فاروق بھائی باہر انتظار کر رہے ہیں۔“

”میرے آنے کے بعد کوئی بات ہوئی؟“ عثمان نے پوچھا تھا۔

”نہیں، میں نے بس یہ کہا کہ ابھی دس منٹ میں بچوں کو میں خود لے آؤں گا۔ اس کے بعد عارش نے دوسرا کوئی موضوع شروع کر دیا۔ بظاہر تو فاروق بھائی نارمل گفتگو کر رہے تھے مگر آئی پریشان نظر آ رہی

تھیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ دس منٹ گزرنے کے بعد بھی فاروق بھائی نے مجھ سے بچوں کو واپس بلانے کا تقاضا نہیں کیا نہ میں نے ان کو یاد دلایا۔ خدا تمہارا بھلا کرے مجھے اور عارش کو پھنسا کر تم سائید پکڑ گئے۔“ ثلث ہی اسے تفصیل بتا کر خرمن نے گھر کا بھی تھا اور بچوں کو لے کر رخصت ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ٹی وی اسکرین سے نظر ہٹائی تو عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اگلے ہی پل مسکرا اٹھی تھی۔

”تشریف لائیے جناب! اب تو کافی بہتر نظر آ رہے ہو مگر چال تو اب بھی ڈگمگاتی ہی ہے۔“

”بکومت، میرے سر میں تکلیف ہے تو کیسے ٹھیک طرح چلوں؟“ لاؤنج میں آتے ہوئے خشمک لہجے میں بولا تھا۔

”بیمہ جاؤ، مجھ سے کہیں میں ہیں۔ ابھی دیکھ رہا ہوں جو جانے گا۔“ اسے ستلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنا پھر میز پر لے گیا تھا اور خود ہی ہنسی مچی۔

”تم کیسا کہتا ہے؟“

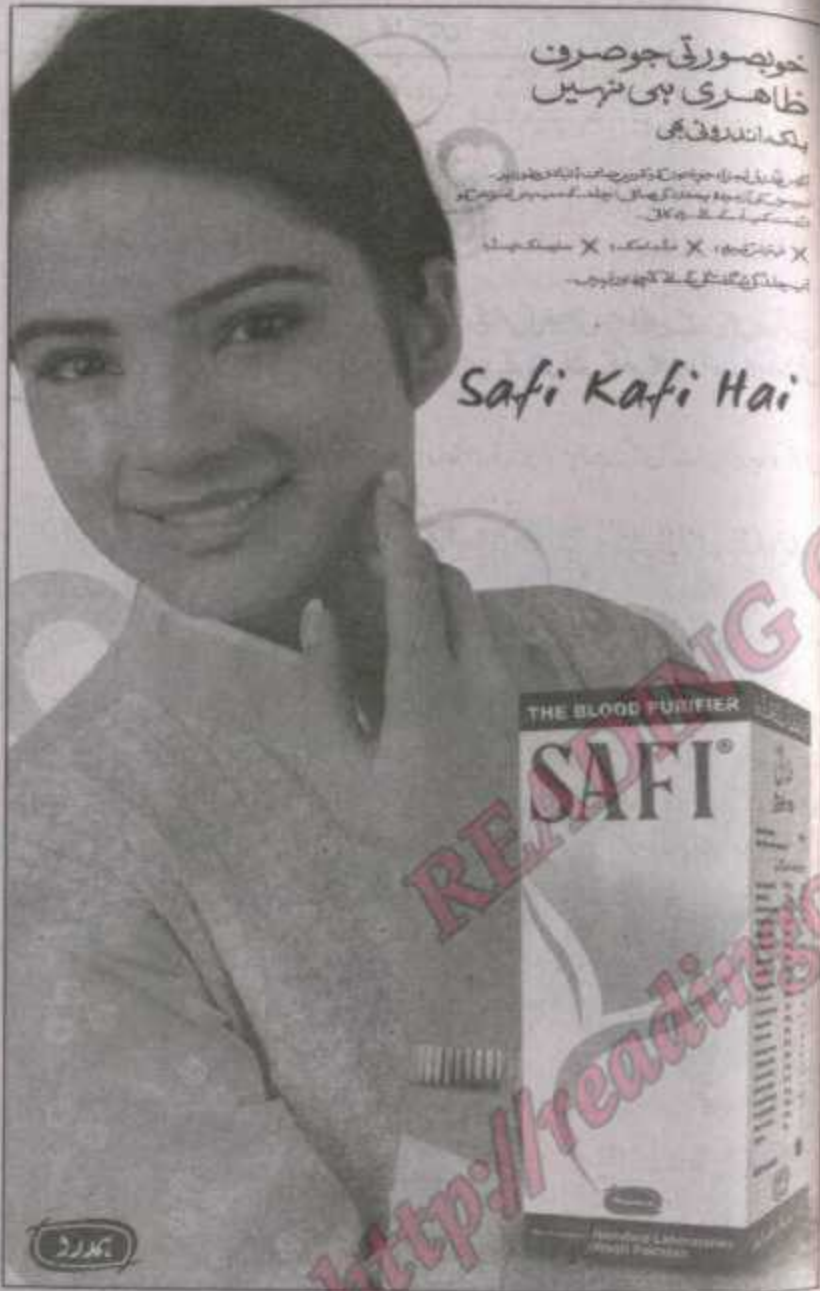
”عثمان کے ساتھ ہی انسٹی ٹیوٹ سے نکلی تھی، اب تم وہاں جاتے ہوئے مجھے گھر واپ کر دینا مگر ذرا مجھے کہانی لینے دو بہت بھوک لگی ہے۔“ جھپٹل چنچل کرتی وہ مظلومیت سے بولی تھی۔

”کیوں، آج کچھ نہیں کیا تھا تم نے؟“ عارش نے بنور سے دیکھا تھا۔

”ہاں، کیا تھا۔“ وہ یوں ہی تھی۔

”انسٹی ٹیوٹ میں یا آج پھر ریٹورنٹ میں؟“ عارش کے غیر متوقع سوال نے اس کے چہرے کا رنگ اڑا دیا تھا جب کہ عارش حریف کچھ کہے بغیر ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سنائے میں گہری





خوبصورتی جو صرف  
ظاہری ہی نہیں  
بلکہ اندرونی بھی

انسانی جسم کے اندر خون بہا کر دینا اور اسے صحت مند بنانا  
یہی کام SAFI کرتا ہے۔ اس کی مدد سے خون کی صفائی  
ہو جاتی ہے اور جسم میں صحت و بہار آ جاتی ہے۔  
X خونی جراثیم X مسمومیت X خونی جراثیم  
X خونی جراثیم X خونی جراثیم X خونی جراثیم

Safi Kafi Hai

میزہ کو ناز مل نظر آنے کی کوشش کرتی پڑی تھی کہ خرمن ٹرائی سمیت وہاں آگئی تھی۔  
”میزہ! یہ سب میں تمہارے لیے لائی ہوں مگر تم ڈھنگ سے تو کچھ بھی نہیں کھا رہی ہو۔ ورنہ آتے ہی  
تم نے بھوک، بھوک کا شور مچا دیا تھا۔“ اس کی بے دلی کو محسوس کرتے ہوئے خرمن ناراض ہوئی تھی، جب  
کہ عارض بھی اس کے اترے چہرے کی طرف متوجہ ہوا تھا۔  
”ماموں سے بات ہوئی تھی میری، مگر کو دھا میں کسی الحق کو ڈھونڈ لیا ہے انہوں نے تمہارے لیے، مگر  
تمہارے حراج اٹھانے آئیں تو بات کچھ آگے بڑھے۔“ اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے وہ ہلکے ہلکے  
اعزاز میں بولا تھا۔

”مجھے اس بارے میں کوئی بات نہ کرو۔ میں انکار کر چکی ہوں۔“ وہ ناگہاری سے بولی تھی۔  
”مگر اس میں برائی کیا ہے تمہارے ماں باپ کچھ سوچ کچھ کر ہی کوئی فیصلہ کریں گے؟“ خرمن نے  
کہا تھا۔

”یہ میری زندگی کا فیصلہ ہو گا اور اس میں میری رضامندی بھی اہم ہے۔ میں بے زبان جانور نہیں  
ہوں۔“ میزہ کے بگڑے لہجے نے خرمن کو حیران کیا تھا۔

”ظاہر ہے تمہاری رضا کے بغیر تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم کیا چاہتی ہو۔ یہ تو پتہ چلے۔“ خرمن نے کہا تھا۔  
”میں کسی ایسے شخص سے شادی نہیں کر سکتی جسے میں نے زندگی میں بھی دیکھا تک نہ ہو۔ جس کو میں  
جانتی نہیں جس کی سچے کالجے پتہ نہ ہو جو میرے لیے قطعی ایسی ہو۔“ میزہ اٹھ کر تیروں میں ہی بولی  
تھی۔

”میں ایک ایسے شخص کو ترجیح دوں گی جس کے دل میں میری عزت ہی نہیں میری محبت بھی ہو، جس کے  
حراج کے ہر رنگ سے میں واقف ہوں۔ میں اس شخص سے شادی کروں گی جس کے لیے میرے دل میں  
بھی وارم اسوشن ہوں۔ محبت کے بغیر میرے نزدیک ہر رشتہ ادھورا ہے۔“ عارض کی موجودگی کے باوجود وہ  
کھل کر اپنا نہ عاید کیا کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اس کی بے تحاشا تنجیدگی نے خرمن کو سکرا نے پر مجبور کر دیا تھا۔  
”میرے لیے یقین کرنا مشکل ہے کہ تم جیسی سمجھ دار لڑکی محبت جیسی خرافات میں اپنا وقت برباد کرنا  
چاہتی ہے۔ تمہیں ضرورت ہی کیا ہے بے کار پھیلے میں چھٹنے کی۔“ خرمن کے تیز اور لہجے پر عارض نے ایک  
نگاہ اسے ضرور دیکھا تھا۔ دوسری جانب میزہ کے تاثرات بدلے تھے۔

”تمہارے لیے یہ سب کہنا اس لیے آسان ہے کہ تم نے ابھی محبت نہیں کی، جس چیز کے بارے میں تم  
جانتی نہیں ہو اسے خرافات کا نام دینا تمہارے لیے جائز ہے مگر میرے سامنے اپنے بے معنی اقوال بیان  
مت کرو، محبت کے بغیر تم کسی کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو مگر میں اس جذبے کے بغیر کسی کو اپنی زندگی میں  
بھی داخل ہونے نہیں دے سکتی۔“ میزہ لہجے میں جس طرح میزہ بولتی چلی گئی تھی۔ خرمن حق و حق نظروں سے  
ہٹا کر دیکھتی رہی تھی جب کہ وہ بات مکمل کر کے صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)



قسط نمبر 21

## عزیز عیسیٰ میں عشق و محبت کی جہان

”عارش! مجھے پیلا سے ملنا تھا۔ تم جلدی آجانا۔“ عارش سے مخاطب ہوتی وہ بیک شانے پر ڈالتی تیر قدموں کے ساتھ نکل گئی تھی۔ صوفے سے اٹھتے ہوئے عارش نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو سپاٹ چہرے

کے ساتھ چائے کے سب لے رہی تھی۔

”تمہیں اس کی بات بری لگی ہے؟“ وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

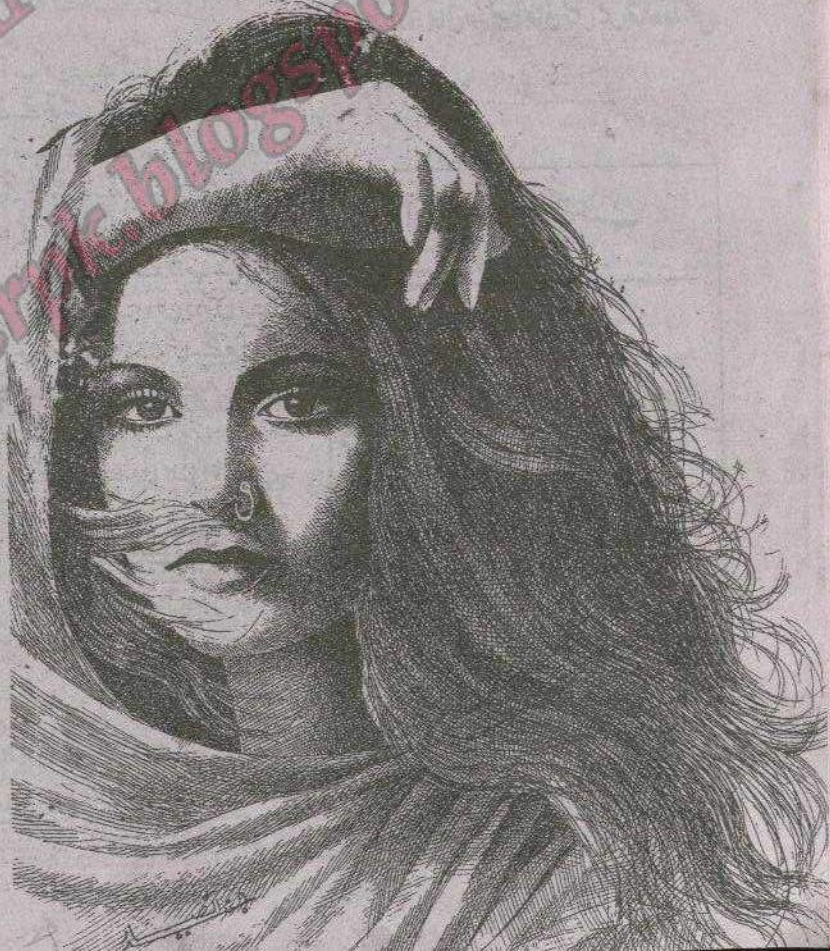
”جاؤ، وہ انتظار کر رہی ہوگی۔“ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سر دلچے میں بولی تھی۔

”خزمن! میں اسے لے آتا ہوں تم اس سے اپنی بات کہہ دو مگر اس کا غصہ تم مجھ پر مت اتارنا، تمہارا

ایگریو ہونا میرے لیے عذاب ہے۔“ لائٹ براؤن اسکارف میں قید اس کے تاثرات کو بھانپتے ہوئے وہ

دونوں ک انداز میں پوچھ رہا تھا جواباً وہ بس خاموشی سے اٹھ کر ٹیبل سے ٹیلیفون سمیٹے لگی تھی۔ گہری سانس لے کر

اسے دیکھتا وہ کمرے کی طرف گیا تھا اور کچھ دیر بعد جب باہر آیا تو وہ کچن میں بھی باہر سے ہی اسے اپنے





جانے کی اطلاع دیتا وہ گھر سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆

”وہ دونوں آگے ہیں مگر خرمن تمہیں جو بات کرنی ہے۔ بعد میں کر لینا۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ پلٹیں ٹھیل پر لگاتے ہوئے بیلا اس سے التجا کر رہی تھی جو غصے میں پھری چلی گئی۔  
”تم پر کسی نے انگلی اٹھائی ہے؟ کتنی بار عثمان کے گھر والوں نے اس کے سامنے تنقید کی ہے تم پر؟ کتنی بار عثمان نے تمہارے خلاف کوئی بات سن کر خاموشی اختیار کر لی ہے؟“ بلند آواز میں وہ بیلا سے مخاطب تھی جب کہ بیلا نے گھبرا کر کچن میں آتے عارش اور عثمان کو دیکھا تھا۔  
”بھئی تم دونوں کھانا کھنا ہو رہا ہے۔“ بیلا گڑبڑا کر ان دونوں سے مخاطب ہوئی تھی۔ عارش نے بس ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا تھا جو اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔  
”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ عثمان کے سنجیدہ لہجے پر خرمن نے اسے دیکھا تھا۔  
”مجھے کیا ہوتا ہے۔ میں انسان توڑا ہوا ہوں جو مجھے کچھ ہوگا، میں تو راستے میں پڑی بے جان چیز ہوں جسے کوئی بھی ٹھوکر مار کر چلا جائے گا۔“ وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔  
”تمہیں جو کہتا ہے کوئی مگر پہلے سب کو کون سے کھانا کھالینے دو، بہتر یہ ہوگا کہ پہلے اپنا غصہ ٹھنڈا کر دو ورنہ اپنے علاوہ تم کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہیں دوگی۔“ پلٹتے میں کھانا نکالتے ہوئے عارش نے سر دھجے میں کہا تھا۔  
”عارش! ام اس بھول میں ہرگز مت رہنا کہ تمہارے خاندان کا کوئی بھی فرد منہ اٹھا کر مجھ پر بے جا تنقید کرے گا اور میں اسے برداشت کر لوں گی۔“ بھڑکتے لہجے میں وہ بولی تھی۔ ”کتنی بار میں نے غصے میں تمہیں کچھ بولنے کا موقع نہیں دیا۔ کتنی بار تمہاری جرات نہیں ہوئی میرے سامنے کچھ کہنے کی؟“ وہ خاموش بیٹھے عثمان سے بھی پوچھ رہی تھی۔  
”کون بے زبان محوم رہا ہے یہاں؟ میں کسی کو بولنے کا موقع نہیں دیتی۔ میں انگریزوں ہوں۔ میں جذبات سے عاری ہوں۔ مجھ سے نکاح کرتے وقت یہ سب نظر نہیں آیا تھا۔ اب مجھ میں کیڑے نظر آ رہے ہیں سب کو۔“  
”بات کو مت بڑھاؤ خرمن! تمہیں نیزہ کی بات بری لگی ہے تو جو کہتا ہے اس سے کہو۔“ بمشکل ضبط کرتے ہوئے عارش نے کہا تھا۔  
”میں بات کو بڑھاؤں گی۔ نیزہ سے پہلے میں تمہیں تمہاری اوقات کیوں نہ بتاؤں۔ جب تم میرے لیے اسٹینڈ نہیں لے سکتے میری بے عزتی پر خاموشی تماشا بن سکتے ہو تو تمہیں کوئی حق نہیں ہے خود کو میرا شوہر کہلانے کا۔ جہنم میں جائے سب وہ کون ہوتی ہے مجھے محبت کے سبق پڑھانے والی۔“  
”بس کرو خرمن! اب خاموش ہو جاؤ۔“ عثمان کو بولنا پڑا تھا۔  
”کوئی مجھے یہ بتا دے کہ اس گھر میں میری حیثیت کیا ہے۔ میں خاموش ہو جاؤں گی۔ وہ تو فرمان دے کر چلی گئی کہ محبت کے بغیر رشتہ ادھورا ہے۔ محبت ہوگی تو شادی جائز ہوگی اور میری طرح وہ یہ ناجائز کام نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ میں گناہ کی زندگی گزار رہی ہوں۔ کوئی فرق نہیں مجھ میں اور ایک کال گرل میں۔“  
”بہت سن چکا ہوں میں تمہاری بکواس۔“ بلند آواز میں عارش نے ایک جھٹکے سے پلٹ سامنے سے ہٹائی

تھی جو فرش پر گرتی چکنا چور ہو گئی تھی۔ دنگ کھڑی بیلا کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔  
”نیزہ نے جو کہا ٹھیک کہا۔ اب تم اسے کسی بھی نظر سے دیکھو یہ تمہارے دماغ کا فتور ہے۔“ شدید اشتعال میں وہ اس پر برسا تھا۔  
”عارش! بیٹھ جاؤ۔“ عثمان نے اسے شانت کرنے کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔  
”نہیں کھانا مجھے اس کے ہاتھ کا کھانا۔“ ایک جھٹکے سے عثمان سے بازو چھڑاتا وہ کچن سے نکلا تھا۔ بیلا نے دہلیز پر خرمن کو روکنا چاہا تھا جو اس کی تیزی سے اس کے پیچھے گئی تھی۔  
”جب تم میرے بارے میں دوسروں کی بکواس خاموشی سے سن سکتے ہو تو میری بکواس بھی سنو۔“ اس کی بلند آواز پر وہ رک کر پلٹا تھا۔  
”تمہارے خاندان کے کسی فرد کو یہ حق نہیں ہے کہ اب مجھ پر انگلی اٹھائے ورنہ میں ایک ایک کی دھجیاں اڑا دوں گی۔ حیثیت کیا ہے تمہارے خاندان کی، تھوکر کر چاٹنے والا خاندان ہے تمہارا۔“  
”میرے خاندان کو درمیان میں مت لاؤ۔ میں اب ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا۔“ سرخ چہرے کے ساتھ وہ بولا تھا۔  
”تمہیں سننا پڑے گا۔ تمہارے خاندان کے لیے آج بھی میں غلامت میں پڑی چیز ہوں۔ کیا سمجھ رہا ہے مجھے تم نے اور تمہارے خاندان نے۔“

”تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ یہ جانتی ہو تم؟ تمہاری نظر میں میری کیا حیثیت ہے؟ میں آج بھی تمہارے نزدیک ایک بے وقعت گرا ہوا انسان ہوں جس کے ساتھ تم زندگی گزارنے پر مجبور ہو صرف اپنے ماں باپ کی خوشی کے لیے۔ مجھے یقین ہے کہ تم آج بھی مجھے چھوڑ کر جا سکتی ہو اگر تمہارے دل میں ماموں جان کا خوف نہ ہو۔“ جسنے کی ہمت نہیں ہے تمہارے پاس، میں کیوں روکتا نیزہ کو؟ اس نے وہی سب کہا تھا جو میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔ تمہیں محبت کا نام تک زبان پر لانے کا حق نہیں ہے۔ تم کیا کسی سے محبت کرو گی۔ تمہیں تو بس مذاق اڑانا آتا ہے۔ جذبول کا اور انسانوں کا۔“ شدید اشتعال میں آج اس نے وہ سب بھی کہہ دیا تھا جو کہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے عثمان اور بیلا کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ سائٹ نظروں سے خرمن اسے دیکھتی رہی تھی جو جارحانہ قدموں کے ساتھ گھر سے ہی نکل گیا تھا۔ ساکت کھڑا عثمان ہوش میں آنا اس کے پیچھے ہی گیا تھا۔  
”کیا حاصل ہوا خرمن یہ سب کر کے؟“ شدید تاسف کے ساتھ بیلا نے اس کے تارک ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔  
”اپنا سب کچھ دے دیا۔ کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا پھر بھی اسے لگتا ہے کہ میں اسے چھوڑ کر جا سکتی ہوں۔“ لرزتے لہجے میں بولتے ہوئے اس کی آنکھوں سے سیلاب رواں ہونے لگا تھا۔  
”نیزہ کو میں نے اپنا سمجھ کر دل کی بات بتائی تھی۔ وہ اسی بات کا طعنہ مجھے دے گئی۔ محبت کے ثبوت مانگے جاتے ہیں۔ جلتے توے پر ہاتھ رکھنے کے مطالبے ہوتے ہیں۔ اب بھی ضرورت ہے اس کی؟“ اس کے کرب ناک لہجے پر بیلا نے تڑپ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

☆.....☆

چشم سے ایک تصویر اس کی آنکھوں کے پردے پر لہرائی تھی۔ اس کے خیال کا غلبہ بہت اچانک ہی دل و



Decora  
by  
Hankies

... absorbent  
..... elegant  
..... & luxury

Decora  
Hankies  
KITCHEN  
TOWELS  
Luxury Size



Customer Service  
H&P  
Health & Hygiene Products

hankies@p@yahoo.com, freedm@hnp@yahoo.com

AKS DIGITAL

دماغ پر اس طرح چھایا کہ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس وقت وہ لیپ ٹاپ پر اپنے فین جیج پر ہے۔  
”میزہ.....!“ اس کے ہونٹوں پر مدھم مدھم سرگوشی کی ہوئی تھی۔ جانے کیسی کشش تھی۔ کیا بے نام سارلیٹ  
تھا۔ جو دل کو بہت عزیز ہوئے لگا تھا اپنی خاموشی سے ایک چہرہ دل کی عمیق گہرائیوں میں اتر اٹھا کہ وہ خود بھی  
بے خبر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ خوب صورتی بھی اس کی کمزوری نہیں رہی ہے۔ وہ لڑکی اگر خوب صورت ہے بھی  
تو اس سے کہیں زیادہ حسین چہروں کو وہ نظر انداز کرتا رہا ہے۔ شاید اس کا لاپرواہ انداز پہلی ہی بار میں دل پر  
اثر کر گیا تھا۔ وہ ہمیشہ سے دوسروں کی نظروں میں اپنے لیے ستائش اور پسندیدگی دیکھتا آیا تھا۔ وہ بھی اس  
طرح زیر نہیں ہوا تھا کہ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے کسی کو پہلے خود توجہ دی ہو یا پہلا قدم بڑھایا ہو۔ وہ بھی اس  
کی جانب جس کے نزدیک وہ عام سامان انسان تھا، ہر وہ بھی میزہ سے اس نے اپنی آواز کی تعریف میں ایک لفظ  
بھی نہیں سنا تھا۔ وہ جو اس تعریف کا عادی تھا توجہ کے پورے ایک گھنٹے تک منتظر ہی رہا تھا۔ اسے حیرت نہیں  
ہوئی تھی میزہ کے لیے دیے انداز پر، وہ کافی سنبھل سنبھل کر مختصر بات کر رہی تھی۔ ہارون کو ایک بار بھی اس کی  
آنکھوں یا لہجے سے اپنے لیے کوئی ایکسٹرا آرڈنری چیز محسوس نہیں ہوئی تھی۔ نہ وہ اس چیز پر نازاں تھی کہ وہ کسی  
اہم شخص کے ساتھ جیج کر رہی ہے۔ البتہ ہر محوئی دیر بعد اس کے چہرے پر تذبذب اور گہرا ہٹ کے  
تاثرات ضرور اسے دکھائی دیتے تھے۔ ہارون کو اس کے بل بل بدلنے رنگ بہت دلچسپ لگے تھے۔ اسی  
لیے تو باتوں کو طویل دے کر اس نے میزہ کا زیادہ وقت لیا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً وہ جیج ختم کرتے ہی وہاں  
سے بھاگ جاتی۔ سر کو جھکاتے ہوئے اس کے لیو پر مدھم مدھم سرگوشی کی گئی تھی۔ میزہ نے اب تک فون پر  
اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ حیران نہیں تھا مگر منتظر ضرور تھا۔ ہوا کے سرد جھوکے پر اس نے چونک کر کھڑکی کی  
جانب دیکھا تھا جس کے گلاس وہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ لیپ ٹاپ ٹیبل پر رکھتا وہ کھڑکی کی سمت بڑھ گیا تھا۔  
گلاس بند کرتے ہوئے اس کی نظریں لان میں موجود سائے پر سائت ہوئی تھیں۔ وہ یقیناً ہشام تزللباش  
تھے۔ ان کو دیکھتے ہوئے ہارون کو شدید قسم کا دھچکا لگا تھا۔ چند لمحے پہلے جن خوب صورت سوچوں میں کم تھا وہ  
یکدم تاریکیوں میں گم ہو گئی تھیں۔ کوئی چیز اسے اپنے دل میں چھپتی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی جلی نگاہیں۔ لان  
کی تاریکی میں موجود ہشام تزللباش پر سائت تھیں۔ سرد ہواؤں سے بے نیاز وہ اس وقت کس کرب اور  
اذیت میں مبتلا تھے ہارون اس سے بے خبر نہیں تھا۔ آخر یہ تانہم ہونے والی اذیتیں اس نے اپنے ہاتھوں سے  
اپنے باپ کی روح میں اتاری تھیں۔ اسے اپنا دل آہنی شکنجے میں جکڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ اپنی عزیز ترین  
ہستیوں کو موت جیسی اذیت میں ڈالنے کے بعد وہ کس طرح اپنے دل میں خوشیوں کے تاج محل قائم کر سکتا  
تھا؟ وہ ان خوشیوں کا اہل نہیں تھا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ ایک مجرم ہے جس کے جرم کی سزا اس دنیا کی کوئی  
عدالت نہیں دے سکتی۔ اسے تو آخری سانس تک اپنے گناہوں کی آگ میں جلتا تھا۔ گلاس بند کیے بغیر وہ  
کھڑکی سے دور ہو گیا تھا۔ ایک چہرے نے ایک خیال نے کچھ دیر کے لیے اپنی حقیقت سے اسے دور کر دیا تھا  
مگر اب اس کے دل اور ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ رات کے اندھیروں میں سب کچھ گم ہو گیا تھا۔ اسے واپس  
اپنے حصے کی تنگ و تاریک قبر میں اترنا تھا اور وہ اتر چکا تھا۔

☆.....☆

غم اور غصے کی شدت سے وہ سو بھی نہیں رہا تھا۔ گھر سے باہر عثمان کے سامنے اپنے غصے کا اظہار کرنے  
کے باوجود اسے مشکل لگ رہا تھا اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھنا۔ کتنی آسانی سے وہ اسے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں  
رداؤ انجسٹ [72] نومبر 2014ء



دھکیل دیتی تھی۔ اس کی بے تحاشہ محبت کی ایک آنچ تک اس کے پتھر دل کو بکھلا نہیں سکی تھی۔ کتنا فخر تھا اسے خود پر کہ وہ نابلدہ ہے محبت جیسے جذبے سے اور وہ جو اس کے سارے غم اپنے دل میں چھپانا چاہتا تھا۔ اس کی خوشیوں کی تلاش میں دن رات سرگرداں تھا۔ باگل، دیوانہ ہو رہا تھا کس طرح اس کے کھنور اور سنگدل سلوک کو برداشت کرتا تھا۔ یہ تو وہی جانتا تھا اس کے گم گشت راستوں کی تلاش میں وہ خود کو مٹا ڈالنے کا حوصلہ رکھتا تھا مگر آج پھر وہ ایک ہی وار میں اسے ریزہ ریزہ کر گئی تھی۔ رات کا آخری پہر تھا جب دروازے پر ہوتی دستک نے اس کے دل و دماغ کو مزید سنگدیا تھا۔ اس کی حقارت اور تحقیک کو سمیٹنے کے بعد وہ کسی طور دروازہ کھولنے کی اجازت خود کو نہیں دے سکتا تھا۔ دروازے پر دو تین بار دستک ہوئی تھی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی کان بند کیے وہ ٹیکے میں چہرہ چھپائے کڑھتا رہا تھا۔ اب وہ کیا کہنے آئی ہے۔ ایک اور زخم دینے ایک اور اذیت کا تھکا دینے، عثمان جب اسے واپس گھر لایا دروازہ پیلا نے ہی ہوا تھا جب کہ وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر دوسرے بیڈ روم میں جا کر دروازہ اندر سے مقفل کر چکا تھا۔ خود کو قافلوں میں رکھنے کا یہی ایک طریقہ تھا اور نہ اسے یقین تھا کہ اگر خرمین اس کے سامنے آئی تو وہ اپنے حواس کھو دے گا۔ لاشعوری طور پر وہ دوبارہ دستک کا منتظر رہا تھا اور پھر پتہ نہیں کس وقت نیند غالب آگئی تھی۔

☆.....☆

مسلل چینی کال بیل نے اس کی نیند میں خلل ڈالا تھا۔ بیڈ سے اٹھتے ہوئے اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا تھا۔ صبح کے 7 بج رہے تھے۔ اس وقت کون آسکتا ہے؟ وہ حیران تھا۔ وہ مزید حیران بلکہ پریشان بھی ہوا تھا عروسہ کو فاران کے ہمراہ اپنے سامنے دیکھ کر۔

”خرمین کی طبیعت کیسی ہے اب؟“ پریشان لہجے میں اسے دنگ کرتیں وہ اندر آئی تھیں۔

”اسے کیا ہوا ہے؟“ وہ حق دیتی تھی۔

”تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔ صبح ہی صبح اس نے مجھے فون کیا ہے، اس سے تو بات بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ اب ایسی بھی کیا ناراضی تھی کہ تمہیں یہ تک نہیں پتہ کہ تمہاری بیوی کس حال میں ہے۔ تم جانتے بھی ہو کہ اس کے ساتھ کیا پرانہلم ہے۔“ عروسہ اس کی بے خبری پر بری طرح اس پر برسی تھیں اور تیزی سے کمرے کی سمت بڑھیں تھیں اور وہ جو بالکل ساکت کھڑا تھا سرعت سے ان کے پیچھے ہی گیا تھا۔

بیڈ پر بٹھ حال پڑی خرمین کے سفید چہرے نے عروسہ کے ہاتھ پیر بھلا دیئے تھے۔ اس کا چہرہ خستہ تھا کہ وہ اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر رہی تھیں مگر اس کی بے تحاشہ سوجھی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔

”دیکھو! اس کی کیا حالت رہی ہے رات بھر۔ تمہیں اس کے پاس ہونا چاہیے تھا یا نہیں؟“ عروسہ پھر عارش پر برسی تھیں جس کا دل حقیقتاً ڈوب رہا تھا۔

”آپنی! بیلا رات میں کانی دیر تک اس کے تھی مگر.....“ بات ادھوری چھوڑتے ہوئے عارش کا چہرہ اتر گیا تھا۔

”غلطی پر پردے مت ڈالو۔ اب دیر مت کرو اسے اسپتال لے کر چلو۔“ عروسہ کی جھلٹ پر اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

☆.....☆

میزہ کی خوشی سے بھر پور پکار پر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی باہر آئی تھی مگر اس وقت وہ اپنی جگہ ٹھہر گئی تھی۔ جب اس نے خرمین کے ساتھ ہی بیک سیٹ سے اتریں عروسہ کو دیکھا تھا۔

”دل خوش کر دیا تم نے۔ میں تو اڑتی ہوئی آئی تھی یہاں۔“ خرمین کو سنبھلنے کا موقع دینے بغیر میزہ فرط مسرت سے اس سے لپٹ گئی تھی۔

”آپنی! آپ نے سچی جان کو یہ خوش خبری پہنچائی؟“ میزہ کو یکدم یاد آیا تھا۔

”فکرت کرو، اسپتال میں ہی سب سے پہلے میں نے ان کو فون کر دیا تھا۔ اب ذرا اسے کچھ کھلاؤ پلاؤ تاکہ اس کے اندر اتنی جان تو آئے کہ آنتی سی بات کر سکے۔“ میزہ کو ہدایت دیتے ہوئے انہوں نے خرمین کے جھکے چہرے کو دیکھا تھا۔

”آپ فکرت کریں۔ میں تو اسے اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گی۔“ میزہ نے ایک بار پھر خرمین کو اپنے ساتھ لگایا تھا اور پھر پارکنگ کی جانب نظریں دوڑائی تھیں۔ جہاں سے عارش کی آمد کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

”اب اسے لے جاؤ۔“ میزہ سے کہہ کر انہوں نے خرمین کو دیکھا تھا۔

”اسپتال میں تم جتنے میرے ہاتھ پیر بھلا چکی ہو کانی ہے۔ اب یہاں کسی کو پریشان مت کرنا۔ دنیا کا انوکھا زالا کام کرنے نہیں جا رہی ہوں، میں کل آؤں گی کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے مجھے اور کوئی ضرورت نہیں ہے بھاگ بھاگ کر ریڈیو جانے کی اگر تم نے بیڈ سے نیچے ایک قدم بھی رکھا تو تم سے پہلے عارش کی خبر لوں گی۔“ عروسہ نے جس طرح اسے گھر کا تھامیزہ بے ساختہ لگی تھی۔

”آپنی! آپ بھی آئیے۔ کچھ دیر آرام سے بیٹھ جائیں پھر چلی جائیے گا۔“ میزہ کے اصرار پر عروسہ نے ایک نگاہ گر کر کے پاس کی بیلا کو دیکھا تھا جو فاران کی طرف ہی متوجہ کوئی بات کر رہی تھی۔ عروسہ کے دل میں ایک ٹھیس اٹھی تھی۔ جانتی تھیں کہ بیلا ان کی وجہ سے ہی خرمین کے قریب آنے سے گریز کر رہی تھی۔ ایک پل کو تو ان کا دل چاہتا تھا کہ سب کچھ بھلا کر جا کر اسے گلے سے لگا کر دل کو کچھ تو ٹھنڈا کر لیں مگر فاروق کے خیالات نے ان کے قدموں کو جکڑ رکھا تھا۔ سب کچھ وہ بھلا سکتی تھیں مگر اپنے شوہر کے اعتماد کو توڑنے کا جرم وہ دوبارہ نہیں کر سکتی تھیں۔ سو سلیقے سے میزہ کو انکار کر کے وہ فاران کے ہمراہ وہیں سے واپس چلی گئی تھیں جب کہ بیلا خرمین کو اپنے گھر میں لے گئی تھی۔

”خرمین! یقین کرو، میں تو اتنی ناراض تھی عارش سے کہ میں نے عہد کر لیا تھا کہ میں یہاں آؤں گی بھی نہیں مگر تم نے مجھے خوشی سے اتنا پاگل کر دیا کہ میں سب کچھ بھلا کر یہاں بھاگی آئی ہوں۔“ اس کی پشت پر ٹکیے ٹھیک کرتے ہوئے میزہ بول رہی تھی۔

”ٹھیک ہے، میں مانتی ہوں کہ کل میرا موڈ خراب تھا اور میں نے تمہارے مذاق کو دل پر لے کر بہت کچھ غلط بھی کہہ دیا تھا مگر بات میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھی تمہیں ناراض ہونے کا حق تھا تم مجھے ہزار باتیں سنا دیتیں مگر تمہارے شوہر کو کیا حق تھا درمیان میں آنے کا۔ کل سارا راستہ وہ مجھ پر برہم ہوتا کھلے گیا تھا۔“ اس کے سامنے بیٹھتی وہ شدید ناراضی سے بتا رہی تھی۔

”وہ تم پر کیوں برہم ہوا؟“ خرمین ہنسنے لگی تھی۔

”میری ان ہی اسٹوپڈ باتوں کی وجہ سے جو میں نے تم سے کی تھیں مگر مجھے جب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا



تھا تو بھی وہ مجھ پر رستارہا کہ میں نے تمہارے دل کو نہیں پہنچائی ہے۔ میں نے تمہیں نہیں بلکہ اسے بھی دھوکہ پہنچایا ہے وغیرہ وغیرہ۔ عارش کو تو بس یہ یاد رہتا ہے کہ تم اس کی بیوی ہو۔ حالانکہ اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کی بیوی تم بعد میں ہو پہلے میری دوست ہو۔ وہ مزید بولی تھی اور پھر جھٹ سے خرمین کا ہاتھ پکڑا تھا۔ ”مجھے معاف کر دو۔ اتنی بڑی خوشی ملی ہے تمہیں اس کے لیے ہی میری غلطی بھلا دو۔ ورنہ میں عارش کو بلا کر تمہارے سامنے ہی اسے مبارکباد دینا شروع کر دوں گی۔“ نیزہ نے شرارت سے اسے دھمکایا تھا اور پھر اس کے سرخ بڑتے چہرے پر بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔

”اچھا سنو! گل امی کی روانگی سے سرگودھا کے لیے۔ تاپا ابوسر جری کے بعد ابھی سیریس کنڈیشن میں ہیں۔ ان کا جانا ضروری ہے۔ کل ہم سب تمہارے گھر آئیں گے ابی یہیں سے ایئر پورٹ جائیں گی۔“ نیزہ بول رہی تھی جب ہی بیلا کھانے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں آئی تھی۔

”میں آرام سے لفٹ میں اوپر جا سکتی تھی۔ تم کیوں میرے لیے پریشان ہو رہی ہو۔ تمہارا پارلر بھی ڈسٹرب ہو گیا ہے۔“ خرمین بولی تھی۔

”ڈسٹرب تو عارش ہو گیا ہے۔ وہ تم تک پہنچ ہی نہیں پارہا۔ مجھے یقین ہے دل میں خوب مجھے برا بھلا کہہ رہا ہوگا۔“ سوپ کا باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھتی وہ بولی تھی۔

”ہے کہاں وہ؟ اس کا عہدہ بڑھنے والا ہے۔ خوشی میں اعلان کروانے تو نہیں چلا گیا؟ اس کا تو کوئی بھروسہ بھی نہیں ہے۔“ نیزہ کی تشویش پر بیلا نے ہنستے ہوئے خرمین کے دوپٹے میں قید چہرے پر ابھرنی چھپتی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

☆.....☆

”وہ میرے گھر کے دروازے تک آئیں اور وہیں سے واپس چلی گئیں۔ ایسا کیسے ہونے دیا تم نے؟“ عثمان کے سوال پر وہ بس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں خود ان کے پاس جانا چاہیے تھا۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لانا چاہیے تھا۔ تمہارا ان سے رشتہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ تمہیں انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ نہ تم نے اپنے حق کو یاد رکھنا نہ اپنے فرض کو۔“ اس کے سر دھچکنے لے بیلا کو سلگایا تھا۔

”شاید تم بھول رہے ہو کہ مجھ سے سارے حق چھین لیے گئے تھے۔ میں کیوں ان کے آگے بچھتی؟ کیوں ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتی؟ تمہاری بہن وہی عورت ہے جو خاموش تماشائی بنی رہی تھی اس وقت جب.....“ اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ جب عثمان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر مزید کچھ بولنے سے روکا تھا۔

”اپنی بہن کے خلاف میں تم سے ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہوں گا۔ نہ آج نہ کل۔ یہ بات میں دہراؤں گا نہیں۔“ اس کی ساکت نظروں میں دیکھنا وہ تنبیہ کر رہا تھا۔

”تم میرے پاس ہو تو اس کی سب سے بڑی وجہ وہی عورت ہے جسے ہمیشہ سر آنکھوں پر تمہیں بٹھانا ہو گا۔“ اس کے لبوں سے ہاتھ بٹھانا وہ چند لمحوں تک اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا اور پھر اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ سن ہوتے وجود کے ساتھ وہ صوفے کے کنارے بیٹھ گئی تھی بھڑک اٹھتے دل کی تپش اس کی آنکھوں کو جھلسا رہی تھی۔ کس لمحے میں وہ اسے دھمکایا تھا۔ اس کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ آج اسے بس یہ یاد رہا کہ عروس نے اس کے لیے کیا کیا۔ بیلا کا دل چاہا تھا کہ وہ کمرے میں جا کر اس کا گریبان

جھجھوڑ ڈالے۔ چیخ چیخ کر اسے بتائے کہ آج اگر وہ اس کے ساتھ ہے تو صرف اپنی وجہ سے، پھٹکاریں، ذلت، اذیت، گالیاں اس کی بہن نہیں بلکہ وہ سمجھتی رہی ہے۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے وہ جانوروں سے بدتر سلوک سہتی رہی تھی۔ اسے مجبور کیا گیا تھا تمام کشتیاں جلا ڈالنے پر مگر اس سب کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ وہ اس پر اپنی بہن کو فوجیت دے رہا تھا۔ پہلی بار اس نے آج عروس کے خلاف کچھ کہنا چاہا تھا۔ کیونکہ وہ مرتے دم تک نہیں بھول سکتی تھی کہ کس طرح وہ پھر کرباب بن رہی تھیں۔ اس وقت جب فاروق کا عتاب اس پر ٹوٹ رہا تھا مگر اس کی کراہیں، اذیت، ناک چیشیں کس طرح ان کو تڑپا سکتی تھیں۔ وہ ان کی اولاد تو نہیں تھی۔ وہ تو فاروق سے بھی زیادہ بے رحم ثابت ہوئی تھیں۔ ہاتھ کی پشت سے ہجلی آنکھیں خشک کرتے ہوئے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ ایک جلتی نگاہ اس نے کمرے کی سمت ڈالی تھی کیونکہ عثمان نے دوبارہ اسے پکارا تھا۔ لب بچنے وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ لاؤنج کی تمام لائٹس آف کر کے وہ صوفے پر ہی دوپٹے میں مندر چھپائے لیٹ گئی تھی۔

”جس کے پاس بیوی ہے، اسے پھر مزید کسی نارچر سیل کی ضرورت نہیں۔“ کچھ دیر بعد اسے عثمان کی ناگوار آواز سنائی دی تھی جب کہ اس کی ڈھٹائی پر عثمان نے غلور کشن صوفے کے قریب کھینچ لیا تھا۔

”آج تو برداشت کر رہا ہوں مگر آئندہ تمہاری یہ بے اعتنائی ہمیشہ نہیں ہوگی مجھ سے، اپنی دوست کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ میں عارش نہیں ہوں۔“ اس پر مکمل ڈالتے ہوئے عثمان نے جنابا تھا مگر کوئی رسپانس نہ ملنے پر غلور کشن پر سر رکھ کر جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

☆.....☆

بیلا کے جانے کے بعد سے ہی وہ اس کی منتظر تھی جو سامنا کرنے سے کتر رہا تھا۔ اتنی بڑی تبدیلی کے باوجود وہ اب تک ناراض تھا۔ اتنا ناراض کہ یہ خوش کن خبر بھی اس پر کوئی اثر نہ ڈال سکی تھی۔ دل بھجھ سا گیا تھا۔ یہ سچ تھا کہ وہ خود عارش سے سارا وقت جیسے رہنے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر اس کی وجہ بھی بہت خوب صورت تھی۔ شرم دھجیا غالب تھی۔ اسے اب بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کا سامنا کس طرح کر سکے گی۔ نیزہ اور بیلا کی مسلسل موجودگی تک ٹھیک تھا اسے معلوم تھا ان دونوں کی وجہ سے وہ کمرے میں نہیں آئے گا مگر اب تو کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اسے عارش سے یہی امید تھی کہ وہ خوشی سے نہال ہوگا مگر اب گھر میں پھیلی خاموشی اور کمرے کی تنہائی نے اسے وسوسوں میں ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ اتنی جلدی یہ توقع نہ رکھتا ہو۔ خرمین نہیں جانتی تھی کہ اسے بچے پسند بھی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان بھی اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔ بچھے دل کے ساتھ اس نے اپنے دل کو ٹوٹا لٹو احساس ہوا کہ اس کا دل تو خوشی سے پاگل ہو رہا ہے۔ کیا دل افروز احساس تھا یہ کہ معذرت اس کی گود میں ایک ہنستا، کھیلتا بچہ ہوگا جو اس کے وجود کا حصہ ہوگا جو اس کو رونا دیکھ کر خود بھی رونے کا مگر یہ سوال نہیں کرے گا کہ وہ کیوں رورہی ہے اور جب وہ اسے ہنساتا دیکھے گا وہ خود بھی قلقا رہاں مارے گا۔ وہ اسے پکارے گی تو سب کچھ چھوڑ کر اس کی باہوں میں سمٹ آئے گا۔ وہ صرف اس کا ہوا گدہ کبھی اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

آنکھیں موندھے وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی جسے اس وقت بھی وہ اپنی روح کی گہرائیوں تک محسوس کر سکتی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتا وہ ساکت رہ گیا تھا۔ نظریں اس کے چہرے پر جم گئی تھیں جو بیک کراؤن سے سر



لٹائے کوئی ماورائی مخلوق دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش سے پھوٹی الوہی روشنی غمہ کن تھی۔ باوجود اس کے کہ وہ بہت کمزور اور بڑھاپا دکھائی دے رہی تھی مگر اس کے خشک لبوں پر رقص کرتی دھیمی مسکان تروتازہ گلاب کو بھی شرمادینے والی تھی۔ اس کی چٹکوں تلے جانے کتنے حسین خواب گزر رہے تھے جن کے انوکھے رنگوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ نظر ہٹانا دشوار تھا۔ دل میں شدت سے خواہش ابھری تھی کہ لمبے رک جائیں۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہے اور وہ اسے دیکھتا رہے۔ شاید ایسا ہو جاتا اگر وہ اس کی موجودگی سے بے خبر رہتی، چونکہ کراٹھیں کھوٹی وہ اس کے سر کو بھی تو ڈنکی تھی۔ وہ کس وقت نزدیک آیا خود وہ بھی نہیں جانتا تھا مگر اب سانس روکے اس کی آنکھوں میں تیرتے گلابی غماز کو دیکھ رہا تھا۔

”اب بھی کیا ضرورت تھی آنے کی۔ میرے مرنے کے بعد آجاتے۔ تمہاری انا کا بھرم ہی قائم رہ جاتا۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بھونک گئی تھی۔

”مرنا تو مجھے چاہیے۔ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا اس کے بعد تو واقعی مجھے مر جانا چاہیے تھا۔“

ندامت کے بوجھ سے سر جھکائے وہ جس کرب سے بولا تھا۔ خرم دنگ ہوئی تھی۔

”میں بہت برا انسان ہوں۔ میں جو تم سے محبت کے دعویٰ کرتا ہوں کس طرح تمہیں اذیت میں مبتلا چھوڑ کر لائق ہو گیا؟ تم نے کتنی بار مجھے پکارا ہو گا مگر میں نے سننے کی کوشش نہیں کی۔ تمہیں میری ضرورت تھی مگر میں نے اپنی انا کی دیوار کو اپنے اور تمہارے درمیان حائل کر رکھا اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو زندہ رہ کر بھی قبر میں اتر جاتا۔“ سرنخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ اس وقت کس اضطراب میں تھا خرم اندازہ کر سکتی تھی۔

”یہ کیسی محبت ہے میری، محبت تو ہر غرض سے پاک ہوتی ہے پھر میں نے خود غرض ہونے کا گناہ کیوں کیا؟ میں کیسے بھول گیا کہ تم میرے لیے کیا ہو؟ مجھے شرم آتی ہے اپنی سنگ دلی پر میں خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ میں اس منہ سے تم سے محبت کا مطالبہ کرتا رہوں جب کہ میں اس لائق بھی نہیں ہوں کہ مجھ پر رحم کیا جائے۔ تم نے میرے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ میرے لیے تم ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں آگئیں۔ میری ذات کو مکمل کیا۔ میرے دل کو آسودہ کیا۔ اپنا سب کچھ اپنی نیندیں تک مجھے دان کر دیں اور میں نے بدلے میں کیا دیا تمہیں۔ آج تم نے مجھے وہ ایک خوشی بھی دے دی جو میرے لیے اس دنیا سے بھی بڑھ کر قیمتی ہے مگر میں خوش نہیں ہو پا رہا۔ میرا ضمیر مجھ پر ہنس رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے ہر چیز مجھ پر کسطن کر رہی ہے۔ میرا مذاق اڑا رہی ہے اور میں.....“ یکدم وہ خاموش ہو گیا تھا جب خرم نے اس کے گریبان پر سر لٹایا تھا۔

”میں نے اس لیے تمہیں اتنا کچھ بولنے دیا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ کوئی بات بوجھ بن کر تمہارے دل میں نہ رہ جائے۔ تمہیں اب یہ بات سمجھنی چاہیے کہ تم ایک انسان ہو۔ غصے کا اظہار کرنا گناہ نہیں ہے اور جس طرح سے تم نے کیا وہ تو بالکل نہیں۔ میں جانتی ہوں اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ میری طبیعت خراب ہو رہی ہے تو تم فوراً اپنا غصہ بھول جاتے جس طرح اس وقت بھول گئے ہو۔ انسان غصے میں بہت کچھ کر جاتا ہے جیسے کہ میں حد سے بڑھ جاتی ہوں مگر تم نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا کہ خود کو ملامت کرو۔“ نرم لہجے میں خرم نے بولتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”مجھے واقعی تم سے کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ میں تم سے شرمندہ ہوں کہ میں نے یہ کیسے یقین کر لیا تھا کہ تم نے میرے لیے کوئی اسٹینڈ نہیں لیا ہو گا۔ میں بھی تو یہ بھول گئی تھی کہ تم نے ہر بار میرے خلاف کھلنے والی

زبانوں کو بند کیا ہے تو اگر تم غصے یا ناراضی میں کچھ وقت کے لیے مجھے بھول گئے تو یہ کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے۔“

”یہ قابل گرفت بات ہے خرم! میں سانس لینا بھول سکتا ہوں مگر تمہیں نہیں، میں لعنت بھیجتا ہوں اپنے غصے پر اور خود پر.....“

”کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم بے معنی تکنیکوں کو بھول کر اس بارے میں بات کریں جو اس وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔“ اپنا ہاتھ اس کے چہرے کے گرد رکھتی وہ اس کے اضطراب کو معدوم کر گئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ اس کی پیشانی پر دسکتے ماہ نیم کی ٹھنڈک آنکھوں میں اتار رہا تھا اور پھر اس کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

”تم خوش ہو؟“ جھپٹنے انداز میں وہ پوچھ رہی تھی۔

”میری نسل تم سے آگے بڑھ رہی ہے اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کوئی اعزاز میرے لیے اہم نہیں ہے۔“

دارفتہ نگاہوں سے عارضے نے اس کے دہکتے رخساروں اور جھکتی چٹکوں کو دیکھا تھا۔

☆.....☆

صدیوں سے پیاسے جلتے ہوئے نق دق صحرائیں جیسے اب رہمت برس جائے۔ جیسے خزاں رسیدہ شاخوں پر نرم ہری کوئلیں پھوٹ پڑیں، جیسے اجایک برگ بار کا موسم اجڑے گلشن پر مہربان ہو جائے اور زمین پر رہ کر آسمان کی وسعتیں ہاتھوں میں سمٹ آئیں۔ ان تمام احساسات کے ساتھ اسے اپنا آپ ہواؤں میں اڑنا محسوس ہو رہا تھا۔ شدت سے یہ حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ وہ زندہ ہے۔ واقعی زندہ ہے۔ پہلی بار اسے اپنی زندگی شرمندگی کی دلدل میں پھنسی پھوٹی دکھائی نہیں دی تھی۔ ہاں اگر دل میں شرمندگی تھی تو صرف اس لیے کہ وہ اپنی زندگی کے اتنے سال اللہ سے شکایتیں کرتے کفر بولنے گزارتی آئی تھی مگر پھر بھی اللہ نے اسے اتنا نوازا کہ اس کا دامن تنگ پڑ رہا تھا۔ وہ کتنی نادان تھی خود اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی ورنہ اللہ نے تو ہمیشہ اسے اپنے رحم و کرم کے سائے تلے رکھا۔ اسے اس دنیا میں خاص بنائے رکھا۔ ساری زندگی بھی اگر وہ جدے میں گرے گزارتی تو بھی اپنے رب کا شکر ادا نہ کر سکتی اور نہ ہی شکر ادا کرنے کے لیے یہ جدے کافی ہوتے۔ دور آسمان کے کنارے سے مدھم سنہری کرشمیں ابھرتیں آہستہ آہستہ جلوہ گر ہو رہی تھیں۔ ہر سمت سونا ہی سونا بکھرنے لگا تھا۔ پرندوں کی خوش البہانی چہچہائیں سننے ہوئے اسے اپنا آپ قدرت کے انتہائی قریب محسوس ہو رہا تھا۔ کثافت سے پاک خشک ہوا کے جھونکوں میں گہری سانسیں بھرتی وہ ٹیڑس پر ہی کرسی پر آنکھیں بند کیے اس حسین صبح کا استقبال کر رہی تھی۔ تب ہی مہکتی ہوا کی سرسراہٹوں کے درمیان ایک سریلی آواز اس کی سماعتوں سے مگرانی آنکھیں کھولنے پر مجبور کر گئی تھی۔ خوشگوار حیرت سے اس کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔ ٹیڑس کی باؤنڈری پر ایک چھوٹا سا ساہی بھی بیٹھا تھا۔ اس کی سریلی کوک سے دل جھوم اٹھا تھا۔ اتنی دلنشین کوک کہ خود اس کی دھڑکنیں بھی کوکے لگی تھیں۔ ساکت بیٹھی وہ اس کوئل کو کئے لگی تھی جو کُن کی اپنی زندگی سے بھرپور سریلی کوک کا جادو دور دور تک پکیرنے میں۔ خرم نے لبوں پر مسکراہٹ رکھاں ہوئی تھی۔ اڑان بھرنے تک وہ کوئل اس کی روح تک کو سرشار کر گئی تھی۔ اس کے اڑنے ہی خرم سرعت سے باؤنڈری کے قریب آئی تھی۔ کوئل دور سبزے میں کہیں اوجھل ہو گئی مگر سرخراں گیز کوک بہت قریب سے ہی اسے سنائی دے رہی تھی اور یہ کوک اس کے دل سے نکل رہی تھی۔ اس کی دھڑکنیں چہچہائیں تھیں اور اس کا چہرہ خالص اور کچی



مسکراہٹوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ دور ٹریک پر نظر جاتے ہی اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔ ٹریک پر دوڑتے مٹان نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا جو بالکل مسکراتے ہوئے اس نے بھی ہاتھ بلایا تھا۔ کچھ دیر تک وہ ٹریک کی جانب دیکھتی رہی تھی اور پھر اپنے کیوتروں کے دانے پانی کی فگر میں جھلا ہوتی باؤٹری سے دور ہٹ گئی تھی۔

”آ نکھیں کھولو، سلیپنگ بوٹی صبح ہو گئی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے عارش کے چہرے سے کھیل بنایا تھا۔ کھلے کھلے تڑنا زہ چہرے نے ساری کسٹندی دور کر دی تھی۔ سو وہ فوراً ہی اٹھ گیا تھا۔

”تم بیڈ سے کیوں اٹھ گئی ہو؟ آرام سے لیٹ جاؤ۔ آج میں تمہاری خدمت کروں گا۔ تم کوئی کام نہیں کرو گی۔“ خرمن کا ہاتھ تھا مگر اس نے سامنے بٹھایا۔

”آج تم مجھے کوئی کام نہیں کرنے دو گے مگر کیا ہو گا؟ کل سے تمہیں مفس جانا ہے۔“ وہ مسکرائی تھی۔

”تم اپنے ایکٹیوٹ کی ٹیکس میری فگر میں بھول گئے۔ یہ بتاؤ اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟“ خرمن کی تشویش پر وہ کچھ بولا نہیں تھا مگر اپنے منہ سے بال سنوارتے ہوئے وہ مسکرایا ضرور تھا۔

”زیادہ مسکرا کر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ جو پوچھا ہے اس کا جواب دو ورنہ میں کل بھی تمہیں آفس نہیں جانے دوں گی۔“

”ایسا غضب مت کرنا۔“ وہ فوراً بولا تھا۔

”بس میرے سر میں کچھ تکلیف باقی ہے وہ بھی کچھ دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔ صبح پوچھو تو میرے لیے اب کوئی تکلیف، تکلیف نہیں رہی۔ میں خود کو پہلے سے زیادہ تندرست محسوس کر رہا ہوں۔“ اس کے پرسکون لہجے پر وہ مسکرائی تھی۔

”مگر مجھے اب اگر فکر ہے تو صرف تمہاری میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو مگر کے کتنے کام تمہیں کرنے پڑتے ہیں، تم اگر راضی ہو جاؤ تو میں ایک ملازمہ افورڈ کر سکتا ہوں۔“ عارش کی بات سننے ہوئے وہ جو دوپٹہ چہرے کے گرد ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کے آخری جملے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

”میں صرف تمہاری سہولت کے لیے یہ کہہ رہا ہوں۔“ اس کی حتمی نظروں پر عارش کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

”اب اتنی بھی بھری سہولت کی پرواہ نہ کرو۔ بہت شکریہ اس ہمدردی کا مگر مجھے اپنے گھر میں کسی ملازمہ کا فائدہ نہیں رہتا۔“ حتمی لہجے میں بولتی وہ اٹھ گئی تھی۔

”ٹھیک ہے مگر کم از کم آج تو میری تسلی کے لیے آرام کرو۔ کچن میں تو بالکل مت جانا۔ میں گزارے لائق ناشتہ تو بنایا سکتا ہوں۔“

”عارش! مجھے بھوک لگی ہے اور تمہارا تیار کیا ہوا ناشتہ دیکھ کر مجھے اپنی بھوک ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کرنی، ویسے فکر مت کرو پیلا ہم دونوں کے لیے ناشتہ تیار کر کے لانے والی ہے۔“ خرمن کی اطلاع نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

”زبردست یعنی آج مزید ار ناشتہ ملنے والا ہے۔ میں رات کا کھانا بھی پیلا سے بنوانے کی فرمائش کرنے والا ہوں۔“

”ہاں بالکل، ویسے میں نے تو کبھی تمہارے لیے مزید ار ناشتہ نہیں بنایا اور نہ ہی تمہاری فرمائشی ڈش

بنائی ہے۔“ وہ رک کر ناگواری سے بولی تھی۔

”در اصل میں یہ چاہتا ہوں کہ تم آج بالکل کچن میں نہ جاؤ۔“

”یہ وجہ عثمان کو بتانا، اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی ہزاروں باتیں سنواؤ گے۔ اس سے کہاں برداشت ہوگا کہ اس کی جیتی ہمارے لیے کچن میں ہلکان ہو۔ ابھی ناشتہ لے کر آنے پر ہی وہ احسان جتا دے گا۔“ حتمی نظروں سے اسے دیکھتی وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

کال نیل کی گونج پر وہ اسی توقع کے ساتھ گیٹ کی جانب گئی تھی کہ پیلا کی آمد ہو گئی ہے مگر ایک کے مسکراتے چہرے نے اسے حیران کر دیا تھا۔

”اگر آپ ابھی بھی مجھ سے ناراض ہیں تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں مگر میں عارش سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔“ اس کی التجا پر خرمن نے مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

”میں کیوں تمہیں عارش سے ملنے سے روکوں گی۔ تم اپنی غلطی پر شرمندہ ہو اور تمہیں معاف کرنے کے لیے پلس پوائنٹ یہ ہے کہ تم ہارون کے بھائی ہو۔“ خرمن بولتے ہوئے کچن کی سمت بڑھی تھی وہ بھی اس کی تقلید میں تھا۔

”تم بیٹھو، عارش ابھی ہاتھ لینے گیا ہے۔ تھوڑا انتظار کرو اور پہلے یہ بتاؤ ناشتہ عارش کے ساتھ کرو گے یا ابھی تیار کروں تمہارے لیے؟“ خرمن کے اس غیر متوقع اخلاق نے ایک کو حیرت زدہ کیا تھا۔

”میں تو سمجھا تھا آپ مجھے گھر میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گی۔ عارش سے بھی ملنے نہیں دیں گی۔“

”اب میں اتنی بری بھی نہیں ہوں۔“ خرمن مسکرائی تھی۔

”مگر میں تو یہی سمجھا تھا۔“ روانی سے بولتا وہ یکدم رکا تھا جب کہ خرمن اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”لیکن اب مجھے پتہ چل گیا کہ آپ بہت اچھی ہیں۔“ ایک نے فوراً بات بدلی تھی۔

”آپ یہ بتائیں کہ میں آپ کو کیا لگا ہوں؟“

”یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟“ خرمن کو ہنسی آئی تھی۔

”وہ اس لیے کہ اگر آپ مجھے ناپسند کریں گی تو عارش کو مجبوراً مجھ سے دوستی ختم کرنی پڑے گی۔“

”میں کیوں ناپسند کروں گی تمہیں۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تم عارش کے دوست ہو، عارش کے دوستوں کو میں بالکل نہیں جانتی، وہ کے دوست بننا رہا ہے یہ اس کا معاملہ ہے میری پسند یا ناپسند کا کیا سوال۔“ خرمن حیران ہو کر بولی تھی۔

”لیکن میری بات دوسری ہے۔ میں عارش کے باقی فریڈ ز کی طرح نہیں ہوں۔“

”اچھا! وہ کیسے؟“ خرمن نے دلچسپی سے اس کے کان میں چمکتی بات کو دیکھا تھا۔

”وہ ایسے کہ عارش کو میرے گھر میں سب جانتے ہیں۔ پسند کرتے ہیں ان کی عزت کرتے ہیں۔ میں بھی تو یہی چاہوں گا کہ عارش کے گھر میں مجھے بھی عزت ملے۔“ اس کے مسکراتے لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی



**MOVEETA®**  
The Touch of Softness

Quality Tissue No More An Issue

نفاست اور سہولت مووےٹا شوشکی بدولت

VIRGIN PLUS سے تیار کردہ پاکستان کا واحد پرنٹڈ شاپ  
ایکسٹرا لمبا، ایکسٹرا لطیف صحت، ایکسٹرا سہولت!  
جذب کرتے آسانی سے صاف کرتے روانی سے

Super Soft

لداہ سہولت ... زیادہ نفاست

Perfumed Scent

دلآویز خوشبو سے مزین اور خوشبو

Super Soft Roll  
& Kitchen Roll

سہولت سے بھی ... سہولت بھی

”اب آپ اس وقت مجھے بالکل اپنی ماما جیسی لگ رہی ہیں۔ انہوں نے بھی مجھے اسی طرح ٹوٹا تھا اور میں نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ دوستی میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا۔ عزت تو دل میں ہوتی ہے۔ ویسے بھی میرے ایک بھائی ہیں اور وہ میرے لیے کافی ہیں۔“ وہ مسکرایا تھا۔  
”چلو جیسی تمہاری مرضی۔“ خرمن نے کہا تھا۔ ”ویسے تمہاری ماما نے تمہارا جواب سن کر یہ نہیں کہا ہو گا۔“

”ظاہر ہے، انہوں نے تو مجھے برا بھلا ہی کہنا ہے۔ ان کے نزدیک بھائی سے اچھا کوئی نہیں ہے۔“  
”جھپٹیں ہوتے ہو ہارون سے؟“ وہ مسکرائی تھی۔  
”کبھی کبھی۔“ اس کے جواب پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی جب کہ ایک نے بغور اسے دیکھا تھا۔ سفید اور گلابی استرجاع کے دوپٹے میں قید اس کے چہرے نے ایک پل کے لیے ایک کو کچھ عجیب سے احساس سے دوچار کیا تھا۔

”کیا ہوا؟“ اس کی خاموش نظروں پر وہ حیران ہوئی تھی۔  
”کچھ نہیں، آپ بتائیں۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔ کل عارش نے مجھے فون پر آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ ماما بھی آپ کو پوچھ رہی تھیں۔“ وہ بولا تھا۔  
”ان سے کہنا میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔“

”آپ عارش کے ساتھ میرے گھر کب آئیں گی؟ ماما نے عارش سے بھی کہا تھا کہ آپ کو گھر لائیں وہ آپ کو بہت پسند کرتی ہیں آپ سے مل کر تو اور زیادہ خوش ہو جائیں گی۔“  
”میں ضرور آؤں گی ان سے ملنے مگر ہارون سے کہنا کہ میں ان سے بہت ناراض ہوں۔ کل میرا ریڈیو پر پروگرام تھا مگر طبیعت کی وجہ سے میں ریڈیو نہ جا سکی اور ہارون نے مجھے کال تک نہیں کی۔“ خرمن کو شکایت یاد آئی تھی۔

”میں ضرور ان کو یہ بتاؤں گا مگر وہ تو مجھ پر بگڑ رہے تھے کہ میری وجہ سے عارش کو تکلیف پہنچی اور آپ بھائی سے ناراض ہو گئیں۔“

”ان سے کہنا کہ میں صرف اس بات پر ناراض ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک کال بھی نہیں کی۔ عارش کی خیریت معلوم کرنے کے بہانے سے ہی رابطہ کر لیتے۔“

”عارش سے تو روز ہی ان کی بات ہوتی ہے مگر میں ان تک آپ کی شکایت پہنچاؤں گا ضرور۔“  
”یہ بتاؤ تم عارش سے کہاں ٹکرا گئے تھے؟“ خرمن نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ جس پر ایک اسے اپنی عارش سے ریڈیو اسٹیشن والی پہلی ملاقات کے بارے میں بتانے لگا تھا۔ البتہ عارش سے سیل فون ہتھینے اور اٹھانے والی بات وہ ہضم کر گیا تھا۔ ابھی یہ بات جاری تھی کہ عارش کی آمد ہو گئی تھی۔ عارش کے لیے ایک کی موجودگی حیران کن ہی تھی مگر خرمن اس وقت حیران ہوئی تھی جب ایک عارش کو دیکھتے ہی فوراً اٹھ کر اس طرح گر جوشی سے اس سے گلے ملا تھا جیسے صدیوں بعد عارش سے وہ مل رہا ہو۔

(باقی آئندہ ماہ)